انیس
کے مرثیے
جلد اوّل
صالحہ عابد حسین

انیس کے مرثیے

جلد اوّل

مرتبہ

صالحہ عابد حسین

ترقی اُردو بیورو نئی دہلی

ANEES KE MARSIAY I

Edited By

Saliha Abid Hussain

سنہ اشاعت: پہلا ایڈیشن: 1977 شک 1898 تعداد 2000

دوسرا ایڈیشن: 1990 شک 1911 تعداد 3000

قیمت: 36/-

سلسلۂ مطبوعات: 38

ناشر: ڈائرکٹر ترقی اردو بیورو، ویسٹ بلاک 8 آر. کے. پورم نئی دہلی 110066

طابع: سپر پرنٹرز، ساؤتھ انارکلی، دہلی۔

پیش لفظ

ہندوستان میں اردو زبان و ادب کی ترقی و ترویج کے لیے ترقی اردو بیورو (بورڈ) قائم کیا گیا۔ اردو کے لیے کام کرنے والا یہ ملک کا سب سے بڑا ادارہ ہے جو دو دہائیوں سے مسلسل مختلف جہات میں اپنے خاص خاص منصوبوں کے ذریعہ سرگرم عمل ہے۔ اس ادارہ سے مختلف جدید اور مشرقی علوم پر مشتمل کتابیں خاصی تعداد میں سماجی ترقی، معاشی حصول، عصری تعلیمی اور معاشرہ کی دوسری ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے شائع کی گئی ہیں جن میں اردو کے کئی ادبی شاہکار، بنیادی متن، قلمی اور مطبوعہ کتابوں کی وضاحتی فہرستیں تکنیکی اور سائنسی علوم کی کتابیں، جغرافیہ، تاریخ، سماجیات، سیاسیات، تجارت، زراعت، لسانیات، قانون، طب اور علوم کے کئی دوسرے شعبوں سے متعلق کتابیں شامل ہیں۔ بیورو کے اشاعتی پروگرام کے تحت شائع ہونے والی کتابوں کی افادیت اور اہمیت کا اندازہ اس سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ مختصر عرصہ میں بعض کتابوں کے دوسرے تیسرے ایڈیشن شائع کرنے کی ضرورت پڑتی ہے۔ ترقی اردو بیورو نے اپنے منصوبوں میں کتابوں کی اشاعت کو خاص اہمیت دی ہے۔ کیونکہ کتابیں علم کا سرچشمہ رہی ہیں اور بغیر علم کے انسانی تہذیب کے ارتقاء کی تاریخ مکمل نہیں تصور کی جاتی۔ جدید معاشرے میں کتابوں کی اہمیت مُسلّم ہے۔ بیورو کے اشاعتی منصوبہ میں اردو انسائیکلوپیڈیا، ذولسانی اور اردو۔ اردو لغات بھی شامل ہیں۔

ہمارے قارئین کا خیال ہے کہ بیورو کی کتابوں کا معیار اعلا پائے کا ہوتا ہے اور وہ ان کی ضرورتوں کو کامیابی کے ساتھ پورا کررہی ہیں۔ قارئین کی سہولتوں کا مزید خیال کرتے ہوئے کتابوں کی قیمت بہت کم رکھی جاتی ہے تاکہ کتاب زیادہ سے زیادہ ہاتھوں تک پہنچے اور وہ اس بیش بہا علمی خزانہ سے زیادہ سے زیادہ مستفید اور مستفیض ہوسکیں۔

یہ کتاب بھی بیورو کے اشاعتی پروگرام کی ایک کڑی ہے۔ امید ہے کہ آپ کے علمی ادبی ذوق کے تسکین کا باعث بنے گی اور آپ کی ضرورت کو پورا کرے گی۔

ڈاکٹر فہمیدہ بیگم
ڈائرکٹر ترقی اردو بیورو

فہرست

حرفِ آغاز

زندہ قوموں کی یہ روایت ہے کہ وہ اپنے گذشتہ اربابِ کمال کو فراموش نہیں کرتیں اوران کی یاد کو مناسب طریقوں سے تازہ کرتی رہتی ہیں۔ بڑی خوشی کی بات ہے کہ ہماری قوم کی اس جماعت نے جس کی زبان اردو ہے، انیس صدی، یعنی اردو مرثیہ گویوں کے سرتاج میرانیس کی صدسالہ برسی بڑے اہتمام سے مناکر اپنے زندہ ہونے کا ثبوت دیا ہے۔ میرانیس اردو کے چوٹی کے شعرا میں شمار ہوتے ہیں۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے فرمایا ہے کہ انیس کے مرثیے اور غالب کی غزلیں عالمی ادب کو اردو کی دین ہیں۔ میرانیس نے اپنے مرثیوں کے ذریعے اردو شاعری کو سوز و گداز و اخلاقی بلندی کی دولت عطا کی۔ انھوں نے مرثیے کو اتنی وسعت دی کہ وہ جذبات نگاری، منظرکشی، رزمیہ، ڈراما سبھی کا گلدستہ اور فکر و فن کا ایک جلوۂ صدرنگ بن گیا۔

میرانیس کا انتقال ۲۹ شوال ۱۲۹۱ھ مطابق دسمبر ۱۸۷۴ء کو لکھنؤ میں ہوا تھا۔ جنوری ۱۹۷۱ء میں مرکزی انیس صدی کمیٹی کا قیام عمل میں آیا اور اس کا مقصد تھا کہ میرانیس جیسے عظیم شاعر کی وفات کی صدی ان کے شایانِ شان منائی جائے۔

کمیٹی کے پیشِ نظر حسبِ ذیل کام تھے:

۱۔ انیس کے کل مرثیوں کے نئے اڈیشن شائع کرنا (ان کے مرثیوں کے متعدد مجموعے مختلف اوقات میں شائع ہو چکے ہیں۔ لیکن نہ تو یہ مجموعے ان کے پورے کلام پر حاوی ہیں نہ ان میں سے بیشتر میں متن کی صحت کے جدید ترین علمی تقاضوں کو مدنظر رکھا گیا ہے اسی لیے انیس کے کلام کو سارے قلمی نسخوں اور مطبوعہ نسخوں سے مقابلے کے بعد جدید

اصولوں کے مطابق مرتب کر کے ممتاز انیس شناس ادیبوں کے مقدموں کے ساتھ شائع کرنے کی تجویز ہے)

۲ ۔ منتخب مراثی کو مع مقدمہ اور ضروری تشریحات دیوناگری رسم الخط میں شائع کرنا ۔

۳ ۔ میر انیس کے غیر مطبوعہ کلام کو جس کے بارے میں یہ خیال ہے کہ مختلف کتب خانوں یا گھرانوں میں محفوظ چلا آرہا ہے، حاصل کرنا اور کامل تحقیق کے بعد شائع کرنا ۔

۴ ۔ دہلی اور دیگر شہروں میں انیس، ان کے کلام اور عہد کے متعلق سیمینار اور سمپوزیم منعقد کرنا اور آل انڈیا ریڈیو اور ٹیلی ویژن سے انیس کے متعلق تقریریں اور لیکچر نشر کرانا ۔

۵ ۔ محکمۂ ڈاک و تار سے انیس صدی یادگاری ٹکٹ جاری کرانا ۔

۶ ۔ مزارِ انیس کی مرمت اور درستی ۔

۷ ۔ انیس کے مکان کو (جو بہت خستہ حالت میں ہے اور جس کا کافی حصہ منہدم ہو چکا ہے) خرید کر اس کی مرمت کرانا اور منہدم حصے کو نئے سرے سے تعمیر کرانا ۔

مندرجہ بالا امور میں سے مرکزی انیس صدی کمیٹی اب تک حسبِ ذیل کام انجام دے چکی ہے ۔

انیس صدی تقریبات کا آغاز ایک سیمینار سے ۲۲ / اپریل ۱۹۷۵ء کو صدرِ جمہوریۂ ہند عالی جناب فخر الدین علی احمد کے مبارک ہاتھوں سے ایوانِ غالب نئی دہلی میں ہوا۔ اور جناب پروفیسر نور الحسن وزیرِ تعلیم حکومتِ ہند نے اس کی صدارت فرمائی ۔ اس دو دن کے سیمینار میں ہندستان کے ممتاز ادیبوں اور ناقدوں نے میر انیس کے کلام اور ان کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی ۔ ۷ / مارچ ۱۹۷۶ء کو انیس صدی کمیٹی نے ہند و پاک انیس صدی سمپوزیم کا غالب اکیڈمی میں انعقاد کیا۔ سمپوزیم کا افتتاح پروفیسر نور الحسن صاحب نے فرمایا۔ پروفیسر نور الحسن کے ہاتھوں انیس صدی سلسلے کی پہلی مطبوعہ کتاب "مہاکوی انیس" مرتبہ بیگم صالحہ عابد حسین کی رسمِ اجرا عمل میں آئی جسے بھارتیہ گیان پیٹھ نے دیوناگری میں شائع کیا ہے ۔ یہ دونوں علمی اجتماع پروفیسر گوپی چند نارنگ کے زیرِ اہتمام شعبۂ اردو، جامعہ ملیہ اسلامیہ کے اشتراک و تعاون سے نہایت وسیع پیمانے پر منعقد ہوئے ۔ ہند و پاک سمپوزیم میں جناب رشید الدین سابق ڈائرکٹر جنرل ریڈیو پاکستان نے شرکت کی اور اپنی تقریر میں انیس کو خراجِ تحسین پیش کیا ۔ ڈاکٹر

وزیر آغا اور جناب انتظار حسین جو پاکستان سے مدعو کیے گئے تھے ، بوجوہ نہ آسکے مگر انھوں نے اپنے مقالے بھجوا دیے تھے جو پڑھے گئے۔ سمپوزیم کے دو اجلاس ہوئے جن میں ملک کے متعدد ممتاز ادیبوں اور نقادوں نے مقالے پڑھے ۔ یہ تمام مقالے کتابی صورت میں شائع کیے جائیں گے ۔ جنھیں پروفیسر گوپی چند نارنگ مرتب کر رہے ہیں۔ کمیٹی اس زمانے میں مختلف طریقوں سے برابر سرگرم کار رہی اور میر انیس کے فکر و فن کی بلندی سے ملک کو روشناس کرنے کی کوشش کرتی رہی ہے ۔

حکومتِ ہند کے محکمۂ ڈاک و تار نے انیس صدی یادگاری ٹکٹ جاری کیا۔ آل انڈیا ریڈیو اور ٹیلی ویژن نے انیس کے بارے میں مختلف پروگرام پیش کیے۔ ظاہر ہے کہ کمیٹی کا سب سے اہم کام انیس کے کلام کی اشاعت ہے جس کے لیے ہمیں حکومتِ ہند اور ترقیِ اردو بورڈ کا تعاون حاصل ہے۔ اس سلسلے کی پہلی دو کتابیں مراثیِ انیس کا نمائندہ انتخاب ہیں۔ اس انتخاب کی پہلی جلد "انیس کے مرثیے" بیگم صالحہ عابد حسین نے مع دیباچہ، مقدمہ اور فرہنگ مرتب کی ہے اور دوسری جلد کا کام جاری ہے۔ انیس کے غیر مطبوعہ مراثی کو شائع کرنے کے لیے نظام ٹرسٹ نے پچاس ہزار روپے کا گرانقدر عطیہ دیا ہے۔ یہ کام جناب نائب حسین نقوی نے شروع کیا تھا اور اب جناب شہاب سرمدی اسے انجام دے رہے ہیں۔ انیس کے سلاموں اور رباعیوں کے مجموعے جناب علی جواد زیدی نے پُرمغز مقدموں کے ساتھ تیار کیے ہیں۔ انیس صدی کمیٹی نے طے کیا تھا کہ انیس کی حیات اور شخصیت پر بھی ایک کتاب لکھوائی جائے۔ اس کے لیے پروفیسر مسعود حسین رضوی ادیب مرحوم سے درخواست کی گئی تھی۔ مرحوم انیسیات کے ممتاز ترین ماہر اور دراصل انیس صدی تحریک کے روحِ رواں تھے ۔ افسوس کہ وہ حیاتِ انیس لکھنے کا کام انجام نہ دے سکے ۔ اب اس کی ذمہ داری ڈاکٹر خلیق انجم نے لی ہے ۔ میر انیس کے مزار اور مکان کے سلسلے میں لکھنؤ کی انیس صدی کمیٹی نے کافی پیش رفت کی ہے ۔ اگر کچھ کام باقی رہ گیا اور مرکزی کمیٹی کے وسائل نے اجازت دی تو وہ اس کی طرف بھی توجہ کرے گی ۔

آخر میں مجھے ان تمام کرم فرماؤں اور اداروں کا شکریہ ادا کرنا ہے جن کی امداد ، رہنمائی اور مشوروں سے ہمارا کام آگے بڑھ سکا ۔ عالی جناب فخر الدین علی احمد ، صدرِ جمہوریۂ ہند کے افتتاحی ارشادات سے انیس صدی کمیٹی کی تقریبات شروع ہوئیں ۔ پروفیسر نور الحسن وزیرِ تعلیم حکومتِ ہند نے ہماری ہر طرح مدد اور ہمت افزائی کی ۔ جناب نواب علی یاور جنگ گورنر مہاراشٹر نے ہمارے

کام میں گہری دلچسپی لی۔ ہز ہولی نس ڈاکٹر سیدنا محمد برہان الدین اور جناب مصطفیٰ رشید شروانی کی بروقت مالی امداد سے ہم اپنا کام شروع کر سکے۔ ترقی اردو بورڈ اور اس کے چیرمین ڈاکٹر عبدالعلیم مرحوم کے حد درجہ شکر گزار ہیں کہ انھوں نے ہماری کمیٹی کی تیار کرائی ہوئی انیس یادگاری کتابوں کی طباعت اور اشاعت کی ذمہ داری لے کر ہمارا کام بہت ہلکا کر دیا۔ حکومت ہند اور محکمۂ ڈاک وتار اور آل انڈیا ریڈیو، ٹیلی ویژن کی معاونت اور اشتراک کا بھی میں دل سے اعتراف کرتا ہوں۔ بھارتیہ گیان پیٹھ کا بھی میں مشکور ہوں جنھوں نے ہماری سب سے پہلی کتاب دیوناگری میں شائع کی۔

آخر میں اپنے تمام ساتھیوں خصوصاً جناب مالک رام، ڈاکٹر سید عابد حسین، جناب علی جواد زیدی، بیگم صالحہ عابد حسین، پروفیسر گوپی چند نارنگ، ڈاکٹر صدیق الرحمٰن قدوائی اور ڈاکٹر خلیق انجم کی خدمت میں پرخلوص شکریہ پیش کرتا ہوں، اور بھارتیہ گیان پیٹھ اور شعبۂ اردو جامعہ ملیہ اسلامیہ کا شکر گزار ہوں کہ ان سب کے تعاون و اشتراک کے بغیر یہ اہم اور مشکل کام انجام نہ پا سکتے تھے۔

بشیر حسین زیدی

(کرنل سید بشیر حسین زیدی)

صدر مرکزی انیس صدی کمیٹی

مرکزی یادگارِ انیس صدی کمیٹی نے، میر انیس کی صد سالہ برسی کے موقع پر ان کے کلام کے بڑے حصے کی اشاعت کا جو ارادہ کیا ہے وہ بڑا مستحسن ہے۔ اس سلسلے میں انیس کے مطبوعہ مراثی کا ایک نیا انتخاب، مرکزی انیس صدی کمیٹی اور ترقیِ اردو بورڈ کے اشتراک سے، دو جلدوں میں شائع کرنے کا فیصلہ بھی کیا گیا۔ اور یہ کام میرے سپرد کیا گیا۔ کام بہت بڑا اور مشکل تھا۔ میں نے اس وقت بھی معذرت کی اور اب بھی اس کا اعتراف کرتی ہوں کہ انیس کے کلام کے انتخاب کا پورا حق ادا کرنا میرے بس کی بات نہ تھی۔ اس کے لیے مجھ سے بہتر ادیب و نقاد مل سکتے تھے۔ لیکن کمیٹی کے اراکین کے اصرار کے سامنے مجھے سپر ڈالنی پڑی۔ شاید میرے نام قرعہ فال نکلنے کی ایک وجہ یہ ہو کہ میں جس کام کو ہاتھ میں لیتی ہوں، جب تک اسے کر نہ لوں چین نہیں لیتی۔ یہ میری کمزوری ہے۔ اور دوسرے بڑے ادیبوں و نقادوں سے اس کی امید نہ تھی کہ وہ سب کام چھوڑ کر اس میں لگ جائیں گے اور وقت پر یہ کام ہو سکے گا بہرحال گذشتہ آٹھ مہینوں سے، میں، اپنی ساری پریشانیوں اور بیماری وغیرہ کی رکاوٹوں کے باوجود اس کام میں لگی رہی اور خدا خدا کر کے انتخابِ انیس کی پہلی جلد کا کام مکمل ہو گیا۔

میر انیس کے کلام کا انتخاب کس قدر مشکل ہے اس کا احساس اس زمانے میں اور زیادہ ہوا۔ بے شک ان کے کچھ مرثیے، جو غالباً ابتدائی دور کے ہیں، ان کے بہترین مراثی سے کم درجے کے ہیں۔ مگر ان کے اعلیٰ اور بلند پایہ مرثیے بھی اتنے زیادہ ہیں کہ صرف نو سو صفحات میں ان کو سمیٹ دینا دریا کو کوزے میں بند کرنا ہے۔ منتخب کا کوئی کیا انتخاب کرے؟

دوسری مشکل یہ تھی کہ گذشتہ پچیس تیس سال میں میر انیس کا مطبوعہ کلام بہت کم دوبارہ

چھپا ہے اور جو چھپا وہ بھی اکثر اغلاط سے اس قدر پُر کہ اُسے قابلِ اعتنا نہیں سمجھا جا سکتا تھا۔ منشی نول کشور پریس کے مطبوعہ نسخے (جو میرانیس کے مراثی کے سب سے پہلے پبلشر تھے) لائبریریوں میں بھی دستیاب ہونے مشکل تھے۔ یا تو تھے ہی نہیں یا پھر اتنی زدہ حالت میں کہ وہ لوگوں کو پڑھنے کے لیے نہیں دیے جا سکتے۔ خود میرے پاس یوں تو انیس کے مراثی کے بہت سے نسخے تھے مگر قدر دانوں کی بدولت اب بہت کم رہ گئے ہیں۔ پھر بھی نظامی پریس بدایوں کی تینوں جلدیں، دو تین منشی نول کشور پریس کے نسخے موجود تھے مگر وہ بھی کثرت استعمال سے بڑی حد تک زدہ ہو چکے ہیں۔ روحِ انیس، رزم نامہ انیس، وقارِ انیس وغیرہ میرے پاس موجود ہیں مگر یہ بہت ہی مختصر انتخاب ہیں۔ کسی طرح میں نے دگنے تگنے دام دے کر کچھ کتابیں لکھنؤ سے منگائیں۔ منشی نول کشور پریس کی لکھنؤ اور کان پور کی چھپی کچھ جلدیں علی گڑھ کی مولانا آزاد لائبریری سے جناب محمد حسین رضوی کی مہربانی سے مجھے مل گئیں۔ دو جلدیں جامعہ ملیہ کی ذاکر حسین لائبریری سے بھی، انصاری صاحب کی عنایت سے دستیاب ہوئیں۔ جناب نائب حسین نقوی نے بھی اپنے مرتبہ مرثیوں کے انتخاب کی جلدیں دیں جو پاکستان سے شائع ہوئی ہیں۔ اس طرح میں نے کسی نہ کسی طرح مراثی انیس کے متعدد نسخے فراہم کر لیے۔ مگر یہ ایک ہی سنہ اور ایک ہی سلسلے کی جلدیں نہ تھیں۔ کوئی انیسویں صدی کی آخر کی چھپی ہوئی ہے تو کوئی بیسویں صدی کے شروع کی۔ اور یہ ایک افسوسناک حقیقت ہے کہ ان میں بھی بیشتر مراثی اغلاط سے پُر ہیں۔ کچھ کاتبوں کی مہربانی، کچھ مرتبوں کی لاپروائی ہو سکتی ہے (کیا کہہ سکتی ہوں کہ خود میرے اس انتخاب میں کتنی غلطیاں رہ جائیں گی) البتہ نظامی پریس بدایوں کی مطبوعہ تینوں جلدیں بڑی حد تک غلطیوں سے پاک اور مستند سمجھی جا سکتی ہیں۔ روحِ انیس مرتبہ جناب سید مسعود حسین رضوی ادیب سب سے مستند ہے۔ مگر اس میں کل پانچ مرثیے ہیں جن میں سے صرف دو میں نے اس پہلی جلد میں شامل کیے ہیں۔ نظامی پریس بدایوں کی تینوں جلدوں میں انیس کے سب نمایندہ اور بہترین مرثیے نہیں آ سکے ہیں۔ بہرصورت میں نے مرتب کرتے وقت ان سب جلدوں کو پیش نظر رکھا۔ بنیادی نسخہ، جو مرثیے روحِ انیس میں تھے، اس کو بنایا، باقی مرثیوں میں اول تو نظامی پریس بدایوں کی تینوں جلدوں کو بنیاد بنایا گیا ہے۔ اور ایک مرثیہ کے لیے جناب نائب حسین نقوی کی کتاب کو، اور دو ایک کے لیے منشی نول کشور پریس کی مطبوعہ کتابوں کو بنیاد قرار دیا گیا۔ دوسرا نسخہ عام طور پر منشی نول کشور پریس کی مطبوعہ جلدیں قرار دی گئی ہیں۔ اتنا میں جانتی ہوں کہ کتابوں کو ایڈٹ کرتے وقت مقابلے کے لیے

جتنے زیادہ نسخے مل سکیں اتنا ہی اچھا ہے۔ اور مجھے اعتراف ہے کہ جتنے میں چاہتی تھی اتنے نسخے فراہم کرنے میں ناکام رہی۔ یہاں تک کہ ایک ہی اڈیشن کی سب سلسلہ وار کتابیں بھی مجھے نہ مل سکیں۔ ایک بات واضح کر دینا چاہتی ہوں۔ میرے پیشِ نظر کوئی تحقیقی کام کرنا نہ تھا بلکہ میرانیس کے اعلیٰ درجہ کے مرثیوں کا انتخاب کر کے مرتب کرنا تھا۔ اس میں میں نے دو باتوں کا لحاظ رکھا ہے۔ ایک تو میرے پیش نظر اردو کے صاحب ذوق پڑھنے والے، زبان اور ادب سے اچھی واقفیت رکھنے والے حضرات تھے جو کلام انیس کو پڑھ کر سمجھ سکیں۔ اس سے حظ اٹھا سکیں۔ دوسرے طالب علم اور کم استعداد والے حضرات کا بھی خیال رکھا ہے۔ اور اس کے لحاظ سے مختصر سی فرہنگ آخر میں دے دی گئی ہے جس میں مشکل لفظوں، ترکیبوں، تشبیہوں، استعاروں وغیرہ کو واضح کیا ہے اور بعض جگہ پورا مصرع یا شعر کا مطلب سمجھا دیا گیا ہے۔ تحقیقی کام کرنے والوں کی خاطر آخر میں اختلاف نسخ بھی دے دیا گیا ہے۔ اس پہلے مجموعہ میں اٹھارہ مرثیے ہیں۔ ان کی ترتیب میں یہ بات ملحوظ رکھی گئی ہے کہ واقعہ کربلا کے حالات اور واقعات روایت کے مطابق جس ترتیب سے مراثی میں پیش کیے جاتے ہیں اسی طرح سے ہم بھی ترتیب دیں۔ اس مجموعہ کا پہلا مرثیہ ہے ؎

یارب چمنِ نظم کو گلزارِ ارم کر

اس میں دعائیہ اشعار کے بعد امام حسین کی ولادت اور بعد میں شہادت کا تذکرہ کیا گیا ہے دوسرے مرثیہ کا مطلع ہے ؎

جس دم یزید شام میں مسند نشیں ہوا

جس میں یزید کا امام حسین سے بیعت کا مطالبہ امام حسین کا اس سے انکار اور مدینہ چھوڑ کر کوفے کی سمت جانے کے ارادہ کا تذکرہ ہے۔ تیسرا مرثیہ

فرزند پیمبر کا مدینے سے سفر ہے

انیس کے شاہکار مرثیوں میں سے ایک ہے۔ اس میں امام حسین کا عازم سفر ہونا، بیمار بیٹی سے رخصت، اس کی حالت، مدینے سے روانگی، اہل مدینہ اور خود مسافروں کی ذہنی کیفیت اور جذبات کو بڑی خوبی اور فن کاری کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔

اگلے دو مرثیوں،

سبط نبی سے منزلِ مقصد قریب ہے

اور ؎ جب کربلا میں داخلہ شاہِ دیں ہوا

میں امام حسین کے سفر کے اور کربلا میں ورود کے حالات بیان کیے گئے ہیں۔ یہ دونوں مرثیے بھی انیس کے بہترین مراثی میں شمار کیے جاتے ہیں۔ پہلے میں سفر کی کٹھنائیوں کا تذکرہ اور حسینؑ کے ایلچی مسلم بن عقیل کی شہادت کی خبر کا ذکر ہے اور دوسرے میں امام کا کربلا میں داخل ہونا، خیمے نصب کرنا، حضرت عباس کی بہادری اور دشمن کی فوج سے مقابلہ کرنے کا اور آخر میں حضرت عباس کی شہادت کا بیان ہے۔

بخدا فارسِ میدانِ تہوّر تھا حُر

اس مرثیے سے روزِ عاشورہ کے مصائب کی ابتدا ہوتی ہے۔ حُر کا دشمن کی فوج کو چھوڑ کر امام حسین کی طرف آنا، معافی طلب کرنا، اس کا جہاد اور شہادت اس مرثیے میں دکھائی گئی ہے فن کارانہ نقطۂ نظر سے یہ انیس کا بڑا بلند پایہ مرثیہ شمار ہوتا ہے۔ اس میں ڈرامائی عناصر، مکالمہ نگاری اور جذبات اور سیرت کشی کا کمال پورے عروج پر نظر آتا ہے۔ حُر کے حال کا دوسرا مرثیہ ؎

طے کر چکا جو منزلِ شب کاروانِ صبح

بھی انیس کے نہایت عمدہ مرثیوں میں شمار ہوتا ہے۔ خاص طور پر اس کا چہرہ جس میں صبحِ شہادت کا تذکرہ ہے۔

کیا فوج حسینی کے جوانانِ حسین تھے

اس مرثیہ میں امام حسین کی بہادروں کی چھوٹی سی جماعت کا مختصر مگر بڑا جامع تعارف کرایا گیا ہے اور ان کی شہادت کا تذکرہ اگرچہ ایک ایک دو دو بندوں بلکہ بعض جگہ ایک دو مصرعوں میں کیا گیا ہے مگر اس قدر پُر اثر ہے کہ بیان نہیں ہو سکتا۔ آخر میں امام حسین کے بوڑھے دوست اور رفیق حبیب ابن مظاہر کے جہاد اور شہادت پر ختم کیا گیا ہے!

اب امام حسین کے عزیزوں کی شہادت کا بیان شروع ہوتا ہے ؎

جب زلف کو کھولے ہوئے لیلائے شب آئی

اور ؎ جب حُر کو ملا خلعتِ پُر خونِ شہادت

میر انیس کے نہایت بلند پایہ اور پُر اثر مرثیے ہیں۔ پہلے میں شب عاشور کی سیاہی اور ہولناکی، صبح عاشور حسینی علم کے نکلنے اور حضرت عباس کو علم بردار چُنے جانے کا تذکرہ، عون اور محمد حضرت زینب

کے بیٹوں پر اس کا ردِ عمل اور اس کا شکوہ کہ ماموں نے ہمیں علم بردار نہیں چُنا حالانکہ ہم علیؑ اور جعفرؑ کے ورثہ دار ہیں۔ ماں کی تنبیہ، بچوں کی پشیمانی، پھر بچوں کی رخصتِ جہاد، بہادری سے جنگ کرنا اور شہادت پانا، ماں کا حوصلہ اور ممتا کی تڑپ کا بے مثال امتزاج اس خوبی اور تاثر کے ساتھ دکھایا گیا ہے جس کا جواب ملنا محال ہے۔ دوسرے مرثیے میں بھی عون اور محمد کی جرأت، بہادری، جاں نثاری و وفاداری، حضرت زینب کی بھائی سے الفت، بچوں کو قربان کرنے کا جذبہ ان کی شہادت، ماں کا صبر اور پھر بچوں کی جدائی کی تڑپ اسی خوبی سے دکھائی گئی ہے۔

اگلے دو مرثیے قاسم بن حسنؑ کے حال کے ہیں ؎

جب حضرتِ زینب کے پسر مرگئے دونوں

اور ؎

پھولا شفق سے چرخ پہ جب لالہ زارِ صبح

ان دونوں میں قاسم کی، اپنی والدہ، نئی بیاہی دلہن سے رخصت، چچا سے اجازت، بے مثال بہادری سے جہاد کرنا اور شہادت پانا دکھایا گیا ہے۔ اوّل الذکر مرثیہ میں اگر بے تکلف روزمرّہ اور سیرت و شخصیت نگاری کا کمال ہے تو دوسرے میں فن کاری اور حُسنِ بیان اور حُسنِ ادا کا جادو ہے۔

اس کے بعد کے تین مرثیے ؎

آمد ہے کربلا کے نیستاں میں شیر کی

اور ؎

جاتا ہے شیر بیشۂ حیدر فرات پر

اور ؎

جب آبِ رواں بند ہوا فوجِ خدا پر

حضرت عبّاس کے حال کے ہیں۔ ان کی بے مثل شجاعت اور بہادری، وفا اور جاں نثاری، بھائی اور اس کے بچوں سے بے پناہ الفت، بچوں کے لیے پانی لانے کی جد و جہد میں شہادت پانا اور پیارے بھائی کی جدائی سے ــــــ امام حسین، حضرت زینب اور ان کی وفا شعار بیوی کا جو حال ہوا ــــــ اس کی مرقع کشی جس طرح کی گئی ہے وہ داد سے بے نیاز ہے۔ میرانیس نے حضرت عبّاس کے حال کے کتنے ہی مرثیے لکھے ہیں اور ان میں زیادہ تر ان کے بہترین مرثیوں میں شمار ہوتے ہیں۔

آخر کے تین مرثیے امام حسین کے کڑیل جوان بیٹے علی اکبر سے متعلق ہیں ؎

جب بادبانِ کشتیِ شاہِ اُمم گرا

اور ؎

دولت کوئی دنیا میں پسر سے نہیں بہتر

دونوں مرثیے بڑے پُر اثر اور درد بھرے ہیں۔ لیکن آخری مرثیہ ؎

جب غازیانِ فوجِ خدا نام کر گئے

انیس کے ان گنتی کے تین یا چار مرثیوں میں سے ایک ہے جن میں انیس کی شاعری اپنے معراجِ کمال پر پہنچ چکی ہے اور ان کی مرثیہ نگاری کی ساری خصوصیات اس میں جمع ہو گئیں ہیں۔

جیسا کہ آپ نے ملاحظہ کیا میں نے دو باتوں کا خاص طور پر خیال رکھا ہے۔ اوّل تو یہ کہ واقعہ کربلا کے جتنے اہم کردار ہیں ان سب کے حال کے مرثیے ترتیب وار آجائیں تاکہ پڑھنے والے کو واقعات کے سمجھنے میں آسانی ہو۔ اب تک مرثیہ کی ترتیب کا یہی عام دستور رہا ہے اور میں بھی اسی کو ترجیح دیتی ہوں۔ دوسری کوشش یہ کی گئی ہے کہ جہاں تک ممکن ہو انیس کے بہترین اور نمائندہ مرثیے انتخاب میں آجائیں (دوسری جلد میں زیادہ تر مرثیے امام حسین کی شہادت سے اور امام کی شہادت کے بعد کے واقعات سے متعلق ہوں گے جن کا تذکرہ ہم دوسری جلد کے مختصر دیباچہ میں کریں گے) اُن میں دو ایک مرثیے واقعات کے بیان کی تسلسل کی خاطر ایسے بھی دینے پڑے جو ذرا دبتے ہوئے ہیں۔ ویسے یہ میں جانتی ہوں کہ پسند کا معاملہ بڑا پیچیدہ اور نازک ہوتا ہے۔ ایک چیز جو مجھے بہترین معلوم ہوتی ہے ہو سکتا ہو کہ دوسروں کو نہ معلوم ہو۔ بہرحال میں نے اس کی کوشش ضرور کی ہے کہ وہ سب مرثیے ان دونوں مجموعوں میں آجائیں جن میں انیس کے کلام کی اہم خصوصیات موجود ہوں اور جو ان کا نمائندہ کلام کہا جا سکے۔

میر انیس کے مراثی کی پہلی جلد، اعلیٰ درجہ کی کتابت اور طباعت سے آراستہ پیراستہ ہو کر صاحبانِ ذوق کی نذر ہے ــــ خدا کرے وہ قبولِ عام کی سند حاصل کرے۔

مقدّمہ

(۱) مراثی کا پس منظر ــــ کربلا کا المیہ

میر انیس کے کلام کو سمجھنے کے لیے مرثیہ کے پس منظر سے واقف ہونا ضروری ہے کہ جب تک ان واقعات کا کم سے ہلکا سا خاکہ ذہن میں نہ ہو جن کو مرثیہ نگاروں نے اپنا موضوعِ سخن بنایا ہے مرثیہ کی خوبیوں اور خامیوں کو پرکھنا اور سمجھنا ممکن نہیں۔ اب سے تیس پینتیس برس پہلے تک اردو پڑھنے اور جاننے والوں میں ایسے لوگوں کی بہت بڑی تعداد موجود تھی جو واقعاتِ کربلا سے کسی نہ کسی حد تک واقفیت رکھتے تھے اور مرثیہ سے لطف اٹھا سکتے تھے۔ لیکن گذشتہ پچیس تیس سال میں اُردو پر جو وقت گزرا اس کی وجہ سے مرثیے وہ بھی انیس کے مرثیے سمجھنے والے بہت کم رہ گئے۔ پھر اس کی امید کیسے کی جاتی کہ مرثیہ ــــ وہ بھی انیسؔ کا مرثیہ ــــ سمجھنے والے مل جائیں گے؟ مگر خدا کا شکر ہے کہ نا امیدی کے بادل اب چھٹ رہے ہیں۔ اردو کے ساتھ کی گئی نا انصافیوں کا ازالہ کیا جا رہا ہے۔ اردو کے بڑے شاعروں اور ادیبوں کے بے مثال کارناموں کی طرف بھی توجہ دی جا رہی ہے۔ ان کا نام سامنے آ رہا ہے۔ میر انیس کے مراثی کی اشاعت بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی سمجھنی چاہیے۔

مرثیہ کے لغوی معنی اس نظم کے ہیں جو کسی مرنے والے کی یاد میں کہی جائے۔ اردو میں واقعاتِ کربلا سے متعلق مرثیوں کے علاوہ اور بھی مرثیے کہے گئے ہیں جن میں سب سے مشہور اور پُر اثر مرثیہ مولانا حالیؔ کا مرثیۂ غالب ہے۔ ڈاکٹر اقبال نے "والدہ مرحومہ کی یاد میں" جو نظم

کہی ہے وہ بھی اردو کے بہت عمدہ مرثیوں میں شمار کی جاسکتی ہے۔ لیکن جب ہم صرف لفظ "مرثیہ" بولتے ہیں تو ذہن فوراً شہادتِ امام حسین اور واقعاتِ کربلا سے متعلق کہی گئی نظموں کی طرف منتقل ہوجاتا ہے اور اب اردو میں مجرّد لفظ "مرثیہ" اسی معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

یہاں ہم واقعۂ کربلا کا مختصر سا تذکرہ، تاریخ کربلا کی روشنی میں پیش کریں گے جو تاریخِ انسانی میں ایک منفرد مقام رکھتا ہے۔

واقعۂ کربلا کے ہیرو امام حسین پیغمبرِ اسلام محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے چھوٹے نواسے اور اسلام کے ہیرو علی مرتضیٰ کے بیٹے تھے، علی جنھوں نے اسلام کی بقا اور اشاعت کے لیے زندگی بھر دکھ اور کٹھنائیاں جھیلیں اور دشمنوں سے مقابلہ کرکے فتح کے جھنڈے گاڑے۔

پیغمبرِ اسلام کے ظہور کے وقت دنیا میں عموماً اور ملکِ عرب میں خاص طور پر جہل و کفر کا اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ عرب لوگ تہذیب و تمدّن سے دور، جہالت اور ظلم، گمراہی اور خون خرابے کی دنیا میں مگن تھے۔ مگر ان ہی میں ایک قبیلہ بنو ہاشم کا تھا جو دیانت دار، شریف النفس، سخی اور حق پرست تھا۔ خانۂ کعبہ کی تولیت بھی اسی کے سپرد تھی۔ محمد مصطفیٰ اس قبیلے کے سردار عبدالمطلب کے پوتے تھے۔ ان کے والد حضرت عبداللہ کا انتقال ان کی ولادت سے چند ماہ پیشتر ہوگیا تھا اور دادا نے اس دُرِ یتیم کو پالا پوسا تھا۔ جب آٹھ سال کی عمر میں وہ بھی فوت ہوگئے تو ان کے چچا ابو طالب نے بھتیجے کو اپنے سایۂ عاطفت میں لے لیا۔ (علیؑ انھیں کے چھوٹے بیٹے تھے)۔ چالیس سال کی عمر میں حضرت محمدؐ خدا کی طرف سے نبی مبعوث کیے گئے۔ اس کے بعد آپ کو خود عرب لوگوں کے ہاتھوں اور بعد میں یہودیوں وغیرہ سے بھی، سخت تکلیفیں پہنچیں۔ ایک خدا کی عبادت کی دعوت دینے والے کے ساتھ تھوڑے لوگ تھے اور ساری دنیا ان حق پرستوں کی مخالفت پر تلی ہوئی تھی۔ لیکن جیسا کہ ہمیشہ سے تاریخ انسانی میں ہوتا آیا ہے بالآخر حق فتح مند ہوا اور باطل کو جھکنا پڑا۔ آں حضرت نے سب مصائب جھیلے مگر پیامِ حق پہنچانے سے مُنہ نہیں موڑا جب تک ساری عرب دنیا اسلام کے سامنے جھک نہیں گئی۔ انھوں نے ایک وحشی قوم کو دنیا کی مہذّب، شریف اور امن پسند قوم میں بدل دیا۔ یہ بجائے خود آں حضرت کا ایک معجزہ کہا جاسکتا ہے۔

حضرت محمدؐ کی مخالفت میں سب سے پیش پیش عرب کا ایک قبیلہ بنو امیہ کا تھا۔ کئی

پشت اوپر جاکر ان کا نسب بنو ہاشم سے مل جاتا تھا۔ مگر چونکہ بنو ہاشم کی عرب میں عزت و احترام تھا اور خانۂ کعبہ کے متولی ان ہی میں سے چُنے جاتے تھے جو بڑے شرف کی بات تھی۔ اس لیے خاص طور پر بنو امیہ کو بنو ہاشم سے حسد تھا۔ اور آں حضرت کی دشمنی اور مخالفت میں یہ قبیلہ مسلسل لگا رہا۔ لیکن جب حضرت محمدؐ کو خون کا ایک قطرہ بہائے بغیر فتح مکّہ حاصل ہوگئی اور ساری دنیائے عرب مسلمان ہو چکی تو بنو امیہ نے بھی اسلام قبول کر لیا۔ مگر اس کے چند افراد کو چھوڑ کر وہ مصلحتاً مسلمان ہوئے تھے اور بنو ہاشم سے حسد اور دشمنی کے جذبات دل میں ویسے ہی موجزن تھے اور قوت و اقتدار کی تمنا چھپی ہوئی موجود تھی۔ آں حضرت نے فتح مکّہ کے وقت عفو و کرم کی وہ مثال پیش کی جس سے دنیا کے فاتحوں کی تاریخ خالی ہے یعنی اپنے سب مخالفوں اور دشمنوں کو دل سے معاف کر دیا۔ بنو امیہ بھی انھیں میں تھے۔ اور اس طرح یہ ظاہری مسلمان بھی آپ کے حلقہ میں شامل ہو گئے۔

آں حضرت کی زندگی میں اور ان کی وفات کے ایک عرصہ بعد تک یہ دشمنی کھُل کر سامنے نہیں آئی۔ پہلے دو خلفا کے زمانے میں بھی بنو امیہ بظاہر دبے رہے لیکن اندر ہی اندر ان کی ریشہ دوانیاں جاری تھیں۔ تیسری خلافت کے دور میں ان کا اقتدار شروع ہوا اور حضرت علیؑ کے زمانۂ خلافت میں وہ کھلم کھلا مقابلے پر آ گئے۔ حضرت علیؑ سے خاندانی اور نسلی دشمنی کے علاوہ مخالفت کی اور بھی کئی وجوہ تھیں۔ وہ حضرت محمدؐ کے چہیتے چچازاد بھائی تھے۔ انھیں سے آپ نے اپنی لاڈلی بیٹی سیدہ النساء فاطمۂ زہرا کا عقد کیا تھا۔ ان کے بیٹے حسنؑ اور حسینؑ فرزندِ رسول کہلاتے تھے اور رسول اللہ انھیں بے انتہا چاہتے تھے۔ پھر حضرت علیؑ نے رسول اللہ کے ساتھ دشمنوں سے ہمیشہ نہایت بہادری کے ساتھ جہاد کیا تھا اور جانے کتنے لوگ ان کے ہاتھوں مارے گئے تھے۔ پھر جب حضرت علیؑ خلیفہ ہوئے تو انھوں نے ہر قسم کی وہ مراعات جو لوگوں کو ملی ہوئی تھیں، بند کر دیں۔ وہ خدا اور رسول کے حکم کے مطابق بیت المال کی تقسیم کرتے۔ اپنے عمّال پر انصاف اور مساوات کی تاکید رکھتے۔ جن لوگوں کو گذشتہ زمانے میں بہت سے فائدے اور مراعات حاصل تھیں ان کا مخالف بن جانا کوئی حیرت کی بات نہیں کہ اب نہ اقربا پروری کی گنجایش تھی نہ کسی رُو رعایت کی امید ـــــ حضرت علیؑ نے تو اسلام کی سچی روح اور اصلی تعلیم کے مطابق سیدھی سادی حق، انصاف اور مساوات پر مبنی

حکومت قائم کی تھی ۔ اور کسی حال میں، کسی قیمت پر اس سے روگردانی نہ کرتے تھے ۔ چنانچہ بنوامیہ اور ان کے ساتھی کھلم کھلا حضرت علی کے مقابلے پر آ گئے اور علم بغاوت بلند کر دیا ۔ شام میں امیر معاویہ نے (جو اس وقت بنوامیہ کے بڑے با اثر اور مدبر لیڈر تھے) ایک متوازی حکومت قائم کر لی اور خلیفۂ رسول ہونے کا دعویٰ کیا ۔ وہاں دولت، اقتدار، شاہی شان و شوکت کا جلوہ نظر آتا تھا ۔ شام اور آس پاس کے بہت سے نومسلم لوگ اور علاقے ان کے ساتھی بنا لیے گئے تھے ۔ اس سلسلے میں ان کی اور حضرت علیؑ کی پہلے بات چیت ہوئی، پھر جنگ ہوئی ۔ اور اسلام میں تفرقہ کی بنیاد پڑ گئی ۔ اگرچہ عام مسلمانوں نے حضرت علیؑ ہی کو اپنا پیشوا اور خلیفہ سمجھا مگر ایک طبقہ بہرحال امیر معاویہ کے ساتھ رہا ۔

حضرت علی اپنے عمال یا گورنروں پر بھی کڑی نظر رکھتے تھے اور ان کی بدعنوانیوں کو ذرہ بھر برداشت نہ کرتے تھے ۔ جو شخص اسلام کے حکم سے روگردانی کرتا اُسے معطل بھی کر دیتے تھے ۔ اب ظاہر ہے کہ جو لوگ حضرت علیؑ کی بدولت اقتدار و دولت کھو بیٹھتے وہ بھی امیر معاویہ کے حامی بن جاتے ہوں گے ۔ اس کے علاوہ ایک فرقہ خارجیوں کا بھی تھا جو حضرت علیؑ اور امیر معاویہ دونوں سے بیزار تھا اور چاہتا تھا کہ ان میں سے ایک بھی باقی نہ رہے ۔ ان میں سے ایک شخص ابن ملجم نے مسجدِ کوفہ میں، جب صبح صادق کے وقت حضرت علیؑ سربسجود تھے، ایک زہر آلود تلوار سے ان کے سر پر وار کیا جس سے آپ کا سر دو پارہ ہو گیا اور وہ دو دن بعد رحلت فرما گئے ۔ اب امیر معاویہؓ نے اپنی حکومت اور مضبوط بنالی اور باقاعدہ اپنی خلافت کا اعلان کر دیا ۔ لیکن مکہ، حجاز اور عراق میں بہت سے لوگ ایسے موجود تھے جو رسول اللہ کی جانشینی اور خلیفۂ وقت ہونے کے قابل صرف ان کے جگر گوشہ اور نواسے امام حسنؑ اور امام حسینؑ کو سمجھتے تھے ۔ انھوں نے امام حسنؑ کو اپنا خلیفہ تسلیم کر لیا تھا ۔ مگر حالات نے کچھ ایسی صورت اختیار کر لی کہ اگر امام حسنؑ امیر معاویہ کو بیعت پر مجبور کرنا چاہتے تو جنگ چھڑ جاتی اور خون خرابا برپا ہو جاتا ۔ امیر معاویہ نے امام حسنؑ کے پاس پیام اور قاصد بھیجے اور کچھ شرائط پر صلح کرنی چاہی ۔ ایک شرط یہ تھی کہ اگر وہ اس وقت خلافت سے دست بردار ہو جائیں تو امیر معاویہ کے بعد وہی خلیفہ ہوں گے ۔ اور ان کے بعد امام حسینؑ ۔ غرض صلح نامہ پر دستخط ہو گئے ۔ مگر شرائط پر عمل کرنے کی جگہ اندر خانہ اس کے خلاف کارروائیاں ہوتی رہیں ۔ یہاں تک کہ سنہ ۵۰ھ میں امام حسنؑ کو زہر دے کر شہید کر ڈالا گیا اور ادھر یزید کی خلافت کے لیے

راہ ہموار کی جانے لگی۔

امام حسینؑ خاموشی سے ہوا کا رُخ دیکھ رہے تھے وہ سمجھ رہے تھے کہ اسلام کی کشتی بھنور میں پھنس چکی ہے۔ اس کی روح کچلی جارہی ہے، اس کی سچّی تعلیم کو ختم کیا جارہا ہے اور یزید جیسے نااہل کو رسول اللہ کا جانشین بنایا گیا تو اندیشہ ہے کہ اسلام (معاذ اللہ) مسخ ہوجائے گا۔ امام حسین کو پورا احساس و ادراک تھا کہ اب اسلام کو بچانے کی ساری ذمہ داری ان کی اور صرف ان کی ہے۔۔۔۔ اور وہ اپنے کو اس کڑے امتحان کے لیے تیار، اور وقت کا انتظار کرتے رہے۔ اس لیے جب تک امیر معاویہ زندہ رہے وہ اپنے بھائی امام حسنؑ کے کیے ہوئے معاہدے کے پابند رہے۔

ادھر امیر معاویہ شام میں لوگوں سے اندرخانہ یزید کے لیے بیعت کرنے کا وعدہ لیتے رہے اور جب وہ وفات پاگئے تو یزید نے فوراً اپنے "خلیفۂ رسولؐ" ہونے کا اعلان کردیا۔

اب ذرا اس نازک فرق کو سمجھ لینا چاہیے جو یزید اور اس کے باپ میں تھا۔ امیر معاویہ اسلام کی روح کو نہ سمجھتے ہوں مگر اس کے ظاہری احکام کو مانتے تھے، زبان سے مسلمان ہونے کا اقرار کرتے تھے اور اسلامی تعلیم پر کاربند رہنے کا دعویٰ بھی تھا۔ اس کے برخلاف یزید نہ اسلام کے ظاہری حکموں کو مانتا تھا نہ اسلام کی تعلیمات پر اس کا ایمان تھا۔ وہ کھلّم کھلاّ اسلام کو بُرا کہتا۔ اور اس کا ہر عمل اسلام کے منافی تھا۔ وہ بدکار، فاسق و فاجر، ظالم اور ناانصاف شخص تھا جو عیش و عشرت کا بندہ اور اقتدار کا بھوکا تھا۔ ساتھ ہی اسے بنو ہاشم اور آلِ رسول سے سخت دشمنی تھی۔ اور وہ ہر قیمت پر آلِ رسول کو ستانا اور نیچا دکھانا چاہتا تھا جب کہ اس کے باپ جب بھی موقع ہوتا علیؑ اور اولادِ علیؑ کی فضیلت کا اعتراف کرتے تھے۔ یہی سب وجوہ تھے کہ امام حسنؑ نے باپ کا خلیفہ ہونا قبول کرلیا تھا۔ بیٹے کی خلافت کو کسی طرح برداشت نہ کرسکے۔

یزید جانتا تھا کہ اُسے اور اس کی خلافت کو سب سے بڑا خطرہ رسول کے نواسے حسینؑ سے ہے جن کی شرافت، نجابت، زہد و عبادت، دین داری و حق پرستی اور خلقِ خدا کی خدمت نے عرب لوگوں کے دلوں کو مسخر کر رکھا ہے۔ وہ ان کا احترام اور عزّت لوگوں کے دل سے کھرچ کر پھینک نہیں سکتا تھا مگر اس نے طے کیا کہ حسینؑ کو ختم کردیا جائے تاکہ پھر وہ کھلّم کھلاّ حکومت اور من مانی کرسکے۔

چنانچہ یزید نے حکومت کا اعلان کرتے ہی مدینے کے حاکم کو حکم بھیجا کہ حسینؑ بن علیؑ سے

فوراً میری بیعت لے اور وہ نہ مانیں تو ان کو قتل کر ڈالے۔ مدینۂ رسول میں نواسۂ رسول کو مار ڈالنا کسی حاکم کے بس کی بات نہ تھی۔ اسے بغاوت کا اندیشہ تھا۔ اس نے حسینؑ سے بیعتِ یزید طلب کی۔ حسینؑ نے انکار کیا اور اس نے صورتِ حال سے یزید کو مطلع کر دیا۔

امام حسین نے دیکھا کہ وہ وقت آگیا ہے جب انھیں وقت کی سب سے بڑی طاقت کا مقابلہ کرنا ہے۔ یزید کے پاس شام و عراق کی لاتعداد فوجیں تھیں، دولت تھی، ہتھیار تھے، چالاکی عیاری اور مکاری کے حربے تھے۔ مگر حسینؑ کے پاس صرف ایک طاقت تھی حق کی ـــــ ایک ہتھیار تھا، حق کی راہ میں سب کچھ جھیل لینے کے جذبہ کا ـــــ بعض نافہم یہ سمجھتے ہیں کہ حکومت یا خلافت کے دو دعوے داروں کا مقابلہ تھا ـــــ یہ ہر لحاظ سے غلط ہے۔ یہ برابری کی جنگ نہ تھی۔ دو آدمیوں کی ٹکر نہ تھی۔ برابر کی جنگ ہوتی تو امام حسینؑ ہتھیار فراہم کرتے، فوج جمع کرتے، لوگوں کو اپنی طرف بلانے کی ہر طرح کی کوشش کرتے اور یزید سے مدینہ میں رہ کر مقابلہ کرتے ـــــ مگر یہ تو جنگ تھی حق سے باطل کی ـــــ ایک سچے مسلمان کی منافق سے ـــــ یہ لڑائی تھی انصاف حق گوئی، آزادی کی خاطر ـــــ یہ لڑائی تھی ظلم و ستم سے، کفر و ضلالت سے ـــــ جبر و استحصال کی قوتوں سے ـــــ یہ حسینیت اور یزیدیت کی جنگ تھی۔

امام حسینؑ نے مدینہ سے مکے جانے کا قصد کیا کہ پہلے خانۂ خدا جا کر حج کا فریضہ ادا کریں اور پھر کوفے کی سمت روانہ ہوں جہاں سے لوگ برابر آپ کو بلانے کے خط بھیج رہے تھے جس میں یزید کے عاملوں کے ظلم و ستم کے تذکرے ہوتے تھے اور آپ سے بیعت پر آمادگی کا اظہار ہوتا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ امام حسینؑ کا خیال یہ بھی تھا کہ خود جا کر یزید سے ملیں اور بات چیت کریں۔

آپ نے سفر کا قصد کیا تو آپ کے کچھ دوستوں اور جاں نثاروں نے ساتھ چلنے پر اصرار کیا اور امام حسینؑ کے منع کرنے کے باوجود نہیں مانے۔ اسی طرح خاندان کے تقریباً سبھی افراد جن میں مرد تھے، بچے تھے، بوڑھے تھے، جوان تھے، عورتیں اور لڑکیاں تھیں، ننھے بچے تھے آپ کے ساتھ روانہ ہوئے کہ وہ سمجھتے تھے کہ حق کے راستے میں جان دینے یا قربانیاں دینے کا فرض ان پر بھی اسی طرح آتا ہے جس طرح امام حسینؑ پر۔

غرض سو سوا سو آدمیوں کا یہ قافلہ مکۂ معظمہ روانہ ہوا۔ امام حسینؑ نے اپنے چچازاد بھائی

مسلم بن عقیل کو کوفہ اپنا سفیر بنا کر روانہ کر دیا کہ وہاں کے حالات کا جائزہ لیں۔ حضرت مسلم اپنے دو لڑکوں کے ساتھ کوفہ روانہ ہو گئے۔ جہاں شروع میں ان کا پُر جوش خیر مقدم کیا گیا اور مسلمؑ کے ہاتھ پر لوگوں نے حسینؑ کی بیعت کرنی شروع کر دی۔ مگر کچھ عرصے بعد، جب یزید کا سخت گیر حاکم اور آلِ رسول کا دلی دشمن ابن زیاد کوفہ کا گورنر بنا کر بھیجا گیا، اور اس نے ظلم و سختی شروع کر دی تو کوفی لوگ مسلم سے پھر گئے۔ حاکم نے حضرت مسلم اور ان کے میزبان اور حامی ہانی کو اور بعد میں ان کے معصوم لڑکوں کو بڑی بے دردی کے ساتھ قتل کرا دیا۔ سفیر کا قتل جو دنیا میں ہمیشہ سے ممنوع رہا ہے۔

امام حسین نے اُدھر مکہ معظمہ میں اندازہ لگایا کہ یہاں یزیدی گرگے موجود ہیں جن کا پلان یہ ہے کہ عین حج کے موقع پر چپکے سے امام حسین کو شہید کر دیا جائے اور کسی بے گناہ پر الزام رکھا جائے۔ خانۂ کعبہ کی حرمت کا تو انھیں دھیان ہی کہاں تھا۔ پھر یزید کے لیے راستہ صاف ہو جائے گا اور وہ بے دھڑک حکومت کرے گا اور یزیدی طاقتیں اسلام کو مٹانے اور مسخ کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔

امام حسینؑ نے حج کے بدلے عمرہ کیا اور خاموشی سے مکے سے چلے آئے اور کوفے کی سمت روانہ ہو گئے ــــ کہ انھیں تو دنیا کو ــــ صدیوں بعد تک آنے والے انسانوں کو ــــ یہ بتانا تھا کہ اسلام کیا ہے ــــ اس کی اصلی تعلیم، اس کی روح کیا ہے ــــ سچا مسلمان کیسا ہوتا ہے اور نام کا مسلمان حرص و ہوس میں پھنس کر کس حد تک گر سکتا ہے ــــ اسلام کو تباہ تک کرنے پر تل جاتا ہے۔

امام حسینؑ کو بعض خیر خواہوں نے جن میں ان کے سوتیلے بھائی ابنِ حنفیہ اور حضرت زینب کے شوہر بھی تھے، انھیں روکنے کی بہت کوشش کی۔ وہ دیکھ رہے تھے کہ امام حسینؑ سخت خطرے میں ہیں اور یہاں رہ کر ان کی جان بچائی جا سکتی ہے۔ مگر حسینؑ کے سامنے تو دوسرا ہی مقصد تھا ــــ جان بچانا نہ تھا ــــ شہادت پانا تھا ــــ ان لوگوں نے کہا کم سے کم عورتوں اور بچوں کو ساتھ نہ لے جائیں۔ اس پر ایک طرف حسینؑ کی بہنوں نے احتجاج کیا اور کہا نانا کی امت اور ان کے اسلام کو بچانے اور اس کے لیے قربانیاں دینے کا ہمیں بھی تو حق ہے ــــ دوسری طرف خود امام حسینؑ اس پر تیار نہ ہوئے ــــ کیوں نہیں ہوئے ؟

آنے والے وقت نے اس کو واضح کیا کہ یہی خواتینِ محترم اور معصوم بچے تھے جنھوں نے امام حسینؑ کی شہادت کے بعد ان کے شہادت کے مقصد کو دنیا کے سامنے پیش کیا اور اس خوبی اور بے باکی سے اس کی وضاحت کی اور اس راہ کا ہر ظلم، ہر ذلت، ہر مصیبت اس صبر اور حوصلے کے ساتھ سہار کر ساری دنیائے انسانیت ہل گئی۔

مکّے سے کوفہ کا یہ سفر بڑا ہی کٹھن سفر تھا۔ عرب کی بنجر پہاڑیاں، گرمی کا زمانہ، پانی کی کمی، سایہ ناپید۔ مگر حسینی قافلہ سب کچھ جھیلتا آگے بڑھتا رہا۔ اُدھر کوفے اور اس کے آس پاس یزید کی کرایے کی فوجیں ہزار در ہزار جمع ہو رہی تھیں جن میں سے بیشتر کو یہ بھی معلوم نہ تھا کہ وہ کس کے مقابلے کے لیے جا رہی ہیں۔ بس اتنا جانتے تھے کہ حاکمِ وقت سے کسی نے بغاوت کی ہے اور انھیں اس بغاوت کو کچلنا ہے۔

امام حسینؑ کا سفر جاری تھا۔ وہ کوفے کی سمت بڑھتے جا رہے تھے۔ راستے میں ایک مسافر سے معلوم ہوا کہ اہلِ کوفہ یزید کے ظلم و ستم کے سامنے نہ ٹھیر سکے۔ انھوں نے مسلم کو شہید کر دیا اور امام حسین سے پھر گئے ـــــ اب جو بھی مسافر ملتا اسی قسم کی خبریں پہنچتی۔ اور آگے بڑھے تو یزیدی فوج کے ایک دستے نے، جس کا افسر حُر بن ریاحی تھا، آپ کا راستہ روکا اور کوفے کی سمت جانے میں مانع ہوا۔ امام حسین اپنی طرف سے لڑائی چھیڑنا نہیں چاہتے تھے۔ خاموشی سے راستہ بدل لیا۔ اور یہ دستہ کچھ فاصلے سے پیچھے پیچھے چلتا رہا۔ کچھ دن بعد یہ لوگ بھر کرم حسینؑ کو پیاس سے نیم جاں صحرا میں بھٹکتے ملے۔ جانتے تھے کہ دشمن ہیں، سمجھتے تھے کہ آگے شاید پانی ملے ہی نہیں مگر ان سے یہ ممکن نہ تھا کہ انسانوں کو پیاس سے بے قرار دیکھیں۔ اپنے ذخیرے کا سارا پانی حُر اور اس کی فوج کو سیراب کرنے میں صرف کر دیا۔ اس واقعہ سے حُر بہت متاثر ہوا مگر اپنے فرضِ منصبی سے مجبور تھا اور حسینؑ کے قافلے کو کوفے کی سمت جانے دینے سے معذور۔

ماہِ محرم کی دو یا تین تاریخ تھی کہ حسینی قافلہ نینوا کی بستی کے پاس پہنچ گیا۔ یہی بستی تھی جو آگے چل کر "کرب و بلا" کے نام سے موسوم ہوئی۔ یہاں دریائے فرات کی ایک شاخ بہتی ہے جس کا نام علقمہ تھا۔ امام حسینؑ نے گھوڑا روکا اور وہاں پڑاؤ کرنے کا حکم دے دیا۔ ابھی قافلہ پوری طرح اُترا بھی نہ تھا کہ یزیدی فوج کے کچھ اور دستے پہنچ گئے اور امام حسین کے خیمے نہر کے کنارے نصب کرنے میں مانع ہوئے۔ حسین نے پھر جنگ سے گریز کیا اور کچھ دور صحرا کی تپتی ریت پر اپنا کیمپ

قائم کر لیا۔

۲ر سے ۸ر محرم تک یزیدی فوجیں گروہ در گروہ جمع ہوتی رہیں۔ انھوں نے چاروں طرف سے امام حسین کی مختصر فوج کا گھیرا کر لیا۔ ناکہ بندی کر دی گئی یہاں تک کہ غذا کی رسد ہی نہیں پانی تک ۷ر محرم سے بند کر دیا گیا۔

اس دوران میں بار بار امام حسین (اور ان کے بعض بوڑھے باخدا ساتھیوں نے) دشمن کے سامنے خطبے دیے۔ ان کو راہِ راست پر چلنے کی تلقین کی، بے گناہوں کے خون سے باز رکھنا چاہا۔ یہ پیش کش کی کہ میں یزید کے پاس جانے اور اس سے بات کرنے کو تیار ہوں۔ یہ بھی کہا کہ مجھے عراق عرب سے کسی دور ملک کو چلا جانے دو۔ فرمایا میں ہندوستان یا کسی اور ملک چلا جاؤں گا۔ امام حسین حجت تمام کرنا چاہتے تھے کہ آنے والے زمانے میں یہ نہ کہا جائے کہ حسینؑ نے صلح کی کوشش ہی نہیں کی۔ وہ آخری وقت تک مسلمانوں کو خانہ جنگی سے بچانے کی کوشش کرتے رہے۔ مگر یزیدی فوجوں کو تو یہ حکم تھا کہ یا حسینؑ سے یزید کی بیعت لی جائے یا انھیں قتل کر دیا جائے۔

۹ر محرم کو شمر بن ذالجوشن اس حکم کے ساتھ کربلا میں وارد ہوا کہ اب حسینؑ کو مزید مہلت نہ دی جائے فوراً فیصلہ ہو جانا چاہیے اس وقت امام حسینؑ نے دشمن سے صرف اسی رات کی مہلت طلب کی کیوں کی؟ کیا اس لیے کہ انھیں کہیں سے کمک ملنے کی امید تھی؟ یا اس لیے کہ دشمن کے راہِ راست پر آنے کا کوئی امکان تھا؟ نہیں۔ تاریخ اس کا یہ جواب دیتی ہے کہ یہ مہلت حسینؑ نے مانگی تھی اس لیے کہ زندگی کی یہ آخری رات اور اپنے معبود کی عبادت میں بسر کریں۔ دوسرے وہ اپنے ساتھیوں کو کسوٹی پر کس کر دیکھنا چاہتے تھے کہ کون دل کی پوری آمادگی کے ساتھ حق کی راہ میں جان دینے پر تیار ہے ــــــ کیونکہ اس نادرِ روزگار جنگ میں کسی کچے دل کے آدمی کی گنجائش ہی نہ تھی۔ چنانچہ شبِ عاشور امام حسینؑ نے ایک جامع مانع تقریر کی اور بتایا کہ یزید کا مقصد صرف مجھ سے بیعت لینا اور نہ کروں تو مجھے مار ڈالنا ہے۔ تم لوگوں میں سے جو بھی جانا چاہے گا وہ لوگ اس سے تعرض نہ کریں گے۔ کہا تم سے ہر ایک میرے عزیزوں میں سے بھی ایک ایک کا ہاتھ پکڑ کر لے جا سکتا ہے۔ یہاں تک کہا کہ میں تم پر سے اپنی بیعت اٹھا لیتا ہوں۔ مطلب صاف تھا کہ تم جس کی چاہے بیعت کرو میں مانع نہ ہوں گا۔ واضح رہے کہ یہ بات

آپ راستے بھر لوگوں سے کہتے آئے تھے اور کچھ لوگ آپ کا ساتھ چھوڑ کر چلے بھی گئے تھے۔
تقریر کے بعد آپ نے شمع گل کر دی چہرہ پر رومال ڈال لیا کہ جانے والوں کو شرمندگی نہ ہو۔
مگر اس وقت پھر تاریخِ عالم کا ایک عجیب واقعہ سامنے آتا ہے ـــــ اب ستّر
کے قریب صرف وہ مجاہدِ جاں باز رہ گئے تھے جو حسینؑ کے پسینے پر خون بہانا اپنا شرف
سمجھتے تھے۔ انھوں نے بے قراری اور جوش کے ساتھ آخری دم تک حسینؑ کا ساتھ دینے کا
اقرار کیا اور یہ اقرار صرف زبان سے نہ تھا بلکہ روزِ عاشورہ سچ مچ ان کے خون کے ہر قطرے سے
سچائی کی اور حسینؑ کے محبت کی گواہی لی۔ اور پھر یہ رات حسینؑ نے عبادت میں بسر کی۔ اندر عورتوں
نے اپنے بچوں، بھائیوں، شوہروں کو حق کی راہ میں ثابت قدمی سے جہاد کرنے پر آمادہ کیا اور حسینؑ
کی مختصر سی فوج نے خیموں کی حفاظت کی کہ دشمن شب خوں نہ مارے ـــــ اور اس طرح ـــــ
صبح عاشور طلوع ہوئی اور دشمن کی طرف سے عین نمازِ فجر کے وقت تیروں کی بوچھار سے جنگ کا
اعلان ہوا۔

صحیح تاریخی روایات میں یزیدی فوجوں کی تعداد بیس ہزار سے چالیس ہزار تک بتائی
جاتی ہے اور امام حسینؑ کے ساتھ کل بہتّر افراد تھے جن میں بوڑھے بھی تھے، نوعمر لڑکے بھی تھے
اور ایک دودھ پیتا بچہ بھی۔ عاشورۂ محرم کو یہ لڑائی صبح فجر کے وقت سے شروع ہو کر عصر کے
وقت ختم ہوئی۔ مرثیہ گو شاعرانہ مبالغے سے یزیدی فوجوں کی تعداد "لاکھوں" لکھتے ہیں۔ جو غلط ہے۔
لیکن جب یہ تصور کیجیے کہ ان کی گنتی کل بہتر افراد کے مقابلے میں کتنی کثیر تھی تو "لاکھوں" کا لفظ زیادہ
مبالغہ معلوم نہیں ہوتا۔

امام حسینؑ اور ان کے بعض اور ساتھیوں نے جن میں حبیب ابنِ مظاہر کا نام خاص طور پر
قابلِ ذکر ہے، روزِ عاشور بھی یزیدی فوج کے سامنے جا کر خطبے دیے۔ مگر ان کو راہِ راست پر لانے کی
اصلاح کی ہر کوشش ناکام ہوئی۔ میدان کارزار گرم ہوا۔ کربلا کے بھوکے پیاسے مجاہدوں نے جہاد
پر کمریں کسیں اور جب تک ان میں سے ایک فرد بھی زندہ رہا امام حسینؑ کو قتل سے بچانے کے
لیے سر دھڑ کی بازی لگائے رہا۔ عباس کو لشکر کا علم بردار چنا گیا، اکبر کو سپہ سالار بنایا گیا
یہ دونوں بہادر اپنی شجاعت کے لیے دور دور شہرت رکھتے تھے۔ سب سے پہلے حُر، جو فوج
مخالف سے امام حسینؑ کی طرف چلا آیا تھا، میدانِ جنگ میں گیا اور بہادری سے لڑ کر حسینؑ پر

جان قربان کی۔ پھر حسین کے رفیقوں نے میدان کی رخصت لینی شروع کی۔ ایک کے بعد ایک مجاہد رخصت طلب کرتا، فوج مخالف کے سامنے جاکر عرب کے قدیم دستور کے مطابق رجز پڑھتا یعنی اپنا نام، نسب، اپنے اور اپنے خاندان کے بہادری کے کارنامے بیان کرتا۔ پھر مبارز طلب کرتا۔ کچھ دیر ایک ایک سے دست بدست مقابلہ ہوتا۔ حسینی مجاہد جاں بازی سے، بہادری سے، ہتھیلی پر سر رکھ کر، سر سے کفن باندھ کر آئے تھے، کشتوں کے پشتے لگا دیتے۔ پھر یزیدی فوجیں گھیر کر مجاہد کو شہید کر ڈالتیں۔ امام حسین اپنے بہادر بھائی اور بیٹے کو لے کر جاتے اور شہید کی لاش لے آتے اور خیمے کے قریب لٹا دیتے۔ جب دوستوں کا پرا خالی ہوگیا تو عزیزوں نے دادِ شجاعت دی۔ مسلم کے فرزندوں نے اپنے باپ کے دشمنوں اور قاتلوں سے جنگ کی اور شہادت پائی۔ عباس کے چار بھائیوں نے امام بھائی کی نصرت میں جہاد کیا دشمنوں کو مارا اور جانیں، جان آفریں کے سپرد کر دیں۔ عون اور محمد کو ان کی ماں زینبؑ نے خود ہتھیار سجا کر میدان جنگ میں بھیجا اور ان دونوں ننھے مجاہدوں نے کچھ دیر تک اپنے دادا اور نانا کی سی شجاعت دکھا کر دشمن کی فوج کو حیران کر دیا۔ بعد پھر شہید ہو گئے۔ قاسم بن حسنؑ نے چچا سے، ماں سے اور نئی دلہن سے رخصت لی، یادگار جنگ کی جس میں شام کے مشہور پہلوان ازرق اور اس کے چار بیٹوں کو اپنی تلوار کے گھاٹ اتارا اور آخر فوج یزید کے ہاتھوں جام شہادت پیا۔ عباس جو دیر سے جہاد پر جانے کو بے قرار تھے، آگے بڑھے۔ بھائی نے روکا۔ بہنوں نے دامن تھاما، ننھی پیاسی بھتیجی نے اپنا خشک مشکیزہ تھما دیا اور عباس محبوب محترم بھائی بہنوں سے رخصت ہوئے۔ بے مثال بہادری کے ساتھ دشمن سے مقابلہ کیا، نہر میں گھوڑا ڈالا، سکینہ کی مشک بھری، مگر اپنے لب خشک تر نہیں کیے کہ حسینؑ اور ان کے بچے پیاسے ہیں۔ دریا سے نکلے، فوج یزید نے چاروں طرف سے گھیرا، شیر خدا کے شیر نے بے جگری سے لڑائی لڑی، مشک بچانے کی ہر ممکن کوشش کی مگر ایک اور ہزاروں کا اس مادی دنیا میں کیسے مقابلہ ہو سکتا ہے۔ بازو شانوں سے جدا ہو گئے۔ مشک تیر سے چھد گئی، پانی بہ گیا، عباس زخموں سے چور چور ہو کر دریا کے کنارے گر پڑے۔ حسینؑ دوڑے، بھائی کو عالم نزع میں پایا۔ صبر کی سل دل پر رکھی، زانو پر سر رکھا۔ عباس کی پتلیاں بھائی کی طرف ٹھیری رہ گئیں اور روح پرواز کر گئی۔ اب علی اکبر، فوج حسینی کا اکلوتا سپاہی باقی تھا جو خاندان بھر کا نورِ نظر، حسینؑ کا لختِ جگر

اور ہم صورتِ رسول تھا۔ مگر آج جو حق و باطل کی فیصلہ کن جنگ ہو رہی تھی اس میں خاندانِ رسالت کا ہر گو ہرِ نایاب بھینٹ چڑھ رہا تھا۔ اکبر نے عزیزوں سے رخصت لی، باپ نے سوکھی زبان کے کانٹے دیکھے تو اپنی خشک زبان اس کے دہن میں دے دی۔ اکبر نے کہا بابا آپ کی زبان مجھ سے زیادہ خشک ہے۔ میدانِ جنگ میں گئے۔ بہادری اور بے جگری سے یادگار جنگ کی۔ یہاں تک کہ سنان ابنِ انس کی برچھی کا پھل سینے کے پار ہو گیا اور حسینؑ کا نورِ نظر گھوڑے سے گر پڑا۔ حسینؑ دوڑے، زینب خیمے سے نکل پڑیں، ماں تڑپی مگر بیٹا خدا کو پیارا ہو چکا تھا۔ اب صرف حسینؑ کو اپنا سرِ اقدس راہِ خدا میں کٹانا رہ گیا تھا۔ مگر عین لڑائی کے وقت حسینؑ کو خیمے سے گریہ و ماتم کی صدائیں سنائی دیں۔ گھوڑا پلٹا، خیمے کے در پر آکر پوچھا کیا ماجرا ہے؟ معلوم ہوا ننھا علی اصغر بھوک اور پیاس سے جاں بلب ہے۔ بچے کو ماں کی گود سے لے لیا۔ فوجِ ستم کے سامنے ہاتھوں پر بلند کیا اور چند قطرے پانی کے طالب ہوئے۔ انیس نے اس موقع کا ذکر کرتے ہوئے کیا خوب کہا ہے ؎

حسینؑ اور طلبِ آب اے معاذاللہ
تمام کرتے تھے حجت، سوالِ آب نہ تھا

امام حسین کو یہ دکھانا تھا کہ یزیدی طاقتیں ظلم اور شقاوت کے کس درجہ پر پہنچ چکی تھیں کہ ننھے معصوم بچے تک پر ترس نہ کھایا۔ روایت ہے کہ دشمن کی فوج کے بعض لوگ علی اصغر کی حالت دیکھ کر رونے لگے مگر ابنِ سعد کے حکم سے حُرملہ بن کاہل نے ایک سہ پہلو تیر ایسا تاک کر مارا کہ امام حسینؑ کا بازو توڑتا ہوا علی اصغر کے گلے میں ترازو ہو گیا۔ اور صابر حسینؑ نے اس وقت کہا تو یہ کہا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ رِضًا بِقَضَائِہٖ وَتَسْلِیْمًا لِاَمْرِہٖ۔ تلوار سے ایک ننھی سی قبر کھودی، بچے کو زیرِ خاک چھپایا، میدانِ کارزار میں آئے، آخری بار دشمن کو پھر راہِ ہدایت کی تلقین کی، جو بے اثر رہی، کچھ دیر ایک یادگار و بے مثال جنگ کی۔ ہر طرف سے تیر و تلوار، نیزے اور برچھیوں کے وار ہو رہے تھے۔ دشمن ہی کے راویوں کے بیان کے مطابق امام حسینؑ کے تنِ اطہر پر دو ہزار کے قریب زخم تھے۔ عصر کی اذان کی آواز کان میں آئی، اپنے زخمی جسم کو گھوڑے سے گرا دیا۔ اور مجروح پیشانی بارگاہِ الٰہی میں خاک پر جھکا دی اور اسی حالت میں شمر اور اس کے گیارہ اور ساتھیوں نے مل کر آپ کا سر تن سے جدا کر دیا ——— وہ

سرِ اقدس جس کو ظلم و ستم کی ساری طاقتیں مل کر نہ جھکا سکیں تھیں اب نیزے پر بلند تھا۔ ؎

سر داد نہ داد، دست در دستِ یزید
حقا کہ بنائے لاالہٰ است حسین

امام حسینؑ کی شہادت کے بعد خاندانِ حسین کی عورتوں کا جہاد شروع ہوا۔ یزیدی فوجوں کی دشمنی کی آگ حسینؑ کو شہید کر کے بھی ٹھنڈی نہ ہوئی تھی۔ وہ خیموں میں گھسے، بیبیوں کے سروں سے چادریں چھینیں، یتیم بچوں کو طمانچے مارے، بیمار سید سجاد کو دُرّے مار کر ہوشیار کیا۔ اسباب لوٹا اور خیموں میں آگ لگا دی۔ اگلے دن اپنے کشتوں کو دفن کیا مگر مگر سید سجاد کو شہیدوں کو دفن کرنے کی اجازت نہیں ملی۔ عورتوں اور بچوں کو رسّی سے باندھا، بے کجاوہ اونٹوں پر سوار کیا، اونٹوں کی مہار بیمار سید سجاد کے ہاتھ میں دی گئی، جن کے گلے میں طوق اور پیروں میں بیڑیاں پہنادی گئی تھیں اور ان کو کربلا سے کوفہ، وہاں سے دمشق لے جایا گیا۔ کربلا سے شام تک کا سینکڑوں میل کا یہ فاصلہ اس شان سے اس قافلے نے طے کیا کہ ایک رسّی میں بارہ بارہ بازو بندھے تھے، عابدِ بیمار پا پیادہ تپتی ریت اور کانٹوں پر چل رہے تھے۔ ہر بی بی کے اونٹ کے برابر اس کے سب سے پیارے عزیز کا سر نیزے پہ بلند ساتھ ساتھ جاتا تھا —— لیکن یہ تاریخ کا ایک عجیب واقعہ ہے کہ حسینؑ کے گھرانے کے یہ بے بس مصیبت زدہ پیاروں ہوئی، بے سہارا خواتین، اور لڑکیاں اور بچے تک دشمن سے ڈرے نہیں، ان سے ہار نہیں مانی، بلکہ ہر مقام پر حسینؑ کی بہنیں حضرت زینبؑ اور حضرت ام کلثوم پُراثر اور پُر درد خطبے دیتیں۔ (یہ خطبے تاریخ کربلا میں محفوظ ہیں) یا کبھی سید سجاد خطبے دیتے اور لوگوں کو بتاتے کہ یہ سر حسینؑ کا ہے، یہ عورتیں خاندانِ رسالت کی ہیں حسینؑ کو یزید نے کس ظلم سے سارے خاندان سمیت شہید کر ڈالا ہے —— اور حسینؑ کا "جرم" صرف اتنا تھا کہ وہ فاسق و فاجر یزید کے ہاتھ پر بیعت کرنے پر آمادہ نہیں تھے یعنی اسے رسول کا جانشین نہیں مانتے تھے۔ دربارِ کوفہ اور دربارِ یزید میں حضرت زینبؑ نے وہ معرکتہ الآرا تقریریں کیں کہ دشمنوں کا سر جھک گیا اور وہ بغاوت کے ڈر سے ایک دوسرے پر الزام رکھنے لگے۔ غرض پچپن سالہ بنتِ علیؑ سے لے کر چار سالہ سکینہ تک نہ دشمن سے ڈریں نہ اس کے سامنے جھکیں۔ بلکہ حسینؑ کے مقصد کو دنیا سے روشناس کرانے اور ان کی تعلیم کو پھیلانے کا کام کرتی رہیں

شام میں یزید نے اہلِ بیتِ رسول کو ایک تیرہ و تار شکستہ قید خانے میں بند کر دیا مگر اب دنیائے اسلام پر اس کی حرکتوں کا راز فاش ہو رہا تھا۔ لوگ کھلم کھلا اس کی حرکتوں پر نفرین کرتے اور ملامت کرتے کہ اس نے یہ کیا کیا۔ خود اس کے گھر میں اس کی محبوبہ اور بیوی ہندہ، جو آلِ رسول کی اور امام حسین کی عقیدت مند اور فدائی تھی، سخت برہم تھی، ہر طرف نفرت اور غصہ بڑھ رہا تھا۔ آخر یزید کو مجبور ہو کر اہلِ حرم کو قید سے چھوڑنا پڑا اور یہ لٹا قافلہ سال بھر بعد اس طرح مدینہ پہنچا کہ مائیں خالی گود تھیں، سہاگنیں بیوہ، بہنیں بے بھائیوں کی، بچے یتیم تھے بیدیوں کے بازوؤں پر رسّی کے اور پشت پر کوڑوں کے نشان تھے۔ مدینے میں کہرام مچ گیا اور یزید و یزیدی طاقتوں کے خلاف ہر دل میں غم و غصہ پیدا ہو گیا۔

مگر یہ داستانِ کرب و بلا یہیں پر ختم نہیں ہوئی۔ مقتول و مفتوح حسینؑ کو وہ زبردست فتح حاصل ہوئی کہ آج ساڑھے تیرہ صدیوں بعد تک ان کا نام زندہ، ان کا کارنامہ امر، ان کی شہادت دنیا کا عظیم المیہ اور بے مثال واقعہ مانا جاتا ہے۔ دنیا بھر کے حق پرست حسینؑ کے سامنے سر جھکاتے اور اس کی بارگاہ میں نذرِ عقیدت پیش کرتے ہیں۔ اور یزید کا تو نام ہی گالی کے مرادف ہو گیا ہے۔ مولانا محمد علی جوہر نے کیا خوب کہا ہے ؎

قتلِ حسینؑ اصل میں مرگِ یزید ہے
اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

کربلا کے المیہ کا یہ مختصر اور سادہ خاکہ ہم نے، حتی الامکان تاریخ کی روشنی میں پیش کیا کہ جب آپ مراثیِ انیس کا مطالعہ کریں تو اس کے پس منظر سے واقف ہوں۔ یہی سادہ اور رنگین حقیقی داستان ہے جو صدیوں سے شاعروں، ادیبوں، خطیبوں کا موضوع رہی ہے اور خواص و عوام کے دل کے تاروں کو چھوتی رہی ہے۔

اردو زبان میں بھی اس کی طفولیت کے دور ہی سے کسی نہ کسی شکل میں مرثیہ کہا جاتا رہا پہلے زبانی "ذہے" اور نوحے وغیرہ پڑھے جاتے تھے پھر وہ لکھے بھی جانے لگے۔ دکنی اردو میں شروع ہی سے چو مصرعہ مرثیوں نے جگہ بنالی تھی۔ شمالی ہند میں بھی دو مصرعے، چو مصرعے مرثیے اور نوحے یا سوز و سلام کہے جاتے رہے۔ مگر یہ بینیہ مرثیے کسی بلند ادبی مقام تک نہیں پہنچ سکے۔ لوگ عقیدت و احترام اور درد و غم کے تاثرات کے ساتھ ان کو سنتے اور حسین علیہ السلام کے مصائب

پر آنسو بہا لیتے۔ بعض لوگوں نے ان کا درجہ گرانے کے لئے بگڑا شاعر مرثیہ گو" کی پھبتی بھی کس دی۔

سب سے پہلے میر ضمیر اور میر خلیق نے مرثیہ کی صنفِ سخن کو شاعرانہ بلندی بخشی۔ مرثیہ کے لیے مسدس کی صنف کو اپنایا گیا اور اس کے کینوس کو وسیع کیا۔ صرف بینیہ مضامین کی جگہ۔ اس میں چہرہ، تمہید، رخصت، جنگ، جہاد، شہادت اور آخر میں بین کے مضامین باندھنے کی روایت قائم کی۔ مرثیہ میں شہیدانِ کربلا کی سیرت اور شخصیت کو اجاگر کر کے ان کو ایک طرف ادب کا کردار بنایا تو دوسری طرف پڑھنے اور سننے والوں سے ان کا مفصّل تعارف کرانے کی رسم ڈالی۔ بیانیہ شاعری میں کسی مجاہد کا تعارف ہوتا۔ اس کی سیرت کی خصوصیات بیان کی جاتیں، اس کا عزیزوں سے رخصت ہونا، امام حسین سے اجازت طلب کرنا، میدانِ جنگ میں بہادری سے جہاد کرنا، دشمن سے مقابلہ کرتے ہوئے شہید ہونا دکھایا جاتا۔ یہ دراصل اس نئی صنفِ مرثیہ کی ابتدا تھی جس کو آگے چل کر مرزا دبیر اور میر انیس نے معراجِ کمال پر پہنچایا۔

واقعۂ کربلا کے ذکر میں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مجالس کا تعارف اور واقعۂ کربلا کے اہم کرداروں کا بھی ذکر کر دیا جائے۔

پیمبرِ اسلام کے نواسے امام حسین کی شہادت کی یادگاریں تو سارے عالمِ اسلام میں کسی نہ کسی شکل میں منائی جاتی ہے۔ لیکن ہندوستان میں اس نے شاید اور سب جگہ سے زیادہ منظم اور موثر انداز اختیار کر لیا ہے۔ یوں تو ہندوستان جیسے وسیع ملک میں ہر صوبے اور علاقے میں اپنے اپنے انداز میں یادگارِ حسینی منائی جاتی رہی ہے لیکن شمالی ہند اور حیدرآباد دکن میں اس کا رواج زیادہ ہے۔ اس میں بھی مجلسیں کرنے اور تعزیے علم وغیرہ اٹھانے کی رسم زیادہ مقبول ہے جس میں شیعہ مسلمان تو پیش پیش رہتے ہی ہیں مگر سنّی مسلمان بلکہ بعض جگہ ہندو حضرات بھی یادگار مناتے ہیں۔ یکم محرم سے بارہ محرم تک تقریباً سبھی مسلمان سوگ مناتے ہیں (میرا مطلب ان مسلمانوں سے ہے جو مذہبی عقیدہ بھی رکھتے ہیں)، اس دوران خوشیاں نہیں منائی جاتیں، شادی بیاہ نہیں کیا جاتا۔ یادگار منانے کے مختلف ڈھنگ ہیں۔ علاوہ مجلسیں کرنے کے، پانی اور شربت کی سبیلیں جگہ جگہ رکھی جاتی ہیں۔ سات محرم کو مہندیاں نکالی جاتی ہیں۔ آٹھ محرم کو علم کا جلوس نکلتا ہے۔ ڈلدل (امام حسینؑ کا گھوڑا) کی شبیہہ نکالی جاتی ہے۔ اور دس محرم کو ماتم یا پٹے بازی کے ساتھ (جو ماتمی جنگی باجہ کی یادگار سمجھا جاتا ہے)، تعزیے اٹھائے جاتے ہیں۔

اثنا عشری شیعہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت علی کو پہلا امام مانتا ہے اور ان کے گیارہ جانشینوں کو بھی امام مانتا ہے۔ واقعۂ کربلا کی یاد ایک مخصوص انداز میں مناتا ہے۔ یکم محرم سے لے کر امام حسین کے چہلم تک امام باڑوں اور گھروں میں زنانی اور مردانی مجالسِ عزا برپا ہوتی ہیں۔ علم، ضریح، تعزیے وغیرہ رکھے جاتے ہیں۔ شمعیں روشن کی جاتی ہیں، اگر اور لوبان سلگایا جاتا ہے اور مقررہ وقتوں پر مجلس ہوتی ہے جس میں پہلے سوز خوانی کی جاتی ہے یعنی ایک یا دو بند مرثیہ یا رباعی کے گا کر پڑھے گئے پھر سلام کو لحن کے ساتھ پڑھا اور چھوٹا سا کوئی مرثیہ یا اس کے چند بند کی سوز خوانی کی گئی۔ اس کے بعد یا تحت اللفظ مرثیہ پڑھا جاتا ہے یا حدیث (آج کل ذاکروں اور واعظوں کا رواج بڑھ گیا ہے) پھر ماتم کے ساتھ نوحے پڑھ کر فاتحہ اور سلام پڑھا جاتا ہے۔ مجلس کے بعد لوگ اپنی اپنی حیثیت کے مطابق "حصہ" یعنی کوئی مٹھائی وغیرہ تقسیم کرتے ہیں جس کو تبرک کہا جاتا ہے۔

یہی تحت اللفظ مرثیہ خوانی تھی جس کا رواج مدتوں سے چلا آتا تھا اور جس کی بدولت رفتہ رفتہ مرثیہ نے عروج پایا۔ یہی تحت اللفظ مرثیہ تھا جس نے میر انیس اور مرزا دبیر جیسے شاعروں کو پیدا کیا۔

تحت اللفظ مرثیہ خوانی کے رواج نے میر انیس اور مرزا دبیر کے زمانے میں بہت زیادہ مقبولیت حاصل کر لی تھی۔ ان کو سننے کے لیے ہزاروں کا مجمع اکٹھا ہوتا تھا۔ اور گھنٹوں محویت کے عالم میں ان کو سنتا تھا۔ ایک بات ملحوظ رکھنی چاہیے کہ یہ مرثیہ خاص طور سے اس خاص انداز میں پڑھنے کے لیے لکھے جاتے تھے۔ اس میں شاعرانہ کمالات اور خوبیوں اور بین کے مضامین کے درد و اثر کے علاوہ پڑھنے والے کی شخصیت، اندازِ بیان، رکھ رکھاؤ، لباس، وقار سبھی چیزیں اثر انداز ہوتی تھیں۔ میر انیس اپنے دور کے مرثیہ خوانوں میں بھی ایک ممتاز حیثیت رکھتے تھے۔ ان کی خودداری وضعداری، خوش پوشی، خوش بیانی، مداحِ اہلِ بیت ہونے کا ناز اور ایک حد تک غرور، پڑھنے کا مخصوص و منفرد انداز (جس میں ہاتھوں کی مناسب حرکت اور چشم و ابرو کی جنبش اس میں بڑے معنی اور اثر پیدا کر دیتی تھیں) ان سب نے مل کر ان کے مرثیوں میں کچھ ایسی ڈرامائی کیفیت اور تاثر پیدا کر دیا تھا جو نہ ان سے پہلے کسی مرثیہ خواں کے ہاں تھا نہ ان کے بعد پیدا ہو سکا۔ جب تک لکھنؤ کی شان و شکوہ قائم رہی انھوں نے لکھنؤ سے قدم باہر نہیں نکالا کہ ان کے قدرداں اور سمجھنے والے وہاں سے بڑھ کر کہیں اور ملنا، ان کے خیال میں محال تھا۔ لیکن لکھنؤ کی تباہی کے بعد جب انھیں مجبوراً وطن سے

شہروں میں جانا پڑا جس میں حیدرآباد، پٹنہ وغیرہ شامل ہیں اور انھوں نے وہاں مجلسیں پڑھیں تو ان کو اندازہ ہوا کہ ان کی مقبولیت ہر جگہ ہے اور ان سے پہلے ان کی شہرت پہنچ جاتی تھی اور ہر جگہ ان کی ناز برداری کی جاتی تھی۔ ان کے وقار کا لحاظ رکھا جاتا۔ وہ بڑے نازک مزاج آدمی تھے اور بڑے سے بڑے آدمی بلکہ بادشاہ وقت تک کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔ مگر انیس کی عظمت اور مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ سب کو ان کی شرطیں ماننی پڑتی تھیں۔ کہا جاتا ہے کہ وہاں دس دس پندرہ پندرہ ہزار لوگوں کا مجمع انیس کو سننے کے لیے جمع ہو جاتا تھا۔ تصور کیجیے۔ اس محویت، سکوت اور احترام کا جس کے ساتھ مرثیے سنے جاتے ہوں گے۔ خیال کیجیے انیس کی آواز انداز اور وقار کا کہ اس وقت جب نہ مائک تھا نہ لاوڈ اسپیکر، یہ ہزاروں آدمی انیس کے مرثیہ کا ایک ایک لفظ سنتے اور گھنٹوں سنتے تھے۔

ظاہر ہے آج کے مصروف دور میں مجلسوں میں نہ اتنا طول ہو سکتا ہے نہ اتنا اہتمام اور خرچ کیا جاتا ہے اور نہ کوئی انیس جیسا مرثیہ گو اور مرثیہ خواں موجود ہے جو لوگوں کو مسحور کر لے۔ پھر بھی بہت سے لوگ مجلسیں کرتے ہیں۔ اور بہت سی مجلسوں میں، خاص کر زنانی مجالس میں، انیس اور دبیر کے مرثیے سوز سے بھی پڑھے جاتے ہیں اور تحت اللفظ بھی اور محویت اور تحسین کے ساتھ سنے جاتے ہیں۔

میر انیس کے مراثی نے کئی نسلوں یعنی ان ہزاروں لاکھوں انسانوں پر کتنا اثر ڈالا ہوگا جو ڈیڑھ سو سال سے ان مرثیوں کو سنتے ہیں اور اس میں بیان کی ہوئی دل نشیں تہذیب اور دلکش کرداروں سے متاثر ہوتے رہے ہیں۔ یہ ایک ایسا موضوع ہے جس پر خود ایک تحقیقی مقالہ لکھا جا سکتا ہے

مراثیِ انیس میں جن کرداروں کا بار بار تذکرہ آتا ہے ہم ان کے نام اور (بعض لقب بھی) نیچے درج کر رہے ہیں۔ یوں تو القاب بے شمار ہیں جو زیادہ تر صفات سے متعلق ہوتے ہیں مگر ان میں سے اکثر مرثیہ پڑھتے وقت سمجھ میں آجاتے ہیں کہ کون سا لقب کس کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔ مثلاً حضرت علی کے لیے شیرِ خدا، امام حسین کے لیے مظلوم کربلا، شہنشاہِ دارین، شاہ دین و دنیا، سید سجاد کے لیے بیمار کربلا اور علی اکبر کے لیے شبیہہ رسول یا ہم شکل پیمبر اور حضرت عباس کے لیے سقائے سکینہ، شیر کربلا وغیرہ وغیرہ۔

کربلا کے المیہ اور مراثیِ انیس کے اہم کرداروں کے نام ہم نیچے لکھ رہے ہیں :

امام حسین —— کربلا کے المیہ کے ہیرو

عباس بن علی —— امام حسین کے سوتیلے جاں نثار بھائی

علی اکبر —— امام حسین کے منجھلے صاحبزادے جن کی عمر اٹھارہ برس تھی

سید سجاد یا عابد یا زین العابدین —— چوتھے امام، امام حسین کے بڑے صاحبزادے

علی اصغر —— امام کا چھ ماہ کا بچہ

عون اور محمد —— حضرت زینب کے نو عمر بہادر بیٹے

قاسم —— امام حسن کے بیٹے۔ امام حسین کے بھتیجے اور داماد

حضرت زینب —— امام حسین سے چھوٹی بہن جن کا حصہ واقعۂ کربلا میں امام حسین کے بعد سب سے اہم ہے۔

حضرت اُمِّ کلثوم —— امام حسین کی سب سے چھوٹی بہن جو اپنی بڑی بہن زینب کے ساتھ واقعۂ کربلا میں اہم رول ادا کرتی رہیں۔

شہربانو یا بانو —— امام حسین کی بیوی۔ شاہِ ایران یزدگرد کی پوتی

فاطمہ کبرا۔ فاطمہ صغرا۔ سکینہ —— امام حسین کی صاحبزادیاں

فضہ —— جناب فاطمہ کی کنیز جنھوں نے زینب اور حسینؑ کو پالا بھی تھا اور سب ان کی عزت اور ان سے محبت کرتے تھے۔

ہندہ —— خاندانِ حسین میں پرورش پائی عورت جس کی شادی یزید بن معاویہ سے ہوئی تھی۔

شیریں —— شہربانو کی کنیز جس کو آزاد کرکے عرب کے کسی رئیس سے بیاہ کر دیا تھا۔

حُر بن ریاحی —— یزید کی فوج کا ایک افسر جو امام حسین کی طرف چلا آیا اور ان کی حمایت میں جنگ کی اور شہادت پائی۔

مسلم بن عقیل —— امام حسین کے چچازاد بھائی اور سفیر جن کو کوفے کے حاکم ابنِ زیاد نے سفاکی سے قتل کر ڈالا تھا۔

حبیب ابنِ مظاہر —— امام حسین کے بوڑھے ساتھی، دوست، رفیق جاں نثار، امام حسین

کی نصرت میں جنگ کی اور شہادت پائی۔

دشمن کی فوج کے بعض مشہور افراد

یزید بن معاویہ ——— خلیفۂ وقت بننے کا دعوے دار جس کے حکم سے امام حسین کو شہید کیا گیا۔

عبید اللہ ابن زیاد ——— کوفے کا ظالم حاکم جوان فوجوں کا سردار تھا جو کربلا میں امام حسین سے لڑنے آئی تھیں۔

عمرو بن سعد ——— کربلا میں یزیدی فوجوں کا سردار و سپہ سالار

شمر بن ذالجوشن ——— امام حسین کا سفاک قاتل جس نے آپ کا سرِ اقدس تن سے جدا کر دیا۔

حرملہ بن کاہل ——— اس کے سہ پہلو تیر سے حسین کا ننھا بچہ علی اصغر شہید ہوا۔

سنان ابن انس ——— اس کی برچھی علی اکبر کے سینے میں پیوست ہو گئی تھی جس سے انھوں نے شہادت پائی۔

ازرقِ شامی ——— شام کا مشہور بہادر پہلوان جس سے قاسم بن حسن سے جنگ کی اور قاسم نے اس کو اور اس کے چار بیٹوں کو قتل کر دیا۔

خولی ——— یزیدی فوج کا ایک شقی القلب افسر جس کی تحویل میں امام حسین کا سر دیا گیا تھا۔

خولی کی دو بیویاں ——— ان دونوں نے اپنے شوہر کے پاس سرِ حسین دیکھ کر سخت احتجاج کیا۔ اسے لعنت ملامت کی۔ ایک نے جان دی دوسری جنگل کو نکل گئی۔

کربلا کے عظیم المیہ کے ان اہم کرداروں سے ذرا سا واقف ہونے کے بعد مرثیہ کو سمجھنے میں کافی مدد مل سکتی ہے۔

---

(۲) میر انیس

میر انیس ۱۲۱۶ھ (مطابق ۱۸۰۲ء) میں فیض آباد میں پیدا ہوئے۔ ان کا خاندان شرافت

نجابت، بلند اخلاق اور وضعداری میں شہرت رکھتا تھا۔ اسی کے ساتھ علم و فن میں بھی اس گھرانے کا لوہا مانا جاتا تھا۔ ان کے پردادا میر ضاحک اچھے شاعر تھے جو زیادہ تر اپنی مزاحیہ شاعری کی وجہ سے مشہور ہیں۔ میر انیس کے دادا میر حسن کو کون نہیں جانتا جو مشہور و باکمال شاعر تھے۔ مثنوی سحرالبیان ان کا شاہکار ہے۔ میر ضاحک دلی کی تباہی کے بعد فیض آباد میں جا کر آباد ہو گئے۔ جب نواب آصف الدولہ نے فیض آباد کی جگہ لکھنؤ کو دارالسلطنت قرار دیا تو میر حسن نے بھی لکھنؤ آن بسایا۔ میر حسن کے بڑے بیٹے میر مستحسن خلیق، جو انیس کے والد تھے۔ بلند پایہ کے شاعر اور مرثیہ گو تھے۔ مرثیہ نے اعلیٰ پایہ کی شاعری کی حیثیت سے انھیں کے زمانے میں شہرت پائی۔ انھوں نے مرثیہ میں خوب خوب جدتیں پیدا کیں اور اس کے مضامین کو بڑی وسعت بخشی۔

یوں میر انیس کا آبائی وطن دلی تھا مگر پیدائش فیض آباد کی ہے جہاں پرورش پائی اور پھر پختہ عمر میں فیض آباد سے لکھنؤ آگئے۔ ان کی زبان اور بیان پر دلی لکھنؤ دونوں شہروں کی تہذیبوں کا گہرا اثر اور چھاپ ہے۔ مولانا حالی کا یہ فرمانا ؛

دلی کی زبان کا سہارا تھا انیس — اور لکھنؤ کی آنکھ کا تارا تھا انیس
دلی جڑ تھی تو لکھنؤ اس کی بہار — دونوں کا ہے دعوا ہے کہ ہمارا تھا انیس

محض شاعری نہیں سچی حقیقت بھی ہے۔

خود انیس کو اپنے ورثہ پر ناز تھا۔ انھوں نے اپنے ایک مشہور مرثیہ

نمک خوانِ تکلم ہے فصاحت میری

میں (جو انھوں نے اپنے بیٹے کے لیے لکھا تھا مگر بعد میں یہ ثابت ہو گیا کہ یہ انیس ہی کا مرثیہ ہے) وہ بڑے فخر سے کہتے ہیں ؛

عمر گزری ہے اسی دشت کی سیاحی میں
پانچویں پشت ہے شبیر کی مداحی میں

اور اس "مداحِ اہلِ بیت"، کو انھوں نے سوچ سمجھ کر اپنایا تھا۔ یہاں میں اپنے اس عوے کی ذرا سی تشریح کرنا چاہتی ہوں۔

میں نے "خواتینِ کربلا — کلامِ انیس کے آئینے میں" کے دیباچہ میں لکھا ہے ؛

"اچھے شاعر کے لیے اچھا انسان ہونا ضروری ہے یا نہیں اس بارے میں کوئی کلیہ نہیں بنایا جا سکتا کہ ادب کی تاریخ شاہد ہے کہ ایسے شاعر گذرے جو اونچے اخلاقی اصولوں پر پورے نہیں اُترتے مگر فن کی کسوٹی پر پورے اُترتے ہیں۔ لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ فن کار کے فن میں ایک حد تک اس کی سیرت، شخصیت، اندازِ فکر اور اخلاقی اقدار کا پرتَو ضرور نظر آتا ہے۔ وہ کبھی غیر محسوس طور پر اور کبھی شعوری طور پر اپنے فن پاروں میں اپنی فکر، اور اپنی ذات کو سمو دیتا ہے۔۔۔۔ اور اس یقین کی روشنی میں جب ہم انیس کی سیرت کو پرکھتے ہیں تو وہ ہمیں بہت بلند نظر آتی ہے۔۔۔"

کوئی شک نہیں کہ انیس کو ورثہ میں وہ کچھ ملا جو بہت کم خوش قسمتوں کو نصیب ہوتا ہے اعلیٰ اخلاق، شعری صلاحیتیں، ذہن کی جودت وغیرہ۔ مگر صرف وراثت کسی کو بڑا یا بلند سیرت انسان یا باکمال شاعر نہیں بنا سکتی۔ اس میں تعلیم، تربیت، ذاتی جوہر، قدرتی صلاحیت اور محنت و کاوش کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ خوش بختی سے یہ سب بھی انیس کو ملا۔ انھوں نے اپنے والد میر خلیق کی صحبت اور تربیت سے فیض پایا اور ان کے علاوہ دوسرے بلند پایہ عالموں سے کسبِ علم کیا۔ اپنی والدہ سے جو پڑھی لکھی اور اعلیٰ اخلاق و سیرت کی حامل، بڑی دیندار اور سمجھ دار بی بی تھیں، تربیت کی بے بہا دولت پائی۔ اور پھر اپنی بے مثال ذہانت کی بدولت، جس فن یا علم کو سیکھا، اس میں مہارت حاصل کی۔ جناب سید مسعود حسین رضوی ادیب میر انیس کے بارے میں فرماتے ہیں [1]

"وہ عربی فارسی میں اچھی دست گاہ اور جو جو علم اس زمانے میں رائج تھے ان سے کافی واقفیت رکھتے تھے۔۔۔۔ اپنے زمانے کے دوسرے علومِ رسمی سے بھی واقف تھے۔۔۔۔ ان کے کلام میں عروض، منطق، فلسفہ، طب، رمل وغیرہ کی اصطلاحیں بکثرت موجود ہیں۔۔۔۔۔"

آگے چل کر ان کی فارسی دانی کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

انیس کو فارسی زبان میں بڑی مہارت تھی۔۔۔۔ ان کی فارسی نظم و نثر

---

[1] دیباچہ روحِ انیس۔

کے بعض نمونے اب تک موجود ہیں۔ ۔ ۔ ۔ "

اور پھر بقول مسعود حسین رضوی کے ان میں یہ کمال تھا کہ میر انیس ایک من علم سے سو من علم کا کام لینا جانتے تھے۔ انیس کی کامیابی میں ان کے اس صفت کو بہت بڑا دخل ہے۔ انیس کے مراثی پڑھنے کے بعد یہ حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے کہ انھیں فنِ حرب و ضرب سے بھی اچھی واقفیت تھی۔ رہی زبان اور اظہار خیالات تو ان پر تو ان کو جیسی قدرت تھی اس کی مثال اردو کی چھ سو سالہ تاریخ ادب میں ڈھونڈے نہیں ملے گی۔

لیکن میں کہنا یہ چاہتی تھی کہ علمی قابلیت کے ساتھ ساتھ ان کے کلام میں جو گہرا خلوص جذبہ اور جوش ملتا ہے اس سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ بلند سیرت انسان اور اعلیٰ اخلاقی قدروں کے حامل تھے۔ ان کے معاصرین نے اور بعد کے ناقدین نے بھی لکھا ہے کہ وہ بڑے خود دار، وضعدار، اخلاقی خوبیوں سے مزین انسان تھے۔ وہ بڑے لوگوں کے سامنے جھکتے نہ تھے اور غریبوں سے اکڑتے نہ تھے۔ کہتے ہیں :

خاکساری نے دکھائی رفعتوں پر رفعتیں
اس زمیں سے واہ کیا کیا آسماں پیدا ہوئے

ان کو ہمیشہ خوب سے خوب تر کی تلاش رہتی تھی اور اسی لیے ان کا کلام بتدریج بلند ہوتا گیا۔ ان کے ابتدائی دور کے مرثیے بھی اگرچہ اچھے مرثیوں میں شمار ہوتے ہیں مگر آخری دور کا کلام اس بلندی کو چھوتا نظر آتا ہے جس تک کوئی اور نہ پہنچ سکا۔ ان کا فن برابر ارتقا کے منازل طے کرتا رہا۔ اور اس کا احساس خود ان کو بھی تھا۔

سدا ہے فکرِ ترقی بلند بینوں کو
ہم آسمان سے لائے ہیں ان زمینوں کو

وہ ہر حساس فن کار کی طرح نازک مزاج اور زود حس ضرور تھے مگر یہ نازک دماغی، بددماغی اور غرور اور بداخلاقی سے کوسوں دور تھی۔ وہ دوستوں کے دوست، شاگردوں کے مشفق استاد اور عزیزوں کے ہمدرد و غمگسار تھے۔ قدر دانوں کے شکر گزار ہوتے اور بدذوق ناقدر شناسوں سے گریز کرتے تھے! خوشامد، چاپلوسی، غرض کے لیے جائز اور ناجائز ہر بات کر ڈالنا ان کے مزاج کے بالکل خلاف تھا۔ وقار، خودداری اور وضعداری ان کی صفات کا بڑا جوہر تھی :

اب ایسے انسان کا تصور کیجیے اور اس زمانے کی عام شاعری خصوصاً غزل پر نظر ڈالیے جو اپنی ابتدائی خوبی اور سادگی و پرکاری کھو کر معاملہ بندی اور "کنگھی چوٹی" کی سستی شاعری تک محدود ہو کر رہ گئی تھی ـــــ تو یہ بات صاف ہو جائے گی کہ میر انیس جیسا ذہین اور بے مثل شعری صلاحیتوں کا مالک، غزل کو چھوڑ کر مرثیہ کی طرف کیوں متوجہ ہوا۔ کہا جاتا ہے کہ میر خلیق نے بیٹے کو یہ نصیحت کی تھی۔ لیکن کیا یہ صرف باپ کی نصیحت تھی؟ انیس کی دور اندیش عقل نے یہ پرکھ لیا تھا کہ غزل کی صنف ان کا میدانِ سخن نہیں بن سکتی کہ اس محدود میدان میں ان کے جوہر نہ کھل سکیں گے۔ مرثیہ ہی ایک ایسی صنفِ سخن تھی جس میں انیس نے قصیدے کی شان و شکوہ، غزل کا حسن و درد و اثر، مثنوی کے کمالات و خصوصیات اور مسدس کے اعجازات اور ڈراما کے مکالمے سمو کر اسے نئے روپ میں ڈھالا اور ایک نئی صنفِ مرثیہ کو جنم دیا ـــــ ان کا فن پوری طرح کسی اور صنفِ سخن میں نکھر کر سامنے آ ہی نہیں سکتا تھا۔

چنانچہ میر انیس نے مرثیہ گوئی کو اپنایا۔ یہ وہ میدان ہے جہاں میر و غالب جیسے باکمال سخن ور اپنا عجز مان کر پیچھے ہٹ گئے تھے۔ حق تو یہ ہے کہ امام حسین علیہ السلام جیسے ممدوح کی مداحی میر انیس پر ہی جچتی ہے۔

(۴) کلامِ انیس کی چند اہم خصوصیات

میر انیس نے مرثیہ کی صنف کو معراجِ کمال پر پہنچایا اس کا اعتراف ابتدا ہی سے سب نقاد اور صاحبانِ ذوق کھلے دل سے کرتے آئے ہیں۔ اس سے بھی کسی کو انکار نہیں کہ انھوں نے اردو شاعری کا درجہ بلند کیا اور زبان کا دامن معنوی اور لفظی جواہرات سے مالا مال کیا ہے۔ میر انیس کی شاعرانہ عظمت کا شبلی نے تعارف کرایا، حالی نے اعتراف کیا اور اُس دور کے دوسرے متعدد لوگوں نے ان کے کلام کو سراہا۔ اور پھر آنے والے اس دور میں علاوہ اور لوگوں کے جنھوں نے انیس کے کسی نہ کسی پہلو پر لکھا ہے، جس شخص نے انیس پر سب سے زیادہ تحقیق کی اور ان کے کلام کی شعری اور فنی خوبیوں کو پرکھا اور دنیا کے سامنے پیش کیا وہ سید مسعود حسین رضوی ادیب کی ذات ہے۔ آج کہ ہندوستان میں انیس کی صد سالہ یادگار منائی جا رہی ہے، بہت سے ناقد،

مبصر، دانش ور، شاعر، ادیب انیس پر لکھ رہے ہیں، تقریریں کر رہے ہیں اور ان کے فن اور شاعری کو سراہا جا رہا ہے۔ بحثیں ہو رہی ہیں کسی نے یہ مانا کہ وہ میر و غالب اور اقبال کے درجہ کا شاعر ہے۔ کسی نے کہا بعض لحاظ سے وہ اردو کا سب سے بڑا شاعر ہے۔ مجھے یہاں انیس کا کسی اور شاعر سے مقابلہ یا موازنہ کرنا مقصود نہیں۔ ہر بڑے فنکار کا انداز جدا، میدان جدا ہوتا ہے۔ میں تو یہاں اپنی بساط بھر مراثی انیس کی چند اہم خصوصیات اور ان کے زبان اور بیان کے حسن پر کچھ اظہارِ خیال کرنا چاہتی ہوں۔

میں نے ابھی کہا ہے کہ مختلف ادیب اور نقاد انیس کے کلام کے مختلف پہلوؤں پر لکھ رہے ہیں۔ مثلاً "انیس کے منظر نامے" اور "انیس کی منظر کشی"، "انیس کی اخلاقی شاعری"، "انیس کا فلسفۂ حیات"، "رامائن اور مراثیِ انیس کا مقابلہ"، "انیس کے ہاں عورت کا تصور"، "انیس کے کلام میں ہندوستانی عناصر"، "انیس کی سیرت نگاری"، "انیس کے ہاں ڈرامائی عناصر" وغیرہ وغیرہ ــــــ لیکن انیس کے کلام کی وسعت اور گہرائی کے پیشِ نظر اگر یہ کہا جائے کہ ان میں سے ہر موضوع پر ایک ایک بسوط کتاب لکھی جا سکتی ہے تو غلط نہ ہوگا۔ اور پھر بھی بہت سے موضوع اچھوتے رہ جائیں گے جن پر ابھی بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے اور امید ہے کہ لکھا جائے گا۔

میر انیس کے مراثی کے انتخاب کے اس مختصر سے تبصرہ میں تفصیل سے لکھنے کی تو گنجائش نہیں ہے۔ ہاں اس کی بعض خصوصیات کی طرف صرف اشارے کیے جا سکتے ہیں۔

میں نے اس مقدمے میں انیس کے کلام کے بعض حصوں کو ہاتھ لگانے کی ہمت نہیں کی۔ یعنی انیس کے رزمیہ شاعری جس کے زمرے میں مجاہدوں کی جنگ، فنونِ حرب، تلوار اور گھوڑے کی تعریف وغیرہ وغیرہ آتے ہیں کہ اس موضوع پر مجھ سے کہیں بہتر وہ مبصر لکھ سکتے ہیں جن کو ان فنون سے دلچسپی بھی ہو اور کچھ نہ کچھ واقفیت بھی۔ البتہ اتنا کہنے کی جرأت ضرور کروں گی کہ انیس کے کلام کا یہی وہ حصہ ہے جہاں آمد سے زیادہ آورد نظر آتی ہے۔ اس میں شعری صناعیاں، فنی کمالات، شاعرانہ کرتب بازی، تشبیہوں اور استعاروں کا حد سے زیادہ استعمال، مراعاتِ لفظی کی کثرت، تخیل کی بے پناہ اڑان اور شاعرانہ مبالغے کی انتہا نظر آتی ہے گھوڑے اور تلوار کے ذکر میں زمین اور آسمان کے قلابے ملائے گئے ہیں۔ اور یہی وہ حصہ بھی ہے

جس میں اکثر اس دور کی غزل کا رنگ جھلک اٹھتا ہے۔ بعض جگہ تو یہ محسوس ہوتا ہے کہ شاعر ہیرو کے گھوڑے یا تلوار کا ذکر نہیں کر رہا، اپنے محبوب کا سراپا، یا حُسن کا تذکرہ کر رہا ہے۔ یہ ٹکڑے جو بعض مرثیوں میں نسبتاً مختصر اور بعض میں بہت طویل ہیں انیس کے فن شاعری کے کمالات کو تو ضرور ثابت کرتے ہیں مگر مرثیہ کی اہم خصوصیات یعنی درد و اثر، حقیقت نگاری، اس بے مثال سیرت کشی، جذبات کی مرقع کشی کے سادہ و پُرکار اندازِ بیان کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتے جو انیس کے کلام کی جان ہیں اور جن کی وجہ سے ہم یہ کہتے ہیں کہ انیس کے مقابلے کا شاعر پیدا نہیں ہوا۔ دراصل یہی وہ حصے ہیں جنھوں نے انیس کو انیس بنایا۔ لیکن زمانے کا رنگ اور تقاضا بڑے سے بڑے فن کار کے فن پر اثر انداز ہوتا ہے اور اسے اکثر غیر شعوری اور بعض وقت شعوری طور پر بھی اپنے ماحول کے اثرات کو قبول کرتے ہی بنتا ہے۔ وہ چاہے بھی تو ان سے اپنا دامن بالکل نہیں بچا سکتا۔ یہ نہ ہوتا تو انیس کا جہاد اور جنگ کا بیان مختصر اور حقیقت سے زیادہ قریب ہوتا۔ دراصل دیکھنے کی چیز یہ ہے کہ مراثی کے دوسرے حصے یعنی ان کے کلام کا بہت بڑا حصہ، ان اثرات سے محفوظ رہا اور اس میں انھوں نے تخیل، حقیقت، سادگیِ بیان اور حُسنِ بیان کو اس خوبی سے سمویا کہ ہر واقعہ آنکھوں دیکھا اور سچائی سے قریب محسوس ہوتا ہے۔

اس ضمن میں چند باتیں میر انیس کا طرۂ امتیاز ہیں۔ ایک تو ان کے کلام کا ظاہری حُسن ہے یعنی زبان پر ان کی بے انتہا قدرت اور اس کا باموقع، برمحل استعمال، بیان کے نئے نئے پُر اثر اور دل پذیر اسلوب جنھوں نے ان کے مراثی میں بڑا اثر بڑا حُسن پیدا کیا۔ دوسرے داخلی اور ذہنی کیفیات کی مرقع کشی جس میں جذبات اور احساسات بھی آجاتے ہیں اور اخلاقی قدروں کی بلاواسطہ تعلیم بھی۔ خاندانی رشتوں کا پاس اور آپس کے پُرخلوص اور گہرے تعلقات بھی ملتے ہیں۔ ان میں ایثار و قربانی کے بے نظیر مظاہرے بھی ہیں اور صبر و تسلیم و رضا کے وہ نمونے بھی جو تاریخ انسانی کا قابلِ فخر سرمایہ کہے جا سکتے ہیں۔

انیس کے ہاں عورت کا جو تصور ہے اس میں بھی وہ منفرد ہیں۔ عورت کی سیرت اور اعلیٰ کردار کے نمونے اگرچہ انھوں نے خاندانِ رسالت کی محترم خواتین کے روپ میں دکھائے ہیں لیکن اس سے ان کا عورت کا عام تصور بھی اجاگر ہو جاتا ہے۔

سیرت نگاری ادب میں سب سے مشکل مرحلہ ہے۔ جہاں اعتدال کا دامن ہاتھ سے

چھوٹا، پاتال میں جاگرے۔ شاعری میں یہ کام اور زیادہ کٹھن ہو جاتا ہے۔ اردو میں میر انیس سے پہلے اس کا کوئی قابلِ ذکر نمونہ ہمیں نہیں ملتا۔ بے شک انیس ہی کے دادا میر حسن نے مثنوی "سحر البیان" میں اس کے دو چار کامیاب تجربے کیے تھے۔ مگر کیا مقابلہ ہے ان دو چار کرداروں کا انیس کے سو سے زیادہ کرداروں کی سیرت کشی سے جو انھوں نے اپنے مراثی میں پیش کیے ہیں۔

انیس جس فرد کی سیرت دکھاتے ہیں اس کی شخصیت اور درجہ کا پورا پورا لحاظ رکھتے ہیں۔ اس کی جذباتی کشمکش، نفسیاتی کیفیت، اس کا بات چیت کا انداز، رکھ رکھاؤ ٹھیک ویسا ہی ہوتا ہے جیسا اس جیسے کردار کا ہونا چاہیے اور اس طرح ہر کردار کی انفرادیت نکھر کر سامنے آجاتی ہے۔ وہ کردار امام حسین کا ہو یا حضرت زینب کا، عباس کا ہو یا علی اکبر کا، عون اور محمد کا ہو یا شہر بانو اور زوجۂ عباس کا یا صغرا، سکینہ کا ہر فرد اپنی بات چیت، احساسات اور ذہنی کیفیت سے بغیر نام کے بھی پہچانا جا سکتا ہے۔

یوں تو جیسا ابھی میں نے کہا انیس نے ہر کردار کے ساتھ پورا پورا انصاف کیا ہے۔ مگر بزرگ ہستیوں میں زینبؑ اور حسینؑ جوانوں میں علی اکبر اور عباس اور نو عمروں میں عون اور محمد اور فاطمہ صغرا کی کردار نگاری میں تو قلم توڑ دیا ہے۔ خاص طور پر امام حسین اور حضرت زینب کی کردار نگاری میں جو باریکیاں، جو نازک جذبات، احساسات کی جو شدت اور گہرائی دکھائی ہے اس کا جواب تو خود انیس کی شاعری میں بھی ملنا محال ہے کسی اور کا تو ذکر ہی کیا ہے۔

حضرت زینب کی سیرت میں روحانیت کے ساتھ ساتھ انسانی اور نسوانی جذبات کے مناسب امتزاج نے، جو بڑا نازک کام ہے، اس کردار کو بڑا دلکش اور محبوب بنا دیا ہے۔ یہاں ایک چھوٹی سی مثال نمونے کے طور پر پیش کرتی ہوں۔ امام حسین کے منجھلے بیٹے علی اکبر کو، (یہ بات مرثیہ نگار ہمیشہ لکھتے آئے ہیں) ان کی پھوپھی نے پالا ہے۔ وہ پھوپھی کے بعد لاڈلے ہیں۔ یہاں تک کہ زینب اپنے بیٹوں کو بھی بھتیجے پر قربان کر چکی ہیں۔ علی اکبر خود بھی پھوپھی سے بہت محبت کرتے ہیں اور ان کی چاہت سے بھی پوری طرح آگاہ ہیں۔ اس لیے جب میدانِ جنگ کی رخصت چاہتے تو پھوپھی کے پاس جانے کی ہمت نہیں کرتے۔ حالانکہ امام حسین بیٹے سے پہلے ہی کہہ چکے ہیں:

سب جانتے ہیں جو ہے پھوپھی کو تمھاری چاہ

اور یہ بھی فرما چکے ہیں :

خیمے میں جاکے اس کو رضامند کیجیے

مگر وہ اپنی ماں کے پاس جاکر ان سے اجازت مانگتے ہیں۔ اس کا زینبؑ کو بہت صدمہ ہوتا ہے۔ ان کی اس وقت کی حالت اور ذہنی کیفیت کی انیس نے متعدد مرثیوں میں مرقع کشی کی ہے۔ یہاں صرف ایک بند پیش کروں گی :

"اکبر سے مجھ کو یہ نہ توقع تھی ہے غضب | اتنا نہیں خیال کہ ہے کون جاں بلب
اس گل نے ہائے میری ریاضت بھلائی سب | نام خدا جواں ہوئے کیا ہم سے کام اب

ہیں ماں کے شوق میں رخصت کے دھیان ہیں
سچ ہے کسی کا کون ہوا ہے جہان میں"

ایک اور جگہ گلے شکوے کے دوران یہ بھی کہتی سنائی دیتی ہیں :

"مالک اب اور ہو گئے کوئی ہوئے نہ ہم"

"اس" اور "کی بلاغت قابلِ غور ہے۔

شہیدِ اعظم حسینؑ انیس کے ہیرو ہیں۔ بے حد محترم اور مقدس ہستی، جن کی معصومیت پر وہ ایمان رکھتے ہیں۔ انھیں یقین ہے کہ دنیا کا سب خشک وتر خدا کے حکم سے ان کا تابع ہے مگر وہ اسلام کو تباہی سے بچانے کی خاطر اپنے ان اختیارات کو کام میں نہیں لاتے جو خدا نے انھیں بخشے ہیں اور حق کی شہادت دیتے ہوئے گلا کٹا دیتے ہیں۔ لیکن اس مقدس و محترم ہستی کے کردار میں بھی روحانیت کے ساتھ ساتھ انسانی جذبات اور احساسات اس خوبی کے ساتھ سموئے گئے ہیں کہ انیس کی سیرت کشی کے کمال کا قائل ہو جانا پڑتا ہے۔

حسینؑ کو اپنی چھوٹی بچی سکینہ سے بہت پیار ہے۔ روزِ عاشور اس سے رخصت کے وقت امام کے دل میں درد و محبت کا دریا موجزن ہے۔ بیٹی جو باپ کے سینے پر سر رکھ کر سونے کی عادی ہے آج ساری رات جاگتی اور روتی رہی ہے۔ باپ کو یاد کرتی رہی ہے۔ جب وہ شکوہ کرتی ہے تو اس کے جواب میں امام عالی مقام فرماتے ہیں:

آ چھی نہیں عادت یہ، نہ رویا کرو بی بی
پہلو میں کبھی ماں کے بھی سویا کرو بی بی"

آج کا دن قیامت کا دن ہے۔ کم سن بیٹی کو اُن مصائب کے لیے تیار کرنا ہے مگر ان کو سمجھانے میں خود ان کے دل پر کیا گزر رہی ہے اس کا بھی ان شعروں سے اندازہ کیا جا سکتا ہے:

گیا ہوئے جو ہم گھر میں کسی شب کو نہ آئیں　　مجبور ہوں ایسے کہ تمھیں چھوڑ کے جائیں
تم پاؤ نہ ہم کو، نہ تمھیں ہم کہیں پائیں　　بی بی کہو پھر چھاتی پہ کس طرح سلائیں

جنگل میں بہت قافلے لٹ جاتے ہیں بی بی
برسوں جو رہیں ساتھ وہ چھٹ جاتے ہیں بی بی"

اور پھر باتوں میں یہ کہہ جاتے ہیں:

"راحت کے دن گزر گئے اب فصل اور ہے
اب یوں بسر کرو جو یتیموں کا طور ہے"

تو معصوم بچی کا بھولے پن سے یہ پوچھنا پڑھنے سننے والے کے دل کے پار ہو جاتا ہے:

"بتلایئے مجھے کہ یتیمی ہے کس کا نام"

اس سوال سے باپ کے دل پر کیا بیت گئی اس کی ذرا سی جھلک ان شعروں میں مل جائے گی:

آنکھوں سے خوں بہا کے یہ کہنے لگے امام　　"کھل جائے گا یہ درد و الم تم پہ تا بہ شام
بی بی نہ پوچھو کچھ یہ مصیبت عظیم ہے
مر جائے جس کا باپ وہ بچہ یتیم ہے"

فاطمہ صغرا امام حسین کی منجھلی بیٹی ہیں۔ وہ عمر کی اس منزل میں ہیں جب بچپن اور جوانی گلے ملتے ہیں اور احساسِ ذات بہت بڑھ جاتا ہے۔ بیمار ہیں اس لیے امام حسین ان کو اپنے ساتھ سفر پر نہیں لے جا رہے ہیں۔ فاطمہ صغرا کی سیرت کشی انیس نے بڑے کمال کے ساتھ کی ہے۔ اس میں انسانی جذبات، شعوری اور لاشعوری طور پر اس عمر کی لڑکیوں میں اپنی اہمیت کا احساس، اور عزیزوں کی بے پروائی کی شکایت کی نقشہ کشی بھی بڑی خوبی سے

کی گئی ہے۔ وہ کسی طرح یہ بات نہیں سمجھ پاتی کہ اسے بیماری کی وجہ سے وطن میں چھوڑا جارہا ہے بلکہ یہ خیال دل میں بیٹھ گیا ہے کہ میری محبت نہ ماں کو ہے نہ باپ کو، نہ بہنوں بھائیوں کو میری پروا ہے نہ خاندان کے دوسرے، لوگوں کو۔ وہ تو یہ سمجھتی ہے :

"کیا خلق میں لوگوں کو کوئی ہوتا نہیں بیمار"

حالانکہ وہ خود سب کی محبت میں چور ہے۔ امام حسین رخصت کے لیے بیٹی کے پاس آتے ہیں تو :

بیمار نے پائی گلِ زہرا کی جو خوشبو
آنکھوں کو تو کھولا پہ ٹپکنے لگے آنسو
ماں سے کہا مجھ میں جو حواس آئے ہیں اماں
کیا میرے مسیحا مرے پاس آئے ہیں اماں

باپ لاکھ سمجھاتے ہیں کہ تم بیمار ہو، سفر بہت کٹھن ہے مگر لڑکی کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی۔ وہ یقین دلا رہی ہے کہ میری بیماری کسی پر بار نہ ہو گی۔:

"کیا تاب اگر منہ سے کہوں درد ہے سر میں
اُف تک نہ کروں بھڑکے اگر آگ جگر میں
بھولے سے بھی شب کو نہ کراہوں گی سفر میں
قربان گئی چھوڑ نہ جاؤ مجھے گھر میں"

اس کی بے قراری اور بے چارگی کا سب کو صدمہ اور قلق ہے مگر مجبور ہیں لیکن وہ یہ سمجھتی ہے :

"بیزار ہیں سب ایک بھی شفقت نہیں کرتا
سچ ہے کوئی مردے سے محبت نہیں کرتا"

اور حسرت سے کہتی ہے :

"بابا کو نہ اماں کو نہ بہنوں کو مری چاہ
سب جیتے رہیں خیر ہمارا بھی ہے اللہ
حیرت میں ہوں باعث مجھے کھلتا نہیں اس کا
وہ آنکھ چرا لیتا ہے، منہ تکتی ہوں جس کا"

بے بسی اور شرمندگی میں "آنکھ چرانا" اور اس کا دوسرا مطلب اخذ کرنا کس خوبی سے دکھایا گیا ہے۔

میر انیس کے کلام کی ایک اور اہم خصوصیت (جس کی طرف ابھی بہت کم دھیان دیا گیا ہے)، وہ ہے خاندانی زندگی کی مرقع کشی، اس کی دلکش جھلکیاں، رشتوں کا پاس اور

لحاظ۔ انھوں نے امام حسین کے خاندان کی زندگی کی بڑی حسین و دل نشین تصویریں پیش کی ہیں۔ جن میں رنگ کہیں قدرے ہلکے ہیں، کہیں شوخ ہیں لیکن دونوں ہی اس تعلق کو ابھارتے ہیں جو انیس دکھانا چاہتے ہیں۔ اس مرقع میں محبت، شرافتِ نفس، ایثار و قربانی کا جذبہ، اطاعت اور خدمت کی لگن، جاں نثاری اور وفاداری کے ساتھ ساتھ خلوص اور اپنائیت کا وہ گہرا احساس بھی ملتا ہے جو خاندانی محبت کی جان ہوتا ہے جس میں گلے شکوے کا حق بھی ہوتا ہے اور آپس میں اختلافِ رائے بھی ہو سکتا ہے۔ بدگمانی بھی پیدا ہو جاتی ہے اور دور بھی ہو سکتی ہے۔ ایک دوسرے کا سکھ میں بھی ساتھ دیا جاتا ہے اور دکھ بھی بٹایا جاتا ہے۔ احساسِ محرومی بھی ہوتا ہے اور احساسِ فخر و ناز بھی۔ یہ جلوے تقریباً ان کے ہر مرثیہ میں نظر آسکتے ہیں۔ کہیں ذرا سی جھلک ہے، کہیں تفصیل سے ہے۔ بعض تو پورے پورے مرثیے اسی جذبے اور احساس کے گرد گھومتے ہیں۔ ان کے مرثیوں کو اس لحاظ سے پڑھا جائے تو میرے دعوے کا ثبوت آسانی سے مل جائے گا۔ یہاں میں نمونے کے طور پر حضرت عباس کی بیوی کا ذکر کروں گی۔ وہ امام حسین کے سوتیلے بھائی کی بیوی ہیں۔ مگر شوہر کی طرح سسرال کے ہر فرد پر جان وارتی ہے۔ خاص طور پر بڑی نند زینبؑ اور جٹھانی شہربانوؑ اور محترم بڑے بھائی امام حسین سے بہت عقیدت اور سکینہ سے بہت پیار ہے۔ ان کی محبت کے مناظر بعض مرثیوں میں بڑے دل نشین اور روح پرور ہیں۔ ایک جگہ شوہر کا تذکرہ کرتے ہوئے نند اور جٹھانی سے:

کہنے لگی یہ زوجۂ عباسِ خوش بیان　　"غصے میں ان کو کچھ نہیں رہتا کسی کا دھیان
ہر بات میں ہے شیرِ الٰہی کی آن بان　　یہ جان کو بھلا کبھی سمجھے ہیں اپنی جان

آتا ہے غیظ جب تو نہ کھاتے نہ پیتے ہیں
یہ تو فقط حسینؑ کے صدقے میں جیتے ہیں"

عباس کو فوج کا علم تفویض ہوتا ہے۔ زوجۂ عباس یہ خبر سن کر اپنے خیمہ سے آتی ہیں:

لیں سبطِ مصطفےؐ کی بلائیں بچشمِ تر　　زینبؑ کے گرد پھر کے یہ بولی وہ نوحہ گر

"فیض آپ کا ہے اور تصدق امام کا
عزت بڑھی کنیز کی، رتبہ غلام کا"

اس وقت زینب کا بے اختیارانہ جذبہ دیکھیے :

سر کو لگا کے چھاتی سے زینب نے یہ کہا ”تو اپنی مانگ کوکھ سے ٹھنڈی رہے سدا“

عباس جہاد کے لیے روانہ ہو رہے ہیں۔ بیوی کی بے قراری قدرتی بات ہے عباس ان کو سمجھاتے ہیں۔ اس میں محبت اور درد جدائی کی ایک دنیا پنہاں ہے :

”خیر النسار کے لال پہ ہوتے ہیں ہم فدا شادی کا ہے مقام کہ ماتم کی ہے یہ جا

لو پونچھ ڈالو آنسوؤں کو بہر ذوالجلال دیکھو زیادہ رونے سے ہوگا ہمیں ملال“

اور یہ کہہ کر بیوی کا حوصلہ بڑھاتے ہیں :

”چرچا رہے کہ خلق میں کیا کام کر گئی چھوٹی بہو علیؑ کی بڑا نام کر گئی“

اس میں ”چھوٹی“ اور ”بڑا“ مناسبت لفظی ہی کے لیے نہیں آیا۔ ”چھوٹی بہو“ میں بڑی بلاغت پنہاں ہے۔ بتایا جا رہا ہے کہ تم علیؑ کی بہو ہو۔ چھوٹی سہی مگر درجہ اور کسی سے کم نہیں۔ مجھے قربان کر کے تمھارا نام اونچا ہوگا۔ تم زندۂ جاوید ہو جاؤ گی۔

مرثیہ نگاروں کے ہاں، واقعۂ کربلا کے کرداروں اور خاندان نبوت کی خواتین کو ہندوستانی رنگ میں پیش کرنے کی روایت بہت پرانی ہے۔ دکھنی مرثیوں میں وہاں کے اثرات تھے۔ اودھ کے دور مرثیہ گوئی میں وہاں کی تہذیب اور رہن سہن کا اثر مرثیوں میں غالب نظر آتا ہے۔ مرزا دبیر کے ہاں تو یہ رنگ بہت زیادہ گاڑھا ہو گیا ہے۔

میر انیس نے بھی اس روایت کو اپنایا۔ خاندانِ رسالت کے مرد مجاہدوں میں ہندوستانی عناصر کم ہیں مگر حسینؑ کے گھرانے کی خواتین میں ہندوستانی تہذیب کا رنگ زیادہ گہرا اور نکھرا ہوا ملتا ہے۔ البتہ کہیں کہیں ان کا قلم بھی شدت پسندی کی طرف مائل ہو گیا ہے مگر ایسا کم ہوا ہے اور عام طور پر انھوں نے اپنے کرداروں میں ہندوستانیت پیدا کر کے انھیں سننے، پڑھنے والوں کے دل سے زیادہ قریب کر دیا ہے۔ یاد رکھنے کی یہ بات بھی ہے کہ انیس شاعر ہیں مورّخ نہیں۔ انھوں نے واقعۂ کربلا کی تاریخ بیان نہیں کی، بلکہ بنیادی واقعات کو لے کر تخیل کی آنکھ سے ان مناظر کو شاعر نے دیکھا اور اپنے باکمال قلم سے

ٰ حضرت فاطمہ زہرا

اس کی جیتی جاگتی تصویر کشی کی کہ وہ حقیقت کے رنگ میں ڈوبی محسوس ہونے لگی۔ اس سے تیرہ صدیوں کا بُعد مٹ جاتا ہے۔ کربلا کے سوا سو ڈیڑھ سو کرداروں کی زندگی کی عموماً اور پندرہ بیس کی خصوصاً، جو مرقع کشی انیس نے کی ہے اس کا جواب نہ مرثیہ کی تاریخ میں مل سکتا ہے نہ خود اردو ادب کی تاریخ میں۔ ان کے کردار ہمارے دل کے تاروں کو چھوتے اور دماغ پر گہرا اثر ڈالتے ہیں۔ ان میں مقامی رنگ انیس نے بعض روایت کی خاطر یا زمانے کے اثرات کی وجہ سے پیدا نہیں کیا بلکہ یہ رمز شناس شاعر خوب سمجھتا تھا کہ بعض ایسی آفاقی ہستیاں ہوتی ہیں جو کسی علاقے سے مخصوص نہیں ہوسکتی ہیں۔ وہ سب کی ہوتی ہیں۔ اور امام حسین ان میں سے ایک ہیں۔ جن کا پیام عالمگیر، جن کی محبوبیت ہمہ گیر ہے۔ اور جن کا عظیم المیہ سب کے دلوں پر اثر کرتا ہے۔ اور لوگ جب ان کو اپنی تہذیبی زندگی میں رنگا ہوا پاتے ہیں تو اس کا تاثر بہت زیادہ دیرپا ہوتا ہے۔

طوالت کے خیال سے یہاں اس کی مثالیں پیش نہیں کی جاسکتیں۔ صاحبانِ ذوق ان مرثیوں کو پڑھ کر خود ہی پرکھ جائیں گے۔ البتہ یہاں ایک بند دیے بغیر نہیں رہا جاتا جہاں حضرت زینب کے کربلا میں عماری سے اترنے کا منظر پیش کیا گیا ہے۔ دیکھیے عرب کی امام زادی، اونٹ پر سے اتر رہی ہیں مگر گرد و پیش کی جو فضا ہے وہ خالص ہندوستانی ہے:

عمّارۂ زینبؑ جو قریں ڈیوڑھی کے پہنچا
کرسی سے اُٹھے آپ شہِ یثرب و بطحا
گرد آکے کیا قاسم و عبّاس نے پردا
محمل سے اترنے جو لگی دخترِ زہرا
اک ہاتھ علی اکبرِ ذی جاہ نے تھاما
اک ہاتھ جگر بندِ یدُاللہ نے تھاما

انیس کی ایک نمایاں خصوصیت، جیسا ہم نے پہلے بھی کہا ہے، جو انھیں اپنے پیش رو اور ہم عصر شاعروں سے ممتاز کرتی ہے۔ عورت کی سیرت کا وہ بلند تصور ہے جو ان کے کلام میں جاری و ساری ہے۔ ان کے دل میں عورت کا بہت احترام ہے اور وہ اس کی شخصیت بہت بلند تصور کرتے ہیں۔ میں نے اپنی کتاب[۵] میں انیس کے کلام سے متعدد مثالیں اور

---

۵ خواتینِ کربلا - کلامِ انیس کے آئینے میں

دلیلیں دے کر یہ ثابت کیا ہے کہ وہ عورت کو محبت کی دیوی، حیا کی کان، ایمان کی جان، شرافت کی تصویر، قربانی اور ایثار کی مورتی، صبر و برداشت کی پیکر، دیں دار، حق پرست، حوصلہ مند، بہادر، نڈر، اور وقت پڑنے پر بڑے سے بڑے پہاڑ سے ٹکر لینے والی ہستی سمجھتے ہیں۔ اور یہ صفات صرف خاندانِ رسالت کی خواتین ہی کا طرۂ امتیاز نہیں بلکہ واقعۂ کربلا میں جن عام عورتوں کا ذکر آتا ہے ان میں یہاں تک کہ دشمن کی عورتوں تک میں، کسی نہ کسی حد تک یہ صفات موجود ہیں۔ ان کے سب مرثیوں کو پڑھ جائیے، ایک عورت بھی ایسی نہیں ملے گی جس نے ظلم کیا ہو یا ظلم کا ساتھ دیا ہو۔ اس کے برعکس وہ ان واقعات کو ابھار کر دکھاتے ہیں جب مرد ورندے بن گئے تھے تو عورتوں ہی نے انسانیت کو باقی رکھا اور اہلِ بیتِ رسول کی حمایت کی۔ بعض وقت حسینؑ کی حمایت اور محبت میں جان تک قربان کر دی۔ وہ اپنے مردوں سے خوف زدہ نہیں ہوئیں بلکہ ان سے ٹکر لی۔ اس سلسلے میں مثالیں دینے کی گنجائش نہیں۔ لیکن انیس کے کلام کو اگر ذرا توجہ اور غور سے پڑھا جائے تو یہ مثالیں ان کے ہر مرثیہ میں بکھری ملیں گی۔

ایک اور لحاظ سے بھی انیس کا کلام بہت اہم ہے۔ یعنی اس میں تہذیبی اور اخلاقی قدروں کی تعلیم بڑی خوبی کے ساتھ دی گئی ہے۔ یہ کہیں کہیں بلاواسطہ ہے لیکن زیادہ تر بالواسطہ، مرثیہ کے کرداروں کے ذریعہ پیش کی گئی ہے۔ لوگوں کے ذہنوں میں عام طور پر یہ خیال بیٹھا ہوا ہے کہ مرثیے صرف رونے رلانے کے لیے ہوتے ہیں۔ یوں تو ابتدائی زمانے کے مرثیوں تک میں بھی شہیدانِ کربلا کی زندگی کے واقعات بیان کیے جاتے تھے اور ان مثالی کرداروں اور اعلیٰ اخلاقی قدروں کی حامل ہستیوں سے دنیا کو متعارف کرایا جاتا تھا وہ بجائے خود اخلاقی تربیت کا ایک ذریعہ کہا جا سکتا تھا۔ پھر جب مرثیہ باقاعدہ ادب کی ایک صنف بن گیا تو اس کے ذریعہ اخلاقی تعلیم کی تبلیغ اور زیادہ ابھر کر سامنے آنے لگی ایک اور نکتہ بھی قابلِ غور ہے۔ عزادارانِ حسین کو رُلانے کے لیے انیس جیسے قادر الکلام اور بلند پایہ شاعر کو ڈیڑھ سو دو سو بلکہ ڈھائی سو بند تک مرثیے کہنے کی کوئی خاص ضرورت نہ تھی۔ ان کے لیے تو صرف "ہائے حسین" یا "ہائے شہیدِ کربلا" یا "مظلوم امام" کہہ دینا بھی کافی ہو سکتا ہے۔

مرثیے کی صنفِ سخن کو اتنی وسعت دینے اور اس میں اتنا تنوع پیدا کرنے، رنگا رنگ مضامین نظم کرنے میں یہ بھی پوشیدہ تھی کہ ان بلند پایہ ہستیوں کی شخصیت اور کارناموں کے ذریعہ لوگوں کو بلند اخلاق اور اعلیٰ قدروں کی تعلیم دی جائے۔ اور میر انیس کے ہاں تو خاص طور پر اس کا اہتمام ملتا ہے۔ کبھی مرثیہ کے چہرے میں کبھی رباعیوں اور سلاموں میں، بعض جگہ بعینہٖ مضامین میں بلا واسطہ اخلاقی قدروں کا بڑے موثر اور دل نشین انداز میں تذکرہ ہوتا ہے۔ پھر کربلا کے المیہ کے سارے کرداروں کی پوری زندگیاں اور سیرت اِن اخلاقی قدروں کی حامل ہیں۔ اور ان کے کارنامے لوگوں کے لیے درسِ ہدایت بن سکتے ہیں۔ اور کیا نہیں ہے ان میں۔ حق کا پالن کیسے کیا جاتا ہے؟ خدا پرستی اور دین کی سلامتی کے لیے کیسے خندہ پیشانی سے اپنے خون کا ایک ایک قطرہ بہایا جا سکتا ہے؟ وفا اور جاں نثاری کس کو کہتے ہیں؟ دیانت، شرافت، خدمت، محبت، ایثار، قربانی کے جذبہ کیا ہیں؟ صبر کے معنی کیا ہوتے ہیں اور راہِ رضا میں سرِ تسلیم کیسے خم کیا جاتا ہے؟ کربلا کے شہیدوں اور اہلِ بیتِ حسینؑ کے سب کردار، ان صفات کا جامع نمونہ بن کر سامنے آتے ہیں۔ وہ فرشتہ نہیں مگر فرشتہ سے بڑھ کر انسان ہیں۔ انیس کے کلام کا اگر گہری نظر اور بے تعصبی سے مطالعہ کیا جائے تو یہ حقائق صاف نظر آجاتے ہیں۔

بلا واسطہ اخلاقی تعلیم کے دو چار نمونے ان کی رباعیوں اور سلاموں میں سے ملاحظہ کیجیے

خیالِ خاطرِ احباب چاہیے ہر دم
انیس ٹھیس نہ لگ جائے آبگینوں کو

دنیا میں کسی چیز کو ثبات نہیں۔ آج کچھ ہے کل کچھ ہے۔ یہ حقیقت جانتے سب ہیں مگر اس کا پورا احساس کوئی کوئی ہی کر پاتا ہے۔ ذرا دیکھیے انیس نے کس طرح اس بدیہی حقیقت کو بیان کیا ہے:

کسی کی ایک طرح پر بسر ہوئی نہ انیس — عروجِ مہر بھی دیکھا تو دوپہر دیکھا

یا

ہر اک کے ساتھ ہے روشن دلوں طلوع و غروب — سحر کو چاند نہ تھا، شب کو آفتاب نہ تھا

انسان کی زندگی پانی کے بلبلے سے بھی زیادہ ناپائیدار ہے:

نمود و بودِ بشر کیا محیطِ عالم میں — ہوا کا جب کوئی جھونکا چلا حباب نہ تھا

قناعت و استغنا :

کنجِ عزلت میں مثالِ آسیا ہوں گوشہ گیر — رزق پہنچاتا ہے گھر بیٹھے خدا میرے لیے

خاکساری :

خاکساری نے دکھائیں رفعتوں پر رفعتیں — اس زمیں سے واہ کیا کیا آسماں پیدا ہوئے

دل کا شیشہ حد سے زیادہ نازک ہوتا ہے لہذا انسان کو اس کا خیال رکھنا چاہیے۔ اس خیال کو کس نزاکت اور خوبی سے پیش کیا ہے :۔

کسی کو کیا ہو دلوں کی شکستگی کی خبر — کہ ٹوٹنے میں یہ شیشے صدا نہیں رکھتے

ہر انسان کو مرنا ہے اس لیے نیک اعمال کا ذخیرہ پہلے سے جمع کر لینا ضروری ہے!

گر لاکھ برس جیے تو پھر مرنا ہے — پیمانۂ عمر ایک دن بھرنا ہے
ہاں توشۂ آخرت مہیا کر لے — غافل تجھے دنیا سے سفر کرنا ہے

اور :

کیا کیا دنیا سے صاحبِ مال گئے — دولت نہ گئی ساتھ نہ اطفال گئے
پہنچا کے لحد تلک پھر آئے احباب — ہمراہ اگر گئے تو اعمال گئے

ایسے سینکڑوں موتی ان کے کلام میں بکھرے پڑے ہیں۔

امام حسین کو انیس نے بھائی یا بیٹے یا بھتیجے کی شہادت پر عالم بے قراری میں نالہ و بین کرتے دکھایا ہے۔ اس پر بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ اتنی عظیم شخصیت کے منہ سے یہ باتیں زیب نہیں دیتیں۔ یا بعض لوگ کہتے ہیں کہ نالہ و زاری کرنے والے کے صبر کا کیا سوال ہے؟ لیکن ایسے اعتراض کرنے والے یہ بھول جاتے ہیں، یا سمجھ نہیں پاتے کہ انیس یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ ساری روحانی بلندی کے باوجود امام عالی مقام کے دل میں بھی وہ سارے انسانی جذبات موجود تھے جو ہر انسان کو قدرت نے ودیعت کیے ہیں اور درد و غم سے متاثر ہونا انسانیت کی شرط ہے، توہین نہیں۔ پھر ان مقامات پر تو لوگوں کی نظر بہت کم پڑتی ہے جب خود امام حسین اپنے ساتھیوں یا بیوی یا بیٹی یا بہن اور کبھی کبھی خود اپنے آپ کو راضی برضا رہنے اور صبر کرنے کی تلقین کرتے ہیں۔ ایسے مقام انیس کے کلام میں سینکڑوں سے

کم نہیں۔ صرف ایک مرثیہ کے دو تین بند نمونے کے طور پر پیش کرتی ہوں جب اپنے کڑیل جوان بیٹے علی اکبر کی شہادت کے بعد باپ کا دل درد سے تڑپ رہا ہے۔ وہ اسے صبر کی، راضی برضا رہنے کی تلقین کر رہے ہیں :

دل کا ہے تقاضا کہ تڑپنے کی رضا دو　　کہتا ہے جگر خوں مرا آنکھوں سے بہا دو
سر کھینچا ہے نالوں نے کہ گردوں کو ہلا دو　　شہ کہتے ہیں "یاد اب علی اکبر کی بھلا دو
مختار کا جو حکم ہو کچھ جبر نہیں ہے
اس زخم کا مرہم کوئی جز صبر نہیں ہے

جو اہلِ محبت ہیں بلا ان کے لیے ہے　　صابر جو ہیں، یہ درد، دوا ان کے لیے ہے
مظلوم جو ہیں لطفِ خدا اُن کے لیے ہے　　ہر رنج میں اک تازہ مزا ان کے لیے ہے
سو دکھ ہوں تو ہوں، محو ہیں الفت میں اسی کی
روتے ہیں تو روتے ہیں محبت میں اسی کی

روئے جو مصیبت میں تو کیا ہوتا ہے اے دل　　ہوتا ہے جو قسمت کا لکھا ہوتا ہے اے دل
ہر درد کا الفت میں مزا ہوتا ہے اے دل　　صابر سے رضا مند خدا ہوتا ہے اے دل
مطلب ترے یہ مرحلے طے کر کے ملیں گے
بیٹے ہیں تو فرزند سے اب مر کے ملیں گے

داخل ہوئی خیلِ شہدا میں مری اولاد　　جو نیک کمائی ہے وہ ہوتی نہیں برباد
سب اس پہ فدا ہیں علی اکبر ہوں کہ سجاد　　بندہ وہ ہے، صاحب کی جو بھولے نہ کبھی یاد
طاعت تو ہے دشوار اطاعت تو نہ جائے
بیٹا تو گیا صبر کی دولت تو نہ جائے"

انیس کے کلام کی خصوصیات میں ان کی منظر کشی کا ذکر آتا ہے۔ حقیقت بھی ہے کہ منظر کشی ان کا بڑا محبوب موضوع ہے۔ یہ محض مناظرِ فطرت تک محدود نہیں۔ وہ رزم کی منظر کشی بھی کرتے ہیں اور بزم کی بھی کسی شہید کی وفات کے وقت کا منظر کھینچتے ہیں تو دل کو تڑپا دیتے ہیں۔ مثلاً ایک بند کی بیت کا یہ شعر ملاحظہ ہو :

دم نکلے تھے مشکل سے کہ وہ تازہ جوان تھے
بالائے زمیں پاؤں رگڑنے کے نشان تھے

مجاہدوں کی جنگ پر جانے کے وقت کی منظرکشی تو انھوں نے ہر مرثیہ میں کی ہے اور اس تفصیل، خوبی اور حقیقت سے کام لیا ہے کہ اس پر ایک ضخیم کتاب تصنیف ہو سکتی ہے خاندان رسالت کی بیویوں کے اونٹوں پر سوار ہونے کا منظر ہو یا سواری سے اترنے کا، غرض کوئی واقعہ ایسا نہیں جس کا وہ ہو بہو نقشہ نہ کھینچ دیتے ہوں۔

جہاں تک فطرت کی منظر نگاری کا تعلق ہے مرثیہ کا میدان اس کے لیے بڑا ناساز گار ہے عرب یا عراق کے صحرا اور بنجر پہاڑیاں کہیں کہیں ذرا سا نخلستان کوئی چھوٹی موٹی ندی اور بس۔ لیکن انیس کا کمال یہ ہے کہ اس محدود میدان میں انھوں نے منظرکشی کے وہ حسین و دل کش اور بے مثال نمونے پیش کیے، جن کے مقابلے کے منظر اردو شاعری میں دوسرے نہ مل سکیں گے۔ انھوں نے اپنے متعدد مرثیوں میں صبح عاشور، شب عاشور وغیرہ کی منظرکشی کی ہے اور ہر جگہ اپنے کمال کا لوہا منوالیا ہے۔ ان کے سب سے بڑے شاہکار مرثیہ" جب قطع کی مسافتِ شب آفتاب نے" میں تو یہ منظرکشی اپنے پورے عروج پر نظر آتی ہے۔ کوئی تیس چالیس بند انھوں نے اسی پر لکھے ہیں۔ عام طور پر اسی کے اقتباسات انیس کی منظرکشی کے نمونے کے طور پر پیش کیے جاتے رہتے ہیں۔ میں یہاں ان کے ایک دوسرے مرثیے" پھولا شفق سے چرخ پہ جب لالہ زار صبح" کے دو تین بند پیش کرتی ہوں اس دعوے کے ساتھ کہ انیس کے کلام میں اس قسم کے نمونے جگہ جگہ پائے جاتے ہیں۔ کربلا میں صبح عاشور کا طلوع دیکھیے:

چلنا وہ بادِ صبح کے جھونکوں کا دم بدم — مرغانِ باغ کی وہ خوش الحانیاں بہم
وہ آب و تابِ نہر وہ موجوں کا پیچ و خم — سردی ہوا میں، پر نہ زیادہ بہت نہ کم
کھا کھا کے اوس اور بھی سبزہ ہرا ہوا
تھا موتیوں سے دامنِ صحرا بھرا ہوا

وہ نورِ صبح اور وہ صحرا وہ سبزہ زار — تھے طائروں کے غول درختوں پہ بے شمار
چلنا نسیم صبح کا رہ رہ کے بار بار — کوکو وہ قمریوں کی وہ طاؤس کی پکار

وا تھے دریچے باغِ بہشتِ نعیم کے
ہر سو رواں تھے دشت میں جھونکے نسیم کے

وہ پھولنا شفق کا وہ مینائے لاجورد — مخمل سی وہ گیاہ وہ گل سبز و سرخ و زرد
رکھتی تھی پھونک کر قدم اپنا ہوائے سرد — یہ خوف تھا کہ دامنِ گل پر پڑے نہ گرد
دھوتا تھا دل کے داغ چمنِ لالہ زار کا
سردی جگر کو دیتا تھا سبزہ کچھار کا

ایک اور مرثیہ کا یہ بند ملاحظہ ہو:

ٹھنڈی ہوا میں سبزۂ صحرا کی وہ لہک — شرمائے جس سے اطلسِ زنگاریِ فلک
وہ جھومنا درختوں کا پھولوں کی وہ مہک — ہر برگِ گل پہ قطرۂ شبنم وہ جھلک
ہیرے خجل تھے گوہرِ یکتا نثار تھے
پتے بھی ہر شجر کے جواہر نگار تھے

مشاہدہ کی یہ باریکی، یہ حسنِ نظر، اندازِ بیان میں حقیقت و تخیل کا یہ امتزاج انیس ہی کا حصہ ہے۔

میر انیس کے کلام پر جتنی گہری نظر ڈالیے یہ حقیقت واضح ہوتی جاتی ہے کہ جہاں ان کی شاعری میں وہ صلاحیت تھی جس کے لیے "جزویست از پیغمبری" کہا گیا ہے اور جس صلاحیت سے انھوں نے بھرپور کام لیا، وہاں یہ بات بھی ظاہر ہوتی ہے کہ اس فطری صلاحیت کو جلا ملی اس اکتسابی کاوش سے جو انھوں نے زبان سیکھنے کے سلسلے میں کی ہوگی اس سے کون انکار کر سکتا ہے کہ اردو ان کے گھر کی لونڈی تھی۔ اس کی لطافت، سلاست انھوں نے ماں کے دودھ کے ساتھ پی تھی۔ اس میں انھوں نے لوریاں اور کہانیاں سنیں اور اس طرح بچپن ہی سے اس کی کہاوتیں، محاورے، روزمرہ نے کانوں میں رس گھولا لیکن کوئی فنکار کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو جب تک وہ اپنی زبان کا لٹریچر کھنگال نہ ڈالے اور پوری محنت سے اسے نہ سیکھے زبان اسے نہیں آ سکتی۔ اچھی زبان بول لینا اور بات ہے اور زبان پر اتنی قدرت ہونا کہ خوبصورت، بامعنی، زبان میں اظہارِ خیالات بھی کیا جا سکے بالکل دوسری بات ہے۔ کسی شاعر (یا ادیب) کے کلام میں معنویت، حسن، دلکشی اور گہرائی صرف اسی وقت پیدا ہو سکتی ہے جب

اسے اپنی زبان پر پورا عبور حاصل ہو اور صرف اپنی ہی زبان پر نہیں ان معاون زبانوں سے بھی جن کے الفاظ بکثرت مادری زبان میں مستعمل ہیں، اسے واقفیت ہو۔ انیس کا کلام پڑھنے سے بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ انھیں زبان اور بیان دونوں پر بے پناہ قدرت حاصل ہے۔ بقول سید مسعود حسین رضوی ادیب؛

"جو نازک سے نازک خیال دل میں پیدا ہو اور لطیف سے لطیف کیفیت طبیعت پر طاری ہو، اسے لفظوں میں بیان کر دیں۔ وہ جیسا خیال ظاہر کرنا چاہتے ہیں اس کی مناسبت سے ایسے الفاظ کا انتخاب کرتے ہیں جو اپنی آواز، اپنے ربط باہمی اور اپنے متعلقاتِ معنوی سے اس خیال کی کامل ترجمانی کرتے ہیں ..... اختصار اور طول پر بھی ان کو پورا اختیار ہے۔ ان کے پاس لفظوں کا اتنا بڑا خزانہ موجود ہے جس سے زائد شاید ہی کسی اور شاعر کو نصیب ہوا ہو .....؎ (دیباچۂ روحِ انیس)

یہ ہم پہلے کہیں لکھ چکے ہیں کہ مسعود صاحب ہی کا فرمانا ہے کہ انھیں اردو کے علاوہ فارسی اور عربی زبان سے بھی بہت اچھی واقفیت تھی۔

انیس کے پاس محاوروں، کہاوتوں، تشبیہوں، استعاروں، کنایوں اور بے تکلف بولے جانے والے الفاظ کا بے کراں خزانہ تھا۔ ان کا کلام پڑھتے وقت یہ محسوس ہوتا ہے کہ لاکھوں جواہر پارے اس کلام کے جوہری کے سامنے بکھرے پڑے ہیں۔ جس وقت جس کی ضرورت ہوتی ہے وہ اسے اٹھا کر صحیح جگہ پر بٹھا دیتا ہے۔ ایسا کہ جیسے انگوٹھی پر ہیرا جڑ دیا گیا ہو۔

خیال اور لفظ کا حسین امتزاج بھی انیس کے کمال شاعری کا ایک بڑا اہم جزو ہے۔ وہ نازک سے نازک اور مشکل سے مشکل مقام کی تصویر کشی اس خوبی اور چابک دستی سے کرتے ہیں کہ پڑھنے والے کے سامنے منظر کھنچ جاتا ہے۔ جنگ کی نقشہ کشی کرتے ہیں تو اس کا پورا نقشہ کھینچ دیتے ہیں۔ تاثر اور درد کی کیفیت پیدا کرنا چاہتے ہیں تو دلوں کو تڑپا دیتے ہیں اور آنکھیں برسنے لگتی ہیں۔ جذبات کشی کرتے ہیں تو محسوس ہوتا ہے کہ یہ شاعر کے کرداروں کے نہیں خود ہمارے اپنے جذبات بیان کیے جا رہے ہیں۔ گھریلو زندگیاں کی جھلکیاں دکھاتے ہیں، آپس کے تعلقات پیش کرتے ہیں، غرض جہاں جہاں بزم آرائیاں ہیں

وہاں ذہن اور دل مسحور ہو جاتے ہیں۔ ایک واقعہ کو لے کر انھوں نے اپنے مراثی میں سینکڑوں انداز میں بیان کیا ہے مگر اس کمال سے کہ واقعہ کا بنیادی عنصر اور اس کی روح جوں کی توں رہی۔ جزئیات میں البتہ فرق ہوتا ہے۔ مثلاً امام حسین کے منجھلے بیٹے علی اکبر کی ماں باپ اور پھوپی سے رخصت اور شہادت کے بعد کے بیان کو انھوں نے متعدد مرثیوں میں دکھایا ہے اور ہر مرثیہ ایک الگ انداز اور حُسن رکھتا ہے۔ ماں کے جذبات اور احساسات اس رشتے اور اس کی فطرت کے مطابق ہیں تو باپ کے احساسات اور بیٹے سے عشق کی حد تک محبت، ان کے درجہ، مقام اور رشتے سے عین مطابقت رکھتے ہیں اور چاہنے والی پھوپی کی محبت، گلے اور شکوے، پالنے کا حق جتانے اور اظہارِ الفت کا انداز بالکل دوسرا، بے حد پُر اثر اور منفرد ہے اور لطف یہ کہ کہیں ان کی بلند سیرت اور مقام سے ان کو گرنے نہیں دیتا۔ خود علی اکبر کے جذبات اور احساسات جب بیان کئے جاتے ہیں تو ایک نوجوان بہادر، مجاہد جاں باز کا جذبہ شوقِ جاں نثاری و شہادت اجاگر ہو کر سامنے آتا ہے۔

واقعہ نگاری نظم میں ہو یا نثر میں، افسانہ میں ہو یا ناول میں، بہت مشکل مقام ہے۔ انیس کے مرثیے یوں تو سب کے سب کسی واقعہ کے گرد ہی گھومتے ہیں۔ لیکن جب یہ سوچا جائے کہ کربلا کے عظیم المیہ کو جو چند گھنٹے کے اندر وقوع پذیر ہوا تھا، انیس نے کس کس طرح دکھایا ہے، اس میں کیسی کیسی باریکیاں، موشگافیاں کی ہیں اور اس کے باوجود واقعہ نگاری کی کسوٹی پر ان کا کلام پورا اُترتا ہے، تو ہمیں انیس کے کمال کا قائل ہونا پڑتا ہے۔ وہ واقعہ کو کبھی اختصار سے پیش کرتے ہیں اور کبھی بڑی تفصیل سے مگر ہر جگہ یہ محسوس ہوتا ہے کہ شاعر نے حقیقت اور تخیل کو بڑے متوازن انداز میں سمویا ہے ان کے ہاں احساس کی شدت بھی ہے اور جذبات پر گہری نظر بھی۔ وہ انسانی فطرت اور انسانی جذبات کا پورا ادراک بھی رکھتا ہے۔ ایسا کہ پڑھنے والے کو یہ محسوس ہوتا ہے کہ اس موقع پر اس کے سوا کچھ اور کہا ہی نہیں جا سکتا تھا۔ کسی فنکار کے کردار اور ہیرو ہمیں اپنے دل سے اتنے قریب معلوم ہونے لگیں کہ من و تو کا فرق مٹ جائے تو سمجھ لیجیے کہ وہ بہت کامیاب، بہت بڑا فنکار ہے۔

یہ بھی سمجھا جاتا ہے کہ میر انیس نے بھی بعینہٖ مضامین دوسرے مرثیہ نگاروں کی طرح بہت لکھے ہیں۔ لیکن دوسرے موضوعات کے مقابلے میں انھوں نے یہاں اکثر اختصار سے کام لیا ہے۔ کسی

مرثیہ میں دس بارہ بند ہوتے ہیں کسی میں پندرہ یا بیس یا زیادہ سے زیادہ تیس پینتیس ۔ ان میں بھی بہت سخت بیان (جیسا عام طور پر دوسرے مرثیہ گویوں کے ہاں ملتا ہے) نہیں ہوتا ۔ البتہ مرنے والے کی صفات ، بین کرنے والے سے اس کا رشتہ ، اس کے ارمانوں ، آرزوؤں کا تذکرہ اور محبت کی شدت کا احساس ضرور ہوتا ہے ۔ پہلی جلد کے ان اٹھارہ مرثیوں کے مجموعی بند چھتیس سو باسٹھ ہیں ۔ ان میں سے بینیہ بند صرف چار سو پچاس ہیں ۔

جیسا کہ میں نے پہلے اشارہ کیا میر انیس کا کلام بھی خامیوں اور کمزوریوں سے پاک نہیں ۔ کون ایسا فنکار ہے جس کے ہاں کچھ نہ کچھ کمزوریاں یا خامیاں نہ ہوں ۔ لیکن یہ معمولی معمولی کمزوریاں اس حسن وکمال کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں جس سے میر انیس کا کلام مالا مال ہے اس کو اگر انصاف کی نظر سے دیکھا جائے تو اس میں وہ کمالات ، وہ صناعیاں ، حسنِ بیان ، حسنِ ادا ، حسنِ نظر ملتا ہے جس کا مقابلہ اردو کا کوئی شاعر نہیں کر سکتا ہے ۔

انیس نے جو یہ کہا ہے :

نظم ہے یا گوہر شہوار کی لڑیاں انیس ۔۔۔ جوہری بھی اس طرح موتی پرو سکتا نہیں

یہ ایک بدیہی حقیقت ہے اور یہ شعر تو ہزار بار دہرایا جائے ۔ مگر اس کی صداقت اور دل کشی میں کبھی فرق نہیں آسکتا ۔

کسی نے تری طرح سے اے انیس
عروسِ سخن کو سنوارا نہیں

مجھے یقین ہے کہ انیس کے مراثی کا یہ انتخاب جو صاحبانِ ذوق کے سامنے پیش کر رہی ہوں قبولیت کا وہ مقام حاصل کرے گا جس کا وہ حقیقت میں مستحق ہے اس کو غور سے پڑھ کر ہی انیس کی اصلی عظمت اور اردو شاعری میں اس کے صحیح مقام کو سمجھا جا سکتا ہے ۔

صالحہ عابد حسین

۲۸ ر جون ۵۸ء

حیدر آباد

مرثیہ (۱)

یا رب چمنِ نظم کو گلزارِ ارم کر ۱ اے ابرِ کرم خشک زراعت پہ کرم کر!
تو فیض کا مبدا ہے توجّہ کوئی دم کر گمنام کو اعجاز بیانوں میں رقم کر
جب تک یہ چمک مہر کے پرتو سے نہ جائے
اقلیمِ سخن میرے قلم رو سے نہ جائے

اس باغ میں چشمے ہیں ترے فیض کے جاری ۲ بلبل کی زباں پر ہے تری شکر گزاری
ہر نخل برومند ہے یا حضرتِ باری پھل ہم کو بھی مل جائے ریاضت کا ہماری
وہ گل ہوں عنایت چمنِ طبعِ نکو کو
بلبل نے بھی سونگھا نہ ہو جن پھولوں کی بو کو

غواصِ طبیعت کو عطا کر وہ لآلی ۳ ہو جن کی جگہ تاجِ سرِ عرش پہ خالی
ایک ایک لڑی نظمِ ثریا سے ہو عالی عالم کی نگاہوں سے گرے قطبِ شمالی
سب ہوں دریکتا نہ علاقہ ہو کسی سے
نذر اُن کی یہ ہوں گے جنھیں رشتہ ہے نبیؐ سے

بھر دے دُرِ مقصود سے اس دُرجِ دہاں کو ۴ دریائے معانی سے بڑھا طبعِ رواں کو
آگاہ کر اندازِ تکلم سے زباں کو عاشق ہو فصاحت بھی وہ دے حُسنِ بیاں کو
تحسیں کا سمٰوت سے غل تا بہ سمک ہو
ہر گوش بنے کانِ ملاحت وہ نمک ہو

تعریف میں چشمے کو سمندر سے ملا دوں ۵ قطرے کو جو دوں آب تو گوہر سے ملا دوں
ذرّے کی چمک مہرِ منور سے ملا دوں خاروں کو نزاکت میں گلِ تر سے ملا دوں
گلدستۂ معنی کو نئے ڈھنگ سے باندھوں
اک پھول کا مضموں ہو تو سو رنگ سے باندھوں

گر بزم کی جانب ہو توجہ دمِ تحریر ۶ کھنچ جائے ابھی گلشنِ فردوس کی تصویر
دیکھے نہ کبھی صحبت انجم فلک پیر ہو جائے ہوا بزمِ سلیماں کی بھی توقیر
یوں تختِ حسینانِ معانی اتر آئے
ہر چشم کو پریوں کا اکھاڑا نظر آئے

ساقی کے کرم سے ہو وہ دور اور چلیں جام ۷ جس میں عوضِ نشہ ہو کیفیت انجام
ہر مستُ فراموش کرے گردشِ ایام صوفی کی زباں بھی نہ رہے فیض سے ناکام
ہاں بادہ کشو پوچھ لو میخانہ نشیں سے
کوثر کی یہ موج آگئی ہے خلدِ بریں سے

آؤں طرفِ رزم ابھی چھوڑ کے جب بزم ۸ خیبر کی خبر لائے مری طبعِ اولوالعزم
قطعِ سرِ اعدا کا ارادہ ہو جو بالجزم دکھلائے یہیں سب کو زباں معرکۂ رزم
جل جائیں عدو آگ بھڑکتی نظر آئے
تلوار پہ تلوار چمکتی نظر آئے

مصرع ہوں صف آرا صفتِ لشکرِ جرّار ۹ الفاظ کی تیزی کو نہ پہونچے کوئی تلوار
نقطے ہوں جو ڈھالیں تو الف خنجرِ خونخوار مَد آگے بڑھیں برچھیوں کو تول کے اک بار
غل ہو کبھی یوں فوج کو لڑتے نہیں دیکھا
مقتل میں رن ایسا کبھی پڑتے نہیں دیکھا

ہو ایک زباں ماہ سے تا مسکنِ ماہی ۱۰ عالم کو دکھا دے برشِ سیفِ الٰہی
جرأت کا دھنی تو ہے یہ چلائیں سپاہی لاریب ترے نام پہ ہے سکۂ شاہی
ہردم یہ اشارہ ہو(ب) دوات اور قلم کا
تو مالک و مختار ہے اس طبل و علم کا

تائید کا ہنگام ہے یا حیدرؑ صفدر ۱۱ امداد ترا کام ہے یا حیدرؑ صفدر
تو صاحبِ اکرام ہے یا حیدرؑ صفدر تیرا بھی کرم عام ہے یا حیدرؑ صفدر
تنہا ترے اقبال سے شمشیر بکف ہوں
سب ایک طرف جمع ہوں میں ایک طرف ہوں

ناقدریِ عالم کی شکایت نہیں مولا ۱۲ کچھ دفترِ باطل کی حقیقت نہیں مولا
باہم گل و بلبل میں محبت نہیں مولا میں کیا ہوں، کسی روح کو راحت نہیں مولا
عالم ہے مکدر، کوئی دل صاف نہیں ہے
اس عہد میں سب کچھ ہے پر انصاف نہیں ہے

نیک و بدِ عالم کا تامل نہیں کرتے ۱۳ عارف کبھی اتنا بھی تجاہل نہیں کرتے
خاروں کے لیے رخ طرفِ گل نہیں کرتے تعریف خوش الحانیٔ بلبل نہیں کرتے
خاموش ہیں، گو شیشۂ دل چور ہوئے ہیں
اشکوں کے ٹپک پڑنے سے مجبور ہوئے ہیں

الماس سے بہتر یہ سمجھتے ہیں خذف کو ۱۴ دُر کو تو گھٹاتے ہیں، بڑھاتے ہیں صدف کو
اندھیر یہ ہے چاند بتاتے ہیں کلف کو کھو دیتے ہیں شیشے کے لیے دُرِ نجف کو
ضائع ہیں دُر و لعل بدخشاں و عدن کے
مٹی میں ملاتے ہیں جواہر کو سخن کے

ہے لعل و گہر سے یہ دہن کانِ جواہر ۱۵ ہنگامِ سخن کھلتی ہے، دکانِ جواہر
ہیں بند مرصع تو، ورق خوانِ جواہر دیکھے اسے، ہاں ہے کوئی خواہانِ جواہر
بینائے رقوماتِ ہنر چاہیے اس کو
سودا ہے جواہر کا، نظر چاہیے اس کو

کیا ہو گئے وہ جوہریانِ سخن اک بار ۱۶ ہر وقت جو اس جنس کے رہتے تھے طلب گار
اب ہے کوئی طالب نہ شناسا نہ خریدار ہے کون دکھائیں کسے یہ گوہرِ شہوار
کس وقت یہاں چھوڑ کے ملکِ عدم آئے
جب اُٹھ گئے بازار سے گاہک تو ہم آئے

خواہاں نہیں یاقوتِ سخن کا کوئی، گو آج ۱۷ ہے آپ کی سرکار تو، یا صاحبِ معراج
اے باعثِ ایجادِ جہاں، خلق کے سرتاج ہو جائے گا دم بھر میں غنی بندۂ محتاج
امید اسی گھر کی، وسیلہ اسی گھر کا
دولت یہی میری، یہی توشہ ہے سفر کا

میں کیا ہوں مری طبع ہے کیا اے شہِ شاہاں ۱۸ حسّان و فرزدقؔ ہیں یہاں عاجز و حیراں
شرمندہ زمانے سے گئے وائلؔ و سحباںؔ قاصر ہیں سخن فہم و سخن سنج و سخن داں
کیا مدح کفِ خاک سے ہو نورِ خدا کی
لکنت یہیں کرتی ہیں زبانیں فصحا کی

لایعلم و لا اعلم کی کیا سحر بیانی ۱۹ حضرت پہ ہویدا ہے، مری ہیچ مدانی
نہ ذہن میں جودت، نہ طبیعت میں روانی گویا ہوں، فقط ہے یہ تری فیض رسانی
میں کیا ہوں فرشتوں کی طلاقت ہے تو کیا ہے
وہ خاص یہ بندے ہیں کہ مدّاح خدا ہے

تھا جوش کچھ ایسا ہی جو دعویٰ کیا میں نے ۲۰ خود سر بہ گریباں ہوں کہ یہ کیا کیا میں نے
اک قطرۂ ناچیز کو دریا کیا میں نے تقصیر بحل کیجیے، بے جا کیا میں نے
ہاں سچ ہے کہ اتنی بھی تعلّی نہ روا تھی
مولا یہ کلیجے کے پھپھولوں کی دوا تھی

مجرم ہوں، کبھی ایسی خطا کی نہیں میں نے ۲۱ بھولے سے بھی آپ اپنی ثنا کی نہیں میں نے
دل سے کبھی مدحِ اُمرا کی نہیں میں نے تقلیدِ کلامِ جہلا کی نہیں میں نے
نازاں ہوں محبت پہ امامِ ازلی کی
ساری یہ تعلّی ہے حمایت سے علیؑ کی

ہر چند زباں کیا مری اور کیا مری تقریر ۲۲ دن رات وظیفہ ہے ثنا خوانیٔ شبیرؑ
منظور ہے اک باب میں دو فصل کی تحریر مولا کی مدد کا متمنّی ہے یہ دل گیر
یہ فصل نئے ڈھنگ سے کاغذ پہ رقم ہو
اک بزم ہو شادی کی تو اک صحبتِ غم ہو

شعباں کی ہے تاریخِ سوئم روزِ ولادت ۲۳ اور ہے دہم ماہِ عزا یومِ شہادت
دونوں میں بہر حال ہے تحصیلِ سعادت وہ بھی عملِ خیر ہے یہ بھی ہے عبادت
مدّاح ہوں کیا کچھ نہیں اس گھر سے ملا ہے
کوثر ہے صلا اس کا بہشت اس کا صلا ہے

مقبول ہوئی عرض، گنہ عفو ہوئے سب ۲۴ امید بر آئی مرا حاصل ہوا مطلب
شامل ہوا افضالِ محمدؐ کرمِ رب   ہوتے ہیں علم فوجِ مضامیں کے نشاں اب

پشتی پہ ہیں سب رکنِ رکیں دینِ متیںؑ کے
ڈنکے سے ہلا دیتا ہوں طبقوں کو زمیں کے

نازاں ہوں عنایت پہ شہنشاہِ زمن کی ۲۵ بخشش ہے رضا جائزۂ فوجِ سخن کی
چہرے کی بحالی سے قبا چُست ہے تن کی   لو برطرفی پڑ گئی مضمون کہن کی

اک فرد پرانی نہیں دفتر میں ہمارے
بھرتی ہے نئی فوج کی لشکر میں ہمارے

ہاں اے فلکِ پیر نئے سر سے جواں ہو ۲۶ اے ماہِ شبِ چاردہم نورفشاں ہو
اے ظلمتِ غم دیدۂ عالم سے نہاں ہو   اے روشنیِ صبح شبِ عید عیاں ہو

شادی ہے ولادت کی یداللہ کے گھر میں
خورشید اترتا ہے شہنشاہ کے گھر میں

ہے شمس و قمر، اور قمر ہوتا ہے پیدا ۲۷ نخلِ چمنِ دیں کا ثمر، ہوتا ہے پیدا
مخدومۂ عالم کا پسر، ہوتا ہے پیدا   جو عرش کی ضو ہے، وہ گہر ہوتا ہے پیدا

ہر جسم میں جاں آتی ہے مذکور سے جس کے
لو نورِ خدا ہوں گے عیاں نور سے جس کے

اے کعبۂ ایماں تری حرمت کے دن آئے ۲۸ اے رکنِ یمانی تری شوکت کے دن آئے
اے بیتِ مقدس تری عزت کے دن آئے   اے چشمۂ زمزم، تری چاہت کے دن آئے

اے سنگِ حرم جلوہ نمائی ہوئی تجھ میں
اے کوہِ صفا، اور صفائی ہوئی تجھ میں

اے یثرب و بطحا ترے والی کی ہے آمد ۲۹ اے رتبۂ اعلیٰ، شہِ عالی کی ہے آمد
عالم کی تغیری پہ بحالی کی ہے آمد   کہتے ہیں چمن، ماہِ جلالی کی ہے آمد

یہ خانۂ کعبہ کے مباہات کے دن ہیں
یعقوب سے یوسفؑ کی ملاقات کے دن ہیں

اے ارضِ مدینہ، تجھے فوق اب ہے فلک پر ۳۰ رونق جو سما پر ہے، وہ اب ہوگی سمک پر
خورشید ملا، تیرا ستارہ ہے، چمک پر صدقے گلِ تر ہے تری پھولوں کی مہک پر
پر جس پہ فرشتوں کے بچھیں فرش وہی ہے
جس خاک پہ ہو نورِ خدا عرش وہی ہے

یا ختمِ رسل گوہرِ مقصود مبارک ۳۱ یا نورِ خدا رحمتِ معبود مبارک
یا شاہِ نجف شادیِ مولود مبارک یا خیرِ النساؑ، اخترِ مسعود مبارک
رونق ہو سدا نور دوبالا رہے گھر میں
اس ماہِ دوہفتہ کا اُجالا رہے گھر میں

اے اُمتیو ہے یہ دمِ شکر گزاری ۳۲ ہر بار کرو سجدۂ شکریۂ باری
اللہ نے حل کر دیا مشکل کو تمہاری فردیں عملِ زشت کی اب چاک ہیں ساری
لکھے گئے بندوں میں ولی ابن ولی کے
ناجی ہوئے صدقے سے حسینؑ ابن علیؑ کے

اے ماہِ معظم ترے اقبال کے صدقے ۳۳ شوکت کے فدا عظمت و اجلال کے صدقے
اتری برکت، فاطمہ کے لال کے صدقے جس سال یہ پیدا ہوئے اس سال کے صدقے
قرباں سحرِ عید اگر ہو تو بجا ہے
نوروز بھی اس شب کی بزرگی پہ فدا ہے

قربان شبِ جمعہ، شعبانِ خوش انجام ۳۴ پیدا ہوا جس شب کو محمدؐ کا گل اندام
قائم ہوا دیں اور بڑھی رونقِ اسلام ہم پلۂ صبحِ شبِ معراج تھی وہ شام
خورشید کا اجلال و شرف بدر سے پوچھو
کیا قدر تھی اس شب کی شبِ قدر سے پوچھو

وہ نورِ قمر اور درافشانیِ انجم ۳۵ تھے جس کے سبب روشنیِ دیدۂ مردم
وہ چہچہے رضواں کے، وہ حوروں کا تبسم آپس میں وہ ہنس ہنس کے فرشتوں کا تکلم
میکائیلؑ شگفتہ ہوئے جاتے تھے خوشی سے
جبریلؑ تو پھولوں نہ سماتے تھے خوشی سے

روشن تھا مدینے کا ہر اک کوچہ و بازار ۳۶ جو راہ تھی خوشبو، جو محلہ تھا وہ گلزار
کھولے ہوئے تھا آہوئے شب نافۂ تاتار معلوم یہ ہوتا تھا کہ پھولوں کا ہے انبار
گردوں کو بھی اک رشک تھا زینت پہ زمیں کی
ہر گھر میں ہوا آتی تھی فردوسِ بریں کی

کیا شب تھی وہ مسعود و ہمایون و معظم ۳۷ رُخ رحمتِ معبود کا تھا جانبِ عالم
جبریل و سرافیل[15] کو مہلت نہ تھی اک دم بالائے زمیں آتے تھے اور جاتے تھے باہم
باشندوں کو یثرب کے خبر تھی نہ گھروں کی
سب سنتے تھے آواز فرشتوں کے پروں کی

تھیں فاطمہؑ بے چین ادھر دردِ شکم سے ۳۸ مُنہ فق تھا اور آنسو تھے رواں دیدۂ نم سے
وابستہ تھی راحت جو اسی بی بی کے دم سے مضطر تھے علیؑ بنتِ پیمبرؐ کے الم سے
آرام تھا اک دم نہ شہِ قلعہ شکن کو
پھرتے تھے لگائے ہوئے چھاتی سے حسنؑ کو

کرتے تھے دعا بادشہِ یثرب و بطحا ۳۹ راحم ہے تری ذاتِ مقدس مرے مولا
زہرا ہے کنیز اور مرا بچہ ترا بندا آسان کر اے بارِ خدا مشکلِ زہراؑ
نادار ہے اور فاقہ کش و زار و حزیں ہے
مادر بھی تشفی کے لیے پاس نہیں ہے

ناگاہ درِ حجرہ ہوا مطلعِ انوار ۴۰ دکھلانے لگے نورِ تجلی در و دیوار
اسما نے علیؑ سے یہ کہا دوڑ کے اک بار فرزند مبارک تمھیں یا حیدرؑ کرار
اسپند کرو فاطمہ کے ماہ جبیں پر
فرزند نہیں چاند یہ اترا ہے زمیں پر

دیکھا نہیں اس طرح کا چہرہ کبھی پیارا ۴۱ نقشہ ہے محمدؐ سے شہنشاہ کا سارا
ماتھے پہ چمکتا ہے جلالت کا ستارا اللہ نے اس گھر میں عجب چاند اتارا
تصویرِ رسولِ عربیؐ دیکھ رہے ہیں
آنکھوں کی ہے گردش کہ نبیؐ دیکھ رہے ہیں

مژدہ یہ سنا احمدِ مختار نے جس دم ۴۲ پس شکر کے سجدے کو گرے قبلۂ عالم
آئے طرفِ خانۂ زہرا خوش و خرم فرمایا مبارک پسر اے ثانیِ مریم
چہرہ مجھے دکھلا دو مرے نورِ نظر کا
ٹکڑا ہے یہ فرزندِ محمدؐ کے جگر کا

کی عرض یہ اسما نے کہ اے خاصۂ داور ۴۳ نہلا لوں تو لے آؤں اُسے حجرے سے باہر
ارشاد کیا احمدِ مختار نے ہنس کر لے آ کہ نواسا ہے مرا طاہر و اطہر
اس چاند کو تاجِ سرِ افلاک کیا ہے
یہ وہ ہے، خدا نے جسے خود پاک کیا ہے

میں اس سے ہوں اور مجھ سے ہے یہ تو نہیں ظاہر ۴۴ یہ نورِ الٰہی ہے یہ ہے طیب و طاہر
اسرار جو مخفی ہیں وہ اب ہوئیں گے ظاہر یہ آیتِ ایماں ہے یہ ہے حجتِ باہر
بڑھ کر مددِ سیدِ لولاک کرے گا
کفار کے قصے کو یہی پاک کرے گا

جس دم یہ خبر مخبرِ صادق نے سُنائی ۴۵ اسما اسے اک پارچۂ نرم پہ لائی
بو اس گلِ تازہ کی محمدؐ نے جو پائی ہنسنے لگے، سُرخی رُخِ پُرنور پہ آئی
منہ چاند سا دیکھا جو رسولِ عربی نے
لپٹا لیا چھاتی سے نواسے کو نبیؐ نے

جاں آ گئی یعقوبؑ نے یوسفؑ کو جو پایا ۴۶ قرآں کی طرح رحلِ دو زانو پہ بٹھایا
منہ ملنے لگے منہ سے بہت پیار جو آیا بوسے لیے اور ہاتھوں کو آنکھوں سے لگایا
دل ہل گیا کی جب کہ نظر سینہ و سر پر
چوما جو گلا، چل گئی تلوار جگر پر

جوش آیا تھا رونے کا مگر تھام کے رقت ۴۷ اس کان میں فرمائی اذاں اس میں اقامت
حیدرؑ سے یہ فرمایا کہ اے شاہِ ولایت کیوں تم نے بھی دیکھی مرے فرزند کی صورت
پُر نور ہے گھر، تم کو ملا ہے قمر ایسا
دنیا میں کسی نے نہیں پایا پسر ایسا

کیوں کر نہ ہو تم سا پدر اور فاطمہؑ سی ماں ۴۸ دو شمس و قمر کا ہے یہ اک نیرِ تاباں
کی عرض یہ حیدرؑ نے کہ اے قبلۂ ایماں حق اس پہ رکھے سایۂ پیغمبرؐ ذی شاں
اعلیٰ ہے وہ سب سے جو مقامِ شہِ دیں ہے
بندہ ہوں میں اور یہ بھی غلامِ شہِ دیں ہے

عالم میں ہے یہ سب برکت آپ کے دم سے ۴۹ سرسبزیِ دنیا ہے اسی ابرِ کرم سے
تا عرش پہنچ جاتا ہے سر فیضِ قدم سے عزت ہے غلاموں کی شہنشاہِ امم سے
کچھ اس میں نہ زہراؑ کا ہے باعث نہ علیؑ کا
سب ہے یہ بزرگی کہ نواسہ ہے نبیؐ کا

فرمانے لگے ہنس کے شہِ یثرب و بطحا ۵۰ بھائی کہو فرزند کا کچھ نام بھی رکھا
کی عرض یہ حیدرؑ نے کہ اے سیّدِ والا سبقت کروں حضرت پہ یہ مقدور ہے میرا
فرمایا کہ موقوف ہے یہ ربِّ عُلا پر
میں بھی سبقت کر نہیں سکتا ہوں خدا پر

بس اتنے میں نازل ہوئے جبریلِ خوش انجام ۵۱ کی عرض کہ فرماتا ہے یہ خالقِ علّام
پیارا ہے نہایت ہمیں زہراؑ کا گل اندام یا ختمِ رسلؐ ہم نے "حسینؑ" اس کا رکھا نام
یہ حُسن میں سردارِ حسینانِ زمن ہے
مشتق ہے تو احسان سے تصغیرِ حسنؑ ہے

ح سے یہ اشارہ کہ یہ ہے حامیِ امّت ۵۲ سمجھیں گے اسی سین کو سب سینِ سعادت
یَ اس کی بزرگی میں ہے یٰسین کی آیت ہے نون سے ظاہر کہ یہ ہے نورِ نبوّت
ناجی ہے وہ اس نام کو لے گا جو دہن سے
یہ حُسن میں دس حصّے زیادہ ہے حَسنؑ سے

دو نور کے دریا کو جو ہم نے کیا اک جا ۵۳ تب اُس سے ہوا گوہرِ نایاب یہ پیدا
توقیر میں بے مثل، شجاعت میں ہے یکتا اب اور نہ ہوگا کوئی اس حُسن کا لڑکا
ہم جانتے ہیں جو نہیں ظاہر ہے کسی پر
کام اس سے جو لینا ہے وہ ہے ختم اسی پر

فیاض نے کونین کی دولت اسے دی ہے ۵۴ دی ہے جو علیؑ کو وہ شجاعت اسے دی ہے
صبر اس کو عنایت کیا، عزّت اسے دی ہے ان سب کے سوا اپنی محبّت اسے دی ہے
اعلیٰ ہے، معظم ہے، مکرّم ہے، ولی ہے
ہادی ہے، وفادار ہے، زاہد ہے، سخی ہے

جب کر چکے ذکرِ کرم مالکِ تقدیر ۵۵ جبریلؑ نے پاس آن کے دیکھا رخِ شبیرؑ
کی عرض علیٰ کہہ کے محمدؐ سے یہ تقریر یا شاہ، یہ مہرو تو ہے صاف آپ کی تصویر
جب کی ہے زیارت پئے تسلیم جھکے ہیں
اس نور کو ہم عرش پہ بھی دیکھ چکے ہیں

ہے اس پہ ازل سے نظرِ رحمتِ معبود ۵۶ یہ پیشتر آدم سے بھی تھا عرش پہ موجود
ہے ذاتِ خدا صاحبِ فیض و کرم و جود تھا خلقِ دو عالم سے یہی مطلب و مقصود
مظلومی و غربت ہے عجب نام پہ اس کے
سب روتے ہیں اور روئیں گے انجام پہ اس کے

یہ سب ہے سبب تہنیت و تعزیت اس دم ۵۷ ہے شادی و غم گلشنِ ایجاد میں توام[۱۸]
لپٹائے ہیں چھاتی سے جسے قبلۂ عالم بے جرم و خطا ذبح کریں گے اسے اظلم
گر حشر بھی ہوگا تو یہ آفت نہ ٹلے گی
سجدے میں چھری حلقِ مبارک پہ چلے گی

ہوگا یہ غریب ایسا ستم اے شہِ ذی جاہ ۵۸ چھپ جائے گا آنکھوں سے اسی چاند میں یہ ماہ
تاریخ دہم جمعہ کے دن عصر کے وقت آہ نیزے پہ چڑھائیں گے سرِ پاک کو گمراہ
کٹ جائے گا جب سر تو ستم لاش پہ ہوں گے
گھوڑوں کے قدم سینۂ صد پاش پہ ہوں گے

چلّائے محمدؐ کہ میں بسمل ہوا بھائی ۵۹ اے وائے اخی کیا یہ خبر مجھ کو سنائی
دل ہل گیا برچھی سی کلیجے میں در آئی یہ واقعہ سن کر نہ جیے گی مری جائی
ممکن نہیں دنیا میں دوا زخمِ جگر کی
کیوں کر کہوں زہراؑ سے خبر مرگِ پسر کی

جس وقت سُنی فاطمہؑ نے یہ خبرِ غم ۶۰ شادی میں ولادت کی بپا ہو گیا ماتم
چلاتی تھی سر پیٹ کے وہ ثانیِ مریم بیٹی پہ چھری چل گئی یا سیدِ عالم
خنجر کے تلے چاند سی تصویر کی گردن
کٹ جائے گی ہے ہے مرے شبیرؑ کی گردن

ہے ہے کئی دن تک نہ ملے گا اسے پانی ۶۱ ہے ہے یہ سہے گا تعبِ تشنہ دہانی
ہو جائیں گے اِک جان کے سب دشمنِ جانی ہے ہے مرا محبوب، مرا یوسفِ ثانی
پیراہنِ صد چاک کفن ہووے گا اس کا
سر نیزہ پہ اور خاک پہ تن ہووے گا اس کا

صبر اپنا دکھانے کو یہ آئے ہیں جہاں میں ۶۲ یوں خلق سے جانے کو یہ آئے ہیں جہاں میں
جنگل کے بسانے کو یہ آئے ہیں جہاں میں اماں کے رلانے کو یہ آئے ہیں جہاں میں
ہم چاند سی صورت پہ نہ شیدا ہوئے ہوتے
اے کاش مرے گھر میں نہ پیدا ہوئے ہوتے

دنیا مجھے اندھیر ہے اس غم کی خبر سے ۶۳ شعلوں کی طرح آہ نکلتی ہے جگر سے
دامن پہ ٹپکتا ہے لہو دیدۂ تر سے بس آج سفر کر گئی شادی مرے گھر سے
جس وقت تلک جیتی ہوں ماتم میں رہوں گی
مظلوم حسینؑ آج سے اس کو میں کہوں گی

بیٹی کو یہ معلوم نہ تھا یا شہِ عالم ۶۴ بچھے گی زچہ خانے کے اندر صفِ ماتم
اب دن ہے چھٹی کا مجھے عاشورِ محرم تارے بھی نہ دیکھے تھے کہ ٹوٹا فلکِ غم
پوشاک نہ بدلوں گی نہ سر دھوؤں گی بابا
چلے میں بھی چہلم کی طرح روؤں گی بابا

حیدر ہے کہاں آ کے دلاسا نہیں دیتے ۶۵ زہراؑ کا برا حال ہے سمجھا نہیں دیتے
اس زخم کا مرہم مجھے بتلا نہیں دیتے ہے ہے مجھے فرزند کا پرسا نہیں دیتے
حجرے میں الگ بیٹھے ہیں کیوں چھوڑ کے گھر کو
آواز تو سنتی ہوں کہ روتے ہیں پسر کو

پھر دیکھ کے فرزند کی صورت یہ پکاری ۶۶ اے میرے شہید اے مرے بیکس ترے واری
ہاں بعد مرے ذبح کریں گے تجھے ناری بنتی ہوں ابھی سے میں عزادار تمھاری
دل اور کسی شغل میں مصروف نہ ہوگا
بس آج سے رونا مرا موقوف نہ ہوگا

مر جائے گا تو تشنہ دہن ہائے حسینا ۶۷ ہو جائے گا ٹکڑے یہ بدن ہائے حسینا
اک جان پہ یہ رنج و محن ہائے حسینا کوئی تجھے دے گا نہ کفن ہائے حسینا
گاڑیں گے نہ ظالم تنِ صد پاش کو ہے ہے
رہواروں سے روندیں گے تری لاش کو ہے ہے

فرمایا محمدؐ نے کہ اے فاطمہؑ زہرا ۶۸ کیا مرضیِ معبود سے بندے کا ہے چارہ
خالق نے دیا ہے اسے وہ رتبۂ اعلیٰ جبریل سوا کوئی نہیں جاننے والا
میں بھی ہوں فدا اس پہ کہ یہ فدیۂ رب ہے
یہ لال ترا بخششِ امت کا سبب ہے

اس بات کا غم ہے اگر اے جانِ پیمبرؐ ۶۹ بے دفن و کفن رن میں رہے گا ترا دلبر
جب قید سے ہووے گا رہا عابدِ مضطر تربت میں اسے دفن کرے گا وہی آکر
ارواحِ رسولانِ زمن روئیں گی اس کو
سر پیٹ کے زینب سی بہن روئیں گی اس کو

جب چرخ پہ ہوئے گا عیاں ماہِ محرم ۷۰ ہر گھر میں بپا ہوئے گی اک مجلسِ ماتم
آئیں گے ملک عرش سے واں رونے کو باہم ماتم یہ وہ ماتم ہے کہ ہوگا نہ کبھی کم
پُر نور سدا اس کا عزاخانہ رہے گا
خورشیدِ جہاں گرد بھی پروانہ رہے گا

کیا اوج ہے، کیا رتبہ ہے اس بزمِ عزا کا ۷۱ غل عرش سے ہے فرش تلک صلِ علیٰ کا
مشتاق ہے فردوسِ بریں یاں کی فضا کا پانی میں بھی ہے یاں کی مزا آبِ بقا کا
دربارِ معلیٰ ہے ولی ابنِ ولی کا
جاری ہے یہ سب فیض حسینؑ ابن علی کا

لو یاں سے بس اب مجلسِ ماتم کا بیاں ہے ۷۲ وہ فصل خوشی ختم ہوئی غم کا بیاں ہے
مظلومیِ سلطانِ دوعالم کا بیاں ہے ہنگامۂ عاشورِ محرم کا بیاں ہے
ہاں دیکھ لے مشتاق جو ہو فوجِ خدا کا
لو بزم میں کھلتا ہے مرقع شہدا کا

اے خضرِ بیابانِ سخن راہبری کر ۷۳ اے نیرِ تابانِ خرد جلوہ گری کر
اے دردِ عطا لذتِ زخمِ جگری کر اے خوفِ الٰہی مجھے عصیاں سے بری کر
بندوں میں لکھا جاؤں امامِ ازلی کے
آزاد ہوں صدقے میں حسینؑ ابن علیؑ کے

قدسی کو نہیں بار، یہ دربار ہے کس کا ۷۴ فردوس کو ہے رشک یہ گلزار ہے کس کا
سب جنسِ شفاعت ہے، یہ بازار ہے کس کا خود بکتا ہے یوسفؑ یہ خریدار ہے کس کا
ملتی ہے کہاں مفت متاعِ حسن ایسی
دیکھی نہیں انجم نے کبھی انجمن ایسی

مجلس کا زہے نور خوشا محفلِ عالی ۷۵ حیدرؑ کے محبوں سے کوئی جا نہیں خالی
عاشق ہیں سب اس کے جو ہے کونین کا والی اثنا عشری، پنجتنی، شیعۂ غالی
ششدر نہ ہو کیوں چرخ عجب جلوہ گری ہے
یہ بزمِ عزا آج ستاروں سے بھری ہے

ان میں جو مسن ہیں وہ پیمبر کے ہیں مہماں ۷۶ اور جو متوسط ہیں وہ حیدرؑ کے ہیں مہماں
جو تازہ جواں ہیں، علی اکبرؑ کے ہیں مہماں شیعوں کے پسر سب علی اصغرؑ کے ہیں مہماں
ہر خورد و کلاں عاشقِ شاہِ مدنی ہیں
پانچ انگلیوں کی طرح یہ سب پنجتنی ہیں

ارشادِ نبیؐ ہے کہ مددگار ہیں میرے ۷۷ فرماتے ہیں حیدرؑ کہ یہ غم خوار ہیں میرے
حضرت کا سخن ہے کہ عزادار ہیں میرے میں ان کا ہوں طالب یہ طلب گار ہیں میرے
یہ آج اگر رو کے ہمیں یاد کریں گے
ہم قبر میں ان لوگوں کی امداد کریں گے

اللہ سلامت رکھے ان لوگوں کی اولاد ۷۸ غم میں مرے بچوں کے یہ سب کرتے ہیں فریاد
یہ حشر کے دن آتشِ دوزخ سے ہوں آزاد بستی مرے شیعوں کی رہے خلق میں آباد
مرتا ہے کوئی گر تو بکا کرتا ہوں میں بھی
اُن کے لیے بخشش کی دعا کرتا ہوں میں بھی

رونا ہی وسیلہ ہے شفاعت کا ہماری ۷۹ مردم کے لیے واجب عینی ہے یہ زاری
یہ خیر ہے وہ خیر جو ہر وقت ہے جاری ہے وقتِ معین پہ ادا طاعتِ باری
رو لو کہ یہ وقت اور یہ صحبت نہ ملے گی
جب آنکھ ہوئی بند تو مہلت نہ ملے گی

آمادہ ہو رونے پہ سعادت اسے جانو ۸۰ مہلت جو اجل دے تو غنیمت اُسے جانو
ایذا ہو جو محفل میں تو راحت اسے جانو آنسو نکل آئیں تو عبادت اسے جانو
فاقے کیے ہیں دھوپ میں لب تشنہ رہے ہیں
آقا نے تمہارے لیے کیا ظلم سہے ہیں

پانی ہے خنک مروحہ کش بادِ صبا ہے ۸۱ تکلیف کچھ ایسی نہیں سایہ ہے ہوا ہے
سر پیٹنے کا وقت ہے ہنگامِ بکا ہے کچھ گرمیِ عاشورہ کا بھی حال سنا ہے
گذری ہے بیاباں میں وہ گرمی شہِ دیں پر
بھن جاتا تھا دانہ بھی جو گرتا تھا زمیں پر

تھا عنصرِ خاکی پہ گمانِ کرۂ نار ۸۲ یوں چلتی تھی ایسی کہ جلے جاتے تھے اشجار
سب خلق تو سیراب تھی پیاسے شہِ ابرار پانی پہ دد و دام گرے پڑتے تھے ہر بار
خاک اُڑ کے جمی جاتی تھی زلفوں پہ قبا پر
اس دھوپ میں سایہ بھی نہ تھا نورِ خدا پر

ثابت یہی ہوتا تھا کہ ہیں اخترِ سیار ۸۳ قطرے جو پسینے کے ٹپک پڑتے تھے ہر بار
بے آبی سے اودے تھے لبِ لعل گہر بار شاہد الم فاقہ سے ہے زردیِ رخسار
دنیا میں ترستے رہے وہ آبِ رواں کو
جن ہونٹوں نے چوما تھا محمدؐ کی زباں کو

دنیا بھی عجب گھر ہے کہ راحت نہیں جس میں ۸۴ وہ گل ہے یہ گل بوئے محبت نہیں جس میں
وہ دوست ہے یہ دوست مروت نہیں جس میں وہ شہد ہے یہ شہد حلاوت نہیں جس میں
بے درد و الم شامِ غریباں نہیں گزری
دنیا میں کسی کی کبھی یکساں نہیں گزری

گودی ہے کبھی ماں کی کبھی قبر کا آغوش ۸۵ گل پیرہن اکثر نظر آتے ہیں کفن پوش
سرگرمِ سخن ہے کبھی انساں کبھی خاموش گہ تہنیت ہے اور گاہ جنازہ بسرِ دوش
اک طور پہ دیکھا نہ جواں کو نہ مُسن کو
شب کو تو چھپرکھٹ میں ہیں تابوت میں دن کو

شادی ہو کہ اندوہ ہو آرام ہو یا جور ۸۶ دنیا میں گزر جاتی ہے انساں کی بہر طور
ماتم کی کبھی فصل ہے عشرت کا کبھی دور ہے شادی و ماتم کا مرقع جو کرو غور
کس باغ پہ آسیبِ خزاں آ نہیں جاتا
گل کون سا کھلتا ہے جو مرجھا نہیں جاتا

ہے عالمِ فانی کی عجب صبح عجب شام ۸۷ گہ غم کبھی شادی کبھی ایذا کبھی آرام
نازوں سے پلا فاطمہ زہرا کا گل اندام واحسرت و دردا کہ وہ آغاز یہ انجام
راحت نہ ملی گھر کے تلاطم سے دہم تک
مظلوم نے فاقے کیے ہفتم سے دہم تک

ریتی یہ عزیزوں کا مرقّع تو ہے ابتر ۸۸ شہ کا ہے یہ نقشہ کہ میں تصویر سے ششدر
فرزند نہ مسلمؑ کے نہ ہمشیر کے دلبر قاسمؑ ہیں نہ عباسؑ نہ اکبرؑ ہیں نہ اصغرؑ
سب نذر کو دربارِ پیمبر میں گئے ہیں
رخصت کو اکیلے شہِ دیں گھر میں گئے ہیں

منظور ہے پھر دیکھ لیں ہمشیر کی صورت ۸۹ پھر لے گئی ہے گھر میں سکینہؑ کی محبت
سجادؑ سے کچھ کہتے ہیں اسرارِ امامت بانوئے دو عالم سے بھی ہے آخری رخصت
مطلوب ہے یہ زیبِ بدن رختِ کہن ہو
تا بعدِ شہادت وہی ملبوسِ کفن ہو

خیمے میں مسافر کا وہ آنا تھا قیامت ۹۰ ایک ایک کو چھاتی سے لگانا تھا قیامت
آنا تو غنیمت تھا پہ جانا تھا قیامت تھوڑا سا وہ رخصت کا زمانہ تھا قیامت
واں بین ادھر صبر و شکیبائی کی باتیں
افسانۂ ماتم تھیں بہن بھائی کی باتیں

حضرت کا وہ کہنا کہ بہن صبر کرو صبر ۹۱ امت کے لیے والدہ صاحب نے سہے جبر
وہ کہتی تھی کیوں کر نہ میں روؤں صفتِ ابر تم پہنو کفن اور نہ بنے ہائے مری قبر
لٹتے ہوئے اماں کا گھر ان آنکھوں سے دیکھوں
ہے ہے تہِ خنجر تمہیں کن آنکھوں سے دیکھوں

اس عمر میں تھوڑے غم جانکاہ اٹھائے ۹۲ اشک آنکھوں سے اماں کے جنازے پہ بہائے
آنسو نہ تھمے تھے کہ پدر خوں میں نہائے ٹکڑے دلِ شبرؑ کے لگن میں نظر آئے
حضرت کے سوا اب کوئی سر پہ نہیں بھائی
انساں ہوں کلیجہ مرا پتھر نہیں بھائی

ہر شخص کو ہے یوں تو سفر خلق سے کرنا ۹۳ دشوار ہے اک آن مسافر کا ٹھہرنا
ان آنکھوں سے دیکھا ہے بزرگوں کا گزرنا ہے سب سے سوا ہائے یہ مظلومی کا مرنا
صدقے گئی یوں رن کبھی پڑتے نہیں دیکھا
اک دن میں بھرے گھر کو اجڑتے نہیں دیکھا

ہے ہے تمہیں لے کے میں کہاں چھپ رہوں بھائی ۹۴ لٹتی ہے مرے چار بزرگوں کی کمائی
کس دشتِ پر آشوب میں قسمت مجھے لائی یارب کہیں مر جائے ید اللہ کی جائی
زہراؑ کا پسر وقتِ جدائی مجھے روئے
سب کو تو میں روئی ہوں یہ بھائی مجھے روئے

زینبؑ کی وہ زاری وہ سکینہؑ کا بلکنا ۹۵ وہ ننھی سی چھاتی میں کلیجے کا دھڑکنا
وہ چاند سا منہ اور وہ بندے کا چمکنا حضرت کا وہ بیٹی کی طرف یاس سے تکنا
حسرت سے یہ ظاہر تھا کہ معذور ہیں بی بی
پیدا تھا نگاہوں سے کہ مجبور ہیں بی بی

فرماتے تھے شہ آؤ نہ جانِ پدر آؤ ۹۶ وہ کہتی تھی بابا ہمیں چھاتی سے لگاؤ
خوشبو تو ذرا گیسوئے مشکیں کو سنگھاؤ ہم کڑھتے ہیں لو آنکھوں سے آنسو نہ بہاؤ
کوثر پہ ہے، تم بن نہیں آرام چچا کو
ہم جاتے ہیں کچھ دیتی ہو پیغام چچا کو

کس گوشے میں بیٹھی ہیں کہاں کرتی ہیں زاری ۹۷ بی بی کہو کیا حال ہے اب ماں کا تمہاری
دیکھا نہ انھیں گھر میں ہم آئے کئی باری جب سے سوئے جنت گئی اکبر کی سواری
تھی سب کی محبت انھیں بیٹے ہی کے دم تک
کیا آخری رخصت کو بھی آئیں گی نہ ہم تک

ممکن نہیں اب وہ ہمیں یا ہم انھیں پائیں ۹۸ کس جا ہیں طلب ہم کو کریں یا وہی آئیں
اک دم کے مسافر ہیں ہمیں دیکھ تو جائیں کچھ ہم سے سنیں کچھ ہمیں حال اپنا بتائیں
بعد اپنے یہ لوٹا ہوا گھر اور لٹے گا
افسوس کہ اک عمر کا ساتھ آج چھٹے گا

ثابت ہوا مرنے کو چلے حضرتِ شبیرؑ ۹۹ غش میں جو سنی بانوئے مضطر نے یہ تقریر
چلائی مجھے ہوش نہ تھا یا شہِ دلگیر سر ننگے اٹھی چھوڑ کے گہوارۂ بے شیر
جاں تن سے کوئی آن میں اب جاتی ہے آقا
یہ خادمہ رخصت کے لیے آتی ہے آقا

قدموں پہ گری دوڑ کے وہ کھولے ہوئے بال ۱۰۰ یہ سن کے بڑھے چند قدم شاہِ خوش اقبال
روتے تھے غضب آنکھوں پہ رکھے ہوئے رومال تھا قبلۂ عالم کا بھی اس وقت عجب حال
فرماتے تھے جانکاہ جدائی کا الم ہے
اٹھو تمہیں روحِ علی اکبرؑ کی قسم ہے

والی انھیں ہوں کی بدولت ہے مرا راج ۱۰۱ وہ کہتی تھی کیونکر میں اٹھوں اے مری سرتاج
چادر کے خلق میں ہو جاؤں گی محتاج سر پر جو نہ ہوگا پسرِ صاحبِ معراج
چھوٹے جو قدم مرتبہ گھٹ جائے گا میرا
قربان گئی تخت الٹ جائے گا میرا

وہ پہلی اسیری کی اذیت ہے مجھے یاد ۱۰۲ یاں آئی میں جب خانۂ کسریٰ[21] ہوا برباد

حضرت کے تصدق میں ہوئی قید سے آزاد کی عقدہ کشائے دو جہاں نے مری امداد

لونڈی تھی، بہو ہوگئی زہراؑ و علیؑ کی

قسمت نے بٹھایا مجھے مسند پہ نبیؐ کی

اب ہجر ہے تقدیر میں یا سیدِ خوش خو ۱۰۳ چھبیس برس تک نہ چھٹا آپ کا پہلو

ہے ہے اُسے اب رسّی سے باندھیں گے جفاجو شب بھر رہے تکیۂ سرِ اقدس کا جو بازو

سر پر نہ ردا ہوگی تو مر جاؤں گی صاحب

چھپنے کو میں جنگل میں کدھر جاؤں گی صاحب

ہر عاشق و معشوق نے یہ داغ سہا ہے ۱۰۴ حضرت نے کہا کس کا سدا ساتھ رہا ہے

ہر چشم سے خونِ جگر اس غم میں بہا ہے دارِ محن اس دار کو داور نے کہا ہے

فرقت میں عجب حال تھا خالق کے ولی کا

ساتھ، آٹھ برس تک رہا زہراؑ و علیؑ کا

اس موت نے دم بھر میں جدا کر دیا اُن کو ۱۰۵ سو سو برس اس گھر میں محبت سے رہے جو

ہے شاق فلک کو کہ رہیں ایک جگہ دو کچھ مرگ سے چارہ نہیں اے بانوئے خوش خو

کس کس پہ زمانے نے جفا کی نہیں صاحب

اچھوں سے کبھی اُس نے وفا کی نہیں صاحب

تھامے گا تباہی میں وہی رانڈ کے گھر کو ۱۰۶ لازم ہے خدا سے طلبِ خیر بشر کو

وارث کی جدائی میں پٹکتے نہیں سر کو آتا ہے تمھیں بھی وہیں، جاتے ہیں جدھر کو

کھولے گا وہی رسّی بندھے ہاتھ تمہارے

سجّاد سا بیٹا ہے جواں ساتھ تمہارے

ایسا کوئی اس گھر میں نہیں بے کس و ناچار ۱۰۷ زینبؑ کو تو دیکھو کہ ہیں کس دکھ میں گرفتار

دنیا سے گیا اکبرِ ناشاد سا غمخوار تنہا ہیں کہ بے جاں ہوئے دو چاند سے دلدار

بیٹے بھی نہیں، گود کا پالا بھی نہیں ہے

ان کا تو کوئی پوچھنے والا بھی نہیں ہے

یہ کہہ کے کچھ آہستہ کہا گوشِ پسر میں ۱۰۸ بیمار کے رونے سے قیامت ہوئی گھر میں
اندھیر زمانہ ہوا بانو کی نظر میں غش ہو گئی زینبؑ یہ اٹھا درد جگر میں
ٹھہرا نہ گیا واں شہِ والا نکل آئے
تنہا گئے روتے ہوئے تنہا نکل آئے

کچھ پڑھ (ط) کے پھرے جانبِ قبلہ شہِ بے پر ۱۰۹ کج کی طرفِ دوشِ یمیں گردنِ انور
تھراتے ہوئے ہاتھوں پہ عمامے کو رکھ کر کی حق سے مناجات کہ اے خالقِ اکبر
حرمت ترے محبوب کی دنیا میں بڑی ہے
کر رحم کہ آل ان کی تباہی میں پڑی ہے

یارب یہ (ی) ہے سادات کا گھر تیرے حوالے ۱۱۰ رانڈیں ہیں کئی خستہ جگر تیرے حوالے
بیکس کا ہے بیمار پسر تیرے حوالے سب ہیں ترے دریا کے گہر تیرے حوالے
عالم ہے کہ غربت میں گرفتارِ بلا ہوں
میں تیری حمایت میں انھیں چھوڑ چلا ہوں

میرے نہیں، بندے ہیں ترے اے مرے خالق ۱۱۱ بستی ہو کہ جنگل تو ہی حافظ تو ہی رازق
باندھے ہیں کمر ظلم و تعدّی پہ منافق نے دوست ہے دنیا، نہ زمانہ ہے موافق
حرمت ہے ترے ہاتھ امامِ ازلی کی
دو بیٹیاں، دو بہوئیں ہیں اس گھر میں علیؑ کی

میں یہ نہیں کہتا کہ اذیت نہ اُٹھائیں ۱۱۲ یا اہلِ ستم آگ سے خیمے نہ جلائیں
ناموس لٹیں قید ہوں اور شام میں جائیں مہلت مرے لاشے پہ بھی رونے کی نہ پائیں
بیڑی ہیں قدم طوق میں عابد کا گلا ہو
جس میں ترے محبوب کی اُمّت کا بھلا ہو

یہ کہہ کے گریبانِ مبارک کو کیا چاک ۱۱۳ اور ڈال لی پیراہنِ پُرنور پہ (ک) کچھ خاک
میّت ہوئے شبیرؑ کفن بن گئی پوشاک بس فاتحۂ خیر پڑھا با دلِ غمناک
مڑ کر نہ کسی دوست نہ غمخوار کو دیکھا
پاس آئے تو روتے ہوئے رہوار کو دیکھا

گردان کے دامن علی اکبرؑ کو پکارے ۱۱۴ تھامو مرے گھوڑے کی رکاب اے مرے پیارے
لختِ دلِ شبّر کدھر اس وقت سدھارے بھائی ہیں کہاں ہاتھ میں دیں ہاتھ ہمارے
آتے نہیں مسلمؑ کے جگر بند کہاں ہیں
دونوں مری ہمشیر کے فرزند کہاں ہیں

تنہائی میں اک ایک کو حضرت نے پکارا ۱۱۵ کون آئے کہ فردوس میں تھا قافلہ سارا
گھوڑے پہ چڑھا خود اسد اللہ کا پیارا اونچا ہوا افلاکِ امامت کا ستارا
شوخی سے فرس پاؤں نہ رکھتا تھا زمیں پر
غل تھا کہ چلا قطبِ زماں عرشِ بریں پر

شبدیز نے جل بل میں عجب ناز دکھایا ۱۱۶ ہر گام پہ طاؤس کا انداز دکھایا
زیور نے عجب حسنِ خدا داد[۱] دکھایا فتراک نے اوجِ پرِ پرواز دکھایا
تھا خاک پہ اک پاؤں تو اک عرشِ بریں پر
غل تھا کہ پھر اُترا ہے براق آج زمیں پر

اعدا کی زبانوں پر یہ حیرت کی تھی تقریر ۱۱۷ حضرت یہ رجز[۲] پڑھتے تھے تولے ہوئے شمشیر
دیکھو نہ مٹاؤ مجھے اے فرقۂ بے پیر میں یوسفِ کنعانِ رسالت کی ہوں تصویر
واللہ تعلّی نہیں یہ کلمۂ حق ہے
عالم کے مرقعے میں حسینؑ ایک ورق ہے

واللہ جہاں میں مرا ہمسر نہیں کوئی ۱۱۸ محتاج ہوں پر مجھ سا تونگر نہیں کوئی
ہاں میرے سوا شافعِ محشر نہیں کوئی یوں سب ہیں مگر سبطِ پیمبر نہیں کوئی
باطل ہے اگر دعویِ اعجاز کرے گا
کس بات پہ دنیا میں کوئی ناز کرے گا

ہم وہ ہیں کہ اللہ نے کوثر ہمیں بخشا ۱۱۹ سرداریِ فردوس کا افسر ہمیں بخشا
اقبالِ علیؑ خُلقِ پیمبر ہمیں بخشا قدرت ہمیں دی زور ہمیں زر ہمیں بخشا
ہم نور ہیں گھر طورِ تجلا ہے ہمارا
تختِ بنِ داؤد مصلا ہے ہمارا

نانا وہ کہ ہیں جن کے قدم عرش کے سرتاج ۱۲۰ قوسینِ مکاں، ختمِ رسل، صاحبِ معراج
ماں ایسی کہ سب جس کی شفاعت کے ہیں محتاج باپ ایسا صنم خانوں کو جس نے کیا تاراج
لڑنے کو اگر حیدرِ صفدر نہ نکلتے
بُت گھر سے خدا کے کبھی باہر نہ نکلتے

کس جنگ میں سینے کو سپر کر کے نہ آئے ۱۲۱ کس مرحلۂ صعب[۲۳] کو سر کر کے نہ آئے
کس فوج کی صف زیر و زبر کر کے نہ آئے تھی کون سی شب جس کو سحر کر کے نہ آئے
تھا کون جو ایماں تہِ صمصام نہ لایا
اس شخص کا سر لائے جو اسلام نہ لایا

اصنام ہی کم تھے، نہ کفار تھے تھوڑے ۱۲۲ طاقت تھی کہ عزیٰ کو کوئی لات کے توڑے
بدکیشوں نے سجدے بھی کیے ہاتھ بھی جوڑے بے توڑے وہ بُت حیدرِ صفدر نے نہ چھوڑے
کعبے کو صفا کر دیا خالق کے کرم سے
نکلے اسداللہ اذاں دے کے حرم سے

اس عہد میں مالک اسی تلوار کے ہم ہیں ۱۲۳ جرار پسر، حیدرِ کرار کے ہم ہیں
فرزند محمدؐ سے جہاں دار کے ہم ہیں وارث شہِ لولاک کی سرکار کے ہم ہیں
کچھ غیر کفن ساتھ نہیں لے کے گئے ہیں
تابوتِ[۲۴] سکینہ بھی ہمیں دے کے گئے ہیں

یہ فرق پہ عمامۂ سردارِ زمن ہے ۱۲۴ یہ تیغِ علیؑ ہے یہ کمربندِ حسنؑ ہے
یہ جوشنِ داؤد ہے جو حافظِ تن ہے یہ پیرہنِ یوسفؑ کنعانِ محن ہے
دکھلائیں سند دستِ رسولِ عربیؐ کی
یہ مہرِ سلیماںؑ ہے، یہ خاتم ہے نبیؐ کی

دیکھو تو یہ ہے کون سے جرار کی تلوار ۱۲۵ کس شیر کے قبضے میں ہے کرار کی تلوار
دریا نے بھی دیکھی نہیں اس دھار کی تلوار بجلی کی تو بجلی ہے یہ، تلوار کی تلوار
قہر و غضب اللہ کا ہے کاٹ نہیں ہے
کہتے ہیں اسے موت کا گھر گھاٹ نہیں ہے

دم لے کہیں رک کر وہ روانی نہیں اس میں ۱۲۶ چلنے میں سبک تر ہے، گرانی نہیں اس میں
جز حرفِ ظفر اور نشانی نہیں اس میں جل جاؤ گے سب آگ ہے پانی نہیں اس میں
چھوڑے گی نہ زندہ اسے جو دشمنِ دیں ہے
ناہیں نہیں، غصے سے اجل چیں بہ جبیں ہے

سب قطرے ہیں گر فیض کے دریا ہیں تو ہم ہیں ۱۲۷ ہر نقطۂ قرآں کے شناسا ہیں تو ہم ہیں
حق جس کا ہے جامع وہ ذخیرہ ہیں تو ہم ہیں افضل ہیں تو ہم، عالم و دانا ہیں تو ہم ہیں
تعلیمِ ملک عرش پہ تھا وردِ ہمارا
جبریل سا استاد ہے شاگرد ہمارا

گر فیضِ ظہورِ شہِ لولاک نہ ہوتا ۱۲۸ بالائے زمیں گنبدِ افلاک نہ ہوتا
کچھ خاک کے طبقے ہیں، بجز خاک نہ ہوتا ہم پاک نہ کرتے تو جہاں پاک نہ ہوتا
یہ شور اذاں کا، سحر و شام کہاں تھا
ہم عرش پہ جب تھے تو یہ اسلام کہاں تھا

محسن سے بدی ہے، یہی احساں کا عوض واہ ۱۲۹ دشمن کے ہوا خواہ ہوئے، دوست کے بدخواہ
گمراہ کے بہکانے سے روکو نہ مری راہ لو اب بھی مسافر کو نکل جانے دو للہ
مل جائے گی اک دم میں اماں رنج و بلا سے
میں ذبح سے بچ جاؤں گا، تم قہرِ خدا سے

بستی میں کہیں مسکن و ماوا نہ کروں گا ۱۳۰ یثرب میں بھی جانے کا ارادہ نہ کروں گا
صابر ہوں کسی کا کبھی شکوا نہ کروں گا اس ظلم کا میں ذکر بھی اصلا نہ کروں گا
رونا نہ چھٹے گا کہ عزیزوں سے چھٹا ہوں
جو پوچھے گا کہہ دوں گا کہ جنگل میں لٹا ہوں

اعدا نے کہا قہرِ خدا سے نہیں ڈرتے ۱۳۱ ناری تو ہیں دوزخ کی جفا سے نہیں ڈرتے
فریادِ رسولِ دوسرا سے نہیں ڈرتے خاتونِ قیامت کی بکا سے نہیں ڈرتے
ہم لوگ جدھر دولتِ دنیا ہے ادھر ہیں
اللہ سے کچھ کام نہیں بندۂ زر ہیں

حضرت نے کہا خیر خبردار صفوں سے ۱۳۲ آیا غضب اللہ کا ہشیار صفوں سے
بجلی سا گزر جاؤں گا ہر بار صفوں سے کب پنجتنی رکتے ہیں دو چار صفوں سے
غربت کے چلن دیکھ چکے، حرب کو دیکھو
لو بندۂ زر ہو، تو مری ضرب کو دیکھو

یاں گوشۂ عزلت، خم شمشیر نے چھوڑا ۱۳۳ واں سہم کے چلّے کو ہر اک تیر نے چھوڑا
کس قہر سے گھر موت کی تصویر نے چھوڑا ساحل کو صفِ لشکرِ بے پیر نے چھوڑا
عنقائے ظفر فتح کا در کھول کے نکلا
شہباز اجل، صید کو، پر تول کے نکلا

جلوہ کیا بدلی سے نکل کر مہِ نو نے ۱۳۴ دکھلائے ہوا میں دو سر، اک شمع کی لو نے
تڑپا دیا بجلی کو فرس کی تگ و دَو نے تا کاسۂ سپر مہر کو شمشیر کی ضو نے
اعدا تو چھپانے لگے ڈھالوں پہ سروں کو
جبریل نے اونچا کیا گھبرا کے پروں کو

بالا سے جو آئی وہ بلا جانبِ پستی ۱۳۵ بس نیست ہوئی دم میں ستم گاروں کی ہستی[۲]
چلنے لگی یک دست جو شمشیر دو دستی معلوم ہوا لٹ گئی سب کفر کی بستی
زور اُن کے ہر اک ضرب میں اللہ نے توڑے
ٹوٹیں جو صفیں بُت اسد اللہ نے توڑے

بجلی سی جو گر کر صفِ کفار سے نکلی ۱۳۶ آواز بزن تیغ کی جھنکار سے نکلی
گہ ڈھال میں ڈوبی کبھی تلوار سے نکلی در آئی جو پیکاں میں تو سوفار سے نکلی
تھے بند خطا کاروں پہ در امن و اماں کے
چلّے بھی چھپے جاتے تھے گوشوں میں کماں کے

افلاک پہ چمکی کبھی، سر پر کبھی آئی ۱۳۷ کوندی کبھی جوشن پہ، سپر پر کبھی آئی
گہ پڑ گئی سینہ پہ، جگر پر کبھی آئی تڑپی کبھی پہلو پہ، کمر پر کبھی آئی
طے کر کے پھری کون سا قصہ تھا فرس کا
باقی تھا جو کچھ کاٹ، وہ حصہ تھا فرس کا

بے پاؤں ادھر ہاتھ سے چلتی ہوئی آئی ۱۳۸ ندّی ادھر اک خوں کی ابلتی ہوئی آئی
دم بھر میں سو رنگ بدلتی ہوئی آئی پی پی کے لہو لعل اگلتی ہوئی آئی
ہیرا تھا بدن، رنگ زمرّد سے ہرا تھا
جوہر نہ کہو پیٹ جواہر سے بھرا تھا

زیبا تھا دمِ جنگ پری وش اسے کہنا ۱۳۹ معشوقِ بنی سرخ لباس اس نے جو پہنا
اس اوج پہ وہ سر کو جھکائے ہوئے رہنا جوہر تھے کہ پہنے تھی دلہن پھولوں کا گہنا
سیبِ چمنِ خلد کی بو باس تھی پھل میں
رہتی تھی وہ شبیرؑ سے دولہا کی بغل میں

سر ٹپکے تو موج اس کی روانی کو نہ پہونچے ۱۴۰ قلزم کا بھی دھارا ہو تو پانی کو نہ پہونچے
بجلی کی تڑپ شعلہ فشانی کو نہ پہونچے خنجر کی زباں تیغ زبانی کو نہ پہونچے
دوزخ کی زبانوں سے بھی آنچ اس کی بری تھی
برچھی تھی، کٹاری تھی، سروہی تھی، چھری تھی

موجود بھی ہر غول میں اور سب سے جدا بھی ۱۴۱ دم خم بھی، لگاوٹ بھی، صفائی بھی، ادا بھی
اک گھاٹ پہ تھی آگ بھی، پانی بھی، ہوا بھی امرت بھی، ہلاہل بھی، مسیحا بھی، قضا بھی
کیا صاحبِ جوہر تھی عجب ظرف تھا اُس کا
موقع تھا جہاں جس کا وہیں صرف تھا اس کا

ہر ڈھال کے پھولوں کو اڑاتا تھا پھل اُس کا ۱۴۲ تھا لشکرِ باغی میں ازل سے عمل اس کا
ڈر جاتی تھی منہ دیکھ کے ہر دم اجل اس کا تھا قلعۂ چار آئینہ، گویا محل اس کا
اس در سے گئی کھول کے وہ در نکل آئی
گہ صدر میں بیٹھی، کبھی باہر نکل آئی

نیزوں پہ گئی برچھیوں والوں کی طرف سے ۱۴۳ جا پہونچی کماں داروں پہ بھالوں کی طرف سے
پھر آئی سواروں کے رسالوں کی طرف سے منہ تیغوں کی جانب کیا ڈھالوں کی طرف سے
بس ہو گیا دفترِ نظری، نام و نسب کا
لاکھوں تھے تو کیا دیکھ لیا جائزہ سب کا

پہونچی جو سپر تک تو کلائی کو نہ چھوڑا ۱۴۴ ہر ہاتھ میں ثابت کسی گھائی کو نہ چھوڑا
شوخی کو، شرارت کو، لڑائی کو نہ چھوڑا تیزی کو، رُکھائی کو، صفائی کو نہ چھوڑا

اعضائے بدن قطع ہوئے جاتے تھے سب کے
قینچی سی زباں چلتی تھی فقرے تھے غضب کے

چار آئینہ والوں کو نہ تھا جنگ کا یارا ۱۴۵ جو رنگ تھے سینے تو کلیجہ تھا دو پارا
کہتے تھے زرہ پوش نہیں جنگ کا یارا بچ جائیں تو جانیں کہ ملی جان دوبارا

جوشن کو سنا تھا کہ حفاظت کا محل ہے
اس کی نہ خبر تھی کہ یہی دامِ اجل ہے

بدکیش لڑائی کا چلن بھول گئے تھے ۱۴۶ ناوک فگنی تیر فگن بھول گئے تھے
سب حیلہ گری، عہد شکن بھول گئے تھے بے ہوشی میں ترکش کا دہن بھول گئے تھے

معلوم نہ تھا جسم میں جاں ہے کہ نہیں ہے
چلّاتے تھے قبضے میں کماں ہے کہ نہیں ہے

ڈر ڈر کے قدِ راست سنانوں نے جھکائے ۱۴۷ دب دب کے سرِ عجز کمانوں نے جھکائے
ہٹ ہٹ کے علم رن میں، جوانوں نے جھکائے سر خاک پہ گر گر کے، نشانوں نے جھکائے

غل تھا کہ پناہ، اب ہمیں یا شاہِ زماں دو
پھیلائے تھے دامن کو، پھریرے، کہ اماں دو

سب کہتے تھے ہے باڑھ پہ دریا نہ رُکے گا ۱۴۸ اس موج پہ آفت کا طمانچہ نہ رُکے گا
بے فتح و ظفر، دلبرِ زہراؑ نہ رُکے گا تا غرق نہ فرعون ہو، موسیٰؑ نہ رکے گا

ہے بحرِ غضب نام ہے قہرِ صمد اس کا
رُکنے کا نہیں شام تلک جزر و مد اس کا

اس صف سے گئے، بیچ سے اس غول کے نکلے ۱۴۹ جو فوج چڑھی منہ پہ اُسے رول کے نکلے
انبوہ سے، یوں تیغ دو سر تول کے نکلے گویا درِ خیبر کو، علیؑ کھول کے نکلے

دنیا جو بچی، روحِ محمدؐ کا سبب تھا
شبیرؑ اگر رحم نہ کرتے تو غضب تھا

لڑتے تھے مگر غیظ سے رحمت تھی زیادہ ۱۵۰ شفقت بھی نہ کم تھی جو شجاعت تھی زیادہ
نانا کی طرح خاطرِ امت تھی زیادہ بیٹوں سے غلاموں کی محبت تھی زیادہ
تلوار نہ ماری جسے منہ موڑتے دیکھا
آنسو نکل آئے جسے دم توڑتے دیکھا

فرماتے تھے اعدا کو ترائی سے بھگا کر ۱۵۱ کیوں چھوڑ دیا گھاٹ کو روکو ہمیں آکر
دعوت یونہی کرتے ہیں مسافر کو بلا کر ہم چاہیں تو پانی بھی پئیں نہر میں جاکر
پر صبر کے دریا ہیں، ہمیں پیاس نہیں ہے
اب زہر یہ پانی ہے کہ عباسؑ نہیں ہے

بھولی نہیں اکبرؑ کی ہمیں ہم تشنہ دہانی ۱۵۲ وہ چاند سا رُخ وہ قد و قامت وہ جوانی
وہ سوکھے ہوئے ہونٹ وہ اعجاز بیانی دکھلا کے زباں، مانگتے تھے نزع میں پانی
کس سے کہیں جو خونِ جگر ہم نے پیا ہے
بعد ایسے پسر کے بھی کہیں باپ جیا ہے

یہ کہہ کے سکینہؑ کے بہشتی کو پکارے ۱۵۳ الفت ہمیں لے آئی ہے پھر پاس تمہارے
لڑتے ہوئے آپہونچے ہیں دریا کے کنارے عباسؑ غش آتا ہے ہمیں پیاس کے مارے
ان سوکھے ہوئے ہونٹوں سے ہونٹوں کو ملا دو
کچھ مشک میں پانی ہو تو بھائی کو پلا دو

لیٹے ہوئے ہو ریت میں کیوں منہ کو چھپائے ۱۵۴ اٹھو کہ سکینہؑ کو یہاں ہم نہیں لائے
غافل ہو، برادر، تمہیں کس طرح جگائے ہے عصر کا وقت، اے اسد اللہ کے جائے
خوش ہوں گا میں آگے جو علم لے کے بڑھوگے
کیا بھائی کے پیچھے نہ نماز آج پڑھوگے

کہہ کر یہ سخن رونے لگا بھائی کو بھائی ۱۵۵ تلوار سے مہلت ستم ایجادوں نے پائی
جس فوج نے رن چھوڑ دیا تھا وہ پھر آئی دو روز کے پیاسے پہ گھٹا شام کی چھائی
بارش ہوئی تیروں کی ولی ابن ولی پر
سب ٹوٹ پڑے ایک حسینؑ ابن علیؑ پر

کی شہ نے جو سینے پہ نظر پونچھ کے آنسو ۱۵۶ سب چھاتی سے تھے پہلوؤں تک تیر سہ پہلو
ہر سمت سے تیغیں جو لگاتے تھے جفاجو سالم نہ کلائی تھی، نہ شانہ تھا، نہ بازو
برگشتہ زمانہ تھا شہ تشنہ گلو سے
پھل برچھیوں کے سرخ تھے سید کے لہو سے

جھک جاتے تھے ہرنے پہ جو غش میں شہِ ابرار ۱۵۷ منہ پھیر کے آقا کی طرف تکتا تھا رہوار
چمکار کے فرماتے تھے شبیرؑ دل افگار اب خاتمۂ جنگ ہے اے اسپ وفادار
اتریں گے بس اب تجھ سے چھٹا ساتھ ہمارا
نہ پاؤں ترے چلتے ہیں نے ہاتھ ہمارا

زخمی ہیں نہیں اب تری تکلیف گوارا ۱۵۸ گرتے ہیں سنبھلنے کا ہمیں اب نہیں یارا
کیا بات تری، خوب دیا ساتھ ہمارا آپہونچا ہے منزل پہ ید اللہ کا پیارا
تو جس میں پلا ہے، وہ گھر اک دم میں لٹے گا
بچپن کا ہمارا ترا اب ساتھ چھٹے گا

گھیرے ہیں عدو خیمے تلک جا نہیں سکتے ۱۵۹ کھوئی ہے جو طاقت اسے اب پا نہیں سکتے
مشکل ہے سنبھلنا، تجھے دوڑا نہیں سکتے پہلو ترے مجروح ہیں ٹھکرا نہیں سکتے
حیواں کو بھی دکھ ہوتا ہے زخموں کے تعب کا
میں درد رسیدہ ہوں مجھے درد ہے سب کا

کس طرح دکھاؤں کہ ترے زخم ہیں کاری ۱۶۰ میں نے تو کسی دن تجھے قمچی نہیں ماری
گھوڑے نے سنیں درد کی باتیں جو یہ ساری دو ندیاں اشکوں کی ہوئیں آنکھوں سے جاری
حیواں کو بھی رقت ہوئی اس لطف و کرم پر
منہ رکھ دیا مڑ کر شہِ والا کے قدم پر

گردن کو ہلایا کہ مسیحا نہ اتریے ۱۶۱ دم ہے ابھی مجھ میں مرے آقا نہ اتریے
تلوار لیے گرد ہیں اعدا نہ اتریے سب فوج چڑھی آتی ہے مولا نہ اتریے
اے وائے ستم صدر نشیں خاک نشیں ہو
حسرت ہے کہ مر جاؤں تو خالی مرا زیں ہو

شہ نے کہا تا چند، مسافر سے محبت ۱۶۲ وہ تو نے کیا، ہوتا ہے جو حقِ رفاقت
بتلا تو سنبھلنے کی بھلا کون ہے صورت نہ ہاتھ میں، نہ پاؤں میں، نہ قلب میں طاقت
بہتر ہے کہ اتروں نہیں تیورا کے گروں گا
پھٹ جائیں گے سب زخم جو غش کھا کے گروں گا

ہے عصر کا ہنگام مناسب ہے اُترنا ۱۶۳ اس خاک پہ ہے شکر کا سجدہ ہمیں کرنا
گو مرحلۂ صعب ہے دنیا سے گزرنا سجدے میں کٹے سر کہ سعادت ہے یہ مرنا
طاعت میں خدا کی نہیں صرفہ تن و سر کا
ذی حق ہمیں اس کے ہیں کہ ورثہ ہے پدر کا

اترا یہ سخن کہہ کے وہ کونین کا والی ۱۶۴ خاتم سے نگیں گر گیا، زیں ہو گیا خالی
اس دکھ میں نہ یاور تھے نہ مولا کے موالی خود ٹیک کے تلوار کو سنبھلے شہِ عالی
کپڑے تنِ پر نور کے سب خوں میں بھرے تھے
اک ہاتھ کو رہوار کی گردن میں دھرے تھے

منہ یال پہ رکھ رکھ کے یہ فرماتے تھے ہر بار ۱۶۵ جا ڈیوڑھی پہ لے صاحبِ معراج کے رہوار
اب ذبح کریں گے ہمیں اک دم میں ستم گار زینبؑ سے یہ کہنا کہ سکینہ سے خبردار
رہنا وہیں جب تک مرا سر تن سے جدا ہو
لے جائیو بانو کو، جدھر حکم خدا ہو

یہ کہہ کے جو سر کا اسداللہ کا جایا ۱۶۶ اک تیر جبیں پر، بن اشعث نے لگایا
فریاد نے زہراؑ کی دو عالم کو ہلایا پیکان سے پہلو عقب سر نکل آیا
تڑپے نہ، زہے صبر، امامِ دو جہاں کا
سوفار نے بوسہ لیا سجدے کے نشاں کا

حضرت نے جبیں سے ابھی کھینچا نہ تھا وہ تیر ۱۶۷ جو سر پہ لگی تیغِ بن مالکِ بے پیر
ابرو تک اتر کر، جو اٹھی ظلم کی شمشیر سر تھام کے بس بیٹھ گئے خاک پہ شبیرؑ
چلّائے ملک دیکھ کے خوں سبطِ نبیؐ کا
تھا حال یہی مسجدِ کوفہ میں علیؑ کا

بیٹھے جو سوئے قبلہ دو زانو شہ بے پر ۱۶۸ جھکتے تھے کبھی غش میں اٹھاتے تھے کبھی سر
تھے ذکرِ خدا میں کہ لگا تیر دہن پر یاقوت بنے ڈوب کے خوں میں لبِ اطہر
بہہ آیا لہو تا بہ زنخدانِ مبارک
ٹھنڈے ہوئے دو گوہرِ دندانِ مبارک

نیزے کا، بن وہب نے پہلو پہ کیا وار ۱۶۹ کاندھے پہ چلی ساتھ زرارہ کی بھی تلوار
ناوک بن کامل کا کلیجے کے ہوا پار بازو میں در آیا تبرِ خولی خوں خوار
تلوار سے وقفہ نہ ملا چند نفس کا
دم رک گیا نیزہ جو لگا ابنِ انس کا

تھرا کے جھکے سجدۂ حق میں شہِ ابرار ۱۷۰ شورِ دہل فتح ہوا فوج میں اک بار
خوش ہو کے پکارا پسرِ سعدِ جفاکار اے خولی و شیث و بن ذی الجوشن جرار
آخر ہے بس اب کام امامِ ازلی کا
سر کاٹ لو سب مل کے حسینؑ ابن علیؑ کا

لکھتا ہے یہ راوی کہ بپا ہو گیا محشر ۱۷۱ بارہ ستم ایجاد بڑھے کھینچ کے خنجر
اک سیدہ نکلی درِ خیمہ سے کھلے سر برقع تھا، نہ مقنع تھا، نہ موزے تھے، نہ چادر
چلائے لعیں خوف سے ہاتھ آنکھوں پہ دھر کے
لو فاطمہؑ آتی ہے بچانے کو پسر کے

ہلتا تھا فلک، ہاتھوں سے جب پیٹتی تھی سر ۱۷۲ بجلی کی طرح کوندتے تھے کانوں میں گوہر
فرماتی تھیں، فضہ جو اڑھا دیتی تھی معجر[22] فریادی ہوں فریادی کو زیبا نہیں چادر
سر ننگے یوں ہی جاؤں گی روضہ پہ نبیؐ کے
پردہ تو گیا ساتھ حسینؑ ابن علیؑ کے

اس بھیڑ میں آ کر وہ ضعیفہ یہ پکاری ۱۷۳ اے سبطِ نبیؐ! ابن علیؑ! عاشقِ باری
گھوڑا تو ہے کوتل، کدھر اتری ہے سواری بھیا بہن آئی ہے زیارت کو تمھاری
مر جاؤں گی حضرت کو جو پانے کی نہیں میں
بے آپ کے دیکھے ہوئے جانے کی نہیں میں

اس وقت شہِ دیں نے سنی زاریِ خواہر ۱۷۴ جس وقت کہ تھا حلق مبارک پہ خنجر
فرمایا اشارے سے کہ اے شمرِ ستمگر زینبؑ نکل آئی ہے ٹھہر جا ابھی دم بھر
آخر تو سفر ہوتا ہے اس دارِ محن سے
دو باتیں تو کر لینے دے بھائی کو بہن سے

منہ پھیر لیا شمر نے خنجر کو ہٹا کے ۱۷۵ دی شہ نے یہ زینبؑ کو صدا اشک بہا کے
تڑپاتی ہو بھائی کو بہن بلوے میں آ کے دیکھو گی کسے ہم تو ہیں پنجہ میں قضا کے
اٹھ سکتے نہیں جسم پہ تلواریں پڑی ہیں
گھبراؤ نہ اماں مرے پہلو میں کھڑی ہیں

دوڑی یہ صدا سُن کے یداللہ کی جائی ۱۷۶ چلائی کہ دیدار تو میں دیکھ لوں بھائی
پر ہائے بہن بھائی تلک آنے نہ پائی یاں ہو گئی سید کے تن و سر میں جدائی
قاتل کو، نہ گردن کو، نہ شمشیر کو دیکھا
پہونچیں تو سناں پر سرِ شبیرؑ کو دیکھا

سر دیکھ کے بھائی کا وہ بیکس یہ پکاری ۱۷۷ دُکھ پائی بہن آپ کی مظلومی پہ واری
خنجر سے یہ گردن کی رگیں کٹ گئیں ساری تم مر گئے پوچھے گا خبر کون ہماری
آفت میں پھنسی آلِ رسولِ عربی کی
اب جائیں کہاں بیٹیاں زہراؑ و علیؑ کی

ہے ہے پسرِ صاحبِ معراج حُسینا ۱۷۸ پردیس میں بیوؤں کا لٹا راج حُسینا
گویا کہ علیؑ قتل ہوئے آج حُسینا ہے ہے کفن و گور کے محتاج حُسینا
پُرسا بھی ترا دینے کو آتا نہیں کوئی
لاشہ بھی زمیں پر سے اٹھاتا نہیں کوئی

قربان بہن اے مرے سرور مرے سید ۱۷۹ مذبوحِ قفا کشتۂ خنجر مرے سید
اے فاقہ کش و بیکس و بے پر مرے سید پنجے میں ہے قاتل کے ترا سر مرے سید
دیتے ہو صدا کچھ، نہ بلاتے ہو، بہن کو
کس پاس سے بیکسی چلے جاتے ہو بہن کو

بھیّا مرا کوئی نہیں تم خوب ہو آگاہ ۱۸۰ احمدؑ ہیں، نہ زہراؑ، نہ حسنؑ ہیں، نہ [illegible]

ڈھارس تھی بڑی آپ کی، اے سیدِ ذی جاہ چھوڑا مجھے جنگل میں یہ کیا قہر کیا آہ

چلتے ہوئے کچھ مجھ سے نہ فرما گئے بھائی

بہنا کو نجف تک بھی نہ پہونچا گئے بھائی

اے میرے شہید اے مرے ماں جائے برادر ۱۸۱ کس سے ترا لاشہ بہن اٹھوائے برادر

کس طرح مرے دل کو قرار آئے برادر پانی بھی نہ قاتل نے دیا ہائے برادر

انساں پہ ستم یوں کبھی انساں نہیں کرتا

حیواں کو بھی، پیاسا کوئی بے جاں نہیں کرتا

خاموش انیسؔ اب کہ ہے دل سینے میں بے چین ۱۸۲ لکھے نہیں جاتے ہیں جو زینبؑ نے کیے بین

اب حق سے دعا مانگ کر اے خالقِ کونین حاسد ہیں بہت، دل کو عطا کر مرے [illegible] چین

ناحق ہے عداوت انھیں اس ہیچ مداں سے

بے تیغ کٹے جاتے ہیں شمشیرِ زباں سے

مرثیہ (۲)

جس دن یزید شام میں مسند نشیں ہوا ۱ سب ملک، روسیاہ کے، زیرِ نگیں ہوا
شبیر سے زیادہ اسے، بغض و کیں ہوا ایذا سے اہلِ بیت کا درپے لعیں ہوا
کہتا تھا سلطنت کا تو ساماں درست ہے
سختی نہ ان پہ ہو تو، ریاست یہ سست ہے

خط حاکمِ مدینہ کو لکھا بہ شدّ و مد ۲ مضموں یہ تھا کہ تب ہے اطاعت تری سند
بیعت مری حسین سے لے تو بجدّ و کد میں فوج بھیجتا ہوں کرے گی تری مدد
بیعت کریں تو جلد ادھر بھیج دیجیو
راضی نہ ہو تو کاٹ کے سر بھیج دیجیو

پہنچا اسے مدینے میں جب نامۂ یزید ۳ پڑھ کر وہ خط، بہت متردّد ہوا ولید
دل میں کہا یہ ظلم تو ہے عقل سے بعید میں فاطمہ کے لال کو کیوں کر کروں شہید
دعوائے سلطنت بھی نہیں بے قصور ہے
ایسے کنارہ کش پہ ستم کیا ضرور ہے

آخر کسی کو بھیج کے شہ کو کیا طلب ۴ بھائی بھتیجے شاہ کے، حاضر تھے سب کے سب
فرمایا اس سے جا! کہ میں آؤں گا وقتِ شب معلوم ہے مجھے، جو بلانے کا ہے سبب
سب جانتے ہیں بیعتِ فاسق حرام ہے
اس کی طلب ہمیں یہ اجل کا پیام ہے

گھبرا گئے یہ سن کے عزیز و رفیق و یار ۵ قاسم نے رکھ لی سامنے شمشیرِ آبدار
اکبر نے بھی طلب کیا اسبابِ کارزار آئے کمالِ غیظ میں عباسِ نامدار
کہہ کر یہ بات صورتِ شیر اٹھ کھڑے ہوئے
حاکم کے گھر نہ جائیں گے ہم بے لڑے ہوئے

زینب کے دونوں بیٹیوں کو اس دم رہی نہ تاب ۶ جاکر حرم سرا میں کہا باصد اضطراب
حاکم کے گھر میں جاتے ہیں شاہِ فلک جناب اماں ہمارے تیغ لا دیجیے شتاب
بگڑے گی، گر تو خون کے دریا بہائیں گے
کام آج بھی نہ آئے تو کس کام آئیں گے

سن کر سخن یہ ہو گیا زینب کا رنگ زرد ۷ آنسو بھر آئے آنکھوں میں اٹھا جگر میں درد
بولی کلیجہ تھام کے اور بھر کے آہِ سرد کیا والیِ مدینہ ہے آمادۂ نبرد
ایسی علیؑ کے لال سے تقصیر کیا ہوئی
کیا جرم کیا گناہ ہوا، کیا خطا ہوئی

ہے ملک سے غرض نہ اسے حُبِ جاہ ہے ۸ قبضے میں نہ خزانہ ہے اللہ نہ سپاہ ہے
لوگوں سے رابطہ ہے نہ غیروں سے راہ ہے جائے نشست، قبرِ رسالت پناہ ہے
ناحق یہ ظلم، حق سے نہیں لوگ ڈرتے ہیں
جنگ اس سے جس غریب پہ فاقے گذرتے ہیں

نانا ہیں اس کے سر پہ نہ حیدر نہ ہیں حسنؑ ۹ صدقے غریب بھائی پہ ہو جائے یہ بہن
زندہ ہیں جب تلک یہ، تو جیتے ہیں پنجتن مرضی ہو دشمنوں کی تو ہم چھوڑ دیں وطن
گر یاں ملے گا چین نہ زہرا کی جان کو
جنگل میں جا رہے گی بہن لے کے بھائی کو

بھائی کو میرے پاس بلاؤ سنوں میں حال ۱۰ کیا بات ہے جو خاطرِ اقدس پہ ہے ملال
تنہا چلا نہ جائے کہیں فاطمہ کا لال بھائی پہ کچھ بنے گی تو کھولوں گی سر کے بال
شاید دغا ہو، جنگ کا ساماں کیے چلیں
حاکم کے گھر میں ساتھ مجھے بھی لیے چلیں

زینب یہ کہ رہی تھیں کہ آئے امامِ دیں ۱۱ منہ دیکھ شہ کا رونے لگی زینبؑ حزیں
فرمایا شہ نے روتی ہو کیوں، خوف کچھ نہیں حاکم کے گھر میں جائے گا حیدرؑ کا جانشیں
وہ اور ہے جگہ تمھیں جس کا خیال ہے
یاں مجھ پہ ہاتھ اٹھائے کوئی کیا مجال ہے

سمجھا چکے بہن کو جو حضرت بہ چشمِ تر ۱۲ باندھی شہِ نجف کے کمربند سے کمر
ڈالا عبائے پاکِ محمدؐ کو دوش پر لے کر عصا نبی کا، چلے شاہِ بحر و بر
یوں ساتھ تھے عزیز شہِ کم سپاہ کے
جیسے ستارے چرخ پہ ہوں، گرد ماہ کے

اس دم کمال حضرتِ زینب تھیں بے قرار ۱۳ بیت الشرف سے جاتی تھیں ڈیوڑھی پہ بار بار
عباس سے بلا کے کہا اے وفا شعار بھائی کو چھوڑیو نہ اکیلا بہن نثار
حاکم سے ہم سخن جو شہِ خوش خصال ہوں
تم اک طرف ہو، ایک طرف میرے لال ہوں

یہ بات کہہ کے رونے لگی وہ جگر کباب ۱۴ چالیس شخص لے کے چلا ابن بوتراب
جو دیکھتا تھا شانِ امامِ فلک جناب کہتا تھا وہ کہ رات کو نکلا ہے آفتاب
رستے میں شب کو حُسنِ نبی کا ظہور تھا
افلاک تک زمیں کے ستاروں کا نور تھا

حاکم کے در پہ پہنچے تو کہنے لگے امام ۱۵ تم سب رہو یہیں کہ نہیں واں تمہارا کام
پر جب کروں، پکار کے حاکم سے میں کلام وڑانہ آئیو کہ مدد کا ہے وہ مقام
گھبراتے اتنا کیوں ہو کہ میں بے قصور ہوں
نہ تم ہو مجھ سے دور نہ میں تم سے دور ہوں

پاس ادب سے کہہ نہ سکے کچھ رفیق دیار ۱۶ بولے یہ ہاتھ جوڑ کے عباس نامدار
دل کو غلام کے نہیں آئے گا یاں قرار سایہ کی طرح ساتھ نہ چھوڑے گا جانثار
شاید نہ پہنچے یاں تلک آواز دور کی
کفشیں لیے رہے گا یہ خادم حضور کی

سمجھا کے بھائی کو گئے حاکم کے پاس شاہ ۱۷ اس نے کہا معاویہ نے لی عدم کی راہ
پڑھیے خطِ یزید کو اے شاہِ دیں پناہ پڑھ کر وہ خط امام نے کھینچی جگر سے آہ
فرمایا سر کٹے تو کٹے کچھ الم نہیں
دانستہ دیویں ہاتھ سے عزت، وہ ہم نہیں

ہم ہیں ستونِ دین نشانِ رہِ یقیں ۱۸ خالق نے اپنے راز کا ہم کو کیا امیں
واللہ ہم ہیں وارثِ سردارِ مرسلیں روشن ہمارے نورِ امامت سے ہے زمیں
گردش سے گو زمانے کی مظلوم آج ہیں
فضلِ خدا سے عرشِ معلیٰ کے تاج ہیں

بھیجا ہماری شان میں خالق نے ھَلْ اَتیٰ ۱۹ کافی سند کے واسطے ہے لفظ قُلْ کفیٰ
زیبا ہمارے تن پہ ہے تشریفِ اِنَّمَا ہم کو کیا خدا نے سرافراز لَا فَتیٰ
ہم سے زیادہ کس کا ہے رتبہ جہان میں
قرآں ہے تین حصہ ہماری ہی شان میں

یہ کہہ کے اٹھ کھڑے ہوئے شاہِ ذوالاحترام ۲۰ قبرِ رسول پر اسی شب کو گئے امام
لپٹے ضریحِ پاک سے اور یہ کیے کلام رخصت کرو حسین کو یا سیدِ انام
تربت میں لے کے جلد لگا لیجے سینے سے
اعدا نکالے دیتے ہیں مجھ کو مدینے سے

حضرت کی قبر چھوٹتی ہے مجھ سے نانا جان ۲۱ میں چھپ رہوں کہیں،[الف] نہیں ایسا کوئی مکاں
آرام سے گھروں میں ہیں سب زیرِ آسماں فریاد ہے حسینؑ کو ملتی نہیں اماں
ناموس کو حضور کے کس جا بٹھاؤں میں
بچے ذرا ذرا سے کہاں لے کے جاؤں میں

یہ جو کہا امام نے آنسو بہا بہا ۲۲ بس یک بہ یک مزارِ نبی کانپنے لگا
آئی ضریحِ پاکِ محمدؐ سے یہ صدا ماں باپ میرے تجھ پہ فدا اور میں فدا
تیرے الم سے خنجرِ کیں دل پہ چلتے ہیں
جاتا ہے تو، تو قبر سے ہم بھی نکلتے ہیں

واں سے وداع ہو کے گئے ماں کی قبر پر ۲۳ دیکھا کہ بیٹھی روتی ہیں زینبؑ برہنہ سر
کہتی ہیں اپنے لال کی تم کو نہیں خبر بھائی مرا مدینہ سے ہے عازمِ سفر
ملتی نہیں پناہ شہِ دیں پناہ کو
سب چاہتے ہیں قتل کریں بے گناہ کو

اآں تمھاری بیٹیاں ہوتی ہیں بے وطن ۲۴ کیوں کر بچائے بھائی کو آفت سے یہ بہن
ہے سے اجاڑ ہوتا ہے پھولا پھلا چمن دو دن سے بے قرار ہے شاہنشہِ زمن
کچھ کھاتے ہیں نہ پیتے ہیں نہ شب کو سوتے ہیں
تربت پہ نانا جان کی جا جا کے روتے ہیں

زینبؑ کو روتا دیکھ کے روئے بہت امام ۲۵ رخصت کا ماں کی قبر کو، جھک کر کیا سلام
شب بھر تو گھر میں روتے رہے شاہ خاص و عام وقتِ سحر وطن سے چلے سیدِ امام
رستے پہ شہر کے تو سواری کا شور تھا
اہلِ وطن کے نالۂ و زاری کا شور تھا

مایوس تھے جو فاطمہؑ کے نورِ عین سے ۲۶ ملتے تھے آنکھیں پائے شہِ مشرقین سے
اس رات کوئی گھر میں نہ سویا تھا چین سے غل تھا مدینہ ہوتا ہے خالی حسینؑ سے
رخصت حرم سے عورتیں آ آ کے ہوتی ہیں
کوٹھوں پہ پردہ والیاں منہ ڈھانپے روتی ہیں

آتی تھی جب عماریِ زینبؑ قریبِ بام ۲۷ ان عورتوں سے کہتی تھی یہ خواہرِ امام
اے بیبیوں برائے خدا ہے یہ میرا کام شہ کی سلامتی کی دعا کیجو صبح و شام
وہ دن خدا کرے کہ خوشی تم کو پاؤں میں
بھائی کو لے کے خیر سے پھر گھر میں آؤں میں

نکلے تلک تو ساتھ تھا خلقت کا اژدہام ۲۸ سب کو وداع کر کے، روانہ ہوئے امام
اہلِ حرم کو ساتھ لیے باصد احترام اس رکنِ دیں نے، کعبے میں جا کر کیا قیام
تھا قصدِ حج حبیبِ خدا کے حبیب کو
واں بھی ملا نہ چین حسینؑ غریب کو

صحرائے کربلا میں ہوا جب ورودِ شاہ ۲۹ اس رہبرِ زمانہ کی واں آ کے روکی راہ
منظور تھا کہ ہو دیں بنی فاطمہؑ تباہ چاروں طرف سے قتل کو آنے لگی سپاہ
دریا تھا گرد موج زن افواجِ شام کا
تھا جوں حباب، بیچ میں خیمہ امام کا

کرتے تھے استغاثہ امام فلک جناب ۲۰ موجود تھے وہ سب پہ نہ دیتے تھے کچھ جواب
اس وقت بڑھ کے شمرِ لعیں نے کیا خطاب بس بس سخن کو طول نہ اب دیجیے بے حساب
تیغیں کھنچی ہوئی ہیں سرِ انجامِ جنگ ہے
باتوں کا ہے یہ وقت کہ ہنگامِ جنگ ہے

فرمایا شہ نے قتل کا میرے ہے گر خیال ۲۱ مہلت طلب ہے، آج کی شب فاطمہؑ کا لال
مردود نے کہا، نہیں مقبول یہ سوال اکبر بگڑ کے کہنے لگے، او زبوں خصال
مہلت ملے مجوس و نصاریٰ کے واسطے
اور حکمِ قتل، سیدِ والا کے واسطے

کچھ سوچ کر یہ کہنے لگا، شمرِ روسیاہ ۲۲ دی مہلت آج آپ کو یا شاہِ دیں پناہ
خیمے میں آئے روتے ہوئے دشتِ کیں سے شاہ دیکھا کہ حال حضرتِ زینب کا ہے تباہ
مَل مَل کے ہاتھ کہتی ہیں، ہے ہے میں لٹتی ہوں
پردیس میں حسینؑ سے بھائی سے چھٹتی ہوں

زینب کے پاس روتے گئے اور یہ کہا ۲۳ بھینا ابھی سے روتی ہو کیوں تم پہ ہیں فدا
مہلت ہے شب کی، آؤ گلے سے لگو ذرا ہوں گے نہ اور چار پہر تم سے ہم جدا
تم قیدیوں میں جاؤ گی ہم رن میں سوئیں گے
مہمان ہیں اور آج کی شب کل نہ ہوئیں گے

بنتِ علیؑ یہ کہنے لگی سر پیٹ کر ۲۴ دیتے ہو اپنے مرنے کی بھائی مجھے خبر
ہے ہے جہاں سے پہلے نہ میں کر گئی سفر اعدا مجھے پھرائیں گے بلوے میں ننگے سر
بہتر ہے موت آئے، اگر اس حیات سے
گور و کفن تو پاؤں گی، بھائی کے ہات سے

روئے امام سن کے بہن کا کلام یاس ۲۵ فرمایا سچ ہے دارِ فنا ہے مقامِ یاس
پھر اور ناامیدوں کو آیا پیامِ یاس گذرا وہ روز چھا گئی خیمے پہ شامِ یاس
سیدانیوں کو قطعِ امیدِ حیات تھی
وہ دشت ہولناک تھا اور کالی رات تھی

کرتا تھا سائیں سائیں وہ صحرائے لق و دق ۳۶ تھے بیبیوں کے صورتِ مہتاب رنگ فق
دم گھٹتے تھے اندھیرے سے بچوں کو تھا قلق   آواز سے درندوں کی ہوتے تھے سینے شق
مائیں انھیں سلاتی تھیں منہ ڈھانپ ڈھانپ کے
سینوں سے لپٹے جاتے تھے وہ کانپ کانپ کے

پیاسے مسافروں کو جو شب خوں کا خوف تھا ۳۷ خیمے کے گرد پھرتے تھے عباسؑ باوفا
مانندِ شیر دیتے تھے ہر بار یہ صدا   بیدار، ہوشیار، جوانانِ مرتضیٰ
نزدیک صبح جنگ ہے، کچھ رات اب نہیں
آقا بھی جاگتے ہیں، یہ غفلت کی شب نہیں

نزدیک خیمہ رہیو کہ آقا نہیں ہیں دور ۳۸ ناموسِ مصطفیٰ کی خبرداری ہے ضرور
حوروں کی ہے طلب، اگر نہ خدمت میں ہو قصور   حاضر رہو کہ حق کی عبادت میں ہیں حضور
اس رات بستروں پہ نہ جا جا کے سوئیو
کل دن سے پاؤں دشت میں پھیلا کے سوئیو

ناگاہ آسماں پہ ہوا صبح کا ظہور ۳۹ پھیلی سپیدی، ہوگئی ظلمت جہاں سے دور
کافور کی طرح سے اڑا، روئے مہ کا نور   یادِ خدا میں زمزمہ کرنے لگے طیور
آثارِ صبح کے جو عیاں ہوتے جاتے تھے
حضرت نماز پڑھتے تھے اور روتے جاتے تھے

پھیرا سلام جب تو اٹھائے دعا کو ہات ۴۰ خالق سے کی یہ عرض کہ اے ربِ پاک ذات
سب راتیں ہو چکیں، نہیں باقی ہے کوئی رات   ہے روزِ قتل قطع ہوئی مدتِ حیات
طاعت کا وقت، ہاتھ سے کھویا نہیں کبھی
شاہد ہے تو کہ شام سے سویا نہیں کبھی

شرمندہ ہوں کہ کس لیے آیا تھا کیا کیا ۴۱ جو حقِ بندگی تھا، نہ وہ بھی ادا کیا
تو نے کرم حسینؑ نے لاانتہا کیا   یاں تک کہ سارے خلق کا حاجت روا کیا
صدمہ ہے آج فاطمہؑ کے نورِ عین پر
آسان کر دے قتل کی مشکل حسین پر

ہتیار سج کے صحن میں آئے امام پاک ۴۲ دیکھا کہ اہل بیت گریباں کیے ہیں چاک
فرمایا الوداع کہ اب ہوں گے ہم ہلاک ناموسِ مصطفیٰ نے اڑائی سروں پہ خاک

بانوئے شاہ خاک پہ غش کھا کے گر پڑیں
زینبؑ قدم پہ شاہ کے گھبرا کے گر پڑیں

ہو کر وداع گھوڑے پہ حضرت ہوئے سوار ۴۳ حلقہ کیے تھے گرد عزیز و رفیق و یار
مانند گل، شگفتہ تھا ہر ایک گلعذار تھی فاطمہؑ کے باغ پہ، وہ آخری بہار

مرنے کے شوق میں قدم آگے جو بڑھتے تھے
ہنس ہنس کے باتیں کرنے میں کیا پھول جھڑتے تھے

مولا کے ساتھ، صبح سے کھولی نہ تھی کمر ۴۴ آتے تھے تیر ادھر سے تو بن جاتے تھے سپر
زخموں سے چور ہو ہو کے گرتے تھے خاک پر رکھتے تھے شہ کے پائے مبارک پہ اپنا سر

کیا خوش نصیب وہ تھے کہ جب دم نکلتے تھے
منہ اپنا ان کے چہروں پہ شبیرؑ ملتے تھے

قاسم نے رن میں لاشہ پہ لاشہ گرا دیا ۴۵ عباس نے بھی خون کا دریا بہا دیا
اکبر نے دم میں ناموروں کو بھگا دیا اندازِ ضربِ شیرِ الٰہی دکھا دیا

تنہا جب ان کے بعد شہِ بحر و بر ہوئے
تیروں کے سامنے علی اصغرؑ سپر ہوئے

اس وقت حق امام پہ کیا بے کسی و یاس ۴۶ لاشیں تھیں گرد، ورنہ تھا کوئی آس پاس
فاقہ تھا تین روز کا سولہ پہر کی پیاس دشمن کئی ہزار، اکیلا وہ حق شناس

اعدا ادھر تو نیزوں پہ نیزے لگاتے تھے
خیمے سے اہل بیت اُدھر نکلے آتے تھے

میداں میں آ کے کہنے لگا شمر بے ادب ۴۷ طاقت علیؑ کی کیا ہوئی لڑتے نہیں ہو اب
جو آپ کو بچاتے تھے مارے گئے وہ سب ہاتھوں کے کانپنے کا ہے شاید یہی سبب

اب کی جو فوج گھوڑوں کی باگیں اٹھائے گی
حضرت سے ذوالفقار بھی کھینچی نہ جائے گی

یہ سن کے آگیا شہِ ذی جاہ کو جلال ۴۸ مانندِ شیر ہوگئیں آنکھیں غضب سے لال
بل کھا کے اٹھے ریشِ مخضّب کے سارے بال فرمایا سامنے سے سرک، او زبوں خصال
تو جانتا ہے ابنِ علیؑ کو، ہراس ہے
مجھ کو فقط رسول کی امت کا پاس ہے

مشہور ہے کنندۂ خیبر، مرا پدر ۴۹ لنگر اٹھالوں کوہ کا، ٹوٹی ہے گو کمر
کچھ سوجھتا نہیں کہ موا ہے جواں پسر لرزہ ہو شیر کو، جو کروں غیظ سے نظر
وارث ہوں ذوالفقار جنابِ امیر کا
رگ رگ میں میری زور ہے زہراؑ کے شیر کا

دے حکمِ جنگ کس لیے لڑنے میں دیر ہے ۵۰ دیکھوں تو فوجِ شام کی کیسی دلیر ہے
گو ہاتھ کانپتے ہیں مرا دل تو شیر ہے شبیرؑ بھوک پیاس میں جینے سے سیر ہے
بھائی کا غم سہا علی اکبر کو رو چکا
کس کس جوان کو، انھیں ہاتھوں سے کھو چکا

یہ کہہ کے کھینچی تیغ تو تھرا گئے فلک ۵۱ فریاد کا سماں ہے ہوا شور تا سمک
دیکھی گئی نہ تیغِ یداللہ کی چمک آنکھوں کو بند کرکے لگے کانپنے ملک
تابندگی برق نگاہوں سے گر گئی
شکلِ اجل، لعینوں کی آنکھوں میں پھر گئی

پشتے تھے زخمیوں کے چپ و راس و پیش و پس ۵۲ بجلی سا کوندتا تھا ہر ایک غول میں فرس
جلتے تھے برقِ تیغ سے اعدا مثالِ خس ہر صف میں تھا یہ شور کہ بس اے حسینؑ بس
تم نے پیا ہے شیر جنابِ بتولؑ کا
امت پہ رحم کیجیے صدقہ رسولؐ کا

اس وقت ہاتھ روک کے گویا ہوئے یہ شاہ ۵۳ تم نے کیا نہ رحم کہ اکبر تھا بے گناہ
مارا جواں پسر کو یہ کیا منصفی تھی واہ میں ہوگیا تباہ کہ تم ہوگئے تباہ
پوچھو تو اس سے [illegible] جس کا گھر ملے
ہاں پھرتے ہے یہ ہاتھ جو میرا پسر ملے

یہ کہہ کے چاہتے تھے کہ پھر ہوئیں حملہ ور ۵۴ دیکھا نبی کے ہاتھ کو گھوڑے کی باگ پر
فرماتے ہیں حسین بس امت پہ رحم کر اے لال میرے پاس ہے تیرا جواں پسر
جب تک کہ سر کٹا کے نہ جنت میں آؤ گے
عباس سے ملو گے نہ اکبر کو پاؤ گے

یہ سنتے ہی میان میں لی شہ نے ذوالفقار ۵۵ رو کر کہا کہ آپ کی امت کے میں نثار
اب ہے فقط حسین کو، اماں کا انتظار آئی صدا بتول کی اے میرے گلعذار
میں پیٹتی تھی برچھی جب اکبر نے کھائی تھی
اماں تو دیر سے تمھیں لینے کو آئی تھی

اس بن کی خاک میں کبھی سر پہ اڑاتی ہوں ۵۶ اصغر کی لاش کو کبھی چھاتی لگاتی ہوں
زینبؑ کو تھامنے کبھی خیمہ میں جاتی ہوں سر پیٹتی ہوئی کبھی میداں میں آتی ہوں
راحت میں فاطمہؑ کے نہ کیوں کر خلل پڑے
جس کی کمائی لٹتی ہو کیا اس کو کل پڑے

یہ ذکر تھا کہ ٹوٹ پڑی شہ پہ فوج شام ۵۷ باہم چلے یہ تیر کہ تن چھن گیا تمام
چھوٹی رکاب پاؤں سے اور ہاتھ سے لگام تلوار فرق پر جو لگی جھک گئے امام
ہر بی بی در پہ خیمہ کے غش کھا کے گرتی تھی
گھوڑے کے گرد فاطمہؑ سر ننگے پھرتی تھی

آخر گرا زمین پہ زہرا کا نازنیں ۵۸ عرش الٰہ کانپ گیا ہل گئی زمیں
آگے بڑھا چڑھائے ہوئے شمر آستیں زانو کو رکھا چھاتی پہ، گردن پہ تیغ کیں
بے سر نماز میں پسر فاطمہؑ ہوا
سجدہ نہ ہو چکا تھا کہ بس خاتمہ ہوا

بس اے انیس ختم کلام اب ضرور ہے ۵۹ لطف سخن اٹھاتا ہے جو ذی شعور ہے
دعویٰ کلام کا نہ بیاں کا غرور ہے حاسد جلیں تو اس میں مرا کیا قصور ہے
مارا، دماغ بحث و سر کارزار نیست
لیکن دلِ دو نیم، کم از ذوالفقار نیست

مرثیہ (۳)

فرزندِ پیمبر کا مدینے سے سفر ہے ۱ سادات کی بستی کے اُجڑنے کی خبر ہے
در پیش ہے وہ غم، کہ جہاں زیروزبر ہے گل چاک گریباں ہیں صبا خاک بہ سر ہے
گل رُو صفتِ غنچہ کمر بستہ کھڑے ہیں
سب ایک جگہ صورتِ گلدستہ کھڑے ہیں

آراستہ ہیں بہرِ سفر، سروِ قبا پوش ۲ عمامے سروں پر ہیں عبائیں بسرِ دوش
یارانِ وطن ہوتے ہیں آپس میں ہم آغوش حیراں کوئی تصویر کی صورت کوئی خاموش
مُنہ ملتا ہے رو کر کوئی سرورؑ کے قدم پر
گر پڑتا ہے کوئی علی اکبرؑ کے قدم پر

عباسؑ کا مُنہ دیکھ کے کہتا ہے کوئی آہ ۳ اب آنکھوں سے چھُپ جائے گی تصویرِ یداللہ
کہتے ہیں گلے مل کے یہ قاسمؑ کے ہوا خواہ واللہ دلوں پر ہے عجب صدمۂ جانکاہ
ہم لوگوں سے شیریں سخنی کون کرے گا
یہ اُنس، یہ خُلقِ حسنی کون کرے گا

روتے ہیں وہ، جو عون و محمد کے ہیں، ہم سن ۴ کہتے ہیں کہ مکتب میں نہ جی بہلے گا تم بن
اس داغ سے چین آئے ہمیں، یہ نہیں ممکن گرمی کا مہینہ ہے سفر کے یہ نہیں دن
تم حضرتِ شبیرؑ کے سایے میں پلے ہو
کیوں دھوپ کی تکلیف اٹھانے کو چلے ہو

ہمجولیوں سے کہتے تھے وہ دونوں برادر ۵ ہاں بھائیو تم بھی ہمیں یاد آؤ گے اکثر
پالا ہے ہمیں شاہ نے، ہم جائیں نہ کیوں کر ماموں رہیں جنگل میں تو اپنا ہے وہی گھر
وہ دن ہو کہ ہم حقِ غلامی سے ادا ہوں
تم بھی یہ دعا مانگو کہ ہم شہ پہ فدا ہوں

۶
رخصت کے لیے لوگ چلے آتے ہیں باہم — ہر قلب حزیں ہے، تو ہر اک چشم ہے پُرنم
ایسا نہیں[الف] گھر کوئی کہ جس میں نہیں ماتم — غل ہے کہ چلا دل برِ مخدومۂ عالم
خدام کھڑے پیٹتے ہیں قبرِ نبیؐ کے
روضہ پہ اُداسی ہے رسولِ عربیؐ کے

۷
ہے جب سے کھلا حالِ سفر، بند ہے بازار — یہ جنسِ غم ارزاں ہے کہ روتے ہیں دکاں دار
خاک اُڑتی ہے ویرانیِ یثرب کے ہیں آثار — ہر کوچے میں ہے شور، کہ ہے ہے شہِ ابرار
اب یاں کوئی والی نہ رہا آہ ہمارا
جاتا ہے مدینے سے شہنشاہ ہمارا

۸
تدبیرِ سفر میں ہیں ادھر سبطِ پیمبر — گھر میں کبھی آتے ہیں کبھی جاتے ہیں باہر
اسباب نکلواتے ہیں عباسؑ دلاور — تقسیمِ سواری کے تردد میں ہیں اکبر
شہ کو جنھیں لے جانا ہے، وہ پائے ہیں گھوڑے
خالی ہوا اصطبل، چلے آتے ہیں گھوڑے

۹
حاضر درِ دولت پہ ہیں سب یاور و انصار — کوئی تو کمر باندھتا ہے اور کوئی ہتھیار
ہودج بھی کَسے جاتے ہیں محمل بھی ہیں تیار — چلاتے ہیں درباں، کوئی آئے نہ خبردار
ہر محمل و ہودج پہ گھٹا ٹوپ پڑے ہیں
پردے کی قناتیں لیے فراش کھڑے ہیں

۱۰
عوراتِ محلہ چلی آتی ہیں بصد غم — کہتی ہیں یہ دن رحلتِ زہراؑ سے نہیں کم
پُرسے کی طرح رونے کا غل ہوتا ہے ہر دم — فرش اٹھتا ہے کیا بچھتی ہے گویا صفِ ماتم
غل ہوتا ہے ہر سمت، جدا ہوتی ہے زینبؑ
ہر اک کے گلے ملتی ہے اور روتی ہے زینبؑ

۱۱
لے لے کے بلائیں یہی سب کرتی ہیں تقریر — اس گرمی کے موسم میں کہاں جاتے ہیں شبیرؑ
سمجھاتی نہیں بھائی کو اے شاہ کی ہمشیر — مسلم کا خط آلے تو کریں کوچ کی تدبیر
للّٰلہ ابھی قبرِ پیمبرؐ کو نہ چھوڑیں
گھر فاطمہؑ زہرا کا ہے اس گھر کو نہ چھوڑیں

وہ گھر ہے ملک رہتے تھے جس گھر کے نگہباں ۱۲ کیوں اپنے بزرگوں کا مکاں کرتے ہیں ویراں
کوفے کی بھی خلقت تو نہیں صاحبِ ایماں بی بی یہ مدینے کی تباہی کا ہے ساماں
ایک ایک شقی دشمنِ اولادِ علیؑ ہے
شمشیرِ ستم واں سرِ حیدرؑ پہ چلی ہے

اُجڑے گا مدینہ جو یہ گھر ہوئے گا خالی ۱۳ بربادیٔ یثرب کی بِنا چرخ نے ڈالی
کیا جائیں(یں) پھر آئیں کہ نہ آئیں شہِ عالی حضرت کے سوا کون ہے اس شہر کا والی
زہراؑ ہیں نہ حیدرؑ نہ پیمبرؐ نہ حسنؑ ہیں
اب اُن کی جگہ آپ ہیں یا شاہِ زمن ہیں

گرمی کا یہ دن اور پہاڑوں کا سفر آہ ۱۴ ان چھوٹے سے بچوں کا نگہباں ہے اللہ
رستے کی مشقت سے کہاں ہیں ابھی آگاہ ان کو تو نہ لے جائیں سفر میں شہِ ذی جاہ
قطرہ بھی دمِ تشنہ دہانی نہیں ملتا
کوسوں تلک اس راہ میں پانی نہیں ملتا

منہ دیکھ کے اصغر کا چلا آتا ہے رونا ۱۵ آرام سے مادر کی کہاں گود میں سونا
جھولا یہ کہاں اور کہاں نرم بچھونا لکھا تھا اسی سن میں مسافر انھیں ہونا
کیا ہوگا جو میداں میں ہوا گرم چلے گی
یہ پھول سے کمھلائیں گے، ماں ہاتھ مَلے گی

ان بیبیوں سے کہتی تھی یہ شاہ کی ہمشیر ۱۶ بہنو ہمیں یثرب سے لیے جاتی ہے تقدیر
اس شہر میں رہنا نہیں ملتا کسی تدبیر یہ خط پہ خط آئے ہیں کہ مجبور ہیں شبیرؑ
مجھ کو بھی ہے رنج ایسا کہ کچھ کہہ نہیں سکتی
بھائی سے جدا ہو کے مگر رہ نہیں سکتی

اماں کی لحد چھوڑ کے میں یاں سے نہ جاتی ۱۷ فاقے بھی اگر ہوتے تو غم اس کا نہ کھاتی
بھائی کی طرف دیکھ کے شق ہوتی ہے چھاتی بے جائے، مجھے بات کوئی بن نہیں آتی
ظاہر میں تو مابینِ لحد سوتی ہیں اماں
میں خواب میں جب دیکھتی ہوں روتی ہیں اماں

ہے روح پہ امّاں کی قلق کرتی ہیں زاری ۱۸ سر پیٹتے میں نے انھیں دیکھا کئی باری
روداد بیاں کر گئی ہیں مجھ سے وہ ساری فرماتی تھیں بھائی سے خبردار ہیں واری
غم خوار ہے تو اور خدا حافظِ جاں ہے
نہ باپ ہے سر پر مرے بچے کے نہ ماں ہے

یاد آتی ہے ہر دم مجھے امّاں کی مصیبت ۱۹ کچھ جان کی تھی فکر نہ ان کو دمِ رحلت
آہستہ یہ فرماتی تھیں با صد غم و حسرت شبیرؑ سدھارے جو سوئے وادیِ غربت
اُس دن مری تربت سے بھی منہ موڑیو زینبؑ
اس بھائی کو تنہا نہ کبھی چھوڑیو زینبؑ

امّاں کی وصیت کو بجا لاؤں نہ کیوں کر ۲۰ گھر بھائی سے تھا بھائی نہ ہوگا تو کہاں گھر
دو بہنیں ہیں ماں جائیاں اور ایک برادر رسی سے بندھے ہاتھ کہ بلوے میں کھلے سر
جو ہووے سو ہو بھائی کے ہمراہ ہے زینبؑ
اس کوچ کے انجام سے آگاہ ہے زینبؑ

یہ کہتی تھی زینبؑ کہ پکارے شہِ عادل ۲۱ تیار ہیں دروازے پہ سب ہودج و محمل
طے شام تلک ہوگی تمھیں آج کی منزل رخصت کرو لوگوں کو بس اب رونے سے حاصل
چلتی ہے ہوا سرد ابھی وقت سحر ہے
بچے کئی ہمراہ ہیں گرمی کا سفر ہے

رخصت کرو ان کو جو کہ ہیں ملنے کو آئے ۲۲ کہہ دو کوئی گہوارۂ اصغر کو بھی لائے
نادان سکینہ کہیں آنسو نہ بہائے جانے کی خبر میری نہ صغرا کہیں پائے
ڈر ہے کہیں گھبرا کے نہ دم اس کا نکل جائے
باتیں کرو ایسی کہ وہ بیمار بہل جائے

رخصت کو ابھی قبرِ پیمبر پہ ہے جانا ۲۳ کیا جانیے پھر ہو کہ نہ ہووے مرا آنا
امّاں کی لحد پر ہے ابھی اشک بہانا اس مرقدِ انور کو ہے آنکھوں سے لگانا
آخر تو لیے جاتی ہے، تقدیر وطن سے
چلتے ہوئے ملنا ہے ابھی قبرِ حسنؑ سے

سن کر یہ سخن بانوئے ناشاد پکاری ۲۴ میں لٹتی ہوں کیسا سفر اور کیسی سواری
غش ہو گئی ہے فاطمہ صغریٰ پیاری یہ کس کے لیے کرتے ہیں سب گریہ وزاری
اب کس پہ میں اس صاحب آزار کو چھوڑوں
اس حال میں کس طرح سے بیمار کو چھوڑوں

ماں ہوں میں، کلیجہ نہیں، سینہ میں سنبھلتا ۲۵ صاحب مرے دل کو ہے کوئی ہاتھوں سے ملتا
میں تو اسے لے چلتی، پہ کچھ بس نہیں چلتا رہ جاتیں جو بہنیں بھی تو دل اس کا بہلتا
دروازے پہ تیار سواری پہ کھڑی ہے
پر اب تو مجھے جان کی صغرا کی پڑی ہے

چلاتی تھی کبرا کہ بہن آنکھیں تو کھولو ۲۶ کہتی تھی سکینہ کہ ذرا منہ سے تو بولو
ہم جاتے ہیں تم اٹھ کے بغلگیر تو ہو لو چھاتی سے لگو باپ کی دل کھول کے رو لو
تم جس کی ہو شیدا وہ برادر نہ ملے گا
گھر بھر میں جو ڈھونڈو گی تو اکبر نہ ملے گا

ہشیار ہو کیا صبح سے بیہوش ہے خواہر ۲۷ اصغر کو کرو پیار کلیجے سے لگا کر
چھاتی سے لگو اٹھ کے کھڑی روتی ہیں مادر ہم روتے ہیں دیکھو تو ذرا آنکھ اٹھا کر
افسوس اسی طور سے غفلت میں رہو گی
کیا آخری بابا کی زیارت نہ کرو گی

سن کر یہ سخن شاہ کے آنسو نکل آئے ۲۸ بیمار کے نزدیک گئے سر کو جھکائے
منہ دیکھ کے بانو کا سخن لب پہ یہ لائے کیا ضعف و نقاہت ہے، خدا اس کو بچائے
جس صاحب آزار کا یہ حال ہو گھر میں
دانستہ میں کیوں کر اسے لے جاؤں سفر میں

کہہ کر یہ سخن بیٹھ گئے سید خوش خو ۲۹ اور سورۂ الحمد پڑھا تھام کے بازو
بیمار نے پائی گل زہرا کی جو خوشبو آنکھوں کو تو کھولا پہ ٹپکنے لگے آنسو
ماں سے کہا مجھ میں جو حواس آئے ہیں اماں
کیا میرے مسیحا مرے پاس آئے ہیں اماں

ماں نے کہا ہاں ہاں وہی آئے ہیں مری جاں ۲۰ جو کہنا ہو کہہ لو کہ یہاں اور ہے ساماں
دیکھو تو ادھر روتے ہیں بی بی شہ ذی شاں صغرا نے کہا ان کی محبت کے میں قرباں

وہ کون سا ساماں ہے جو یوں روتے ہیں بابا
کھل کر کہو مجھ سے کہ جدا ہوتے ہیں بابا

یہ گھر کا سب اسباب گیا کس لیے باہر ۲۱ نہ فرش، نہ ہے مسندِ فرزندِ پیمبرؐ
دالان سے کیا ہو گیا گہوارۂ اصغر اجڑا ہوا لوگوں نظر آتا ہے مجھے گھر

کچھ منہ سے تو بولو مرا دم گھٹتا ہے اماں
کیا سبطِ پیمبر سے وطن چھٹتا ہے اماں

شبیرؑ کا منہ تکنے لگی بانوئے مغموم ۲۲ صغرا کے لیے رونے لگیں زینبؑ و کلثومؑ
بیٹی سے یہ فرمانے لگے سیدِ مظلوم پردہ رہا اب کیا تمھیں خود ہو گیا معلوم

تم چھٹتی ہو اس واسطے سب روتے ہیں صغرا
ہم آج سے آوارہ وطن ہوتے ہیں صغرا

اب شہر میں اک دم ہے ٹھہرنا مجھے دشوار ۲۳ میں پا بہ رکاب، اور ہو تم صاحبِ آزار
پھر آتا ہے وہ گھر میں، سفر میں جو ہو بیمار تکلیف تمھیں دوں یہ مناسب نہیں زنہار

غربت میں بشر کے لیے سو طرح کا ڈر ہے
میرا تو سفر رنج و مصیبت کا سفر ہے

لوں چلتی ہے خاک اڑتی ہے گرمی کے ہیں ایام ۲۴ جنگل میں نہ راحت، نہ کہیں راہ میں آرام
بستی میں کہیں صبح، تو جنگل میں کہیں شام دریا کہیں حائل، کہیں پانی کا نہیں نام

صحت میں گوارا ہے جو تکلیف گذر جائے
اس طرح کا بیمار نہ مرتا ہو تو مر جائے

صغرا نے کہا کھانے سے خود ہے مجھے انکار ۲۵ پانی جو کہیں راہ میں مانگوں تو گنہگار
کچھ بھوک کا شکوہ نہیں کرنے کی یہ بیمار تبرید فقط آپ کا ہے شربتِ دیدار

گرمی میں بھی راحت سے گذر جائے گی بابا
آئے گا پسینہ تپ اتر جائے گی بابا

کیا تاب اگر منہ سے کہوں درد ہے سر میں ۳۶ اُف تک نہ کروں، بھڑکے اگر آگ جگر میں
بھولے سے بھی شب کو نہ کراہوں گی سفر میں قربان گئی، چھوڑ نہ جاؤ مجھے گھر میں
ہو جانا خفا راہ میں گر رو دے گی صغرا
یاں نیند کب آتی ہے جو واں سوئے گی صغرا

وہ بات نہ ہوگی، جو بے چین ہوں مادر ۳۷ ہر صبح میں پی لوں گی دوا آپ بنا کر
دن بھر مری گودی میں رہیں گے علی اصغر لونڈی ہوں سکینہ کی، نہ سمجھو مجھے دختر
میں یہ نہیں کہتی کہ عماری میں بٹھا دو
بابا مجھے فضہ کی سواری میں بٹھا دو

شہ بولے کہ واقف ہے مرے حال سے اللہ ۳۸ میں کہہ نہیں سکتا مجھے درپیش ہے جو راہ
کھل جائے گا یہ راز بھی، گو تم نہیں آگاہ ایسا بھی کوئی ہے جسے بیٹی کی نہ ہو چاہ
ناچار یہ فرقت کا الم سہتا ہوں صغرا
ہے مصلحتِ حق یہی جو کہتا ہوں صغرا

اے نورِ بصر آنکھوں پہ لے کر تجھے چلتا ۳۹ تو مجھ سے بہلتی، مرا دل تجھ سے بہلتا
تپ ہے تجھے، اور غم سے جگر ہے مرا جلتا یہ ضعف کہ دم تک نہیں سینے میں سنبھلتا
جز ہجر علاج اور کوئی ہو نہیں سکتا
دانستہ تمھیں ہاتھ سے میں کھو نہیں سکتا

منہ تکنے لگی ماں کا وہ بیمار بصد غم ۴۰ چتون سے عیاں تھا کہ چلیں آپ مرے ہم
ماں کہتی تھی مختار ہیں، بی بی شہِ عالم میرے تو کلیجے پہ چھری چلتی ہے اس دم
وہ درد ہے جس درد سے چارا نہیں صغرا
تقدیر سے کچھ زور ہمارا نہیں صغرا

صغرا نے کہا کوئی کسی کا نہیں زنہار ۴۱ سب کی یہی مرضی ہے کہ مر جائے یہ بیمار
اللہ نہ وہ آنکھ کسی کی ہے، نہ وہ پیار اک ہم ہیں کہ ہیں سب پہ فدا سب کے ہیں غم خوار
بیزار ہیں سب ایک بھی شفقت نہیں کرتا
سچ ہے کوئی مردے سے محبت نہیں کرتا

ہمشیر کے عاشق ہیں سلامت رہیں اکبر ۴۲ اتنا نہ کہا مرگئی یا جیتی ہے خواہر
میں گھر میں تڑپتی ہوں وہ ہیں صبح سے باہر وہ کیا کریں برگشتہ ہے اپنا ہی مقدر
پوچھا نہ کسی نے کہ وہ بیمار کدھر ہے
نہ بھائیوں کو دھیان نہ بہنوں کو خبر ہے

کیا ان کو پڑی تھی جو وہ غم کھانے کو آتے ۴۳ میں کون جو صورت مجھے دکھلانے کو آتے
ہوتی جو فرض چھاتی سے لپٹانے کو آتے زلفیں جو الجھتی تو، سلجھوانے کو آتے
کل تک تو مرے حالِ پریشاں پہ نظر تھی
تقدیر کے اس پیچ کی مجھ کو نہ خبر تھی

مانوس سکینہ سے ہیں عباسؑ دلاور ۴۴ میں کون ہوں جو میری خبر پوچھتے آکر
سرسبز رہے خلق میں نوبادۂ شبیرؑ شادی میں بلائیں مجھے یہ بھی نہیں باور
لے دولہا بنے منہ کو چھپاتے ہیں ابھی سے
میں جیتی ہوں اور آنکھ چراتے ہیں ابھی سے

کس سے کہوں اس درد کو میں بیکس و رنجور ۴۵ بہنیں بھی الگ مجھ سے ہیں اور بھائی بھی ہیں دور
اماں کا سخن یہ ہے کہ بیٹی میں ہوں مجبور ہمراہی بیمار کسی کو نہیں منظور
دنیا سے سفر، رنج و مصیبت میں لکھا تھا
تنہائی کا مرنا مری قسمت میں لکھا تھا

سب بیبیاں رونے لگیں سن سن کے یہ تقریر ۴۶ چھاتی سے لگا کر اسے کہنے لگے شبیرؑ
لو صبر کرو، کوچ میں اب ہوتی ہے تاخیر منہ دیکھ کے چپ رہ گئی وہ بیکس و دلگیر
نزدیک تھا دل چیر کے پہلو نکل آئے
اچھا تو کہا منہ سے پہ آنسو نکل آئے

بانو کو اشارہ کیا حضرت نے کہ جاؤ ۴۷ اکبر کو بلاؤ، علی اصغر کو بھی، لاؤ
آئے علی اکبر تو کہا شاہ نے آؤ روٹھی ہے بہن تم سے گلے اس کو لگالو
چلتے ہوئے جی بھر کے ذرا پیار تو کرلو
لینے انھیں کب آؤگے اقرار تو کرلو

پاس آن کے اکبر نے یہ کی پیار کی تقریر ۴۸ کیا مجھ سے خفا ہو گئیں صغرا مری تقصیر
چلّانے لگی، چھاتی پہ منہ رکھ کے، وہ دلگیر مجبوب برادر ترے قربان یہ ہمشیر
صدقے ترے سر پر سے آتارے مجھے کوئی
بل کھائی ہوئی زلفوں پہ وارے مجھے کوئی

رخساروں پہ سبزے کے نکلنے کے میں صدقے ۴۹ تلوار لیے شان سے چلنے کے میں صدقے
افسوس سے ان ہاتھوں کے ملنے کے میں صدقے کیوں روتے ہو اشک آنکھوں سے ڈھلنے کے میں صدقے
جلد آن کے بھینا کی خبر لیجیو بھائی
بے میرے کہیں بیاہ نہ کر لیجیو بھائی

لکھنا مجھے نسبت کا اگر ہو کہیں سامان ۵۰ حقدار ہوں میں نیگ کی میرا بھی رہے دھیان
اور مر گئی پیچھے تو رہے دل میں سب ارمان لے آنا دولھن کو مری تربت پہ میں قربان
خوشنود مری روح کو کر دیجیو بھائی
حق نیگ کا تم قبر پہ دھر دیجیو بھائی

پیارے مرے بھیا مرے مہرو، علی اکبر ۵۱ چھپ جائیں گے آنکھوں سے یہ گیسو علی اکبر
یاد آئے گی یہ جسم کی خوشبو، علی اکبر ڈھونڈھیں گی یہ آنکھیں تمہیں، ہر سو علی اکبر
دل سینے میں کیوں کر تہ و بالا نہ رہے گا
جب چاند چھپے گا تو اجالا نہ رہے گا

کیا گذرے گی جب گھر سے چلے جاؤ گے بھائی ۵۲ کیسے مجھے ہر بات میں یاد آؤ گے بھائی
تشریف خدا جانیے کب لاؤ گے بھائی کی دیر تو جیتا نہ ہمیں پاؤ گے بھائی
کیا دم کا بھروسہ کہ چراغِ سحری ہیں
تم آج مسافر ہو تو ہم کل سفری ہیں

ہاں سچ ہے کہ بیمار کا بہتر نہیں جانا ۵۳ صحت سے جو ہیں ان میں کہاں میرا ٹھکانا
بھیا جو اب آنا تو مری قبر پہ آنا ہم گور کی منزل کی طرف ہوں گے روانا
کیا لطف کسی کو نہیں گر چاہ ہماری
وہ راہ تمہاری ہے تو یہ راہ ہماری

مرنا تو مقدم ہے، غم اس کا نہیں زنہار ۵۴ دھڑکا ہے کہ جب ہوں گے عیاں موت کے آثار
قبلہ کی طرف، کون کرے گا رخِ بیمار یٰسین بھی پڑھنے کو نہ ہوگا کوئی غم خوار
سانس اکھڑے گی جس وقت تو فریاد کروں گی
میں ہچکیاں لے لے کے تمھیں یاد کروں گی

ماں بولی یہ کیا کہتی ہے صغرا ترے قربان ۵۵ گھبرا کے نہ اب تن سے نکل جائے مری جان
بیکس مری بچی، ترا اللہ نگہبان صحت ہو تجھے میری دعا ہے یہی ہر آن.
کیا بھائی جدا بہنوں سے ہوتے نہیں بیٹا
کنبے کے لیے جان کو کھوتے نہیں بیٹا

میں صدقے گئی بس نہ کرو گریہ وزاری ۵۶ اصغر مرا روتا ہے صدا سن کے تمھاری
وہ کانپتے ہاتھوں کو اٹھا کر یہ پکاری آ آ مرے ننھے سے مسافر ترے واری
چھٹتی ہے یہ بیمار بہن جان گئے تم
اصغر مری آواز کو پہچان گئے تم

تم جاتے ہو اور ساتھ بہن جا نہیں سکتی ۵۷ تپ ہے تمھیں چھاتی سے میں لپٹا نہیں سکتی
جو دل میں ہے لب پر وہ سخن لا نہیں سکتی رکھ لوں تمھیں اماں کو بھی سمجھا نہیں سکتی
بیکس ہوں مرا کوئی مددگار نہیں ہے
تم ہو سو تمھیں طاقتِ گفتار نہیں ہے

معصوم نے جس دم یہ سنی درد کی گفتار ۵۸ صغرا کی طرف ہاتھوں کو لٹکا دیا اک بار
لے لے کے بلائیں یہ لگی کہنے وہ بیمار جھک جھک کے دکھاتے ہو مجھے آخری دیدار
دنیا سے کوئی دن میں گذر جائے گی صغرا
تم بھی یہ سمجھتے ہو کہ مر جائے گی صغرا

عباسؑ نے اتنے میں یہ ڈیوڑھی سے پکارا ۵۹ چلنے کو ہے اب قافلہ تیار ہمارا
لپٹا کے گلے فاطمہ صغرا کو دوبارا اٹھے شہِ دیں، گھر تہ و بالا ہوا سارا
جس چشم کو دیکھا سو وہ پُر نم نظر آئی
اک مجلسِ ماتم تھی، کہ برہم نظر آئی

بیت الشرف خاص سے نکلے شہِ ابرار ۶۰ روتے ہوئے ڈیوڑھی پہ گئے عترتِ اطہار
فرّاشوں کو عباس پکارے یہ بہ تکرار پردے کی قناتوں سے خبردار، خبردار
باہر حرم آتے ہیں، رسول دوسرا کے
شقّہ کوئی جھک جائے نہ جھونکے سے ہوا کے

لڑکا بھی جو کوٹھے پہ چڑھا ہو وہ اتر جائے ۶۱ آتا ہو اِدھر جو وہ، اسی جا پہ ٹھہر جائے
ناقے پہ بھی کوئی نہ برابر سے گذر جائے دیتے رہو آواز جہاں تک کہ نظر جائے
مریمؑ سے سوا حق نے شرف ان کو دیے ہیں
افلاک پہ آنکھوں کو ملک بند کیے ہیں

عباسؑ علی سے علی اکبر نے کہا تب ۶۲ ہیں قافلہ سالارِ حرم حضرت زینب
پہلے وہ ہوں اسوار تو محمل میں چڑھیں سب حضرت نے کہا ہاں یہی میرا بھی ہے مطلب
گھر میں مرے زہراؑ کی جگہ بنتِ علیؑ ہے
میں جانتا ہوں ماں مرے ہمراہ چلی ہے

پہنچی جو ہیں (ی) ناقے کے قریں دخترِ حیدر ۶۳ خود ہاتھ پکڑنے کو بڑھے سبطِ پیمبر
فضّہ تو سنبھالے ہوئے تھی گوشۂ چادر تھے پردۂ محمل کو اٹھائے علی اکبر
فرزند کمر بستہ چپ و راس کھڑے تھے
نعلین اٹھا لینے کو عباس کھڑے تھے

اک دن تو مہیا تھا، یہ سامانِ سواری ۶۴ اک روز تھا وہ، گرد تھے نیزے لیے ناری
محمل تھا، نہ ہودج، نہ کجاوہ، نہ عماری بے پردہ تھی وہ حیدرِ کرار کی پیاری
ننھے کئی بچوں کے گلے ساتھ بندھے تھے
تھے بال کھلے چہروں پہ اور ہاتھ بندھے تھے

زینت دہِ محمل جو ہوئی دخترِ زہراؑ ۶۵ ناقوں پہ چڑھے سب حرمِ سیدِ والا
آنے لگے رہوار، کھلا گرد کا پردا عباس سے بولے یہ شہِ یثرب و بطحا
صدمہ ہے بچھڑنے کا مرے روحِ نبی پر
رخصت کو چلو قبرِ رسولِ عربی پر

ہے قبرِ ناناکی مقدم مجھے جانا ۶۶ کیا جانیے پھر ہو کہ نہ ہو شہر میں آنا
اماں کی ہے تربت پہ ابھی اشک بہانا اس مرقدِ انور کو ہے آنکھوں سے لگانا
آخر تو لیے جاتی ہے تقدیر وطن سے
چلتے ہوئے ملنا ہے ابھی قبرِ حسنؑ سے

پیدل شہِ دیں روضۂ احمدؐ کو سدھارے ۶۷ تربت سے صدا آئی کہ آ مرے پیارے
تعویذ سے شبیرؑ لپٹ کر یہ پکارے ملتا نہیں آرام نواسے کو تمہارے
خط کیا ہیں اجل کا یہ پیام آیا ہے نانا
آج آخری رخصت کو غلام آیا ہے نانا

خادم کو کہیں امن کی اب جا نہیں ملتی ۶۸ راحت کوئی ساعت مرے مولا نہیں ملتی
دکھ کون سا اور کون سی ایذا نہیں ملتی ہیں آپ جہاں، راہ وہ اصلا نہیں ملتی
پابندِ مصیبت ہوں گرفتارِ بلا ہوں
خود پاؤں سے اپنے طرفِ قبر چلا ہوں

میں اک تنِ تنہا ہوں ستم گار ہزاروں ۶۹ اک جان ہے اور درپئے آزار ہزاروں
اک پھول سے رکھتے ہیں خلشِ خار ہزاروں اک سر ہے فقط اور خریدار ہزاروں
واں جمع کئی شہر کے خوں ریز ہوئے ہیں
خنجر مری گردن کے لیے تیز ہوئے ہیں

فرمایئے اب جائے کدھر آپ کا شبیرؑ ۷۰ یاں قید کی ہے فکر اُدھر قتل کی تدبیر
تیغیں ہیں کہیں میرے لیے اور کہیں زنجیر خوں ریزی کو کعبہ تلک آپہنچے ہیں بے پیر
بچ جاؤں، جو پاس اپنے بلا لیجیے نانا
تربت میں نواسے کو چھپا لیجیے نانا

یہ کہہ کے ملا قبر سے شہ نے جو رخِ پاک ۷۱ ہلنے لگا صدمے سے مزارِ شہِ لولاک
جنبش جو ہوئی قبر کو تھرا گئے افلاک کانپی جو زمیں صحنِ مقدس میں اڑی خاک
اس شور میں آئی یہ صدا روضۂ جد سے
تم آگے چلو ہم بھی نکلتے ہیں لحد سے

باتوں نے تری دل کو مرے کر دیا مجروح ۷۲ تو شہر سے جاتا ہے تڑپتی ہے مری روح
بے تیغ کیا، خنجرِ غم نے ترے مذبوح ہے کشتیِ امت پہ تباہی، کہ چلا نوح
افلاکِ امامت کا تجھے بدر نہ سمجھے
بے قدر ہیں ظالم کہ تری قدر نہ سمجھے

مارا گیا جس روز سے شبّرؑ مرا پیارا ۷۳ اس روز سے ٹکڑے ہے کلیجہ مرا سارا
اب قتل میں ہوتا ہوں ترے ساتھ دوبارا امت نے کیا پاسِ ادب خوب ہمارا
زہراؑ کی جو بستی کو اجاڑیں تو عجب کیا
اعدا مجھے تربت سے اکھاڑیں تو عجب کیا

اس ذکر پہ رویا کیے شہ سر کو جھکائے ۷۴ واں سے جو اٹھے فاطمہؑ کی قبر پہ آئے
پائینِ لحد گر کے بہت اشک بہائے آواز یہ آئی کہ میں صدقے مرے جائے
ہے شور ترے کوچ کا جس دن سے وطن میں
پیارے میں اسی دن سے تڑپتی ہوں کفن میں

تربت میں جو کی میں نے بہت گریہ و زاری ۷۵ گھبرا کے علیؑ آئے نجف سے کئی باری
کہتے تھے کہ اے احمدِ مختار کی پیاری تم پاس ہو تربت ہے بہت دور ہماری
گھر لٹتا ہے کیوں کر ہمیں چین آئے گا زہراؑ
کیا ہم سے نہ رخصت کو حسینؑ آئے گا زہراؑ

میں نے جو کہا قبر سے کیوں نکلے ہو باہر ۷۶ نہ سر پہ عمامہ ہے نہ ہے دوش پہ چادر
فرمایا کہ ماتم میں ہوں لے بنتِ پیمبر مرنے کو پسر جاتا ہے برباد ہوا گھر
ترسیں گے وہ پانی کو جو نازوں کے پلے ہیں
تلواریں ہیں اب اور مرے بچوں کے گلے ہیں

پھرتا ہے مری آنکھوں میں شبیرؑ کا مقتل ۷۷ وہ نہرِ فرات اور کئی کوس کا جنگل
وہ بجلیاں تلواروں کی اور شام کا بادل دریا سے وہ پیاسوں کے ہٹا دینے کی ہلچل
شبیرؑ کے سر پر سے یہ آفت نہ ٹلے گی
دسویں کو محرم کی چھری مجھ پہ چلے گی

سن کر یہ بیاں باپ کا مادر کی زبانی ۷۸ رو رو کے پکارا اسد اللہ کا جانی
ہاں والدہ سچ ہے نہ ملے گا مجھے پانی پیاسے ہیں مرے خون کے یہ ظلم کے بانی
بچپن میں کیا تھا، مرا ماتم شہِ دیں نے
نانا کو خبر دی تھی مری روح امیں نے

پہلو میں جو تھی فاطمہؑ کے تربتِ شبرؑ ۷۹ اس قبر سے لپٹے بہ محبت شہِ صفدر
چلائے کہ شبیرؑ کی رخصت ہے برادر حضرت کو تو پہلو ہوا اماں کا میسر
قبریں بھی جدا ہیں تہِ افلاک ہماری
دیکھیں ہمیں لے جائے کہاں خاک ہماری

یہ کہہ کے چلے قبرِ حسنؑ سے شہِ مظلوم ۸۰ رہوار جو مانگا تو سواری کی ہوئی دھوم
یارانِ وطن گرد تھے افسردہ و مغموم چلاتے تھے خادم کہ چلا خلق کا مخدوم
خالی ہوا گھر آج رسولِ عربی کا
تابوت اسی دھوم سے نکلا تھا نبی کا

جب اٹھ گئی تھیں خلق سے مخدومۂ عالم ۸۱ سر پیٹتے تھے لوگ اسی طرح سے باہم
برپا تھا جنازے پہ علیؑ کے یونہیں ماتم تھا رحلتِ شبرؑ میں محبوں کا یہی غم
بس آج سے بے وارث و والی ہے مدینہ
اب پنجتن پاک سے خالی ہے مدینہ

چلاتی تھیں رانڈیں کہ چلی شہ کی سواری ۸۲ لے گا خبر اب کون مصیبت میں ہماری
آنکھوں سے یتیموں کی دراشک تھا جاری مضطر تھے اپاہج ضعفا کرتے تھے زاری
کہتے تھے گدا، ہم کو غنی کون کرے گا
محتاجوں کی فاقہ شکنی کون کرے گا

تھا، نا کے تلک شہر کے اک شورِ قیامت ۸۳ سمجھاتے ہوئے سب کو چلے جاتے تھے حضرت
رو رو کے وہ کہتا تھا جسے کہتے تھے رخصت پائیں گے کہاں ہم اسے غنیمت ہے زیارت
آخر تو بچھڑ کر کفِ افسوس ملیں گے
دس بیس قدم اور بھی ہمراہ چلیں گے

قسمیں انھیں دے دے کے کہا شہ نے کہ جاؤ ۸۴ تکلیف تمھیں ہوتی ہے اب ساتھ نہ آؤ
اللہ کو سونپا تمھیں آنسو نہ بہاؤ پھرنے کے نہیں، ہم سے بس اب ہاتھ اٹھاؤ
اس بیکس و تنہا کی خبر پوچھتے رہنا
یارو مری صغرا کی خبر پوچھتے رہنا

روتے ہوئے وہ لوگ پھرے شاہ سدھارے ۸۵ جو صاحبِ قسمت تھے وہ ہمراہ سدھارے
کس شوق سے مردانِ حق آگاہ سدھارے بہ طرف خانۂ اللہ سدھارے
اترے نہ مسافر کسی مخلوق کے گھر میں
عاشق کو کشش لے گئی معشوق کے گھر میں

روشن ہوئی کعبہ کی زمیں نورِ خدا سے ۸۶ مکہ نے شرف اور بھی پایا شرفا سے
جھک جھک کے ملے، سبطِ پیمبر غربا سے آباد ہوا شہر، نمازوں کی صدا سے
خوش ہو کے ہوا خواہ یہ کہتے تھے علیؑ کے
سب باپ کی خو بو ہے نواسے میں نبیؐ کے

کعبے میں بھی اک دن نہ ملا شاہ کو آرام ۸۷ کوفے سے چلے آتے تھے نامے سحر و شام
اعدا نے گذرنے نہ دیے، حج کے بھی ایام کھولا پسرِ فاطمہؑ نے باندھ کے احرام
عازم طرفِ راہِ الٰہی ہوئے حضرت
تھی ہشتم ذی الحجہ کہ راہی ہوئے حضرت

جاتے تھے دل افسردہ و غمگیں شہِ ابرار ۸۸ ہر گام پہ ہوتے تھے عیاں موت کے آثار
قبریں نظر آتیں کسی صحرا میں جو دو چار فرماتے تھے شہ فاعتبروا یا اولی الابصار
جز خاک نہ ہوئے گا نشاں بھی بدنوں کا
انجام یہ ہے ہم سے غریب الوطنوں کا

احباب کہیں، گھر ہے کہیں، آپ کہیں ہیں ۸۹ آگے تو زمیں پر تھے پر اب زیرِ زمیں ہیں
خالی ہیں مکاں آپ تہِ خاک مکیں ہیں جو دور نہ رہتے تھے وہ اب پاس نہیں ہیں
حسرت یہ رہی ہوگی کہ پہنچے نہ وطن میں
کیا منہ کو لپیٹے ہوئے سوتے ہیں کفن میں

باتیں تھیں یہی یاس کی اور درد کی تقریر ۹۰ منزل پہ بھی آرام سے سوتے تھے نہ شبیر
شب کو کہیں اترے، تو سحر کو ہوئے رہگیر جلدی تھی کہ، ہو جائے شہادت میں نہ تاخیر
مقتل کا یہ تھا شوق شہِ جن و بشر کو
جس طرح سے ڈھونڈے کوئی معشوق کے گھر کو

ملتا تھا کوئی مردِ مسافر جو سرِ راہ ۹۱ یوں پوچھتے تھے اس سے بہ حسرت شہِ ذی جاہ
ایسا کوئی صحرا بھی ہے اے بندۂ اللہ اک نہر سوا جس میں ہو چشمہ نہ کوئی چاہ
کیا ملتا ہے، اس دشت میں اور کیا نہیں ملتا
ہم ڈھونڈتے پھرتے ہیں، وہ صحرا نہیں ملتا

وہ عرض یہ کرتا تھا کہ سبطِ شہِ لولاک ۹۲ ہے سخت پر اندوہ، وہ صحرائے تہِ افلاک
ہنستا ہوا واں جائے تو ہو جاتا ہے غمناک سنتا ہوں وہاں دن کو اڑاتا ہے کوئی خاک
واں راتوں کو آتی ہے صدا سینہ زنی کی
درویش کی مسکن ہے سکونت نہ غنی کی

چلاتی ہے عورت کوئی ہے ہے مرے فرزند ۹۳ اس دشت میں ہو جائے گا تو خاک کا پیوند
تلواروں سے ٹکڑے یہیں ہوں گے ترے دلبند پانی یہیں ہو جائے گا بچوں پہ ترے بند
پیارے تو اسی خاک پہ گھوڑے سے گرے گا
ہے ہے یہیں خنجر تری گردن پہ پھرے گا

اک شیر ترائی میں یہ چلاتا ہے دن رات ۹۴ کٹ جائیں گے یاں ہاتھ مرے لال کے ہیہات
کیا حال کہوں نہر کا، اے شاہِ خوش اوقات پانی تو نہیں شور، پہ مشہور ہے یہ بات
طائر بھی دمِ تشنہ دہانی نہیں پیتے
وحشی کبھی واں آن کے پانی نہیں پیتے

اس جا نہ اترتا ہے نہ دم لیتا ہے رہ گیر ۹۵ ہے شور کہ اس آب میں ہے آگ کی تاثیر
پیاسوں کے لیے اس کی ہر اک موج ہے شمشیر اس طرح ہوا چلتی ہے جس طرح چلیں تیر
بجھتی نہیں واں پیاس کسی تشنہ گلو کی
بو آتی ہے اس نہر کے پانی میں لہو کی

اس شخص سے یہ کہہ کے چلے قبلۂ عالم ۹۶ اللہ نے چاہا تو بسائیں گے اسے ہم
عاشق پہ بلا بعد بلا آتی ہے ہر دم غم اور بڑھا، وصل کا مژدہ جو رہا کم
آفت یہ نئی فوج شہنشاہ میں آئی
مسلم کی شہادت کی خبر راہ میں آئی

غربت میں نہ ماتم کی سنائے خبر اللہ ۹۷ طاری ہوا حضرت پہ عجب صدمۂ جانکاہ
گوندے ہوئے سر کھولے پیٹے حرم شاہ فرماتے تھے شہ سب کو ہے درپیش یہی راہ
ہوگا وہی اللہ کو جو مدِ نظر ہے
آج ان کا ہوا کوچ، کل اپنا بھی سفر ہے

وارث کے لیے زوجۂ مسلم کا تھا یہ حال ۹۸ محمل سے گری پڑتی تھی بکھرائے ہوئے بال
روتے تھے بہن کے لیے عباسؑ خوش اقبال وہ کہتی تھی ساتھ آئے تھے چھوٹے مرے دو لال
پوچھو تو کدھر وہ مرے پیارے گئے دونو
فرماتے تھے شبیرؑ کہ مارے گئے دونو

محمل تھے سب اس بی بی کے ہودج کے برابر ۹۹ تھا شور کہ بیوہ ہوئی شبیرؑ کی خواہر
گھبرا گئی تھی مسلمِ مظلوم کی دختر ہر بار یہی پوچھتی تھی ماں سے لپٹ کر
کیوں پیٹتی ہو کون جدا ہو گیا اماں
غربت میں مرے باپ پہ کیا ہو گیا اماں

اس دن سے تو اک ابرِ ستم فوج پہ چھایا ۱۰۰ کھانا کئی دن قافلہ والوں نے نہ کھایا
رستے میں ابھی تھا اسد اللہ کا جایا جو چاند محرم کا فلک پر نظر آیا
سب نے مہِ نو لشکرِ شبیرؑ میں دیکھا
منہ شاہ نے آئینۂ شمشیر میں دیکھا

خویش و رفقا چاند کی تسلیم کو آئے ۱۰۱ مجرے کو جھکے اور سخن لب پہ یہ لائے
یہ چاند مبارک ہو یدُاللہ کے جائے کفار پہ تو فتح، اسی چاند میں پائے
رتبہ مہ و خورشید سے بالا رہے تیرا
تا حشر زمانے میں اجالا رہے تیرا

حضرت نے دعا پڑھ کے یہ کی حق سے مناجات ۱۰۲ کر رحم گنہگاروں پہ اے قاضی حاجات
سر دینے کا مشتاق ہوں عالم ہے تری ذات خنجر مری آنکھوں میں پھرا کرتا ہے دن رات
باقی ہیں جو راتیں وہ عبادت میں بسر ہوں
یہ زیست کے دس دن تری طاعت میں بسر ہوں

پہنچا دے مجھے جلدی بس اے خالقِ افلاک ۱۰۳ اس خاک پہ جس خاک سے ملتی ہے مری خاک
طالب ہے ترے قرب کا سبطِ شہِ لولاک نہ ملک کی خواہش ہے نہ درکار ہے املاک
بیتاب ہے دل صبر کا یارا نہیں مجھ کو
اب فصل بجز وصل گوارا نہیں مجھ کو

اتنے میں یہ فضہ علی اکبر کو پکاری ۱۰۴ لو دیکھ چکی چاند یداللہ کی پیاری
عادت ہے کہ وہ دیکھتی ہیں شکل تمہاری آنکھوں کو کیے بند یہ فرماتی ہیں واری
آئے تو رخِ اکبرِ ذی قدر کو دیکھوں
شکلِ مہِ نو دیکھ چکی بدر کو دیکھوں

شہ داخلِ خیمہ ہوئے فرزند کے ہمراہ ۱۰۵ منہ دیکھ کے یوں کہنے لگی بنت یداللہ
یہ چاند ہے کس طرح کا اے فاطمہؑ کے ماہ فرمانے لگے رو کے بہن سے شہِ ذی جاہ
سر تن سے مرا اس مہِ پُر غم میں کٹے گا
زینبؑ یہ مہینہ تمہیں ماتم میں کٹے گا

یہ آلِ نبی کی ہے مصیبت کا مہینا ۱۰۶ یہ ظلم کا عشرہ ہے یہ آفت کا مہینا
پہنچا ہے غریبوں کی شہادت کا مہینا آخر ہے بس اب عمر کی مدت کا مہینا
یہ بارِ امامت مری گردن سے اتر جائے
ہو خاتمہ بالخیر جو سر تن سے اتر جائے

گردوں پہ مہِ نو جو نمایاں ہے یہ ہمشیر ۱۰۷ چڑھتی ہے مرے سر کے لیے چرخ پہ شمشیر
اس چاند میں کٹ جائے گا سب لشکرِ شبیرؑ نیزہ کوئی کھائے گا کلیجہ پہ، کوئی تیر
برچھی کسی جانباز کے پہلو میں لگے گی
شمشیر کسی شیر کے پہلو میں لگے گی

خیمے کو جلادیں گے لٹے گا زر و زیور ۱۰۸ اس ماہ میں ہوں گے نہ پدر اور نہ برادر
ماؤں سے پسر چھوٹیں گے بہنوں سے برادر بیوہ کئی سیدانیاں ہوویں گی مقرر
گھڑکیں گے ستمگار جو رووے گی سکینہ
اس ماہ میں بے باپ کی ہووے گی سکینہ

دولہا کوئی ٹاپوں کے تلے ہوئے گا پامال ۱۰۹ پیٹے گی کوئی تازہ دلہن کھولے ہوئے بال
تیروں سے کسی ماں کا جگر ہوئے گا غربال نکلے گی کوئی کہتی ہوئی ہائے مرا لال
معصوموں کے سونے کی جگہ پائیں گی خالی
بچوں سے بھری گودیاں ہو جائیں گی خالی

اس عشرۂ اول میں نہ ہوئیں گے بہن ہم ۱۱۰ تاریخ سفر ہے دہم ماہِ محرم
عشرہ یہ وہ عشرہ ہے کہ اے زینبِ پُرغم جس لال کی عاشق ہو وہ ہو جائے گا بے دم
دیکھو گی نہ پھر منہ علی اکبر سے پسر کا
اب شام میں ہوئے گا تمہیں چاند صفر کا

رونے کے لیے حق نے بنائے ہیں یہ دس دن ۱۱۱ ان روزوں خوشی ہو یہ کسی کو نہیں ممکن
لیویں گے مرا تعزیہ ہر شہر کے ساکن اکبر کو جواں روئیں گے معصوموں کو کم سن
بھولیں ہمیں ایسے نہیں غم خوار ہمارے
ہوئیں گے سیہ پوش عزادار ہمارے

غش ہو گئی سن کر یہ بیاں زینبِ پُرغم ۱۱۲ خیمے میں اسی رات سے برپا ہوا ماتم
بیدار رہیں صبح تلک بیبیاں باہم خیموں کو اکھڑوا کے چلے قبلۂ عالم
آخر وہی صحرا، وہی جنگل نظر آیا
تھی دوسری تاریخ کہ مقتل نظر آیا

اترے اسی میدانِ بلاخیز میں سرور ۱۱۳ استادہ ہوئے، خیمۂ ناموسِ پیمبر
صحرا کی طرف دیکھ کے خوش ہو گئے اکبر دریا پہ ٹہلنے لگے عباسِ دلاور
شہ بولے ہوا نہر کی بھائی تمہیں بھائی
ہاں شیر ہو دریا کی ترائی تمہیں بھائی

خامے کو بس اب روک انیسؔ جگر افگار ۱۱۴ خالق سے دعا مانگ کہ اے ایزدِ غفار
زندہ رہیں دنیا میں شہِ دیں کے عزادار غیر از غم شہ، ان کو نہ غم ہو کوئی زنہار
آنکھوں سے مزارِ شہِ دلگیر کو دیکھیں
اس سال میں بس روضۂ شبیر کو دیکھیں

مرثیہ (۴)

سبطِ نبی سے منزلِ مقصد قریب ہے ۱ آرام گاہِ جانِ محمدؐ قریب ہے
مولد تو دور رہ گیا مشہد قریب ہے جس جا لحد بنے گی وہ سرحد قریب ہے
جاتے ہیں آپ خلق کی مشکل کشائی کو
آئی ہے (الف) کربلا سے اجل پیشوائی کو

ہے شورِ آمد آمد شاہِ فلک سریر ۲ فوجوں کی ہر طرف سے چلی آتی ہے بھیر
دعوت کے واسطے ہیں سنانیں لیے شریر حضرت کی پیش کش کو، کمانیں ہیں اور تیر
پانی پہ چوکیاں ستم آرا بٹھاتے ہیں
دریا کے گھاٹ، برچھیوں سے روکے جاتے ہیں

شقّے گئے ہیں شام کے حاکم کے جا بجا ۳ ہر پرگنے سے ہے طلبِ لشکرِ جفا
آکر اترتی جاتی ہیں، فوجیں جدا جدا لیتا ہے جائزہ عمرِ سعد بے حیا
غل ہے کریں گے قتل جو زہرا کے ماہ کو
انعام میں ملے گا دو ماہہ سپاہ کو

تیغیں سلاح خانہ سے نکلی ہیں بے شمار ۴ ہے جا بجا درستی اسباب کارزار
ہوتے ہیں لیس، تیروں کے دستے کئی ہزار خنجر بجھائے ہیں ذبح کو، پیاسوں کے آبدار
نوکیں نکالی جاتی ہیں تیروں کی سان پر
پھل برچھیوں پہ چڑھتے ہیں پرچم نشان پر

وہ سالکِ طریقِ ہدایت ہے، شاد شاد ۵ ہے آرزو کہ جلد ملے گوہرِ مراد
بہتے ہیں اشک، جوش پہ ہے بحرِ اتحاد لب پر اسی کا ذکر ہے دل میں اسی کی یاد
معشوق کے سوا، کوئی پیش نظر نہیں
یہ شوقِ وصل ہے کہ کسی کی خبر نہیں

وہ گرمیوں کے دن، وہ پہاڑوں کی راہ سخت ۶ پانی نہ منزلوں، نہ کہیں سایۂ درخت
ڈوبے ہوئے پسینوں میں ہیں غازیوں کے رخت سنولا گئے ہیں رنگِ جوانانِ نیک بخت
راکب عبائیں چاند سے چہروں پہ ڈالے ہیں
تونسے ہوئے سمند، زبانیں نکالے ہیں

چلتی ہے لوں، حرارتِ خورشید ہے دوچند ۷ مرجھا گئے ہیں نخل ہوا میں ہے یہ گزند
جھیلوں میں ہیں درند، درختوں پہ ہیں پرند ہے دھوپ میں رسول کا فرزندِ ارجمند
غربت میں بیکسی ہے شہِ دیں پناہ پر
سایہ ہے آفتاب کا زہرا کے ماہ پر

وہ دن ہیں جن دنوں نہیں کرتا کوئی سفر ۸ صحرا کے جانور بھی نہیں چھوڑتے ہیں گھر
رنجِ مسافرت میں ہیں سلطان بحر و بر لب برگِ گل سے خشک ہیں چہرہ عرق میں تر
آتی ہے خاک اُڑ کے یمین و یسار سے
گیسوئے مشکبار اَٹے ہیں غبار سے

اہلِ حرم ہیں محمل و ہودج میں بیقرار ۹ معصوم پانی مانگتے ہیں رو کے بار بار
بانو پکارتی ہے کہ یا شاہ نامدار گرمی سے جاں بلب ہے مرا طفلِ شیرخوار
کیونکر یہ دکھ اٹھے چھ مہینے کی جان سے
گرمی ہے یا برستی ہے آگ آسمان سے

چلاتی ہے سکینہ کہ اچھے مرے چچا ۱۰ محمل میں گھٹ گئی، مجھے گودی میں لو ذرا
بابا سے کہو دواب کریں خیمہ کہیں بپا ٹھنڈی ہوا میں لے کے چلو تم پہ میں فدا
سایہ کسی جگہ ہے، نہ چشمہ نہ چاہ ہے
تم تو ہوا میں ہو مری حالت تباہ ہے

جب طے ہوئی وہ منزلِ آفت قریبِ شام ۱۱ اس روز ثعلبیہ میں شہ کا ہوا مقام
اکبر نے آن کر کیا پردے کا اہتمام ناقوں سے اترے آلِ نبی با صد احترام
ڈوبے ہوئے عرق میں سبھوں کے لباس تھے
دل رندھ گئے تھے، چاند سے چہرے اداس تھے

اترے رفیقِ خاص، قریبِ خیامِ شاہ ۱۲ کچھ فاصلے سے گرد، فرد کش ہوئی سپاہ
نکلا حرم سے حضرتِ خیر النسا کا ماہ کرسی پہ جلوہ گر ہوا، وہ عرش بارگاہ
ہر نخل غیرتِ شجرِ طور ہو گیا
صحرا خدا کے نور سے معمور ہو گیا

اس دن بہت اُداس تھا، زہرا کا یادگار ۱۲ زردی تھی رُخ پہ، گیسوؤں پر راہ کا غبار
صحرا پہ گہ نظر تھی، گہے سوئے کوہسار کہتے تھے دیکھ دیکھ کے گردوں کو بار بار
کس کو نہ بے وطن کیا، کس پر جفا نہ کی
اے دہر تو نے آہ کسی سے وفا نہ کی

یہ کہہ کے رو رہے تھے شہِ دیں کہ ناگہاں ۱۴ ناقے پہ ایک شخص ہوا دور سے عیاں
عباس سے یہ کہنے لگے شاہِ دوجہاں تم جا کے اس عرب کو بلا لاؤ بھائی جاں
تشویش ہے رسولِ خدا کے حبیب کو
کچھ پوچھنا ہے اس سے حسینؑ غریب کو

جلدی چلے یہ سنتے ہی حکمِ شہِ انام ۱۵ پاس اس کے جا کے آپ نے کی سبقتِ کلام
ناقہ بٹھا کے کود پڑا تب وہ نیک نام عباسؑ نامور نے یہ اس سے کیا کلام
آیا ہے تو جدھر سے، اُدھر ہم بھی جاتے ہیں
اے شخص جلد چل تجھے آقا بُلاتے ہیں

دیکھا جو رعب و دبدبۂ شوکت و جلال ۱۶ دستِ ادب کو جوڑ کے اس نے کیا سوال
ہے کون شخص آپ کا آقائے خوش خصال عباسؑ نے کہا کہ رسولِ خدا کا لال
نورِ نگاہِ فاتحِ بدر و حنین ہے
آقا کا میرے اسمِ مبارک حسینؑ ہے

یہ سن کے اشک آنکھوں سے اُس شخص نے بہائے ۱۷ چھاتی پہ ہاتھ مار کے بولا کہ ہائے ہائے
کیوں اس طرف کو سیدِ والا وطن سے آئے آفت سے نورِ چشمِ علی کو خدا بچائے
سب اہلِ شر ہیں کوفیوں کو ان سے بیر ہے
پھر جائیں آپ جانبِ یثرب تو خیر ہے

گھبرا گئے یہ سنتے ہی عباسِ باوفا ۱۸ فرمایا اے غریب ترے رونے کی وجہ کیا
مسلم نے بھی، یہ حال تو خط میں نہیں لکھا اُس نے کہا کہ اور ہے کچھ واں کا ماجرا
سب شہر پھر گیا ہے شہِ خاص و عام سے
کہنا ہے جو کہوں گا مفصّل امام سے

پہنچا وہ جب قریب شہنشاہِ سرفراز ۱۹ تسلیم کر کے پاؤں پہ رکھا سرِ نیاز
ہاتھ اس کا لے کے ہاتھ میں اٹھے شہِ حجاز بولا کنارے جا کے وہ اُمّت کا کارساز
گر نیک ہو سفر، تو وسیلہ ظفر کا ہے
آنا ہوا کدھر سے، ارادہ کدھر کا ہے

کی عرض اس نے اے پسرِ سیدالبشرؑ ۲۰ کوفے کے شہرِ شوم سے آتا ہوں میں ادھر
فرمایا شہ نے ہے تجھے مسلم کی کچھ خبر رونے لگا وہ مردِ مسافر جھکا کے سر
شہ بولے وجہ کیا جو ترا حال غیر ہے
جلدی بتا کہ میرے مسافر کی خیر ہے

گھبرا کے حال پوچھتے تھے شاہِ نامدار ۲۱ گر گر کے وہ قدم پہ یہ کہتا تھا بار بار
پھر چلیے اب وطن کی طرف، بہرِ کردگار کوفے میں سب ہیں، عہد شکن اور ستم شعار
آلِ رسولِ پاک پہ کیا کیا جفا نہ کی
یہ ہیں وہی جنھوں نے علیؑ سے وفا نہ کی

ہاتھوں کو جوڑتا ہوں میں شاہا نہ جائیے ۲۲ بہرِ علیؑ و احمدؐ و زہراؑ نہ جائیے
اُس جا دغا ہے سیدِ والا نہ جائیے آقا نہ جائیے مرے مولا نہ جائیے
کیا دور ہے جو آ کے عدو سدِّ راہ ہوں
ایسا نہ ہو کہ آلِ محمدؐ تباہ ہوں

بچوں پہ رحم کیجیے یا شاہِ انس و جاں ۲۳ پہنچے نہ ان گلوں کو کہیں صدمۂ خزاں
بچھڑے نہ اس ضعیفی میں اکبر سا نوجواں رکھے خدا جہاں میں، یداللہ کا نشاں
پھولا پھلا رسولِ خدا کا چمن رہے
روشن سدا چراغِ مزارِ حسنؑ رہے

یہ فکر ہے، جو آپ کو لکھے ہیں سب نے خط ۲۴ مطلب یہ ہے کہ یاں تلک آویں کسی نمط
مضموں بھی سب غلط ہیں، عبارت بھی سب غلط یہ خط نہیں ہیں قتل کی تدبیر ہے فقط
حاکم کا مدعا ہے کہ ظلم و ستم کروں
گر جھوٹ ہو تو ہاتھوں کو اپنے قلم کروں

کوفی تمام مایۂ جور و فساد ہیں ۲۵ مفسد ہیں، بد طریق ہیں، بد اعتقاد ہیں
تربت میں فاطمہؑ کے رُلانے پہ شاد ہیں تیغیں اِدھر ہیں، دل سوئے ابنِ زیاد ہیں
بے ہمتوں نے کون سا وعدہ وفا کیا
کیوں کر کہوں کہ مسلم بے کس سے کیا کیا

پھر بولا سر کو پیٹ کے با صد غم و محن ۲۶ آقا ہوا شہید وہ مظلوم بے وطن
نیزے پہ سر ہے، جسم ہے بے گور و بے کفن اور اب تلک بندھی ہوئی ہے پاؤں میں رسن
تربت نہیں نصیب تن پاش پاش کو
گلیوں میں لوگ کھینچتے پھرتے ہیں لاش کو

باقی جو تھا حضور کا غم خوار و خیر خواہ ۲۷ مسلم نے لی تھی گھر میں اسی دوست کے پناہ
کوڑے لگے پہ منہ سے نہ کی اس جری نے آہ مسلم کے ساتھ وہ بھی ہوا قتل بے گناہ
صادق جو تھے وفا میں تو کامل تھے عشق میں
دونوں کے سر روانہ ہوئے ہیں دمشق میں

شہ نے سنا عرب سے جو سارا یہ ماجرا ۲۸ فرمایا بازگشت ہے سب کی سوئے خدا
جو مسلمِ غریب پہ ہونا تھا، ہو چکا باقی ہے کچھ جو ظلم، وہ اب ہم پہ ہوئے گا
خواہان مرگ سبطِ رسالتؐ مآب ہے
ان کا جہاں سے کوچ، مرا پا تراب ہے

یہ بات کہہ کے رونے لگے شاہِ نامدار ۲۹ وا مسلما کہا کئی باری بحال زار
فرماتے تھے کہ ہائے مرے یارِ غم گسار بھائی حسینؑ تیری غریبی پہ ہو نثار
میں جانتا تھا اب مرے لینے کو آؤ گے
اس کی خبر نہ تھی کہ ہمیں چھوڑ جاؤ گے

دوڑے ہوئے جب آئے تم اس شہر کے قریب ۳۰ مارے گئے وہاں کوئی جس جا نہ تھا حبیب
پردیس میں لحد بھی نہ تم کو ہوئی نصیب کیسا سفر تھا ہائے مرے قاصدِ غریب
تکتے تھے مجھ کو یاس سے منہ پھیر پھیر کے
کونے میں لے گئی تھی اجل تم کو گھیر کے

کوفی بدی کریں گے، یہ مجھ کو نہ تھی خبر ۳۱ شرمندہ ہے حسینؑ، تمھیں پہلے بھیج کر
درپیش ہے ہمیں بھی اسی طرح کا سفر اب ہم بھی آن پہنچے ہیں واں تم گئے جدھر
رتبے بڑے ہیں کشتۂ اوّل کے واسطے
سبقت تو ہے ضرور، ہر اوّل کے واسطے

اتنے میں روتے روتے جو کچھ آگیا خیال ۳۲ مسلم کے دونوں بیٹوں کا پوچھا عجب حال
اس نے کہا کہ کیا کہوں اے شاہِ خوش خصال حارث کے ہاتھ آ گئے وہ دونوں نونہال
بے رحم نے یتیموں پہ کیا کیا ستم کیے
بازو بندھے تھے دونوں کے جب سر قلم کیے

آتا تھا شہرِ کوفہ سے جس دم میں نوحہ گر ۳۳ حاکم کے آگے جاتے تھے وہ چھوٹے چھوٹے سر
آنکھیں کھلی تھیں، چاند سے چہرے تھے خوں میں تر رخ پر پڑی لٹکتی تھیں زلفیں ادھر اُدھر
ماتھوں سے آشکار، نشانِ سجود تھے
بے رحم کے طمانچوں سے، عارض کبود تھے

فریاد کر کے کہنے لگے سرورِ عرب ۳۴ خاموش رہ کہ صبر کی طاقت نہیں ہے اب
بندوں کا اختیار ہے کیا، جو رضائے رب دونوں یتیم بھی نہ بچے اس کے، ہے غضب
معلوم تھا کسے کہ تباہی یہ آئے گی
ماں اُن کی جب سنے گی تو کیا خاک اڑائے گی

رو رو کے پوچھا بچوں کی قبروں کا جب پتا ۳۵ وہ شخص دونوں ہاتھوں سے سر پیٹنے لگا
کی عرض کچھ نہ پوچھیے اے ابنِ مرتضیٰؑ تجہیز کیسی، قبر کجا اور کفن کہا
یوں دفن کم ہوا ہے کوئی کائنات میں
خندق میں لاش باپ کی، بیٹے فرات میں

یہ سن کے اُٹھ کھڑے ہوئے حضرت بچشم نم ۳۶ کہنے لگا وہ مردِ عرب چوم کر قدم
اب کس طرف کا قصد ہے اے سرورِ اُمم شہ نے کہا کہ جائیں گے مقتل پہ لپنے ہم
منہ کو سنان و تیغ سے موڑا نہ جائے گا
مجھ سے خدا کی راہ کو چھوڑا نہ جائے گا

رخصت ہوا وہ مردِ مسافر بصد فغاں ۳۷ نہوڑائے سر کو گھر میں گئے شاہِ دوجہاں
آنکھوں سے اشک ریشِ مبارک پہ تھے رواں حضرت کو روتے دیکھ کے گھبرائیں بیبیاں
صدمے سے رنگ بانوئے بیکس کا فق ہوا
زینبؑ زمیں پہ اٹھ کے گری، یہ قلق ہوا

کلثومؑ سر کو پیٹ کے آئی بہن کے پاس ۳۸ قاسم کی والدہ میں نہ مطلق رہے حواس
تکتی تھی منہ کو شہ کے سکینہ بچشمِ یاس سب سے زیادہ زوجۂ مسلم کو تھا ہراس
خیمے سے صحن تک جو گئی جا بجا گری
چہرے سے رنگ اڑ گیا سر سے ردا گری

رونے سے شہ کے ہوش کسی کے نہ تھے بجا ۳۹ سینوں میں دل دھڑکتے تھے لرزاں تھے دست و پا
کہتی تھی رو کے زوجۂ عباسِ باوفا باہر سے یاں انھیں تو بلائے کوئی ذرا
پوچھوں تو حال کیوں شہِ والا کا غیر ہے
کیا ہو گیا وطن میں تو لوگوں کی خیر ہے

کبریٰ پکارتی تھی کہ صغرا کی خیر ہو ۴۰ یارب مریضِ بیکس و تنہا کی خیر ہو
مسلم کی بیٹی کہتی تھی بابا کی خیر ہو غربت میں قاصدِ شہِ والا کی خیر ہو
ہے ہے وطن سے آن کے وہ لُٹ گئے نہ ہوں
بھائی مرے پدر سے کہیں، چھٹ گئے نہ ہوں

کہتی کبھی سکینہ سے رو کر وہ بے قرار ۴۱ ہے دل میں شہ کے سب سے زیادہ تمہارا پیار
وجۂ بکا تو پوچھو بہن، تم پہ میں نثار حضرت کبھی کو دیکھ کے روتے ہیں بار بار
پڑتا ہے دل میں شک مری چھاتی دھڑکتی ہے
رہ رہ کے غم کی آگ جگر میں بھڑکتی ہے

۴۲

اتنے میں بڑھ کے شاہ سے زینبؑ نے یہ کہا ، بھیا مجھے بتاؤ تو رونے کی وجہ کیا
فرمایا شاہ نے کہ بہن قہر ہو گیا ، بیٹوں سمیت قتل ہوا ابنِ عم مرا
مسلم سے کوفیوں نے بڑی بے وفائی کی
گاڑی نہ لاش بھی مرے مظلوم بھائی کی

۴۳

پیٹو کہ رانڈ ہو گئی عباس کی بہن ، رنڈسالہ اس کو دو کہ نہ اس کو ملا کفن
مارا گیا مرے لیے، ہے ہے وہ صف شکن ، اب ہم نہ پھر کے جائیں گے ہم سے چھٹا وطن
آ پہنچی فصل فاطمہؑ کے خاک اڑانے کی
زینبؑ یہ ابتدا ہے مرے مارے جانے کی

۴۴

سمجھو تم اس خبر کو مرے قتل کی خبر ، بانو بھی ساتھ زوجۂ مسلم کے کھولے سر
پُرسے کو آئے زوجۂ عبّاسِ نامور ، بیکس تھا وہ شریک عزا ہو تمام گھر
رنڈسالہ بیبیاں اُسے جس دم پنہائیں گی
امّاں نکل کے قبر سے پُرسے کو آئیں گی

۴۵

کہہ دو سکینہ دخترِ مسلم کے پاس جائے ، چھاتی کو جب وہ پیٹے تو یہ سر پہ خاک اڑائے
کبریٰ برابر اس کے زمیں پر پچھاڑیں کھائے ، باپ اس کا مر گیا ہے گلے سے اسے لگائے
ہم بھی خدا کی راہ میں اب قتل ہوئیں گے
اک دن اسی طرح ہمیں سب مل کے روئیں گے

۴۶

یہ سُن کے چھاتیوں کو لگے پیٹنے حرم ، چلّائی رو کے زوجۂ مسلم کہ ہے ستم
مارا گیا سفر میں غلامِ شہِ اُمم ، فریاد ہے کہ رانڈ ہوئی میں اسیرِ غم
صدمے اجل کے تین دموں پر گذر گئے
وارث بھی مر گیا مرے بچّے بھی مر گئے

۴۷

غل سُن کے آئے خیمہ میں عباسِ نامور ، دیکھا بہن تڑپتی ہے سر ننگے خاک پر
دل غم سے ٹکڑے ہو گیا، رہے جھکا کے سر ، بولے قریب آ کے خدا پر کرو نظر
سمجھیں گے اُن سے، قاتلِ مسلم نظر میں ہیں
پیٹو نہ سر، کہ سیّدِ والا سفر میں ہیں

وابستہ جس کے دم سے ہو اُس کا رہے خیال ۴۸ لازم نہیں تمھیں کہ بکھرے گھر میں کھولو بال
ہم سب غلام (ب) جس کے ہیں دیکھو تو اُن کا حال مانگو دعا جہاں میں رہے فاطمہؑ کا لال
لازم ہے تم کو صبر کہ دنیا میں نام ہو
اس کا زہے شرف کہ نثارِ امام ہو

مسلم ہوئے برادرِ فوجِ شہِ انام ۴۹ دنیا میں تا قیامِ قیامت رہے گا نام
کیا نیک کوچ تھا کہ ہوا خلد میں مقام مخدومۂ جہاں انھیں روئیں گی صبح و شام
ماں سے سوا شفیق ہیں اور حق شناس ہیں
بچے تمھارے فاطمہؑ زہرا کے پاس ہیں

شوہر تمھارا صاحبِ عزت تھا اے بہن ۵۰ حلّے ملے بہشت میں پایا نہ گر کفن
زخموں کے بدلے ہاتھ لگا خلد کا چمن ہم سایۂ رسول ملا گو چھٹا وطن
راضی علیؑ ہوں، شاد خدا کا حبیبؐ ہو
مانگو دعا کہ ہم کو یہ دولت نصیب ہو

مسلم کا خوں جو راہِ خدا میں ہوا سبیل ۵۱ پہنچا کنارِ کوثر و تسنیم و سلسبیل
تائیدِ ذوالجلال سے رتبہ ہوا جلیل عاقل کمال تھا پسرِ حضرتِ عقیل
سمجھو نہ یہ سفر کی تباہی میں مرگیا
زندہ ہے وہ جو راہِ الٰہی میں مرگیا

سمجھاتے تھے بہن کو یہ عباسِ نامور ۵۲ روتے تھے سر جھکائے ہوئے شاہِ بحر و بر
مسلم کو یاد کر کے حرم پیٹتے تھے سر بیٹی پکارتی تھی کہ ہے ہے مرے پدر
تم بن ہماری زیست کی صورت بگڑ گئی
بیٹوں کو ساتھ لے گئے بیٹی بچھڑ گئی

شورِ بکا ذرا نہ ہوا کم تمام رات ۵۳ سویا نہ کوئی خیمے میں اک دم تمام رات
تڑپا کیے امامِ دو عالم تمام رات گھر میں رہا حسینؑ کے ماتم تمام رات
بس اے انیس اب نہیں لکھنے کی تاب ہے
اس آتشِ الم سے کلیجہ کباب ہے

مرثیہ (۵)

جب کربلا میں داخلۂ شاہِ دیں ہوا ۱ دشتِ بلا نمونۂ خلدِ بریں ہوا
سر جھک گیا فلک کا یہ اوجِ زمیں ہوا خورشید محوِ حسنِ حسینِ حسیں ہوا
پایا فروغ نیرِ دیں کے ظہور سے
جنگل کو چاند لگ گئے چہرے کے نور سے

زہرا کے اختروں سے زمیں آسماں ہوئی ۲ غازی جہاں چلے وہ زمیں کہکشاں ہوئی
سب ارضِ پاک غیرتِ باغِ جناں ہوئی ایسا مکیں ملا کہ رفیع المکاں ہوئی
دامن جو پاک صاف تھا دشتِ مصاف کا
احرام باندھا کعبے نے اس کے طواف کا

ہاتف نے دی صدا کہ زہے شانِ کربلا ۳ مختارِ کائنات ہے مہمانِ کربلا
پھولوں سے آج بھر گیا دامانِ کربلا بس اب نواں بہشت ہے بستانِ کربلا
خورشیدِ دیں کے فیض سے کیا کیا شرف ملے
روشن ہے جس سے عرش وہ دُرِ نجف ملے

یہ دشتِ ہولناک کہاں، یہ چمن کہاں ۴ جنگل کہاں، بتول کے گل پیرہن کہاں
کنبہ کہاں نبی کا، یہ دارِ محن کہاں قبریں کہاں شکستہ دلوں کی، وطن کہاں
آئے ہیں ڈھونڈتے ہوئے اس ارضِ پاک کو
سچ ہے کہ خاک کھینچتی ہے اپنی خاک کو

غل تھا چمن چمن کہ بہار آئی اب قریب ۵ بانیٔ جو چین دیں تو یہ ہے موسمِ عجیب
بولی یہ آشیاں سے جدا ہو کے عندلیب آیا گلِ ریاضِ محمدؐ، خوش نصیب
فخر اس زمیں کا جس پہ شہِ انس و جن پھرے
دیکھو خدا کی شان کہ جنگل کے دن پھرے

خوشبو سے اُن گلوں کی ہوا دشت باغ باغ ۶ غنچے کھلے، ہرے ہوئے بلبل کے دل کے داغ
پہنچا سرِ فلک پہ ہر اک کوہ کا دماغ دریا نے بھی حبابوں کے روشن کیے چراغ
خورشید بن گئے۔ چلتے ارضِ پاک کے
تاروں کو گرد کر دیا ذرّوں نے خاک کے

جنگل میں بن گیا شجرِ طور ہر درخت ۷ بالیدگی سے ہو گئے بڑے گلوں کے رخت
آئی صدا فلک سے کہ جاگے زمیں کے بخت اب اس زمیں پہ سوئے گا مختارِ تاج و تخت
رفعت کا اس کی فرش سے غل عرش تک گیا
لو آج خاک کا بھی ستارا چمک گیا

کہتی تھی آسماں سے زمینِ فلک حشم ۸ کیوں آج مرتبے میں زیادہ ہے تو، کہ ہم
مجھ پر ہیں وہ، جو مہرِ نبوت پہ تھے، قدم ذرّے سے بھی یہاں، ترے شمس و قمر ہیں کم
اب تو یہ خاکسار بھی ایوان[2] اساس ہے
زیور جو عرش کا تھا وہ سب میرے پاس ہے

پھیلی جو نکہتِ چمنِ شاہِ بحر و بر ۹ صحرا میں لہلہا گیا سبزہ بھی سر بسر
جلدی ہوا نے جا کے یہ دریا کو دی خبر آیا تری کچھار میں مختارِ خشک و تر
جب تک وہ بحرِ فیض برائے وضو بڑھے
بڑھ کر قدم تو لے، تو تری آبرو بڑھے

ساحل پہ ہوں گے جلوہ نما اب امامِ دہر ۱۰ دریا دلی کا ہوگا تری شور، شہر شہر
یہ سن کے بے قرار ہوئی علقمہ کی نہر سر کو قدم کیے ہوئے دوڑی ہر ایک لہر
آمد سُنی جو سبطِ رسالت مآب کی
ساحل سے آنکھ لڑ گئی اک اک حباب کی

بولے فرس کو روک کے شاہِ فلک وقار ۱۱ منزل پہ ہم پہنچ گئے احسانِ کردگار
آگے نہ اب بڑھائے کوئی یاں سے راہوار یہ وہ زمیں ہے، جس کے لیے دل تھا بیقرار
قربان اس مکانِ سعادت نشان کے
پایا درِ مراد بڑی خاک چھان کے

اُترو مسافرو کہ سفر ہو چکا تمام ۱۲ کوچ اب نہ ہوگا شترِ ملک ہے یہیں مقام
مقتل یہی زمیں ہے، یہی مشہدِ امام اونٹوں سے بار اُتار کے برپا کرو خیام
بستر لگاؤ شوق سے اس ارضِ پاک پر
چھڑکا ہوا ہے آبِ بقا، یاں کی خاک پر

مثلِ زمینِ خلد، مصفّا ہے یہ زمیں ۱۳ ساتوں فلک سے، اوج میں بالا ہے، یہ زمیں
روئے زمیں پہ، عرشِ معلّیٰ ہے یہ زمیں فردوس کا کھنچا ہوا نقشہ ہے یہ زمیں
اس کے مکیں نہ ہوں گے پراگندہ، نشر میں
بے سر اسی زمیں سے ہم اٹھیں گے، حشر میں

مرغوبِ طبع ہے یہ زمینِ فلک جناب ۱۴ سوئے گا اس کی خاک پہ فرزندِ بوتراب
ہے اس طرح یہ ساری زمینوں میں انتخاب جس طرح ذی شرف ہے ستاروں میں آفتاب
مرنا لکھا ہوا ہے یہیں اسرنوشت میں
جائے گا ہاتھوں ہاتھ، یہ طبقہ بہشت میں

سجدے کریں گے جس پہ ملک وہ زمیں یہ ہے ۱۵ جس پر لکھا ہے نقشِ شفا، وہ نگیں یہ ہے
بطحا یہ ہے، مدینۂ اربابِ دیں، یہ ہے کعبہ یہ ہے، نجف یہ ہے، خلدِ بریں یہ ہے
تھی اس زمیں کی قدر رسولانِ پاک کو
آنکھوں سے سب لگا گئے ہیں یاں کی خاک کو

ذرّوں سے اس کے اشرفیِ مہر زرد ہے ۱۶ مٹی طلا ہے، نسخۂ اکسیر گرد ہے
کر دے سقر کی آگ کو پانی، یہ سرد ہے کحلِ بصر ہے، داروئے اندوہ و درد ہے
زندے الم سے بچتے ہیں، مُردے فشار سے
آنکھوں میں نور آتا ہے اس کے غبار سے

خاک اس کے دل میں، ہو جسے اس خاک سے غبار ۱۷ مجرم بھی اس کے فیض سے اٹھے گا رستگار
پڑ جائے جس کے جسم پہ خاک اس کی ایک بار سائے سے اس کے آتشِ دوزخ کرے فرار
یوں دور ہوں گناہ، سب اس نیک بخت سے
پتّے خزاں میں گرتے ہیں جیسے درخت سے

کام آئے گی لحد میں یہ ہنگام زرد و یاس ۱۸ اس خاک سے بنے گا کفن، نور کا لباس
تسبیح اس کی قبر میں ہوئے گی جس کے پاس سو سو طرح کی پائے گا راحت وہ حق شناس
فرمائیں گے ملک ارم اس کا مقام ہے
سونے دو چین سے، یہ مطیعِ امام ہے

دیں گے جو اس کی خاک سے لکھا ہوا کفن ۱۹ میت پہ پھر نہ ہوگا کوئی صدمہ و محن
ڈھانپے گا اس کو چادرِ رحمت سے ذوالمنن خوشبو سے ہوگا کنجِ لحد، خلد کا چمن
پھولوں میں خاکِ پاک کفن کو بسائے گی
درزوں سے نکہتِ گلِ فردوس آئے گی

توشہ مسافروں کا یہی اور یہی ہے زاد ۲۰ یہ خاک آبِ خضر سے رتبے میں ہے زیاد
طوفاں میں اس کو ڈالے گا جو مردِ خوش نہاد لے آئے گی ہوائے موافق درِ مراد
دیکھے گا پاس میں کرمِ کارساز کو
تھامے گا دستِ موج سے، دریا جہاز کو

اُترا یہ کہہ کے کشتیِ امت کا ناخدا ۲۱ جتنے سوار تھے وہ ہوئے سب پیادہ پا
حضرت نے مسکرا کے یہ، ہر ایک سے کہا دیکھو تو کیا ترائی ہے کیا نہر کیا فضا
اکبر شگفتہ ہو گئے صحرا کو دیکھ کر
عباس جھومنے لگے دریا کو دیکھ کر

بولے یہ اشک بھر کے شہنشاہِ سربلند ۲۲ کیوں یہ مقام ہے تمھیں شاید بہت پسند
کی مسکرا کے عرض کہ یا شاہِ ارجمند بس یاں تو خود بخود ہوئی جاتی ہے آنکھ بند
شیر اب ہمیں ہیں گے، عنایت جو رب کی ہے
(ب) میں کیا کہوں حضور ترائی غضب کی ہے

گرمی میں ایسی سرد ہوا یا شہِ انام ۲۳ ہے لیٹنے کی جا یہ زمینِ فلک مقام
مشہور نازریہ ہے شاید اسی کا نام جی چاہتا ہے یاں سے سرکیے نہ ایک گام
ایسی جگہ بس اب نہ ملے گی کسی جگہ
کیا لطف ہے جو قبر بھی ہوئے اسی جگہ

روتے ہوئے وہاں سے بڑھے آپ چند گام ۲۴ گویا زمیں کی سیر کو اُترا مہِ تمام
انجم کی طرح گرد تھے حیدر کے لالہ فام شکلیں وہ نور کی۔ وہ تجمّل وہ احتشام
زلفیں ہوا سے اُڑتی تھیں ہاتھوں میں ہاتھ تھے
لڑکے بھی بند کھولے ہوئے ساتھ ساتھ تھے

تکنے لگے پہاڑوں کو مسلم کے دونوں لال ۲۵ پھولوں سے کھیلنے لگے زینبؑ کے نونہال
سبزے وہاں کے، ابنِ حسنؑ خوش ہوئے کمال کی عرض اس زمیں کا ہر اک گل ہے بے مثال
اے خسروِ زمیں، یہ جگہ ہے جلوس کی
خوشبو ہے یاں کی خاک میں، عطرِ عروس کی

صحرا سے آئے پھر سوئے دریا شہِ اُمم ۲۶ الیاس شاد ہو کے پکارے بہ صد حشم
اُچھلیں درود پڑھتی ہوئی مچھلیاں بہم بولے حباب، آنکھوں پہ شاہا ترے قدم
پانی میں روشنی ہوئی حُسنِ حضور سے
لے لیں بلائیں پنجۂ مرجاں نے دور سے

ٹھہرے کنارِ نہر جوانانِ ماہ رُو ۲۷ دھویا کسی نے رخت کسی نے کیا وضو
گھوڑے جو آئے پیاس بجھانے کنارِ جُو بھر لائے اشک آنکھوں میں شبیرؑ نیک خو
کھینچی اک آہِ سرد ترائی کو دیکھ کر
ہاتھوں سے دل پکڑ لیا بھائی کو دیکھ کر

بولے یہ ہاتھ جوڑ کے عباسؑ نامور ۲۸ خیمہ کہاں بپا کریں، یا شاہِ بحر و بر
ایذا ہے محملوں میں، بہت اہلِ بیت پر بچے ہیں نازکی میں، گلوں سے زیادہ تر
کب سے عماریوں کے ہیں پردے چھٹے ہوئے
گرمی کے مارے دم ہیں سبھوں کے گھٹے ہوئے

کچھ سوچ کر امامِ دو عالم نے یہ کہا ۲۹ زینب جہاں کہیں، وہیں خیمہ کرو بپا
پیچھے ہٹے، یہ سنتے ہی عباسِ باوفا جا کر قریبِ محملِ زینبؑ یہ دی صدا
حاضر ہے جاں نثار، امامِ غیور کا
برپا کہاں ہو خیمۂ اقدس حضور کا

بولی یہ سن کے دخترِ خاتونِ روزگار ۳۰ اس امر میں بھلا مجھے کیا دخل، میں نثار
خشکی ہو یا ترائی، چمن ہو کہ سبزہ زار ہر جا مسافروں کا نگہباں ہے کردگار
مختارِ کائنات کے تم نورِ عین ہو
اترو وہاں جہاں مرے بھائی کو چین ہو

عاقل ہو تم تو نامِ خدا، اے علیؑ کے لال ۳۱ مجھ سے زیادہ بھائی کی راحت کا ہے خیال
دریافت کر لو پہلے کسی سے یہاں کا حال واری کسی طرح کا نہ آقا کو ہو ملال
گوشہ ملے ہمیں، نہ فضا ہو نہ سیر ہو
اب تو یہی پڑی ہے کہ جانوں کی خیر ہو

آرام کو ترس گئے جب سے چھٹا ہے گھر ۳۲ کن آفتوں میں پانچ مہینے ہوئے بسر
یہ آندھیاں یہ گرمی کے ایام یہ سفر دن بھر چلے ہیں دھوپ میں، جاگے ہیں رات بھر
گرمی سے کھیت خشک تھے جنگل اجاڑ تھا
ایک ایک کوس راہِ جبل میں، پہاڑ تھا

آج اس زمین پر ہمیں لایا ہے آسماں ۳۳ اب دیکھیے دکھاتی ہے تقدیر کیا یہاں
آقا کی خیریت کی دعا مانگو، بھائی جاں یا رب مسافروں کو مبارک ہو یہ مکاں
دشمن بہت ہیں بادشہِ خوشخصال کے
بھائی! بہن نثار، ذرا دیکھ بھال کے

بھائی سے اس زمیں کی سنی ہے بہت صفت ۳۴ ہے وہ امام واقفِ اسرارِ شش جہت
جو جو محسن ہیں ان سے بھی لازم ہے مصلحت صدقے گئی، حبیب سے بھی کر لو مشورت
ساحل پہ دشمنوں میں کسی کا عمل نہ ہو
بھیا مجھے یہ ڈر ہے کہ ردّ و بدل نہ ہو

دستِ ادب کو جوڑ کے، اُس شیر نے کہا ۳۵ تشویش کچھ نہ کیجیے اے بنتِ مرتضیٰ
ہر چند مصلحت مری کیا اور عقل کیا لیکن کوئی ترائی سے بہتر نہیں ہے جا
جو مہرِ فاطمہؑ میں ہے یہ وہ فرات ہے
گرمی میں قرب نہر کا، آبِ حیات ہے

جس سرزمیں پہ دلبرِ زہرا عمل کرے ۳۶ زہرہ کسی کا کیا ہے جو ردّ و بدل کرے
مانع وہ ہو، جو دشمنِ نبی میں خلل کرے کافر ہے جو حسینؑ سے جنگ و جدل کرے
دخل اس میں روم کا ہے نہ سلطانِ شام کا
دنیا کی سب زمیں پہ ہے قبضہ امام کا

حضرت کے حکم کا منتظر ہے، جاں نثار ۳۷ ارشاد یہ ہوا کہ دیا تم کو اختیار
آیا حضورِ سبطِ پیمبر وہ ذی وقار کی عرض خیمہ نہر پہ، کرتا ہے خاکسار
اتریں یہیں یہ مرضیِ آلِ رسول ہے
بولا وہ بحرِ فیض کہ اچھا قبول ہے

یہ سن کے خادموں کو پکارا، وہ مہ جبیں ۳۸ فرّاش آ کے جلد مصفّا کریں زمیں
حاضر ہوں آب پاش، محل دیر کا نہیں یاں ہوگا خیمۂ حرمِ بادشاہِ دیں
جلد ان کو بھیجو لوگ ہیں جو کاروبار کے
لے آؤ اشتروں سے قناتیں اتار کے

بولے زہیرِ قین کہ حاضر ہیں سب غلام ۳۹ بڑھ کر حبیب بھی ہوئے مصروفِ اہتمام
کرسی منگا کے بیٹھ گئے اک طرف امام رتبے میں ہو گئی وہ زمیں عرش احتشام
پرتو فگن تھا، نور رسالت مآب کا
سر پر لگا تھا، چتر زری آفتاب کا

تھا فکر میں خموش دو عالم کا تاجدار ۴۰ کھلوا رہے تھے خیموں کو عباس ذی وقار
ناگہ اٹھا شمال کی جانب سے اک غبار رایت سیاہ و سرخ نظر آئے تین چار
مڑ کر کہا حبیب نے کچھ رنگ اور ہے
بولا کوئی یہ شام کے لشکر کا طور ہے

یک جا ہوئے یہ سن کے جوانانِ صف شکن ۴۱ نکلا ہر اک ولی کی زباں سے یہی سخن
آئے ہیں ملک غیر میں ہم چھوڑ کے وطن تو سب کی خیر کیجیو، اے ربِّ ذوالمنن
اعدائے دیں کے شر سے، حفاظت میں ہم رہیں
ناحق کوئی لڑے بھی تو ثابت قدم رہیں

کہنے لگے پکار کے، عباس حق شناس ۴۲ ہاں ناصران قبلۂ کونین. با حواس
دل میں نہ خوف ہو نہ زباں پر کلام یاس جیتے ہو تو حسینؑ سے ہو قدرداں کے پاس
گر مر گئے تو روضۂ رضواں کی سیر ہے
دونوں طرف تمھارا بخیر ہے

کیا ڈر قشونِ روم ہے یہ یا جنودِ شام ۴۳ ہم اپنے کام میں ہیں ہمیں کیا کسی سے کام
جو مرد ہیں ہراس کے کرتے نہیں کلام ہونے دو گرہیں، سرخ علم یا سیاہ فام
سرسبز ہیں وہی جو علی کے نشان ہیں
خود جھک کے وہ ملیں گے کہ ہم میہمان ہیں

یہ ذکر تھا کہ بن میں سیاہی سی چھا گئی ۴۴ ڈنکے کی دشتِ ظلم سے کوسوں صدا گئی
گھوڑوں کے دوڑنے سے زمیں تھرتھرا گئی جنگی سپاہ، گھاٹ کے نزدیک آ گئی
اک ایک پیر زور تہمتن شکوہ، تھا
ابنِ رکاب سبز قدم، سرگروہ تھا

بولے ملازموں سے یہ عباس باوفا ۴۵ دریافت تو کرو کہ ارادہ ہے ان کا کیا
آتے ہی سرکشی، یہ طریقہ ہے کون سا کہہ دو کہ اہلِ بیت کے خیمہ کی ہے یہ جا
لازم رسول زادیوں کا احترام ہے
اتریں الگ کہیں یہ ادب کا مقام ہے

کرسی نشیں ہے لختِ دلِ سیدالبشر ۴۶ آئینِ خسروی سے یہ واقف نہیں مگر
آتی ہے اڑ کے گھوڑوں کی ٹاپوں سے گرد اُدھر کیا ہے جو روکتے نہیں باگیں یہ خیرہ سر
بھولے ہوئے ہیں اس پہ کہ ہم خاکسار ہیں
شاید ہوا کے گھوڑوں پہ ظالم سوار ہیں

اس فوج کے رئیس نے بڑھ کر کیا کلام ۴۷ حکم امیر ہے یہیں اتریں سپاہِ شام
چھوڑیں گے ہم اسے کہ جو راحت کا ہے مقام دریا سے ہٹ کے آپ، بپا کیجیے خیام
لشکر کشی ہے، بادشہ کائنات پر
کل مورچے سپاہ کے ہوں گے فرات پر

کوفے سے کل جواں ادھر آئے ہیں دس ہزار ۴۸ رستے میں شام کی ابھی فوجیں ہیں بے شمار
خالی ہیں منزلیں نہ بیاباں نہ کوہسار شہروں سے پرگنوں سے چلے آتے ہیں سوار
لاکھوں ہیں کوئی قبل کوئی بعد آئے گا
گیتی ہلے گی جب پسرِ سعد آئے گا

فوجوں کا جائزہ تھا وہاں ہم چلے تھے جب ۴۹ گردِ رے میں بیس کوس کے لشکر پڑا تھا سب
دستوں کی روم و شام کے آمد ہے روز و شب اس ارض پر نہ ہو جو سمائی تو کیا عجب
کیجیے مقام گر کوئی گوشہ جدا ملے
ممکن نہیں کہ نہر پہ خیمے کی جا ملے

ہم گھاٹ روکنے کے لیے آئے ہیں ادھر ۵۰ ہے آج شب کو داخلۂ شمر کی خبر
سنتے ہی یہ ترائی میں گونجا وہ شیر نر تیوری چڑھا کے، تیغ کے قبضے پہ کی نظر
کم تھا نہ ہمہمہ اسدِ کردگار سے
نکلا ڈکارتا ہوا ضیغم کچھار سے

غصے میں رکھ کے دوش پہ شمشیر برق دم ۵۱ نعرہ کیا اسد نے کہ تم سے ہٹیں گے ہم
گر فوج قاہرہ کی ہے آمد تو کیا ہے غم گرتا ہے کٹ کے سر وہیں، جس جا جمے قدم
بپھریں جو شیر سامنے آتا نہیں کوئی
یہ آنکھ وہ ہے جس میں سماتا نہیں کوئی

دنیا ہو اک طرف تو نہ آئے خیال میں ۵۲ لاکھوں پہ اپنی تیغ چلی ہے جدال میں
گیتی ہو بے نشاں اگر آئیں جلال میں ہے سب طرح کا زور محمدؐ کی آل میں
دریا ہے کیا، یہ شیر ہٹیں جس کو چھوڑ کے
جب پُل بنا دیا درِ خیبر کو توڑ کے

تم کون ہو حسینؑ ہیں مختارِ خشک و تر ۵۳ اُن کے سوا ہے کون شہنشاہ بحر و بر
دیکھو فساد ہوگا، بڑھو گے اگر ادھر شیروں کا یاں عمل ہے تمھیں کیا نہیں خبر
سبقت کسی پہ ہم نہیں کرتے لڑائی میں
بس کہہ دیا کہ پاؤں نہ رکھنا ترائی میں

دریا تو ابتدا سے ہمارا ہے تم ہو کون ۵۴ اس کا محق رسول کا پیارا ہے تم ہو کون
اللہ نے زمیں کو سنوارا ہے تم ہو کون ساحل پہ کچھ کسی کا اجارا ہے تم ہو کون
ہیہات غصب حق سے پھرے آج تک نہیں
منزل مسافروں کی یہ ہے کچھ فدک نہیں

کیا ابنِ سعد شوم کی فوج اور کیا حشم ۵۵ سر لوٹتے پھریں گے، بڑھایا اگر قدم
اترے ہیں آکے فخرِ سلیماں کے ساتھ ہم کیا اُن کے مور ہے کہ جو ہوں چونٹیوں سے کم
کچھ ڈر نہیں، ہو لاکھ اگر بدخصال ہیں
ہم بھی کنندۂ درِ خیبر کے لال ہیں

کیا سر پہ موت آئی ہے بس سامنے سے جاؤ ۵۶ فوجوں کا ذکر کر کے کسی اور کو ڈراؤ
دعویٰ ہے کچھ سپاہ گری کا، اگر تو آؤ بیٹا رحیم کا ہوں، مجھے غیظ میں نہ لاؤ
تلوار ادھر کھینچی کہ اُدھر کھیت پڑ گیا
پھر کچھ نہ بن پڑے گا اگر میں بگڑ گیا

ہم شیر ہیں، قسم اسد کردگار کی ۵۷ رکھتے ہیں ناخنوں میں برش ذوالفقار کی
سو کی نہ اصل یاں نہ حقیقت ہزار کی ٹوکے یہ کیا مجال، کسی نابکار کی
گرجیں ابھی تو رعد ہیں، برسیں تو ابر ہیں
اک میں نہیں، بہت ابھی ایسے ہژبر ہیں

چھوڑیں نہ یہ زمیں جو گرے سر پہ آسماں ۵۸ بڑھ کر ہٹا نہیں کبھی اس فوج کا نشاں
جب تک کہ دم میں دم ہے، نہ جائے گی آن بان ریتی پہ ہم بپا کریں خیمہ خدا کی شاں
مر جائیں وہ جو ساتھ، کئی شیرخوار ہیں
فی الواقعی، ہم ایسے ہی تقصیر وار ہیں

ہم پہلے آئے ہیں کہ تم آئے ہو تا بہ نہر ۵۹ کیوں غاصبو، یہ نہر نہیں فاطمہ کا مہر
چھوڑ آئے ہیں تمھارے بلانے پہ اپنا شہر کوئی مسافروں پہ، یہ کرتا ہے جبر و قہر
اُترے ابھی نہیں، کہ لڑائی ٹھہر گئی
وعدے وہ کیا ہوئے وہ محبت کدھر گئی

شر اس قدر زمیں پہ، تمہارے عوض نہ ہاک ۶۰ مٹی ہوئے لکھے تھے عریضوں پہ جو تپاک
ہے بوترابیوں کی جگہ، یہ زمین پاک مومنیں کی تربتیں بھی یہیں گر ہوئے ہلاک
تم لوگ کس طرح یہ جگہ ہم کو بھائی ہے
مشہور ہے کہ شیروں کا مسکن ترائی ہے

سوچو تمہیں دلوں میں کہ حقدار کون ہے ۶۱ عالم میں بر و بحر کا مختار کون ہے
ہادی ہے کون، سیدِ ابرار کون ہے ہے بے قصور کون، گنہگار کون ہے
لازم ہے تم کو پاس کلام مجید کا
کلمہ نبیؐ کا پڑھتے ہو تم یا یزید کا

یہ کس کے گھر سے دین کی دولت ملی تمہیں ۶۲ صدقہ ہے کس ولی کا جو عزت ملی تمہیں
خوانِ کرم سے کس کے یہ نعمت ملی تمہیں ہادی ہوئے جو ہم تو ہدایت ملی تمہیں
پھلتا نہیں نہالِ حسد پھولتا نہیں
محسن کو اس طرح سے کوئی بھولتا نہیں

ہم تو تمہیں سمجھتے ہیں سید کا خیر خواہ ۶۳ کیا خوب میہمانوں کی دعوت ہے واہ واہ
الفت، نہ دلدہی، نہ تعارف، نہ رسم و راہ معصوم سے وہ کونسا ایسا ہوا گناہ
چشمے پہ جنگ فاطمہؑ کے نورِ عین سے
نامنصفو! پھراتے ہو آنکھیں حسینؑ سے

ہر چند خاکسار ہیں فرزندِ بوتراب ۶۴ پر سرکشی کی ہم سے کسی کو نہیں ہے تاب
کھنچی تک آشیں کو جو الٹیں درِ عتاب گردوں میں تھرتھرا کے چھپے قرصِ آفتاب
آجائے انقلاب کی آفت جہان پر
ہو آسماں زمیں پہ زمیں آسمان پر

ارض و سما کو ہم تہ و بالا کریں ابھی ۶۵ جو سرکشی کرے اُسے پسپا کریں ابھی
اس سرزمین کو خون کا دریا کریں ابھی ساحل تک آئے جو اسے ٹھنڈا کریں ابھی
بولے کوئی تو تن سے سر اس کا جدا کریں
خیمہ بپا نہ ہو تو قیامت بپا کریں

ظالم بگڑ کے بڑھے، ایک بار سب ۶۶ بلوہ جو ہو گیا، سمٹ آئے سوار سب
نیزے علم کیے ہوئے تھے نیزہ دار سب باندھے تھے ایک غول ضلالت شعار سب
لیکن ہلا نہ سکتے تھے آنکھ اس دلیر سے
ایک شور تھا کہ چھین لو دریا کو شیر سے

بگڑے ابو ثمامہ و سعد فلک سریر ۶۷ تولی زہیر قین نے شمشیر بے نظیر
جوڑا کماں میں ابنِ مظاہر نے ایک تیر بولے اسد کہ زجر کے قابل ہیں یہ شریر
عابس کو غیظ لشکرِ بد خو پہ آ گیا
غصے سے بل ہلال کے ابرو پہ آ گیا

بولے اٹھا کے نیزہ کو ضرغامۂ دلیر ۶۸ بس اب سزا ہیں، ان کی مناسب نہیں ہے دیر
بولے شبیب ادھر سے جو نکلے گا ایک شیر بھاگیں گے سب یہ گھوڑوں کی باگوں کو پھیر پھیر
آقا کا ہے یہ پاس کہ ہم دور دور ہیں
کثرت پہ اپنی بھولے ہیں، کیا بے شعور ہیں

الٹی جناب قاسمِ ذی شاں نے آستیں ۶۹ قبضے پہ ہاتھ رکھ کے بڑھے اکبر حسین
بولے پکڑ کے نیچے زینبؑ کے مہ جبیں شیروں سے کیا ترائی کو لیں گے یہ اہل کیں
کہیے تو نیزہ بازوں کو ہم دیکھ بھال لیں
تیوری کوئی چڑھائے تو آنکھیں نکال لیں

آگے تھے سب کے حضرتِ عباسؑ ذی حشم ۷۰ بڑھ بڑھ کے روکتے تھے دلیروں کو دم بہ دم
تیغیں جو تولتے تھے اُدھر بانیِ ستم کہتے تھے سر نہ ہوگا، بڑھایا اگر قدم
لرزہ تھا رعب حق سے ہر اک نابکار کو
روکے تھا ایک شیر جری، دس ہزار کو

بڑھتا تھا جھومتا ہوا جس دم وہ شیر نر ۷۱ گرتا تھا کوئی ڈر کے اِدھر اور کوئی اُدھر
تیغیں جو کھنچ گئیں تو ہوا اور شور و شر گھبرائے اہل بیت شہنشاہِ بحر و بر
آغوش میں پھوپی کے سکینہ دہل گئی
غل پڑ گیا کہ گھاٹ پہ تلوار چل گئی

چلّائی رو کے زینبؑ ناشاد و نامراد ۷۲ ہے ہے خبر تو لو کہ یہ کس سے ہوا فساد
غربت زدوں سے کیا سبب کینہ و عناد دیکھے کوئی کدھر ہیں شہنشاہ خوش نہاد
ہمشیر کو نثارِ امامِ امم کرو
لوگو دعائیں اکبرِ مہ رو پہ دم کرو

محمل سے منہ نکال کے فضہ نے یہ کہا ۷۳ بلوہ کنارِ نہر ہے اے بنتِ مرتضٰی
نیزے بڑھا بڑھا کے ہٹاتے ہیں اشقیا قبضے پہ ہاتھ رکھے ہیں عباسؑ باوفا
کیا جانے کس نے ٹوک دیا ہے دلیر کو
سب دشت گونجتا ہے یہ غصہ ہے شیر کو

زینبؑ پکاریں پیٹ کے زانو بہ صد ملال ۷۴ ہے ہے غضب ہوا، اگر آیا انھیں جلال
کہہ دے کوئی کہ اے اسدِ کبریا کے لال غربت پہ ابن فاطمہؑ کی تم کرو خیال
قربان ہو گئی نہ لڑائی کا نام لو
میں ہاتھ جوڑتی ہوں کہ غصّے کو تھام لو

لڑنے کو تیغ میان سے کھینچو گے تم اگر ۷۵ محمل سے گر پڑوں گی زمیں پر میں ننگے سر
عباسؑ تم تو ساقیِ کوثر کے ہو پسر یہ نہر کیا ہے جس کے لیے رنج اس قدر
مر جاؤں گی سفر میں جو بچھڑوں گی بھائی سے
جنگل مجھے پسند ہے گذری ترائی سے

دریا کو روکتے ہیں اگر بانیِ ستم ۷۶ جلتی زمیں پہ بچوں کو لے کر رہیں گے ہم
غربت زدوں پہ چاہیے اللہ کا کرم پھر آو، بس سکینہ کی سر کی تمھیں قسم
ثابت ہوا کسی کو ہماری وِلا نہیں
پانی بھی اب نہ دیں تو ہمیں کچھ گِلا نہیں

یہ بات کہہ کے رونے لگی خواہرِ امام ۷۷ عباسؑ ادھر غضب میں بڑھے سوئے فوجِ شام
کرسی سے جلد اٹھ کے پکارے شہِ انام بھیّا ہمارے سر کی قسم روک لو حسام
یکساں ہے بر و بحر ہماری نگاہ میں
غیظ و غضب کو دخل نہ دو حق کی راہ میں

ہرچند اس میں کوئی تمھارا نہیں قصور ۷۸ ناحق فساد کرتے ہیں تم سے یہ بے شعور
خیر امتحاں کا دن بھی کچھ ایسا نہیں ہے دور جانے دو جاہلوں سے یہ تکرار کیا ضرور
بے ادبی سے بحث ننگ ہے، عالی مقام کا
بس خامشی جواب ہے ان کے کلام کا

لے سکتے ہیں ترائی کو تم سے یہ نابکار ۷۹ کس پر یہ خشم، اے شہِ مرداں کے یادگار
جرأت میں تم نہ ایک، نہ یہ اہلِ کیں ہزار بخشا ہے ہر طرح کا تمھیں حق نے اختیار
بے آبِ تیغ دم میں یہ ناری ہلاک ہوں
گر منہ سے اُف کرو تو ابھی جل کے خاک ہوں!

ہے گرچہ اُن کی بے ادبی قابلِ سزا ۸۰ پر تم پسر رحیم کے ہو بخش دو خطا
جنگل ہو یا ترائی ہو، ہے ہر جگہ خدا مظلوم کو غریب کو غصے سے کام کیا
کرتا ہے عاجزی وہی جو حق شناس ہے
ہم کو نبی کی روحِ مطہر کا پاس ہے

صدقے ترے جلال کے اے میرے آفتاب ۸۱ یاد آگیا مجھے، اسد اللہ کا عتاب
تم سے مقابلے کی جہاں میں کسے ہے تاب جعفر ہو دبدبے میں، شجاعت میں بوتراب
یہ کیا ہیں تم تو سدِ سکندر کو توڑ دو
لو ہم کو چاہتے ہو تو دریا کو چھوڑ دو

لازم ہے اُن پہ رحم یہ امت ہے میں نثار ۸۲ کرتے تھے مصطفیٰ انھیں بیٹوں کی طرح پیار
ان کے لیے حسنؑ نے کیا جبر اختیار دشمن پہ بھی رہا کرم شیر کردگار
ہو نوجواں مزاج میں غصہ ہے آپ کے
بیٹا وہ ہے، قدم بہ قدم ہو جو باپ کے

بھیا پدر کے صبر پر اس دم کرو خیال ۸۳ ہم نے تو اپنی آنکھوں سے دیکھا سب ان کا حال
بلوہ تھا بعد رحلتِ محبوب ذوالجلال یاں تک کہ باندھ لے گئے رسی سے بدخصال
کیا صبر و حلم عقدہ کشائے جہاں میں تھا
گردن جھکی ہوئی تھی گلا ریسماں میں تھا

۸۴
آؤ تمھیں قسم ہے جنابِ امیر کی — بگڑو نہ کشتی پہ سپاہِ شریر کی
ہمراہ بیٹیاں ہیں شہِ قلعہ گیر کی — سب سے جدا ہی چاہیے منزل فقیر کی
کیا دشت کم ہے صابر و شاکر کے واسطے
یہ اہتمام ایک مسافر کے واسطے

۸۵
تھوڑے سے بستروں کی ہے درکار ہم کو جا — جنگل ہوا تو کیا، جو ترائی ہوئی تو کیا
ہے عمر بے ثبات زمانہ ہے بے وفا — آرام کا محل نہیں، یہ عاریت سرا
اب وہ کہاں ہیں شہر جنھوں نے بسائے ہیں
سب اس زمیں پہ خاک میں ملنے کو آئے ہیں

۸۶
آقا نے دی جو اپنے سرِ پاک کی قسم — بس تھر تھرا کے رہ گیا وہ صاحبِ کرم
پر تھی شکن جبیں پہ نہ ہوتا تھا غیظ کم — چپ ہو گئے قریب جب آئے شہِ امم
گردن جھکا دی تا نہ ادب میں خلل پڑے
قطرے لہو کے آنکھوں سے لیکن نکل پڑے

۸۷
تیغ و سپر کو پھینک کے بولا وہ نام ور — کہہ دیجے ان سے کاٹ کے لے جائیں میرا سر
حکمِ خدا ہے حکمِ شہنشاہِ بحر و بر — اب کچھ کہوں زباں سے، میں کیا تاب کیا جگر
میں ہوں غلام آپ کے ادنیٰ غلام کا
آقا مجھے خیال تھا بابا کے نام کا

۸۸
اترے گی آ کے نہر پہ اب شام کی سپاہ — پانی بھی ہم پہ بند کریں گے، یہ روسیاہ
اس دشت میں نہ اور ہے چشمہ کوئی نہ چاہ — سب قافلہ حضور کا ہو جائے گا تباہ
اس فکر میں غلام کا دل آب آب ہے
پر عینِ مصلحت ہے جو حکمِ جناب ہے

۸۹
گردن میں ہاتھ ڈال کے حضرت نے یہ کہا — کیوں کانپتے ہو غیظ سے، بھائی، یہ کیا یہ کیا
لو اب اٹھا لو تیغ و سپر تم پہ ہیں فدا — دریا کو تم تو لے چکے، اے میرے مہ لقا
وہ شیر ہو کہ دھاک ہے ساری خدائی میں
دیکھو کوئی تمھارے سوا ہے ترائی میں

اس قوم سے نہ رد و بدل چاہیے تمھیں ۹۰ غصہ، نہ برہمی، نہ جدل، چاہیے تمھیں
قربِ خدائے عزّ و جل چاہیے تمھیں جو ہم کہیں، اسی پہ عمل چاہیے تمھیں
بھائی جگہ مزاروں کی پہچانتا ہوں میں
جو ہوگا اس زمیں پہ، وہ سب جانتا ہوں میں

ہے منکشف امام پہ، احوالِ بحر و بر ۹۱ حق نے کیا ہے واقفِ اسرارِ خشک و تر
صدمہ ہے دل پہ کیا میں کہوں تم سے یہ خبر قبضہ تمھارا تا بہ قیامت ہے نہر پر
دولت مٹے گی یاں اسدِ کردگار کی
بھیا یہی جگہ ہے تمھارے مزار کی

ہوتا ہے کیا ہزار کہیں ساکنانِ شام ۹۲ بخشا ہے تم کو خالقِ اکبر نے یہ مقام
کہتے ہیں اس زمیں پہ ملک آکے صبح و شام یاں ہوگی قبرِ حضرتِ عباس نیک نام
دیندار گرد قبر کے بستی بسائیں گے
شہروں سے لوگ یاں کی زیارت کو آئیں گے

پوچھے ہے کہ ہاتھ آپ کے آئی ہے کیا جگہ ۹۳ پیارے ہمارے بھائی کو، بھائی ہے کیا جگہ
ٹھنڈی ہوائیں سونے کو پائی ہے کیا جگہ کیا سبزہ کیا نفیس، ترائی ہے کیا جگہ
لنگر ہو تم نجات کی کشتی کے واسطے
لازم ہے قربِ نہرِ بہشتی کے واسطے

آؤ اب اپنی قبر کی جا ہم تمھیں دکھائیں ۹۴ مقتل میں نخل بھی نہیں، سایہ کہاں سے لائیں
قسمت میں یہ لکھا ہے کہ جنگل کی دھوپ کھائیں چالیس روز تک نہ کفن اور نہ غسل پائیں
میداں ہو اور لاشِ حسینؑ غریب ہو
بھائی قریب ہو نہ ترائی قریب ہو

عباس آب دیدہ ہوئے سن کے یہ کلام ۹۵ بھائی کا ہاتھ ہاتھ میں لے کر چلے امام
فرمایا واں پہنچ کے جو تھا قتل کا مقام دیکھو حسینؑ ہوگا یہیں قتل تشنہ کام
بھائی مقامِ خیمۂ آلِ عبا ہے وہ
باہر ہے جو نشیب سے تربت کی جا ہے وہ

رونے لگے پکار کے عباسِ نامدار ۹۶ شہ نے کہا کہ ضبط کرو تم پہ میں نثار
سُن پائے گی جو زینبؑ بیکس یہ حالِ زار مرجائے گی تڑپ کے، ابھی وہ جگر فگار
مجھ کو بہت خیال ہے زہراؑ کی جائی کا
مرنا کوئی بہن نہ سنے اپنے بھائی کا

قدموں پہ سر جھکا کے یہ بولا وہ نیک نام ۹۷ ارشاد یہ تو کیجیے اے قبلۂ انام
پہلے مرے گا آپ سے یہ باوفا غلام رو کر کہا کہ ہاں یہی ہووے گا لاکلام
مجبوری ہے کہ بھائی کو ہاتھوں سے کھوئیں گے
روؤ گے تم نہ ہم کو، ہمیں تم کو روئیں گے

مژدہ یہ سُن کے شاد ہوا وہ اسیرِ غم ۹۸ سجدہ کیا کہ بھائی سے پہلے مریں گے ہم
ریتی پہ آ کے گاڑ دیا شیر نے علم برپا ہوئے خیام شہِ آسماں حشم
ذرّے نجوم بن گئے سارے زمین پر
اُترے خدا کے عرش کے تارے زمین پر

کھینچا فلک پہ خیمۂ زنگار گوں نے سر ۹۹ روشن ہوئے، کلس کی تجلّی سے دشت و در
تارے شعاع سے تھے کہ طنابیں تھیں جلوہ گر پردا حرم کا تھا کہ قناتیں اِدھر اُدھر
جنگل کا اوج ہو گیا، خیمہ کی شان سے
پلّہ زمیں کا اُٹھ کے ملا آسمان سے

تھا اس کے ارتفاع[12] میں کرسی کا سبجے طور ۱۰۰ سُکّانِ عرش دیکھتے تھے فرش کو بغور
شمسے کا اوج اوج تھا خیمے کا دُور دُور گویا کے آسماں کے تلے آسماں تھا، اور
سر جا ملا جو شمسۂ[13] کیواں جناب کا
سونا اُتر گیا ورقِ آفتاب کا

خیمہ میں جا چکے جو حرم باصد احترام ۱۰۱ ڈیوڑھی پہ آ کھڑے ہوئے عباسِ نیک نام
کمریں اِدھر کھلیں، اُدھر اُتری سپاہ شام بھائی کو لے کے خیمہ میں داخل ہوئے امام
اُمڈا تھا دل جو سبطِ نبی کی جدائی سے
زینب لپٹ کے رونے لگی چھوٹے بھائی سے

آنکھوں میں اشک بھر کے یہ بولے شہِ زمن ۱۰۲ صدقہ اُتار دو کچھ، مرے بھائی پہ اے بہن
تھے دس ہزار مستعد جنگ، تیغ زن جیتا میں زخمی ہوتے جو عبّاسِ صف شکن
آزردہ ہیں کہ ہاتھ سے دریا نکل گیا
دیکھو ابھی تلک نہیں، ابرو سے بل گیا

لے کر بلائیں کہنے لگی وہ جگر فگار ۱۰۳ کیا جی میں آگئی تھی یہ بھیّا بہن نثار
محل میں، میں تو سر کو پٹکتی تھی بار بار صدقے کروں، وہ نہر لڑیں جس پہ نابکار
پیارا اسے ہے انھیں جنھیں پانی عزیز ہے
بھیّا ہمیں تمھاری جوانی عزیز ہے

منہ رکھ کے منہ پہ بالی سکینہ نے یہ کہا ۱۰۴ عاشق کو میرے پھیر کے لایا، مرا خدا
روتی تھی میں سنی بھی نہ تم نے مری صدا بس اب کہیں نہ جائیو اچھے مرے چچا
اس بےکسی میں دلبرِ زہراؑ کا کون تھا
آتے نہ تم تو پھر مرے بابا کا کون تھا

کہنے لگی یہ زوجۂ عبّاس خوش بیان ۱۰۵ غصّے میں ان کو کچھ نہیں رہتا کسی کا دھیان
ہر بات میں ہے شیرِ الٰہی کی آن بان یہ جان کو بھلا کبھی سمجھے ہیں اپنی جان
آتا ہے غیظ جب تو نہ کھاتے نہ پیتے ہیں
یہ تو فقط حسینؑ کے صدقے میں جیتے ہیں

فرمایا شہ نے بھائی سے اب کھولیے کمر ۱۰۶ زینبؑ نے لے لی ہاتھ سے شمشیر اور سپر
بیٹھے نہ تھے ابھی کہ یہ اکبر نے دی خبر فوج اور آئی شام سے یا شاہِ بحر و بر
مجمع غضب سپاہ کا دریا کے پاس ہے
شہ نے کہا کہ ہوئے تمھیں کیا ہراس ہے

آخر ہوا وہ دن تو ہوئی رات کو یہ دھوم ۱۰۷ آ پہنچا لے کے فوج گراں ابنِ سعدِ شوم
اک لاکھ سے سوا ہیں جوانانِ شام و روم آفت کی ہے یہ بھیڑ قیامت کا ہے ہجوم
کیسا شمار، حصر نہ تھا، انتہا نہ تھی
دیکھا جو صبح کو، کہیں بستر کی جا نہ تھی

آمد اسی طرح رہی لشکر کی روز و شب ۱۰۸ نرغے میں آگیا پسرِ سیّد العرب
گرمی میں ساتویں سے ہوا شدتِ تعب پانی مسافروں پہ ہوا بند، ہے غضب
مرجھا گیا چمن شہِ گردوں جناب کا
شور آٹھویں سے ہونے لگا آب آب کا

غش تھے نہم کو پیاس سے اطفالِ شاہِ دیں ۱۰۹ جز آبِ اشک، پانی کا قطرہ کہیں نہیں
تھا دودھ خشک، پیٹتی تھی بانوئے حزیں دم توڑتا تھا جھولے میں اصغرِ نازنیں
خندق میں گردِ خیمے کے آتش بھڑکتی تھی
باقر تڑپ رہا تھا سکینہ بلکتی تھی

رونے میں وہ پہاڑ سا دن جب ہوا تمام ۱۱۰ آئی سیہ بلا کی طرح، شام تیرہ فام
شب تھی مسافروں کے لیے موت کا پیام غل تھا کہ ایک رات کے مہماں ہیں امام
مل لو جنابِ فاطمہؑ کے نورِ عین سے
خالی سحر کو ہوگا زمانہ حسینؑ سے

لکھوں سیاہیِ شبِ عاشور کا جو حال ۱۱۱ دفتر سیاہ ہوں، شبِ دیجور کے مثال
چھایا ہوا تھا ابرِ غم و حسرت و ملال کھولے تھے اہلِ بیتِ محمدؐ سروں کے بال
پیاسوں سے پوچھو رات وہ کیونکر بسر ہوئی
بس مختصر یہ ہے کہ غضب کی سحر ہوئی

گردوں پہ جب بیاضِ سحر کا ورق کھلا ۱۱۲ یعنی کتابِ ذکرِ خدا کا سبق کھلا
بزمِ جہاں میں دفترِ نظم و نسق کھلا مطلع دوم ظلمت نہاں ہوئی درِ باغِ شفق کھلا
پہنچا فلک پہ ماہ کو حکم انقلاب کا
موجِ ہوا سے پھول کھلا آفتاب کا

ہونے لگے چراغِ نجوم آسماں پہ گل ۱۱۳ قرنا[14] پھکی سپاہِ عدو میں بجا دہل[15]
برپا حسینیوں میں ہوا یاں اذاں کا غل پڑھنے لگے نماز شہنشاہِ جز و کل
قدسی ہوئے نثار، جماعت کی شان پر
نعرے نمازیوں کے گئے آسمان پر

فوجِ ستم میں ہوگئیں صف بندیاں اُدھر ۱۱۴ سجدوں میں یاں جھکے تھے ابھی عابدوں کے سر
حضرت پہ آکے روک لی عباس نے سپر دو چار تیر آکے گرے جب قریبِ در

کی عرض سرکشی پہ یہ سب فوج شام ہے
فرمایا آپ نے یہ اجل کا پیام ہے

شانہ کیا محاسنِ اقدس میں چند بار ۱۱۵ پھر بیٹھے جا نماز پہ شاہِ فلک وقار
پہنی قبائے خسروِ عالم بہ افتخار سر پر رکھا عمامۂ محبوبِ کردگار

پیدا ہوئے تھے خلق میں رحمت کے واسطے
باندھی کمر شفاعتِ امت کے واسطے

قدموں پہ لوٹنے لگیں سیدانیاں تمام ۱۱۶ رخصت کو اہلِ بیتِ نبی میں گئے امام
بچے بھی سر پٹکتے تھے لے لے کے شہ کا نام وہ شور الفراق کا وہ یاس کے کلام

روتے تھے یوں تو لپٹے ہوئے سب حسینؑ سے
لیکن کلیجے پھٹتے تھے زینبؑ کے بین سے

پر غم میں بھائی کے اُسے مطلق نہ تھا خیال ۱۱۷ روتے تھے ماں کے پہلو میں زینبؑ کے نونہال
کہتی تھی مرنے جاتا ہے خیر النساؑ کا لال گرنے میں تھامتے تھے جو ماں کو وہ خوشخصال

قربان جاؤں منہ نہ پھرانا لڑائی سے
ہشیار رہیو بہرِ خدا میرے بھائی سے

چھپ جائے گی اب آنکھوں سے ہے ہے حسنؑ کی شان ۱۱۸ قاسم سے کوئی کہتی تھی اے میرے نوجوان
اٹھارویں برس میں بچھڑتے ہو میری جان ایک سو تھا مادرِ علی اکبر کا یہ بیاں

رخصت کو ماں سے آئے ہو زلفیں سنوار کے
چڑھنا جہاد پر مجھے صدقے اتار کے

بس الوداع کہہ کے چلا، فاطمہؑ کا لال ۱۱۹ دیکھا گیا نہ شاہ سے سیدانیوں کا حال
دیکھا کہ فوج سب ہے مسلح پئے جدال باہر جو آئے روتے ہوئے شاہِ خوشخصال

جھک کر سلام غازیوں نے باادب کیا
گھوڑا سوارِ دوشِ نبی نے طلب کیا

آیا جب شکوہ سے، شبدیز تیز گام ۱۲۰ طاؤس کبک دیکھتے تھے جلوۂ خرام
دامن قبا کا رکھ کے کمر میں بڑھے امام عباس نے رکاب کو تھاما با احترام
چھوتی قدم سے میں یہ ہوا غم زمین کو
جھول جھاڑنے لگے شہپر سے زمین کو

حاصل ہوا جو فیض قدمبوسیِ جناب ۱۲۱ اللہ ری ضیا، مہِ نو بن گئی رکاب
روشن تھے بدر سے، سُمِ اسپِ ضیا شتاب ثابت تھا صدرِ زیں سے کہ ہے برجِ آفتاب
انساں تو کیا ہیں دیدۂ انجم بھی بند ہیں
تارِ شعاع موئے ایالِ سمند ہیں

کس اوج سے خدیو زمین و زماں چلا ۱۲۲ رہوار کیا زمیں پہ چلا آسماں چلا
لے کر نشاں علیؑ ولی کا نشاں چلا دامن بھرے ہوئے علم زر فشاں چلا
اخترنثارِ بخششِ سبطِ رسولؐ تھے
ذرّے نہ تھے زمین پہ سونے کے پھول تھے

سادات کے وہ چہروں کی ضو وہ علم کی شان ۱۲۳ تکتا تھا اس زمیں کے ستاروں کو آسمان
وہ برچھیاں سنبھالے ہوئے ہاشمی جوان رن میں نہ مرتے مرتے گئی جن کی آن بان
داراں کے معرکہ میں ہزاروں پہ چل گئے
قبضے چھٹے نہ ہاتھوں سے اور دم نکل گئے

پہنچے جو اس شکوہ سے وہ غازیانِ دیں ۱۲۴ گاڑا سپاہِ کفر کے آگے نشانِ دیں
اللہ رے جلوۂ قمرِ آسمانِ دیں روشن تھا جس کے نور سے سب خاندانِ دیں
افروختہ تھا چہرۂ اقدس جناب کا
شوکت تھی عرش کی تو جلال آفتاب کا

چلّوں میں جوڑنے لگے واں تیر اہلِ شر ۱۲۵ سینے حسینیوں نے ادھر کر دیے سپر
لشکر سے چند گام بڑھے شاہِ بحر و بر حجت تمام کی پہ نہ سمجھے وہ بدگہر
مطلق نہ کی تمیز خطا و صواب میں
تیر آئے سرکشوں کی طرف سے جواب میں

عباس نے کہا کہ ہوا پر ہیں یہ شریر ۱۲۶ مولا کہاں کلام نصیحت، کہاں یہ تیر
خاموش ہیں ادب سے جوانانِ بے نظیر موقع بس اب ہے جنگ کا اے آسماں سریر
کیا قدرتِ خدا ہے کہ روباہ شیر ہوں
جب ان سے چھین لے کوئی دریا تو زیر ہوں

بولے حبیب رحم کی بھی انتہا ہے اب ۱۲۷ دیجیے رضا جہاد کی یا شاہِ تشنہ لب
گذرے ہیں سات روز کہ ہے روح پر تعب بچوں کو بھوک پیاس میں یہ تیسری ہے شب
کٹ جائیں پیاسے حلق، ادا سر سے دَین ہو
اب سلسبیل پر کہیں پہنچیں تو چین ہو

فرمایا واں کثیر ہے لشکر، یہاں قلیل ۱۲۸ اچھا لڑو کہ خالقِ کونین ہے کفیل
نزدیک اب ہے کوثر و تسنیم و سلسبیل دے گا مجاہدوں کو خدا رتبۂ جلیل
ہاں اشتیاقِ خنجرِ قاتل ہمیں بھی ہے
درپیش عصر تک یہی منزل ہمیں بھی ہے

یہ سن کے شاد شاد ہوئے وہ خوش اعتقاد ۱۲۹ رخصت انھیں ملی کہ ملا گوہرِ مراد
تیغیں پکڑ پکڑ کے جو نکلے پئے جہاد میداں سے اٹھ گئے قدم لشکرِ عناد
کس آبرو سے فدیۂ راہِ خدا ہوئے
سر دے کے سب امام کے حق سے ادا ہوئے

نصف النہار تک تھا یہی شورِ کارزار ۱۳۰ مرنے کو یہ چلا، وہ تڑپ کر ہوا نثار
رخصت اسے کیا، تو اسے روئے زار زار جاتے تھے آپ لاش اٹھانے کو بار بار
ایک ایک نے سعادتِ عقبیٰ حصول کی
دم نکلے سب کے، گود میں سبطِ رسول کی

لٹنے لگی علیؑ کی بضاعت دمِ زوال ۱۳۱ کام آئے رن میں جعفر و مسلم کے نونہال
زینبؑ کے نورِ عین بھی، جب کر چکے جدال حضرت کو داغ دے کے سدھارا حسنؑ کا لال
ستر دلیر قتل ہوئے حق کی راہ میں
دو تشنہ کام رہ گئے ساری سپاہ میں

اس وقت تھا عجب شہِ دیں پر ہجوم یاس ۱۳۲ ڈھلنا وہ دوپہر کا وہ آندھی وہ لو وہ پیاس
لاشے پڑے ہوئے تھے عزیزوں کے آس پاس روکر فلک کو دیکھتے تھے شاہِ حق شناس
اٹھتا تھا دردِ دل تو قدم لڑکھڑاتے تھے
فرما کے یا علیؑ دلی بیٹھ جاتے تھے

ہل من مبارز کی جو اعدا میں تھی پکار ۱۳۳ بھائی کو دیکھتے تھے کنکھیوں سے بار بار
ڈیوڑھی پہ تھا یہ شور کہ یا شاہ نامدار دوڑو چلی جہاں سے سکینہ جگر فگار
ہے ہے یہ کیسی آگ لگی ہے زمانے کو
قطرہ نہیں ہے پانی کا منہ میں چوانے کو

گردن جھکائے چپ تھے، شہنشاہ بحر و بر ۱۳۴ لب برگِ گل سے خشک تھے رخ آنسوؤں سے تر
صدمے سے ہاتھ ملتے تھے عباسِ نامور پانی تھا غم سے اکبرِ ذی جاہ کا جگر
تلخ ان کو زیست تھی، انھیں سر بارِ دوش تھا
دونوں دلاوروں کو شجاعت کا جوش تھا

بڑھ کے چچا سے کہتے تھے اکبر یہ دم بہ دم ۱۳۵ رخصت کو عرض کرتے ہیں اب شاہِ دیں سے ہم
فرماتے تھے اشارے میں عباسِ ذی حشم کہیو نہ کچھ تمھیں سرِ شبیر کی قسم
پہلے فدا وہ ہوگا جو خدمت گزار ہے
مر لے یہ جاں نثار تو پھر اختیار ہے

یہ کہہ کے رکھ دیا قدم شاہ دیں پہ سر ۱۳۶ حضرت سمجھ گئے کہ اب ان کا بھی ہے سفر
صدمے سے قلب ہل گیا تھرا گیا جگر طاقت نے تن سے کوچ کیا، جھک گئی کمر
کیا سنبھلے جس پہ ظلم کا یوں آسماں گرے
دل تھام کے زمیں پہ امام زماں گرے

بھائی کے سر کو چھاتی سے لپٹا کے یہ کہا ۱۳۷ بتلاؤ کیا ارادہ ہے، اے میرے مہ لقا
دستِ ادب کو جوڑ کے بولا وہ باوفا پیاسی سکینہ مرتی ہے، یا شاہِ کربلا
گذرے ہیں تین دن یونہی اس خوش صفات پر
گر اذن ہو تو پانی کو جاؤں فرات پر

بولے بہا کے اشک امام فلک جناب ۱۳۸ یہ موت کا پیام ہے بچوں کا اضطراب
صابر ہر اک بلا میں ہے فرزند بوتراب اچھا یہ ہے صلاح تو کیجے تلاشِ آب
مشتاق آپ دیر سے جنگ و جدل کے ہیں
پانی کہاں کا سب یہ بہانے اجل کے ہیں

کیا اختیار خیر، دغا دیجیے ہمیں ۱۳۹ جینے کی کوئی شکل بتا دیجیے ہمیں
ملیے گا اب کہاں، یہ پتا دیجیے ہمیں رو لیں لپٹ کے، اتنی رضا دیجیے ہمیں
بھائی کی زیست قوتِ بازو کے ہاتھ ہے
پوچھو ہمارے دل سے کہ برسوں کا ساتھ ہے

یہ کہہ کے اس طرح ہوئے شبیر نوحہ گر ۱۴۰ روئے جواں پسر کے لیے جس طرح پدر
رخصت کی اہلِ بیت کو بھی ہو گئی خبر گھبرا کے آئی بالی سکینہ قریب در
چلائی عمو جان ادھر آ کے جائیے
دیدار آخری مجھے دکھلا کے جائیے

یاں چڑھ چکے تھے گھوڑے پہ عباس حق شناس ۱۴۱ آئے صدا بھتیجی کی سنتے ہی در کے پاس
بولی یہ مشک دے کے سکینہ بہ درد و یاس قربان عمو جان بجھا دو ہماری پیاس
پھنکتا ہے دل عطش سے کلیجہ کباب ہے
سقائی کیجیے کہ یہ کارِ ثواب ہے

عباسؑ نے کہا کہ مرا فخر ہے یہ کام ۱۴۲ بی بی تمہارے باپ کا ادنیٰ ہوں میں غلام
دی تم نے آبرو مجھے اے دخترِ امام اب ہو گیا جہان میں بہشتی ہمارا نام
کوثر میں سمجھوں دوش پر گر مشکِ آب ہو
تم بھی دعا کرو کہ چچا کامیاب ہو

کہہ کر یہ بات باگ اٹھائی سمند کی ۱۴۳ صورت بدل گئی فرسِ سر بلند کی
چھل بل ہرن کی، تیز پری تھی پرند کی سرعت بلائیں لیتی تھی ہر جوڑ بند کی
بجلی چمک کے چھپ گئی، پارا تڑپ گیا
جنگل میں یوں اڑا کہ چکارا تڑپ گیا

مرکب قدم زمیں پہ نہ رکھتا تھا ناز سے ۱۴۴ بجلی کو خوف کیا ہے، نشیب و فراز سے
چالاکیاں دکھاتا تھا کس امتیاز سے — اڑتا تھا پر صدا نہ نکلتی تھی ساز سے

راکب وہ ہیں جو فرق دو عالم کے تاج ہیں
گھوڑا بھی جانتا ہے کہ نازک مزاج ہیں

وہ تھوتنی وہ ابلی ہوئی انکھڑیاں وہ یال ۱۴۵ گویا کھلے تھے حور کے گیسوئے پری کے بال
وہ جلد، وہ دماغ، وہ سینہ، وہ سم، وہ چال — دم میں کبھی ہما، کبھی ضیغم، کبھی غزال

وہ قصر آسماں پہ بھی جانے میں طاق تھا
دو پر اگر خدا اسے دیتا براق[18] تھا

گھوڑے کی یہ شکوہ وہ شوکت سوار کی ۱۴۶ تصویر تھی ہوا پہ شہ ذوالفقار کی
وہ نور، وہ چمک، علم زرنگار کی — خوشبو مہک رہی تھی نسیم بہار کی

پنجہ نہ تھا نشان ثریا مآب کا
تھا فرق جبرئیل پہ تاج آفتاب کا

بڑھ کر صدا یہ دیتا تھا اقبال دم بہ دم ۱۴۷ افزوں ترا جلال، دو بالا ترا حشم
نصرت پکارتی تھی جلو میں، قدم قدم — جب تک ہے آفتاب درخشاں رہے علم

مطلب منافقوں کے جو ہیں ملتوی رہیں
یارب ترے حسین کے بازو قوی رہیں

اللہ رے جلالت و شوکت حضور کی ۱۴۸ دہشت سے اٹھ نہ سکتی تھی گردن غرور کی
ہر جا فرس شکوہ دکھاتا تھا طور کی — بجلی قدم قدم پہ چمکتی تھی نور کی

ذروں کی ضو سے مہر جہاں تاب زرد تھا
مٹی میں یہ دمک تھی کہ کندن بھی گرد تھا

پہنچا جو اس جلال سے وہ آفتاب دیں ۱۴۹ دیکھا سپاہ کو صفت شیر خشمگیں
گاڑا جو دبدبے سے علم ہل گئی زمیں — ہٹ ہٹ کے مورچوں سے پکارے یہ اہل کیں

غازی ہے، صف شکن ہے، جری ہے، دلیر ہے
ہٹتا نہ تھا ترائی سے جو یہ وہ شیر ہے

گر دے کے اپنے سر کی قسم، لے نہ جاتے شاہ ۱۵۰ دریا سے اس جری کو ہٹا سکتی تھی سپاہ
گویا کھڑے تھے تیغ بکف ضیغم الٰہ کیا قہر کی نگاہ تھی اللہ کی پناہ
پلکوں کی تیزیوں سے، کلیجے فگار تھے
جنبش بھووں کی تھی کہ سروہی کے وار تھے

خود اب تو دی ہے شہ نے اسے رخصت جدال ۱۵۱ دریا کو ایک حملے میں لے گا یہ خوش خصال
اس کا جلال حیدرؑ صفدر کا ہے جلال سرکش جو لاکھ ہوں تو کرے دم میں پائمال
اس معرکے میں بس نہ چلا اس کا بھائی سے
دیکھو یہ شیر اب نہ ہٹے گا ترائی سے

یہ سن کے تہلکہ صف اعدا میں پڑ گیا ۱۵۲ ٹوٹا وہ مورچہ، وہ رسالہ بگڑ گیا
ہر غول میں علم سے علم جھک کے لڑ گیا جو رہ گیا نشاں، وہ خجالت سے گڑ گیا
ہل چل میں چٹکیوں سے جو چلّے نکل گئے
اس صف کے تیر سہم کے اس صف میں چل گئے

تیغیں کھنچی لیے ہوئے بھاگے جو اہل شر ۱۵۳ کٹ کر کسی کا ہاتھ گرا، اور کسی کا سر
تلواریاں پڑی تھی کسی کی تو واں سپر برچھی تھی اس شقی کی، تو اس نحس کا جگر (ک)
یہ جنگ تھی کہ حشر کوئی جانتا نہ تھا
بیٹے کو باپ خوف سے پہچانتا نہ تھا

گھبرا کے ابن سعد نے لشکر کو دی صدا ۱۵۴ چھوڑ آئے مورچوں کو، شجاعو یہ کیا کیا
اتنا ہراس نام ورو، ننگ کی ہے جا وہ کون تھے علیؑ سے لڑے جو درم دغا
سب مل کے رد کتے نہیں اس تشنہ کام کو
کھوتے ہو معرکے میں بزرگوں کے نام کو

قاتل تمھارے جد و پدر کا تھا جو دلیر (ل) ۱۵۵ ہاں غازیو! اسی کا جگر بند ہے یہ شیر
کرتے ہیں رستموں کو زبردستیوں سے زیر دشمن کو پا کے واہ یہ کم جرأتی یہ دیر
بڑھ بڑھ کے یوں لڑو کہ تہمتن بھی گرد ہو
لو کشتگان بدر کا بدلہ، جو مرد ہو

یہ سُن کے سب کو جوشِ حمیت کا آگیا ۱۵۶ ابلیس آکے راہِ ضلالت بتا گیا
پھر ابر فوجِ شام، لبِ نہر چھا گیا شورِ دہل سے رعد کا دل تھرتھرا گیا
جو جو تھے منتشر وہ پرے پھر بہم ہوئے
پھر سب نشان کھل گئے نیزے علم ہوئے

پڑھ کر رجز علیؑ ولی کا پسر بڑھا ۱۵۷ گویا شکار کھیلنے کو شیرِ نر، بڑھا
دریائے قہرِ خالقِ جن و بشر بڑھا بہرِ نبرد، مالکِ فتح و ظفر، بڑھا
تڑپا جو رخش، برق نگاہوں سے گر گئی
آمد خدا کے شیر کی آنکھوں میں پھر گئی

کانپے طبق زمیں کے ہلا چرخِ لاجورد ۱۵۸ مانند کہربا[19] ہوا، مٹی کا رنگ زرد
اُٹھ کر زمیں سے بیٹھ گئی، زلزلے میں گرد تیغوں کی آنچ دیکھ کے بھاگی ہوائے سرد
گرمی سے رن کی ہوش اڑے وحش و طیر کے
شیر اُس طرف اُتر گئے دریا کو پیر کے

نکلی اِدھر غلاف سے وہ برقِ شعلہ ریز ۱۵۹ چلنے میں ذوالفقار تھی جس کی زبان تیز
چمکے شرر، بھڑکنے لگی آتشِ ستیز[20] گھبرا اجل نے بند ہوئے کوچۂ گریز
آیا خدا کا قہر ہر اک روسیاہ پر
بجلی محیط ہو گئی ساری سپاہ پر

چمکی، گری، تڑپ کے کلیجے ہلا گئی ۱۶۰ جو تھے ہوا پہ، خاک میں ان کو ملا گئی
بھڑکی دلوں میں آگ وہ پانی پلا گئی جوہر دکھا کے فوج کو ہیرا کھلا گئی
دعویٰ تھا خون قاسمِ یوسف جمال کا
یوں تیغ نے عوض لیا شبرؑ کے لال کا

کھا کھا گئی صفوں کو برابر لڑائی میں ۱۶۱ ٹھہری نہ بے لہو پیے دم بھر لڑائی میں
ثابت رہے تھے جن کے قدم ہر لڑائی میں پہلے انھیں کے کاٹ گئی سر لڑائی میں
دو ٹکڑے ہو کے گرتا تھا جو راہوار سے
یہ اٹھ کے داد مانگتی تھی ذوالفقار سے

جس غول پہ گری نہ رُکی نہ تھمی کہیں ۱۶۲ اک دم بھی کی نہ اس کی برش نے کمی کہیں
چمکی کہیں، کسی پہ کسی جا دمی کہیں فوجوں میں ابتری تھی کہیں، برہمی کہیں
کاٹے ہوئے نشاں تھے زمیں پر پڑے ہوئے
ہر جا تھے ضرب تیغ کے جھنڈے گڑے ہوئے

جل جل کے آب تیغ سے کفّار مر گئے ۱۶۳ پس پس کے بھاگنے میں جفاکار مر گئے
نامی تھے جتنے سب وہ نمودار مر گئے دو ہاتھ جب ادھر سے چلے چار مر گئے
غل تھا کہ زلزلے میں زمیں آج رن کی ہے
کہتا تھا شیر، ہاں یہ مدد پنجتن کی ہے

جب وار چل گیا سپر آہنیں کٹی ۱۶۴ دستانہ کٹ کے ہاتھ کٹا آستیں کٹی
مغفر کٹا، دو نیم ہوا سر، جبیں کٹی سینے کو لے کے زیں سے جو اتری زمیں کٹی
چو رنگ تھا فرس تو دو پارا سوار تھا
اللہ رے منہ کہ تیغ نے جانا چنار تھا

آئی جدھر لہو میں سراسر بھری ہوئی ۱۶۵ خالی صفوں میں اور سوا ابتری ہوئی
بے جاں تھا جس پہ سایہ فگن وہ پری ہوئی پھرتی تھی ساتھ ساتھ اجل پر ڈری ہوئی
آنچ اُس کی قہر تھی، کوئی کیونکر الگ نہ جائے
چھپتی تھی برق بھی کہ ہوا اس کی لگ نہ جائے

بے سر تھا جس کے فرق پہ وہ جاں گزا لگی ۱۶۶ اک آگ تھی کہ چنبر گردوں میں جا لگی
چار آئینہ پہ ضربت قہر خدا لگی کڑیاں کھلیں زرہ کی جب اس کی ہوا لگی
برپا تھا شور چار طرف بھاگ بھاگ کا
پانی اثر دکھاتا تھا لوہے کو آگ کا

پلٹی اُدھر سے جب تو ادھر کا پرا نہ تھا ۱۶۷ کاٹے تھے سر پہ فرق برش میں ذرا نہ تھا
چھنکا ہوا تمام، بدن اس کا ہرا نہ تھا خوں سب کا پی گئی تھی مگر دم بھرا نہ تھا
سیل فنا تھا جنگ میں کاٹ اس کی دھار کا
دم خم تھا گھاٹ باڑھ میں، سب ذوالفقار کا

گرا وہ ہاتھ اور وہ تلوار کی چمک ۱۶۸ تھی صاف تیغ حیدرِ کرار کی چمک
موجوں پہ عکس ڈالتی تھی ڈھال کی چمک اُس پار تک پہنچتی تھی اس پھال کی چمک
اک شور تھا کہ آگ لگی کائنات میں
خشکی میں زلزلہ تھا، تلاطم فرات میں

بڑھ بڑھ کے چل رہی تھی جو تلوار چار سو ۱۶۹ کشتوں کے بڑھتے جاتے تھے انبار چار سو
تھا رن میں گرم موت کا بازار، چار سو پھرتا تھا جھوم جھوم کے رہوار، چار سو
تیغ آئی جس پہ اس کا بھی وار اس پہ چل گیا
وہ سر گرا گئی، تو یہ لاشہ کچل گیا

ثابت ہو جس پہ زِد کوئی ایسی کماں نہ تھی ۱۷۰ تیر افگنوں کی خوف سے خاطر نشاں نہ تھی
گر میان تھا، تو تیغ دمِ امتحاں نہ تھی یہ طرفہ بات تھی کہ دہن تھا زباں نہ تھی
جرّار سر جھکائے تھے، تلوار کی طرح
سرکش خموش تھے لبِ سوفار کی طرح

جب ضرب کی، زمیں کے طبق ہل کے رہ گئے ۱۷۱ سر اُڑ گئے گلوں سے گلے مل کے رہ گئے
زخموں کے پھول چار طرف کھل کے رہ گئے بسمل تڑپ کے سامنے بسمل کے رہ گئے
برہم مزاجِ لختِ دلِ بوتراب تھا
لاشے الٹ گئے یہ نیا انقلاب تھا

ممکن نہ تھا کہ ایک کو سو میں اماں ملے ۱۷۲ مارا وہیں چھپے ہوئے ظالم جہاں ملے
جو نامور بڑے تھے نہ اُن کے نشاں ملے ریتی پہ گر ملے بھی تو لاشے تپاں ملے
کیوں معرکے میں تیغِ دو دم سرخرو نہ ہو
ایسی جگہ نہ تھی کوئی جس جا لہو نہ ہو

زہرہ[۲۲] کسی کا آب تھا ڈر سے کسی کا دل ۱۷۳ بھائی ٹھہر نہ سکتا تھا بھائی کے متصل
آفت تھی قہر تھی برشِ تیغِ جاں گسل کرتی تھی شکل کو وہ ہیولیٰ سے منتقل (س)
ٹکڑے تھے، یہ سزا تھی یہ اعمالِ زشت کی
ہیئت بدل گئی تھی ہر اک بدسرشت کی

ڈوبے لہو میں گھاٹ ستمگار روک کے ۱۷۴ دم بھر نہ رک سکا کوئی اک وار روک کے
جب بھاگتا سپر کو ہسیہ کار روک کے عباس مسکراتے تھے تلوار روک کے
ٹھہرا جہاں لیا ؤہیں گھوڑے کو پھیر کے
کوئی شکار بچتا ہے، پنجہ سے شیر کے

وہ تیغ شعلہ زا کی چمک، وہ فرس کی جست ۱۷۵ رستے کھلے ہوئے، نہ صفیں وہ نہ بندوبست
بجلی گری، پھرا جو ذرا دستِ حق پرست غارت وہ مورچہ، ادھر آفت، اُدھر شکست
افسر سے فوج، فوج سے افسر چھٹے ہوئے
سب چھاؤنی اجاڑ محلے لٹے ہوئے

ہر اک علم کی چوب ضلالت نشاں کٹی ۱۷۶ منہ تیغ کا کٹا تو سناں کی زباں کٹی
ترکش کٹے، قلم ہوئے نیزے سناں کٹی ٹکڑے ہوئے زرہ، کمرِ پہلواں کٹی
روحوں کے ساتھ تن تھے، نہ روحیں تنوں کے ساتھ
تارِ نفس بھی کٹ گئے تھے گردنوں کے ساتھ

ناری صفوں میں جل گئے جب شعلہ ور ہوئی ۱۷۷ چمکی ادھر یہ تیغ، تجلی ادھر ہوئی
شب کو چمن کھلا جو سپر خوں سے تر ہوئی سر دھڑ سے گر پڑا، تو جسد کو خبر ہوئی
چلائی موت صدقے تری کج ادائی کے
بولی نکل کے روح نثار اس صفائی کے

جب سَن سے فوج کفر پہ وہ جنگ جو چلی ۱۷۸ گویا سموم قہرِ خدا چار سو چلی
بسمل پھڑک کے رہ گئے یوں تند خو چلی ٹکڑے اڑائے، ذبح کیا، سرخرو چلی
غل تھا بُرش ہے قہر کی جوہر بلا کے ہیں
دم بھر میں فیصلہ یہ کرشمے قضا کے ہیں

جس کے گلے سے مل کے چلی مر کے رہ گیا ۱۷۹ بسمل بھی تیغ تیز کا دم بھر کے رہ گیا
آگے بڑھا کوئی تو کوئی ڈر کے رہ گیا سکتے میں کوئی منہ پہ نظر کر کے رہ گیا
دو پتلیاں بھی بھر تماشا تلی رہیں
سر کٹ کے گر پڑا، مگر آنکھیں کھلی رہیں

۱۸۰ ہر نخلِ قد کی شاخ جدا اور ثمر جدا — کہنی سے دونوں ہاتھ جدا تن سے سر جدا
بھائی سے بھائی اور پسر سے پدر جدا — اس ہاتھ سے جو تیغ تو اس سے سپر جدا
وہ تہلکے بھی ہول قیامت سے کم نہ تھے
کیا تفرقہ پڑا تھا کہ اعضا بہم نہ تھے

۱۸۱ لاکھوں میں ہاتھ ایک کا چلنے نہ دیتی تھی — اسوار کو گرا کے سنبھلنے نہ دیتی تھی
رستم بھی ہو تو ٹھاٹھ بدلنے نہ دیتی تھی — برچھیت کو پرے سے نکلنے نہ دیتی تھی
جو اس کا کام تھا سو وہ پھرتی کے ساتھ تھا
جس کا قدم بڑھا نہ سپر تھی نہ ہاتھ تھا

۱۸۲ پنجہ جو بچ گیا تو کلائی جدا ہوئی — اٹھی، چلی، سپاہ میں آئی، جدا ہوئی
پیری جگر میں، خوں میں نہائی جدا ہوئی — صف کی جدا، پرے کی صفائی جدا ہوئی
دم توڑے یا مرے کوئی پروا ذرا نہ تھی
نکلی جو خوں میں پیر کے پھر آشنا نہ تھی

۱۸۳ رہ جاتی تھی سما کو، سمک دیکھ دیکھ کے — چھپتی تھی برق اس کی چمک دیکھ دیکھ کے
خورشید کانپتا تھا، جھلک دیکھ دیکھ کے — تھراتا تھا زمیں کو فلک دیکھ دیکھ کے
جوہر میں پیچ و تاب تھا زلفوں کے جال کا
بجلی کی زرق برق تھی چم خم ہلال کا

۱۸۴ کرتی تھی ناز حشر بپا دیکھ دیکھ کے — تنتی تھی سر تنوں سے جدا دیکھ دیکھ کے
چشمک قضا کی تھی کہ ذرا دیکھ دیکھ کے — بے خود تھی آپ اپنی ادا دیکھ دیکھ کے
کہتی تھی تیغ گو کہ سرِ الٰہی کا ہاتھ ہوں
تو میرے دم کے ساتھ ہے میں تیری ساتھ ہوں

۱۸۵ اس صف کے ہاتھ پاؤں قلم، وہ پرا تباہ — سب سے جدا تھی تیغ کے چلنے کی قطعِ راہ
کٹ کٹ کے تیغیں کہتی تھیں اللہ کی پناہ — خلا جا بجا تھے خاک پہ مابین رزم گاہ
کترا کے لو پھر آئی لہو چاٹتی ہوئی
چلتی ہے یہ تو راہ کو بھی کاٹتی ہوئی

گھوڑے بھگائے فوجِ ضلالت شعار نے ۱۸۶ گھیرا جو یک بیک غضبِ کردگار نے
سر پر اڑائی خاکِ سیہ روزگار نے کھینچا سر آسماں پہ زمیں کے غبار نے
دن چھپ گیا یہ گرد پڑی روئے مہر پر
مٹی کا پل بندھا تھا، محیطِ سپہر پر

جنگل میں چھپتے پھرتے تھے ڈر ڈر کے جانور ۱۸۷ اللہ رے زلزلہ کہ لرزتے تھے دشت و در
دنیا میں خاک اُڑتی ہے، اب جائیں ہم کدھر جنات کانپ کانپ کے کہتے تھے الحذر
اندھیر ہے اٹھی برکت اب جہان سے
لوٹ گیا زمیں کا طبق آسمان سے

ساحل تک آئے حضرتِ عباسِ نیک نام ۱۸۸ دریا کی فوج گھاٹ سے جب ہٹ گئی تمام
وہ زور شور کیا ہوا اے ساکنانِ شام نعرہ کیا ترائی تو شیروں کا ہے مقام
تم سب کی کیا بساط ہے دامن کی گرد ہو
ہاں اب ہمیں ہٹاؤ تو جانیں کہ مرد ہو

ریتی پہ کیا سپاہ کی مٹی ہوئی خراب ۱۸۹ وہ حکم اور تھا کہ نہ تھی بولنے کی تاب
یوں خاک میں ملاتے ہیں فرزندِ بوتراب لاکھوں میں اب تو دے کوئی اس تیغ کا جواب
افسوس ابن سعد ستمگار ٹل گیا
پر خیر کچھ بخار تو دل کا نکل گیا

طاؤس دُم اٹھا کے بنا اسپِ سربلند ۱۹۰ یہ بات کہہ کے ڈال دیا نہر میں سمند
پانی کی آب و تاب ہوئی چاند سے دوچند چمکا جو عکسِ روئے علمدار ارجمند
دریا کے دل میں تھی جو کدورت وہ دھو گئی
آنکھوں میں مچھلیوں کے چکاچوند ہو گئی

اک شور تھا کہ خضر علیہ السلام آئے ۱۹۱ جلوے جو نہر میں علمِ سبز نے دکھائے
پھر آنکھ میں حباب کی کیا آسماں سمائے پانی میں جب کہ شرم سے خورشید ڈوب جائے
ہر سنگ ریزہ نور سے دُرِّ خوش آب تھا
لہریں جو تھیں کرن تو بھنور آفتاب تھا

چھاتی تک اس نے پانی کو دیکھا جو ایک بار ۱۹۲ گھوڑے کا دل ہوا صفتِ موج بیقرار
حسرت سے منہ پھرا کے نظر کی سوئے سوار بولے یہ باگ چھوڑ کے عباسؑ نامدار
تو پی لے اے فرس کہ بہت تشنہ کام ہے
ہم پر تو بے حسینؑ یہ پانی حرام ہے

گردن ہلا کے کہنے لگا، اسپِ تیز گام ۱۹۳ بے ذوالجناح مجھ پہ بھی پانی ہے یہ حرام
اس قوم میں نہیں کہ ڈبو دوں وفا کا نام آقا، ابھی حسینؑ کے بچے ہیں، تشنہ کام
مطلب یہ ہے کہ ذکرِ وفا چار سُو رہے
تر خشک لب نہ ہوں تو نہ ہوں آبرو رہے

ہر چند تین روز سے ہے پیاس کا وفور ۱۹۴ پیتا یہ خانہ زاد بھی، پیتے اگر حضور
پر ہے یہ امر آپ کی دریا دلی سے دور جائیں بچیں صغیروں کی فکر اس کی ہے ضرور
ناموسِ مصطفےٰؐ میں تلاطم ہے رات سے
اب جلد مشک بھر کے نکلیے فرات سے

بچوں کا حال سُن کے لگا دل پہ تیرِ غم ۱۹۵ روئے لہو کے اشکوں سے عباسِ باکرم
مشکیزہ بھر کے دوش پہ رکھا بہ چشمِ نم نکلا پلٹ کے نہر سے شبدیزِ خوش قدم
بڑھتے ہی بحرِ ظلم کی موجوں میں گھر گیا
سقا نبیؐ کی آل کا فوجوں میں گھر گیا

ہاں راہ روک لو یہ ہوئی چار سو پکار ۱۹۶ برچھے اٹھا اٹھا کے بڑھے سیکڑوں سوار
ڈھالیں بڑھیں بہم کہ اٹھا ابرِ کوہسار تیغیں علم ہوئیں، کہ بندھا آہنی حصار
ہلتا تھا چرخ غلغلۂ دار و گیر سے
حلقہ کسی کماں کا نہ خالی تھا تیر سے

کہتا تھا گرز تول کے ایک ایک پہلواں ۱۹۷ رکھ دو یہ مشک لے اسداللہ کے نشاں
بڑھ کر جواب دیتے تھے عباسِ نوجواں چہرہ بگاڑ دوں گا سنبھالے رہو زباں
کیا منہ جو مشک لے کوئی جب تک یہ ہاتھ ہے
لے بے حمیتو، مری جان اس کے ساتھ ہے

دونوں امانتیں ہیں، یہ اے فوجِ کینہ جو ۱۹۸ طفلی سے تھی ہمیں، انھیں عہدوں کی آرزو
اس سے جہاں میں نام ہے اور اس سے آبرو اک مشک، اک نشانِ شہنشاہِ نیک خو
گر مر گئے تو رنج و الم لے کے جائیں گے
مختار ان کا جو ہے، اسے دے[24] کے جائیں گے

دونوں طرف کے نیزۂ خطّی قلم کیے ۱۹۹ جھپٹے یہ کہہ کے تیغ دو دستی، علم کیے
تیغِ دو دم سے بند لعینوں کے دم کیے حملے صفوں پہ صورتِ شیرِ[25] دژم کیے
سن سن پلٹ کے چلنے میں کمریں جو کٹ گئیں
آدھی صفیں تو بچھ گئیں، آدھی الٹ گئیں

تیغیں چلیں عقب سے شریروں کی ہے غضب ۲۰۰ بوچھار یک بہ یک ہوئی تیروں کی ہے غضب
بجھنے نہ پائی پیاس غریبوں کی ہے غضب یہ شکل دو جہاں کے امیروں کی، ہے غضب
نیزے تھے اور چاند سے پہلو دلیر کے
تیروں نے چھان ڈالا تھا سینے کو شیر کے

چہرے پہ زخم کھا کے جھپٹتے تھے بار بار ۲۰۱ زخمی تھے پر فرس کو ڈپٹتے تھے بار بار
تن سر سے، پانچ سات کے، کٹتے تھے بار بار بڑھ بڑھ کے غول فوج کے ہٹتے تھے بار بار
دکھلا رہے تھے رنگ علیؑ کی لڑائی کا
اعدا کے خون سے لال تھا سبزہ ترائی کا

قوت عطا کرو مجھے یا شیرِ کردگار ۲۰۲ جھکتے علم کو، روک کے کہتے تھے بار بار
بیٹا ترے تھکے ہوئے بازو کے میں نثار دیتے تھے دم بہ دم یہ صدا، شاہِ ذوالفقار
پانی کے واسطے یہ کبھی رن پڑا نہیں
کاندھے پہ مشک لے کے کوئی یوں لڑا نہیں

فاقہ وہ تین دن کا وہ سوکھی ہوئی زباں ۲۰۳ واحسرتا وہ فوج کا بلوہ، وہ ایک جاں
جی سن سے ہو گیا، کہیں کڑکی اگر کماں لڑنے کی فکر، مشک کا دھڑکا، علم کا دھیان
چمکی سناں تو روح بدن سے رواں ہوئی
روکا سپر پہ تیر تو خاطر نشاں ہوئی

کھاتے تھے تن پہ زخم، کچھ اپنا نہ تھا الم ۲۰۴ مضطر تھا مشک کے لیے وہ صاحبِ کرم
بہتا تھا خوں رکابوں میں تھمتے نہ تھے قدم قوت کو ضعف، ضعف کو قوت تھی دم بہ دم
اعدا ہدف بنائے تھے کینے سے مشک کو
پر یہ جدا نہ کرتے تھے سینے سے مشک کو

تلوار ہاتھ میں، علم شاہ دوش پر ۲۰۵ ہر نے پہ گاہ مشک رکھی، گاہ دوش پر
اک تیغِ تیز چل گئی ناگاہ دوش پر تلوار کیا پہاڑ گرا آہ دوش پر
صدمہ ادھر تو مشک کا جانِ حزیں پہ تھا
دیکھا جو پھر کے دستِ مبارک زمیں پہ تھا

شانے سے یوں ابل کے بہا خوں کہ الاماں ۲۰۶ تیورا کے جھومنے لگے عباس نوجواں
مچھلی کی طرح ہاتھ تو ریتی پہ تھا تپاں لیکن جدا نہ ہوتی تھیں قبضے سے انگلیاں
بے دست ہو گئی تھی، جو اس صفدری کے ساتھ
تلوار بھی تڑپتی تھی دستِ جری کے ساتھ

دہنا تھا ہاتھ تیغ اسی میں تھی، ہے ستم ۲۰۷ اب تھا نہ بائیں ہاتھ میں مشکیزہ و علم
تلواریں دو چلیں جو کمیں گاہ سے بہم الجھا ہوا وہ ہاتھ بھی بس ہو گیا قلم
کس سے ہٹائیں فوج کو، کس سے دعا کریں
بتلاؤ اب کہ حضرتِ عباس کیا کریں

ڈر سے قریں تو آنہ سکا، کوئی نابکار ۲۰۸ پر تیر سب لگانے لگے باندھ کر قطار
اک تیر لگ کے مشک پہ گذرا جگر کے پار پانی کے ساتھ سینے سے چھوٹی لہو کی دھار
ہے ہے سکینہ کہہ کے فلک پر نگاہ کی
ہر نے پہ سر پٹک کے بہشتی نے آہ کی

گرزِ ستم سے شق ہوا، ناگہ سرِ جناب ۲۰۹ تھرائے ہونٹ چھٹ گئی دانتوں سے مشکِ آب
فرمایا ہائے دیں گے سکینہ کو کیا جواب گھوڑے سے تھرتھرا کے گرے مثلِ آفتاب
تڑپے، اٹھے، کراہ کے خاموش ہو گئے
منہ رکھ کے خالی مشک پہ بیہوش ہو گئے

ان کا تو یاں ہے کوچ، سنو واں کی اب خبر ٢١٠ ڈیوڑھی کے پاس بیٹھے ہیں حضرت برہنہ سر
لپٹا ہوا ہے چھاتی سے، عباسؑ کا پسر روتی ہے سر جھکائے سکینہ قریب در
زینبؑ کھڑی ہیں ڈیوڑھی پہ اور دل پہ ہاتھ ہے
بکھرائے بال، زوجۂ عباس ساتھ ہے

زینبؑ سے عرض کرتی ہے، رو رو کے وہ دل فگار ٢١١ ہے ہے یہ شور نہر پہ، کیسا ہے میں نثار
کچھ دم الجھ رہا ہے نہیں قلب کو قرار گرتی ہے کانپنے میں ردا سر سے بار بار
خیر اب نہیں ہے، غیر کے انداز اور ہیں
بی بی یہ سب ہمارے رنڈاپے کے طور ہیں

کس سے کہوں جو دوڑ کے لائے کوئی خبر ٢١٢ پردہ اٹھا کے اب میں نکلتی ہوں ننگے سر
یہ ذکر تھا کہ فتح کے باجے بجے اُدھر دوڑے زمیں سے اٹھ کے شہنشاہ بحر و بر
ماتم میں نوجواں کے دل اندوہناک تھا
تلوار ہاتھ میں تھی، گریباں چاک تھا

رستے میں لڑکھڑاتے تھے جب ضعف سے قدم ٢١٣ اکبر سنبھال لیتے تھے بابا کو دم بہ دم
فرماتے تھے تڑپ کے پسر سے شہِ اُمم جو حال ہو بجا ہے کہ بھائی کا ہے الم
بازو پکڑ کے دلبرِ زہراؑ کو لے چلو
بیٹا چچا کی لاش پہ بابا کو لے چلو

اک اک قدم پہ ضعف و نقاہت ہے سدِ راہ ٢١٤ عباسؑ کیا بچھڑ گئے گھر ہو گیا تباہ
جیتے رہے تھے ٹھوکریں کھانے کو آہ وہ کہتے ہوں گے لاش پہ اب تک نہ آئے شاہ
شق ہو جگر، جو صبر ادھر سے جدا نہ ہو
یارب کسی سے خلق میں بھائی جدا نہ ہو

ٹھہرو کہ پاؤں اب نہیں قابو میں اے پسر ٢١٥ تم ہاتھ تھامتے ہو جھکی جاتی ہے کمر
سینہ لہو ہے، دل ہے تپاں، چاک ہے جگر اکبر بتاؤ ہاتھ میں رکھوں کدھر کدھر
لو اتنے بولنے میں بدن سرد ہو گیا
کیا دکھ ہے یہ، کہ میں ہمہ تن درد ہو گیا

اس شکل سے ترائی میں پہنچے، جو شاہِ دیں ۲۱۶ رو کر یہ شہ سے کہنے لگے اکبرِ حزیں
بابا یہی ہے لاشِ علمدار مہ جبیں گھوڑا کہیں ہے تیغ کہیں ہے علم کہیں
رکھے ہوئے ہیں مشک پہ منہ پیار دیکھیے
شانے کٹے ہیں شانِ علمدار دیکھیے

حضرت پکارے جان بھی جسم زار میں ۲۱۷ یا مرگئے تڑپ کے مرے انتظار میں
کی عرض دم تو ہے جسدِ زخم دار میں پر منہ سے بولتے نہیں کچھ احتضار میں
کیجے ذرا ملاحظہ چہرے کے نور کو
آنکھیں کھلی ہیں دیکھ رہے ہیں حضور کو

چلائے گر کے لاش پہ شبیرِ نامدار ۲۱۸ بھیا تمھاری نرگسی آنکھوں کے میں نثار
اس نزع میں بھی تھا تمھیں بھائی کا انتظار آنکھیں پھرا کے ڈھونڈتے ہو ہم کو بار بار
شاید زباں ہے بند، جو لب کھولتے نہیں
روتے ہوئے ہم آئے تو اب بولتے نہیں

مر جائے گا حسینؑ، برادر جواب دو ۲۱۹ اے میرے نوجواں مرے صفدر جواب دو
اب جاں بلب ہے سبطِ پیمبرؐ، جواب دو اے نورِ چشم ساقیِ کوثر، جواب دو
لکنت زبانِ خشک کو ہے تشنہ کام ہیں
بھیا تمھارے سر کی قسم ہم تمام ہیں

سُن لو تمھیں دیا ہے سکینہ نے کچھ پیام ۲۲۰ ایسا نہ ہو کہ یاں چلی آوے وہ تشنہ کام
جنبش ہوئی لبوں کو، بھتیجی کا سن کے نام کی عرض اب غلام کی رخصت ہے یا امام
قدموں پہ آنکھیں ملنے کو دل بے قرار تھا
مولا کے دیکھنے کا فقط انتظار تھا۔

منہ رکھ کے منہ پہ کہنے لگے شاہِ خوش خصال ۲۲۱ کیوں چپ ہوئے، کچھ اور کہو اپنے دل کا حال
ان سوکھے ہونٹوں پہ صدقے علیؑ کا لال بھیا مدد کو آئے ہیں، اب شیرِ ذوالجلال
رخ کیوں ہے زرد کونسی ایذا گذرتی ہے
کیوں دم بہ دم کراہتے ہو، کیا گذرتی ہے

گودی میں ہے مری، دمِ آخر تمھارا سر ۲۲۲ اور پائینتی، جوان بھتیجا ہے نوحہ گر
گذرے گی ہم پہ جو تمھیں اس کی بھی ہے خبر سینہ پہ ہوگا تیغ لیے شمر بدگہر
شمشیر حلقِ خشک پہ چلتی ہے کس طرح
دیکھیں ہماری جان نکلتی ہے کس طرح

یہ بات سن کے نزع میں عباسؑ تھرتھرائے ۲۲۳ قطرے لہو کے آنکھوں سے عارض پہ بہہ آئے
دو بار سر پٹک کے، پکارے کہ ہائے ہائے پر خوں دہن حسین کے قدموں کے پاس لائے
ہچکی کے ساتھ موت کا خنجر بھی چل گیا
سر پاؤں پر دھرا رہا اور دم نکل گیا

اکبر نے عرض کی کہ چچا جان مرگئے ۲۲۴ جھک کر پکارے شاہ کہ بھیّا کدھر گئے
منہ تو اٹھاؤ، خاک سے رخسار بھر گئے واحسرتا حسینؑ کو بے آس کر گئے
اب کون دے گا دکھ میں نبیؐ کے پسر کا ساتھ
دم بھر میں تم نے چھوڑ دیا عمر بھر کا ساتھ

اے میرے شیر صف شکن اے میرے نوجواں ۲۲۵ پاؤں گا تم سا چاہنے والا میں اب کہاں
شیرِ خدا کا آج جہاں سے مٹا نشاں تم کو حسینؑ جانتا تھا اپنے تن کی جاں
تیغوں میں اب پسر نہیں بھائی کے ہوتے ہو
بازو کٹائے شیر سے دریا پہ سوتے ہو

آتے ہی بھا گئی تھی، ترائی کی جا تمھیں ۲۲۶ اللہ کیا پسند تھی یاں کی ہوا تمھیں
بخشی خدا نے قبر بھی، سب سے جدا تمھیں آخر وہی ہوا کہ جو منظور تھا تمھیں
اتنی جگہ کے واسطے بچھڑے حسینؑ سے
بھیّا ہو لئے سرد میں اب سوئے چین سے

قسمت میں ہے کہ دھوپ ہو جنگل کی اور ہم ۲۲۷ کیا تفرقہ دکھایا ہے گردوں نے ہے ستم
کیا خوب ہو، اگر یہیں نکلے ہمارا دم الفت یہ چاہتی ہے کہ قبریں بھی ہوں بہم
روئیں سرہانے بیٹھ کے جو سوگوار ہوں
ہم دونوں بھائیوں کے برابر مزار ہوں

آئی صدائے حضرتِ خاتونِ روزگار ۲۲۸ ہے ہے جہاں سے اٹھ گیا الیساوفاشعار
اے میرے لال تیرے تڑپنے کے میں نثار میرا پسر ہے آج سے عباس نامدار
بیٹا بلائیں لاش کی لینے کو آئی ہوں
پُرسا تمھارے بھائی کا دینے کو آئی ہوں

واری، تم اب یہ مشک وعَلم لے کے جاؤ گھر ۲۲۹ ایسا نہ ہو، نکل پڑے زینبؑ برہنہ سر
چلائے تب یہ رو کے شہنشاہ بحر و بر اماں کمر تو ٹوٹ گئی جائیں اب کدھر
ہم مرگئے کہ خلق سے بھائی گذر گیا
بازو ہمارا تھامنے والا تو، مر گیا

اکبر سے پھر کہا کہ علم خاک سے اٹھاؤ ۲۳۰ پُرخوں یہ مشک خیمۂ عصمت میں لے کے آؤ
بیوہ ہوئی چچی اسے پُرسا دو خاک اڑاؤ بیٹا چچا کے بچوں کو جا کر گلے لگاؤ
پوچھیں جو سب کہ سبطِ پیمبرؐ کدھر گئے
کہ دیجیو کہ بھائی کے لاشے پہ مرگئے

اکبر یہ شہ سے سن کے جو روئے بہ صد بکا ۲۳۱ تڑپے اک آہ کر کے شہنشاہِ کربلا
ناگاہ آئی در سے سکینہ کی یہ صدا بابا میں اب نکلتی ہوں گھر سے برہنہ پا
روتے ہیں آپ کیوں مرے عمّو کدھر گئے
حضرت نے دی صدا کہ جہاں سے گذر گئے

فرما کے یہ زمیں سے اٹھے شاہ انس وجاں ۲۳۲ رو کر علم سے باندھ دی وہ مشک خونچکاں
پہنچے حرم سرا کے جو نزدیک ناگہاں سر پیٹ کے سکینہ نے تب یہ کیا بیاں
اندھیر ہے جہاں، مجھے کچھ سوجھتا نہیں
ہے ہے علم تو آیا ہے میرا چچا نہیں

ڈھونڈوں کہاں میں اے مرے عمّو کدھر گئے ۲۳۳ مجھ کو پتا دیا نہ وہاں کا، جدھر گئے
دریا سے مشک بھیج دی اور خود گذر گئے پانی پیا نہ تشنہ دہن کوچ کر گئے
شانے کٹے تھے مشک بھی تیغوں سے کٹ گئی
وہ کیا کریں ہماری ہی قسمت الٹ گئی

غل پڑ گیا کہ شہ کے علمدار ہائے ہائے ۲۲۴ اے نورِ چشم حیدرِ کرّار ہائے ہائے
اے ابنِ فاطمہؑ کے مددگار ہائے ہائے اے فوجِ شہ کے جعفرِ طیار ہائے ہائے
چھوٹے سے ہاتھ رکھ کے دلِ دردناک پر
دے مارا سر کو بالی سکینہ نے خاک پر

حضرت نے لا کے گاڑ دیا صحن میں علم ۲۲۵ اور گر پڑے زمیں پہ شہنشاہِ باکرم
سب سے کہا کہ جینے نہ دے گا ہمیں یہ غم جن سے جدا نہ ہوتے تھے کھوئے ان کو ہم
پوچھو ہمارے دل سے مصیبت جدائی کی
بھائی ہی جانتا ہے محبت کو بھائی کی

بھائی سے ساتھ بھائی کا چھوٹا ہزار حیف ۲۲۶ چھوڑا نہ پھل نہ پھول نہ بوٹا، ہزار حیف
بازو مرا قوی تھا سو ٹوٹا، ہزار حیف امت نے میرے باغ کو لوٹا، ہزار حیف
فریاد ہے لعینوں نے ہم پر ستم کیا
تیغوں سے سروِ باغِ علیؑ کو قلم کیا

زیرِ علم تھا زوجۂ عباس کا یہ حال ۲۲۷ ماتھا بھرا تھا خاک سے بکھرے ہوئے تھے بال
چلاتی تھی یتیم ہوئے میرے دونوں لال دنیا سے کھو گئے مجھے عباسِ خوش خصال
ہے ہے علیؑ کا نورِ نظر مجھ سے چھٹ گیا
میں رانڈ ہو گئی مرا اقبال لٹ گیا

ناگاہ صدا علیؑ کی یہ آئی کہ اے بہو ۲۲۸ زانو پہ تھا مرے سرِ عباس نیک خو
آئی ہے تیرے پرسے کو زہراؑ کشادہ مو بی بی بس اب حسینؑ کو رو کر رلا نہ تو
بھائی کے غم میں لال مرا دردمند ہے
اب صبر کر کہ صبر خدا کو پسند ہے

ہاں روؤ مومنو یہ بکا کا مقام ہے ۲۲۹ تم میں شریک روحِ رسولِ انام ہے
اب رخصتِ حسینؑ علیہ السلام ہے چہلم کی مجلسوں کا بھی، آج اختتام ہے
موت آئی تو شریک عزا کون ہوئے گا
جو سال بھر جیے گا وہ پھر شہ کو روئے گا

آگے تمہارے مرتے جو عباس باوفا ۲۴۰ پُرسا نہ دیتے سبطِ رسولِ خدا کو کیا
تم سب کو دیکھتے ہیں شہنشاہ کربلا زہرا بھی ننگے سر ہے، قیامت کرو (ع) بپا
سمجھو شریک بزمِ شہِ مشرقین کو
دے لو جوان بھائی کا پُرسا حسینؑ کو

یہ کہہ کے ہائے حضرت عباس خاک اڑاؤ ۲۴۱ پیٹو سروں کو ہاتھوں سے اور اشک خوں بہاؤ
ہے ہے حسینؑ کہہ کے زمیں پہ پچھاڑیں کھاؤ پُرسا پسر کا فاطمہؑ زہرا کو دے کے جاؤ
کل خاک میں ملائیں گے اس تشنہ کام کو
رخصت کرو حسین علیہ السّلام کو

اے بے دیار بے سر و سامان الوداع ۲۴۲ اے بنتِ مصطفیٰؐ کے دل و جان الوداع
اے دو جہاں کے سیّد و سلطان الوداع اے شیعیانِ ہند کے مہمان الوداع
آہ و بکا سے ہم کبھی غافل نہ ہوئیں گے
جب تک جئیں گے آپ کی غربت پہ روئیں گے

مولا ضریح پاک پہ بلوائیے شتاب ۲۴۳ اب ہجر کی انیس کے دل کو نہیں ہے تاب
رہ جائے گی ہوس جو دیا زیست نے جواب خاکِ شفا ملے مجھے یا ابنِ بو ترابؑ
اچھی نہیں مریض کو دوری مسیح سے
حسرت یہ ہے کہ روؤں لپٹ کر ضریح سے

مرثیہ (۶)

بخدا فارسِ میدانِ تہوّر تھا حُر ۱ ایک دو لاکھ سواروں میں بہادر تھا حُر
نارِ دوزخ سے ابوذر کی طرح حُر تھا حُر گوہرِ تاجِ سرِ عرش ہو وہ دُر تھا حُر
ڈھونڈھلی راہِ خدا کام بھی کیا نیک ہوا
پاک طینت تھی تو انجام بھی کیا نیک ہوا

واہ رے طالعِ بیدار، زہے عزّت و جاہ ۲ حُر پہ کیا فضلِ خدا ہو گیا، اللہ اللہ
پیشوائی کو گئے آپ، شہِ عرش پناہ خضرِ قسمت نے بتا دی اسے فردوس کی راہ
مدّتوں دور رہے جو وہ قریب ایسا ہو
بخت ایسے ہوں، اگر ہو تو نصیب ایسا ہو

نار سے نور کی جانب اُسے لائی تقدیر ۳ ابھی ذرّہ تھا ابھی ہو گیا خورشیدِ منیر
شافعِ حشر نے خوش ہو کے بحل کی تقصیر تکیۂ زانوئے شبیرؑ ملا وقتِ اخیر
اوج و اقبال و حشم نورِ خدا میں پایا
جب ہوا خاک تو گھر خاکِ شفا میں پایا

اللہ اللہ حرِ صفدر و غازی کا نصیب ۴ جانِ محبوبِ الٰہیؑ جسے فرمائے حبیب
ہجر میں لطفِ ملاقات کا دوری میں قریب وہی کام آتے ہیں محسن کے، جو ہوتے ہیں نجیب
صدقے ہو جائے اسے عشقِ ولی کہتے ہیں
اس کو دنیا میں سعیدِ ازلی کہتے ہیں

آیا کس شوق سے کعبے کی طرف چھوڑ کے دَیر ۵ کوئی حضرت کا یگانہ بھی نہ سمجھا اسے غیر
حق نے لکھ دی تھی جو تقدیر میں فردوس کی سیر فتنہ و شر سے بچا، ہو گیا انجام بخیر
ذکرِ خیر اس کے مرے پر بھی ہوئے جاتے ہیں
عملِ نیک ہر اک وقت میں کام آتے ہیں

کفر کی راہ سے کنارہ تھا جو وہ نیک طریق ۶ کس بشاشت سے ہوا رہبرِ ایماں کا رفیق
تھے تو لاکھوں، پہ کسی کو بھی ہوئی یہ توفیق خُلق طینت میں ہے جس کے وہی ہوتے ہیں خلیق

اوج دیندار کو، بے دیں کو سدا پستی ہے
اصل جس تیغ کی اچھی ہے وہی کستی ہے

کیوں نہ بالیدہ ہو اس کا چمنِ جاہ و جلال ۷ جس کو سرسبز کرے خود اسد اللہ کا لال
ہو گیا فاطمہؑ کے باغ میں آتے ہی نہال وہ ثمر پائے کہ پہونچے نہ جہاں دستِ خیال

کھل گیا غنچۂ دل عذر جو منظور ہوئے
صورتِ برگِ خزاں دیدہ، گنہ دُور ہوئے

حُر کہاں؟ اور کہاں احمدِ مرسل کا خلف ۸ بخت نے دیر سے پہونچا دیا کعبے کی طرف
دل صفا ہو گیا سینے میں تو پائے یہ شرف جبکہ آنکھیں ہوئیں حق بیں تو ملا قدرِ نجف

نیک جو امر ہیں، دل پر وہی ٹھن جاتے ہیں
جب خدا چاہے تو بگڑے ہوئے بن جاتے ہیں

وصفِ حُر میں ہے زباں معترفِ عجز و قصور ۹ آمد آمد کی بہادر کا، سنو اب مذکور
جب ہوئی مستعدِ جنگ سپاہِ مقہور مہرِ افلاکِ امامت نے کیا رَن میں ظہور

غل ہوا جنگ کو، اللہ کے پیارے نکلے
اے فلک دیکھ، زمیں پر بھی ستارے نکلے

کیا کہوں شانِ جوانانِ جنودِ اللہ ۱۰ کوئی ہم طلعتِ [الف] خورشید، کوئی غیرتِ ماہ
باندھی شیروں نے صفِ جنگ میانِ جنگاہ چمنِ خلد سے کرنے لگیں حوریں بھی نگاہ

واں لعینوں نے درِ ظلم و ستم کھول دیا
بڑھ کے عباسؑ نے یاں سبز علم کھول دیا

ہو گئے سُرخ شجاعت سے رُخِ آلِ نبیؐ ۱۱ آئی ٹھنڈی جو ہوا بھول گئے تشنہ لبی
رن میں کڑکا ہوا، بجنے لگے باجے عربی یکہ تازوں نے کیا شورِ مبارز طلبی

اک گھٹا چھا گئی ڈھالوں سے سیہ کاروں کی
برق ہر صف میں چمکنے لگی تلواروں کی

برچھیاں تول کے ہر غول سے خوں خوار بڑھے ۱۲ نیزے ہاتھوں میں سنبھالے ہوئے اسوار بڑھے
تیر جوڑے ہوئے چلوں میں، کماں دار بڑھے بولے شہ، یاں سے ابھی کوئی نہ زنہار بڑھے
اسدِ حق کے گھرانے کا یہ دستور نہیں
میں نبیؐ زادہ ہوں سبقت مجھے منظور نہیں

یہ سخن سن کے مخاطب ہوئے اعدا سے امام ۱۳ اے سپاہِ عرب و روم و رے و کوفہ و شام
تم پہ کرتا ہے حسینؑ آخری حجت کو تمام پسرِ مصحفِ ناطق ہوں سنو میرا کلام
سخنِ حق کی طرف کانوں کو مصروف کرو
شور باجوں کا مناسب ہو تو، موقوف کرو

یہ صدا سنتے ہی خود رک گیا، قرنا کا خروش ۱۴ تھم گیا طبلِ وغا کی بھی وہ آواز کا جوش
ہو گیا جوڑ کے ہاتھوں کو، جلاجل خاموش کیا بجاتے کہ بجاتے نہ کسی شخص کے ہوش
چھیڑنا اُن کو سرودوں کا بھی ناساز ہوا
رعبِ فرزندِ نبیؐ شرمۂ آواز ہوا

کم ہوا غلغلۂ فوجِ ستم جب اک بار ۱۵ یوں گہر بار ہوئے شہ کے لبِ گوہر بار
صف کشی کس پہ ہے، یہ اے سپہِ ناہنجار قتلِ سادات کی، لشکر میں یہ کیسی ہے پکار
وطن آواروں پہ، یہ قرق ہے کیوں پانی کا
کیا زمانے میں یہی طور ہے مہمانی کا

مجھ کو لڑنا نہیں منظور، یہ کیا کرتے ہو ۱۶ تیر جوڑے ہیں جو مجھ پر تو خطا کرتے ہو
کیوں نبیؐ زادے پہ غربت میں جفا کرتے ہو دیکھو اچھا نہیں یہ ظلم، بُرا کرتے ہو
شمعِ ایماں ہوں، اگر سر مرا کٹ جائے گا
یہ مرقع ابھی اک دم میں اُلٹ جائے گا

میں ہوں سردارِ شبابِ چمنِ خُلدِ بریں ۱۷ میں ہوں خالق کی قسم دوشِ محمدؐ کا مکیں
میں ہوں انگشترِ پیغمبرِ خاتم کا نگیں مجھ سے روشن ہے فلک مجھ سے منور ہے زمیں
ابھی نظروں سے نہاں نور جو میرا ہو جائے
محفلِ عالمِ امکاں میں اندھیرا ہو جائے

قلزمِ عزّ و شرف کا دُرِ شہوار ہوں میں ۱۸ سب جہاں زیرِ نگیں ہے وہ جہاندار ہوں میں
آج گو مصلحتاً بیکس و ناچار ہوں میں ورثۂ احمدِ مختارؐ کا، مختار ہوں میں
بخدا دولتِ ایماں اسی دربار میں ہے
سب بزرگوں کا تبرک مری سرکار میں ہے

یہ قبا کس کی ہے بتلاؤ یہ کس کی دستار ۱۹ یہ زرہ کس کی ہے، پہنے ہوں جو میں سینہ فگار
بَر میں کس کا ہے یہ چار آئینۂ جوہر دار کس کا رہوار ہے یہ آج میں جس پر ہوں سوار
کس کا یہ خود ہے، یہ تیغِ دوسر کس کی ہے
کس جری کی یہ کماں ہے، یہ سپر کس کی ہے

تنگ آئے گا تو رُکنے کا نہیں پھر شبیرؑ ۲۰ ایک حملے میں فنا ہوں گے یہ دولاکھ شریر
چل سکیں گے نہ تبر مجھ پہ، نہ تلوار نہ تیر کاٹ جائے گی گلے سب کے یہ بُرّاں شمشیر
شیر ہوں لختِ دلِ غالب ہر غالب ہوں
میں جگر بندِ علیؑ ابنِ ابی طالب ہوں

مجھ کو ہوتا نہ اگر بخششِ امت کا خیال ۲۱ روک لیتا مجھے رستہ میں، یہ حر کی تھی مجال
تھام سکتا تھا لجامِ فرسِ برق مثال پوچھ لو دیکھا ہے اس نے مرے شیروں کا جلال
گفتگو میں سپر اس کی جو نہ ہم ہو جاتے
ہاتھ اِک وار میں پہونچوں سے قلم ہو جاتے

غیظ سے ہاتھ چباتے تھے علیؑ کے دلدار ۲۲ نیمچے تولتے تھے عون و محمد ہر بار
اگلی پڑتی تھی جگر بند حسنؑ کی تلوار میں نے جب سر کی قسم دی تو رُکے وہ جرّار
چلتی تلوار تو جنگل تہ و بالا ہوتا
پھر نہ حُر خلق میں ہوتا نہ رسالہ ہوتا

تھا یہ بپھرا ہوا عباسؑ مرا شیر جواں ۲۳ سینۂ حُر پہ رکھے دیتا تھا نیزے کی سناں
میں یہ کرتا تھا اشارہ کہ، نہ لے بھائی جاں رحم لازم ہے ہمیں، ہم ہیں امامِ دوجہاں
کچھ تردد نہیں، سر تن سے اُتارا جائے
کوئی بندہ نہ مرے ہاتھ سے مارا جائے

گرچہ یہ امر نہیں، اہلِ سخا کے شایاں ۲۴ کہ کسی شخص کو کچھ دے کے کرے سب پہ عیاں
پوچھ لو حرؑ تو ہے موجود، عیاں راجہ بیاں اسی جنگل میں، مع فوج تھا، یہ تشنہ دہاں
شور تھا آج، چلیں جسم سے جانیں سب کی
منہ کے باہر نکل آئی تھیں زبانیں سب کی

زیست ہر شے کی ہے پانی سے، شجر ہو کہ بشر ۲۵ مجھ سے دیکھا نہ گیا میں تو سخی کا ہوں پسر
میں نے عباسؑ دلاور سے کہا، گھبرا کر مشکوں والے ہیں کہاں، اونٹ ہیں پانی کے کدھر
کرم ساقیٔ کوثر کو دکھا دو بھائی
جتنا پانی ہے وہ پیاسوں کو پلا دو بھائی

رہ نہ جائے کوئی گھوڑا کوئی ناقہ بے آب ۲۶ چھاگلیں جلد منگاؤ، مرا دل ہے بے تاب
سقے مشکیزوں کا منہ کھول کے آ پہونچے شتاب متوجہ ہوا میں خود کہ، وہ تھا کارِ ثواب
چین آیا نہ مجھے، بے انھیں آرام دیے
تھا جو ایک جام کا پیاسا، اُسے دو جام دیے

تھی یہی فصل یہی دھوپ یہی گرم ہوا ۲۷ ٹھنڈے پانی پہ گرے پڑتے تھے، حرؑ کے رفقا
تشنہ کاموں کا یہ مجمع تھا کہ ملتی نہ تھی جا سقے بھر بھر کے کٹوروں کو یہ دیتے تھے صدا
بھائیو آؤ، جو پانی کی طلب گاری ہے
چشمۂ فیضِ حسینؑ ابنِ علیؑ جاری ہے

آبِ شیریں کا جو دریا ہوا جنگل میں رواں ۲۸ فرس و اشتر و حرؑ طرح نہ رہے تشنہ دہاں
شکر کرنے لگے تر ہو گئی، ہر خشک زباں پانی پی پی کے دعائیں مجھے دیتے تھے جواں
شور تھا ابنِ ید اللہ نے جاں بخشی کی
دین و دنیا کے شہنشاہ نے جاں بخشی کی

ایک دن وہ تھا اور ایک دن یہ ہے اللہ اللہ ۲۹ کہ اسی طرح ہیں پیاس میں، پانی کی ہے چاہ
چشمِ امید ہو کیا، سب نے پھرا لی ہے نگاہ کوئی ایک جام بھی بھر کر ہمیں دیتا نہیں آہ
ہر مسلماں پہ نبیؐ زادے کا حق ہوتا ہے
بچے روتے ہیں تو سینہ مرا شق ہوتا ہے

کئی معصوم ہیں کمسن جو موئے جاتے ہیں ۳۰ دم اُکھڑتا ہے مرا جب انھیں غش آتے ہیں
پانی پانی جو وہ کہتے ہیں تو شرماتے ہیں پاس دریا ہے پہ اک بوند نہیں پاتے ہیں
یک بہ یک غربت کی عجب شام و سحر ہوتی ہے
تیسرا دن ہے، کہ فاقوں میں بسر ہوتی ہے

شہ کی مظلومی پہ گریاں ہوئی ظالم کی سپاہ ۳۱ عمر سعد نے کی مُڑ کے رُخِ حُر پہ نگاہ
بولا وہ اشہد باللہ، بجا کہتے ہیں شاہ محسن و منعم و آقا ہے مرا یہ ذی جاہ
ان کے احسان کا کیونکر کوئی منکر ہو جائے
سخنِ حق میں جو شک لائے وہ کافر ہو جائے

ایک میں کیا ہوں، زمانے پہ ہے احسان ان کا ۳۲ ابرِ رحمت ہیں خطاپوش ہے داماں ان کا
خشک و تر پر ہے کرم، خلق ہیں، یکساں ان کا ہے خوشا حال جو غربت میں ہے مہماں ان کا
جنتی ہے جسے حاصل یہ شرف ہووے گا
جو ادھر ہوگا خدا اُس کی طرف ہووے گا

یہ ابھی ہاتھ اٹھا کر جو دعا فرمائیں ۳۳ جتنے عالم کے گنہگار ہیں بخشے جائیں
حق سے جس شے کے طلب گار ہوں فوراً پائیں جام کوثر یہیں فردوس سے حوریں لائیں
مثلِ خورشید ہے روشن وہ شرف ان کا ہے
یہ وہ بندے ہیں کہ اللہ پہ حق جن کا ہے

ان سے قطرہ کوئی مانگے تو گہر دیتے ہیں ۳۴ ہیں سخی ابنِ سخی بات پہ سر دیتے ہیں
پیٹ سائل کا یہ فاقوں میں بھی بھر دیتے ہیں یاں تو زر دیتے ہیں، فردوس میں گھر دیتے ہیں
آس مجرم کی، گنہ گار کی امید ہیں یہ
ذرہ پرور جنھیں کہتے ہیں، وہ خورشید ہیں یہ

حُر سے گھبرا کے یہ بولا عمرِ سعدِ شریر ۳۵ یہ تو ہے صاف طرفداریِ شہ کی تقریر
اپنے حاکم کا نہ کچھ ذکر نہ تعریفِ امیر اللہ اللہ یہ اوصاف، یہ مدحِ شبیر
سن چکا ہوں میں کہ مضطر ہے کئی راتوں سے
اُلفتِ شاہ ٹپکتی ہے تری باتوں سے

نہ وہ آنکھیں، نہ وہ چتون، نہ وہ تیور، نہ مزاج ۳۶ سیدھی باتوں میں بگڑنا یہ نیا طور ہے آج
تخت بخشا ہے محمدؐ کے نواسے نے کہ تاج جن کو سمجھا ہے غنی دل میں، وہ خود ہیں محتاج
کون سا باغ تجھے شاہ نے دکھلایا ہے
کہیں کوثر کے تو چھینٹوں میں نہیں آیا ہے

کیا کسی حور کا دکھلا دیا حضرت نے جمال ۳۷ مل گیا سایۂ طوبیٰ کہ جو ایسا ہے نہال
قصرِ یاقوت میں پہونچا، جو ترا رنگ ہے لال کون سے میوۂ شیریں پہ ٹپکتی ہے رال
دفعتہً حقِ نمک کو بھی فراموش کیا
کیا تجھے بادۂ تسنیم نے بیہوش کیا

میں جہاں دیدہ ہوں، سب مجھکو خبر ہے تیری ۳۸ قرۃ العین محمدؐ پہ نظر ہے تیری
ہونٹ بھی خشک ہیں اور چشم بھی تر ہے تیری جسم خاکی ہے اِدھر، جان اُدھر ہے تیری
راہ میں کچھ جو سلوک اور نوازش کی ہے
تو نے فرزندِ یداللہ سے سازش کی ہے

خیر مخفی نہ رہے گا یہ قصور اور فتور ۳۹ لکھیں گے عہدۂ اخبار پہ جو ہیں مامور
حاکمِ شام ہے جابر، وہ سزا دے گا ضرور گر تجھے دار پہ کھینچے، تو کچھ اس سے نہیں دور
سب تری قوم کے سر تن سے جدا ہوئیں گے
زن و فرزند، گرفتارِ بلا ہوئیں گے

نفع اس امر میں کیا جس میں ہو مردم کا ضرر ۴۰ آنکھیں نکلیں گی، محبت سے جو دیکھے گا اُدھر
شجرِ قامتِ سرور پہ، جو ڈالے گا نظر سر چڑھے گا ترا برچھی پہ، یہ ہے اس کا ثمر
اُلفتِ زلف سے بھی پیچ میں تو آئے گا
خالِ رُخ دیکھا، تو گھر خانے لگ جائے گا

بدرِ پیشانی سرور کا ہے جو سر میں خیال ۴۱ تو اسی ماہ میں نقصاں ترا ہوئے گا کمال
سب میں ہو جائے گا انگشت نما شکل ہلال تیر و شمشیر ہے، ابرو کی محبت کا مآل
عشقِ رخسار میں، رُتبہ ترا گھٹ جائے گا
منہ پہ کہتا ہوں کہ، چہرہ ابھی کٹ جائے گا

خوف کس بات کا پیاسوں سے یہ تھراتا کیا ۴۲ لب پہ ہر مرتبہ، بیکس کی ثنا لاتا کیا
ننگ کی بات ہے دشمن کی طرف جاتا کیا ہو نبیؐ یا کہ وصی جنگ میں شرماتا کیا

ابھی لے جائیں جو شبیرؑ کا سر ہاتھ لگے
غلط ہم اس کو سمجھتے ہیں کہ زر ہاتھ لگے

حر پکارا کہ زباں بند کر او ناہموار ۴۳ قابلِ لعن ہے تو اور وہ تیرا سردار
ابن زہراؑ ہے جگر بند رسولؐ مختار میرا کیا منہ جو کروں مدحِ امامِ ابرار

اِک زمانہ صفتِ آلِ عبا کرتا ہے
آپ قرآں میں خدا اُن کی ثنا کرتا ہے

وصف ایسوں کا زباں پر کوئی کیونکر لائے ۴۴ تین سو آئے ہوں، تعریف میں جن کی، آئے
کسی انساں نے یہ دنیا میں ہیں رتبے پائے اپنا محبوب وہ ولی جس کو خدا فرمائے

اُلفتِ آل میں مریئے تو خوش اقبالی ہے
ننگ ہے اُن کی محبت سے جو دل خالی ہے

اسفلوں سے ہے محبت تجھے او سفلہ مزاج ۴۵ خاکِ پا اس کی ہوں میں ہے جو سرِ عرش کا تاج
جس کو کاندھے پہ محمدؐ کے، ملی ہے معراج میرے آقا سا سخی کون ہے کونین میں آج

کیوں ترے سامنے مکروں کو نہیں بخشا ہے
ہاں، مجھے شاہ نے، فردوس بریں بخشا ہے

باغ جو مجھ کو دکھایا اسے کیا جانے تو ۴۶ راحتِ روح ہے، جس باغ کے ہر پھول کی بو
مجھ کو اللہ نے بخشیں ہیں وہ حوریں خوش رُو کہ جنھیں تیرے فرشتوں نے نہ دیکھا ہو کبھو

نام کوثر کا نہ لے تو مجھے جوش آتا ہے
انھیں چھینٹوں سے تو بیہوش کو ہوش آتا ہے

عزتِ دیں شرفِ کون و مکاں ہیں شبیرؑ ۴۷ جانِ زہراؑ ہیں محمدؐ کی زباں ہیں شبیرؑ
سنگ پانی ہو، وہ اعجاز بیاں ہیں شبیرؑ جان کیوں ہو نہ ادھر، جانِ جہاں ہیں شبیرؑ

مہرباں ہوں تو ابھی عقدہ کشائی ہووے
وہ نہ بخشیں تو خدا تک نہ رسائی ہووے

کیا میں اور کیا وہ ریاست مری، کیا میرے عیال ۴۸ جبکہ آفت میں پھنسے احمدِ مختار کی آل
واں کی املاک و زراعت کا ہو کیا مجھ کو خیال یاں ہوئی جاتی ہے سادات کی کھیتی پامال
گھر کا اب دھیان نہ بچوں کا الم ہے مجھ کو
خانہ بربادیِ شبیرؑ کا غم ہے مجھ کو

دولتِ عالمِ دوں پر ہے ترا دار و مدار ۴۹ دارِ دنیا سے تعلق نہیں رکھتے دیں دار
کیا مجھے دار پہ کھینچے گا وہ ظالم غدار خوابِ غفلت ہے اُسے، اور مرے طالع بیدار
کسی سردار نے یہ اوج نہ پایا ہوگا
دارِ طوبیٰ کا، مرے فرق پہ سایا ہوگا

ہے سرافراز سدا عاشقِ پیشانیِ شاہ ۵۰ سجدے کیجے کہ ہے بیت ابروؤں کی بیت اللہ
عشق آنکھوں کا ہے مردم کے لئے نورِ نگاہ ہے وہ یوسف جسے ہو مصحفِ رُخسار کی چاہ
عاشقِ لب کو خدا لعل و گہر دیتا ہے
وہ دہن، چشمۂ کوثر کی خبر دیتا ہے

خالِ رخسار نہیں، گوئے سعادت ہے یہ ۵۱ مجھ سے مجرم کے لئے مُہرِ شفاعت ہے یہ
ہوں جو آشفتۂ گیسو تو عبادت ہے یہ بخدا سلسلۂ بخششِ اُمّت ہے یہ
شب معراجِ رسولِ دو جہاں سمجھا ہوں
اس کے ہر تار کو میں رشتۂ جاں سمجھا ہوں

وصفِ دنداں میں زباں جس کی لکھے گوہر بار ۵۲ موتیوں سے دہن اُس شخص کا بھر دے غفار
شوق میں سیبِ ذقن کے جسے آئے نہ قرار حوریں غرفے سے دکھائیں اسے رنگِ رُخسار
دم بہ دم چاہنے والوں کے لہو گھٹتے ہیں
یہ گلا وہ ہے گلے جس کے لئے کٹتے ہیں

صدقے اس سینے پہ ہیں، عاشقِ صافی، سینا ۵۳ خاک اس دل پہ جو اس سینے سے رکھے کینا
حق نما ہے تو جہاں میں ہے یہی آئینا اس کا عاشق ہو تو، ہوں کور کی آنکھیں بینا
فیض پاتا ہے وہ دل جس میں وِلا ہوتی ہے
چشم کو اس کی زیارت سے جِلا ہوتی ہے

پاؤں یہ وہ ہیں کہ ان پاؤں کو جو ہاتھ لگائے ۵۴ تو سرِ دست سرافرازیِ کونین وہ پائے
گردِ نعلین مبارک، جو اثر اپنا دکھائے تو ثریا ہوئے خجل، کحلِ جواہر شرمائے
صدقے کر دیں گے سر ان پاؤں پہ ہم ایسے ہیں
دوشِ احمدؐ پہ رہے جو، یہ قدم ایسے ہیں

عِلمِ غیر سے بہکا نہ مجھے او ابلیس ۵۵ یہی کونین کا مالک ہے یہی راس[۱۹] رئیس
کیا مجھے دے گا ترا حاکم ملعون و خسیس کچھ تردد نہیں کہہ دے کہ لکھے پرچہ[۲۰] نویس
ہاں سوئے ابنِ شہنشاہِ عرب جاتا ہوں
لے ستمگر جو نہ جاتا تھا تو اب جاتا ہوں

کہہ کے یہ ڈراب[۲۱] سے غازیؔ نے نکالی تلوار ۵۶ سُرخ آنکھیں ہوئیں ابرو پہ بل آئے اک بار
تن کے دیکھا طرفِ فوجِ امامِ ابرار پاؤں رکھنے لگا بن بن کے زمیں پر رہوار
غل ہوا سیدِ والا کا ولی جاتا ہے
لو طرف دار حسینؑ ابنِ علیؑ جاتا ہے

حُر نے نعرہ کیا، یا حیدرِ صفدر مدد دے ۵۷ وقتِ امداد ہے، یا فاتحِ خیبر مدد دے
زوجِ زہراؑ مدد دے، نفسِ پیمبرؐ مدد دے بندۂ آل ہوں، یا خواجۂ قنبر[۲۲] مدد دے
تن تنہا ہے غلام، اور بہت اظلم ہیں
آئی آواز کہ اے حُر ترے حامی ہم ہیں

مل گئی راہِ خدا واہ رے اقبال ترا ۵۸ پاک عصیاں سے ہوا نامۂ اعمال ترا
جرمِ ماضی ہوئے سب عفو خوشا حال ترا جلد جا جلد، کہ شائق ہے مرا لال ترا
مرد ہے جس کی یہ ہمت یہ ارادہ ہووے
ہاں بہادر تری توفیق زیادہ ہووے

منتظر ہیں ترے سب فوجِ حسینی کے جواں ۵۹ درِ فردوس پہ مشتاق کھڑا ہے رضواں[۲۳]
راہ تکتی ہیں تری دیر سے حورانِ جناں شور کوثر پہ ہے شبیرؑ کا مہماں ہے کہاں
فوجِ قدسی تری ہمت کی ثنا کرتی ہے
فاطمہؑ آج ترے حق میں دعا کرتی ہے

تو بہشتی ہے، یہ کافر ہیں کنشتی، اے حُر ۶۰ مِٹ گئی سب ترے اعمال کی زشتی اے حُر
دیکھ اب صورتِ حورانِ بہشتی اے حُر کس تلاطم میں، بھی ہے تری کشتی، اے حُر
غضب اللہ کا، شبیرؑ کی ناراضی ہے
پنجتن تجھ سے ہیں، راضی تو خدا راضی ہے

اور بالیدہ ہوا سُن کے یہ مژدہ وہ ہژبر ۶۱ دل بیتاب پکارا کہ نہیں طاقتِ صبر
اب تو اس فوج میں اک دم کی بھی تعویق ہے جبر قعرِ دوزخ ہے، مسلماں کے لئے صحبتِ گبر
ہاں اُٹھا باگ، جو شیدائے شہِ عالی ہے
فوجِ اللہ و نبیؐ میں، تری جا خالی ہے

سُن کے یہ باگ جو لی، اسپِ سبک تاز اُڑا ۶۲ ڈر سے رنگِ عمرِ شعبدہ پرداز اُڑا
کیا اُڑا رخش، کہ طاؤس بصد ناز اُڑا دی پرندوں نے یہ آواز کہ شہباز اُڑا
باغِ زہرا میں، نسیمِ سحری جاتی ہے
غل تھا دربارِ سلیماںؑ میں پری جاتی ہے

کیا دو تین رسالوں نے تعاقب ہر چند ۶۳ حُر کا ہاتھ آنا تو کیسا نہ ملی گردِ سمند
کہتے تھے شرم سے وہ لے کے جو دوڑے تھے کمند یہ چھلاوا تھا کہ آندھی، یہ فرس تھا کہ پرند
کیا سبک سوئے چمن بادِ بہاری پہونچی
ہم یہیں رہ گئے واں حر کی سواری پہونچی

یاں ہوئے علمِ امامت سے شہِ دیں آگاہ ۶۴ ہنس کے عباسؑ سے فرمایا کہ اے غیرتِ ماہ
میرے لشکر کی طرف ہے رُخِ حُرِّ ذی جاہ سب سے کہدو کہ نہ روکے کوئی اس شخص کی راہ
جاؤ لینے کو عجب رتبہ شناس آتا ہے
میرا مہماں، مرا عاشق، مرے پاس آتا ہے

ذکر یہ تھا کہ صدا دُور سے آئی اِک بار ۶۵ الغیاث اے جگر و جانِ رسولِ مختار
مجرم ایسا ہوں کہ عصیاں کا نہیں جس کے شمار عفو کر عفو کر، اے چشمۂ فیضِ غفار
پار دریائے خطا سے مری کشتی ہو جائے
دوزخی بھی ترے صدقے سے بہشتی ہو جائے

کئی روزوں سے تلاطم میں ہوں اے شاہنشا ؟ ۶۶ مدد اے نوحِ غریباں، مرا بیڑا ہے تباہ
دست و پا گم ہیں کچھ ایسے کہ نہیں سوجھتی راہ شور کرتا ہوں کہ بتلائے کوئی جائے پناہ

ابرِ رحمت کی طرف جا یہ صدا دیتے ہیں
سب ترے دامنِ دولت کا پتا دیتے ہیں

ترے دامن کے نثار اے مرے آقائے جلیل ۶۷ رحم کر رحم کہ شرمندہ ہے یہ عبدِ ذلیل
دل خنک ہوئے جو نکلے کوئی کوثر کی سبیل جان آجائے جو مولائے دو عالم ہوں کفیل

نہ وزیروں میں یہ ہمت نہ شہنشاہ میں ہے
سب مرے درد کا درماں تری درگاہ میں ہے

خلق میں آپ کے والد[ع] کا کرم ہے مشہور ۶۸ بات میں بخشدیئے سینکڑوں بندوں کے قصور
مجھ سے ہیں باگ پکڑ لینے پہ آزردہ حضور بخشدیجے تو کرم سے نہیں کچھ آپ کے دور

یہ تو کیونکر کہوں، میں لائقِ تعزیر نہیں
مگر اشوؔد سے زیادہ مری تقصیر نہیں

اے مددگار و معین الضعفا[۲۹]، ادرکنی ۶۹ اے خبر گیر گروہِ غربا، ادرکنی
پاؤں لغزش میں ہیں اے دست خدا، ادرکنی ہاتھ باندھے ہوں میں اے عقدہ کشا، ادرکنی

دیجئے حُر کو سند نار سے آزادی کی
آیئے جلد خبر لیجئے فریادی کی

مرے اعمال میں ہر چند سراسر ہے بدی ۷۰ ہوں گنہ گارِ خدائے ازلی و ابدی
آپ ہیں مالکِ سرکارِ جنابِ احدی اے خداوندِ جہاں خذ بیدی[۳۱] خذ بیدی

جو تہی دست ہیں تکتے ہیں شہنشاہ کا ہاتھ
آپ کا ہاتھ زمانے میں ہے اللہ کا ہاتھ

ایک یہ خستہ تن اور درپئے جاں لاکھ حریف ۷۱ اے سلیماں کہیں پامال نہ ہو مورِ[۳۲] ضعیف
چھوڑ کر آپ کی سرکار کہاں جائے نحیف کیجئے اب نظرِ لطف، کہ ہوتا ہے خفیف

ہوں سرافراز جو اتنا ہی کرم ہو جائے
نام قنبر کے غلاموں میں رقم ہو جائے

استغاثہ یہ کیا حُر نے جو بادیدۂ نم ۲، آگیا جوش میں اللہ کا دریائے کرم
خود بڑھا ہاتھوں کو پھیلائے شہنشاہِ اُمم حُر کو یہ ہاتفِ غیبی نے صدا دی اس دم

شکر کر سبطِ رسول الثقلینؑ آتے ہیں
لے بہادر ترے لینے کو حسینؑ آتے ہیں

حُر نے دیکھا کہ چلے آتے ہیں پیدل شبیرؑ ۳، دوڑ کر چوم لئے پائے شہِ عرشِ سریر
شہ نے چھاتی سے لگا کر کہا اے باتوقیر میں نے بخشی، مرے اللہ نے بخشی تقصیر

میں رضامند ہوں کس واسطے مضطر ہے تو
مجھ کو عباسؑ دلاور کے برابر ہے تو

کس کے کیوں باندھا ہے ہاتھوں کو میں ہوتا ہوں خجل ۴، سہل کر دیں اسے گر اور کوئی ہو مشکل
بھائی آ، مجھ سے بغل گیر تو ہو، کھول کے دل غافر و راحم و تواب ہے ربِ عادل

جُرم سب محو کئے حق نے ترے دفتر سے
آج پیدا ہوا گویا شکمِ مادر سے

حُر پکارا بابی انت و امی یا شاہ ۵، قابلِ عفو نہ تھے بندۂ آثم کے گناہ
مجھ سے گمراہ کو اک آن میں مل جائے یہ راہ سب ہے صدقہ انھیں قدموں کا خدا ہے آگاہ

مہر ذرے پہ جو ہو نیرِ تاباں ہو جائے
آپ جس مور کو چاہیں وہ سلیماں ہو جائے

کون مقداد تھے سلمانؓ و اباذرؓ تھے کون ۶، آپ فرمائیں کہ عمارؓ دلاور تھے کون
خود غلام ہیں جو تھے مالکِ اشترؓ تھے کون اے خداوندِ جہاں حضرتِ قنبر تھے کون

انھیں قدموں کا تصدق تھا کہ ممتاز ہوئے
اسی سرکار کے خلعت سے سرافراز ہوئے

شہ نے فرمایا کہ خالق کی عنایت ہے یہ سب ۷، دے کسی شخص کو بندے میں یہ مقدور ہے کب
اس مسبب کی عنایت کے یہ سارے ہیں سبب وہی منعم، وہی محسن، وہی رازق، وہی رب

اپنے کیسے سے نہ دام اور درم دیتے ہیں
جب وہ خالق ہمیں دیتا ہے تو ہم دیتے ہیں

لاکھ ہاتھ اس کے ہیں دینے کے وہ ایسا ہے جواد ۷۸ ہم اسے بھولیں تو بھولیں، وہ نہیں(ف) رکھتا ہے یاد
رِزق وہ حوصلۂ حرص سے دیتا ہے زیاد شکر کرتے نہیں معبود کا اس پر بھی عباد
وہ غنی ہے کہ ہے محتاج زمانہ اس کا
کبھی خالی نہیں ہوتا ہے خزانہ اس کا

جس قدر اس سے طلب کیجئے خوشنود ہے وہ ۷۹ صاحبِ جود ہے، وہاب ہے، محمود ہے وہ
ہاتھ پھیلائے جو سو بار تو، موجود ہے وہ بخش دیتا ہے کہ ہم عبد ہیں، معبود ہے وہ
پرورش جُرم پہ بھی، صبح و مسا ہوتی ہے
یاں سے ہوتی ہے خطا، واں سے عطا ہوتی ہے

کہہ کے یہ ساتھ لئے حُر کو چلے شاہِ اُمم ۸۰ ہاتھ میں ہاتھ تھا مہمان کا، اللہ رے کرم
راس و چپ قاسمؑ و اکبرؑ تھے، زہے شان و حشم سر پہ کھولے ہوئے تھے حضرتِ عباسؑ علَم
دُور سے اہلِ خطا، تیر جو برساتے تھے
رفقا سائے میں ڈھالوں کے لئے آتے تھے

لائے اس عزت و حُرمت سے جو مہماں کو امام ۸۱ بولے عباسؑ کمر کھول، اب اے نیک انجام
شہ نے فرمایا مناسب ہے کوئی دم آرام عرض کی حُر نے کمر خلد میں کھولے گا غلام
فاتحہ پڑھ کے، یہ شمشیر و سپر باندھی ہے
آج اس عزم پہ خادم نے کمر باندھی ہے

ہے بہت شمر و عمر سے مجھے لڑنے کی اُمنگ ۸۲ ایک ہی وار میں دونوں کا کروں گا چورنگ
لشکرِ شام سے پیہم چلے آتے ہیں خدنگ شاہزادوں کی سپر ہوں کہ عبادت ہے جنگ
لیکن ایسا نہ ہو کچھ کوئی بے جاں ہو جائے
پہلے یہ تازہ غلام آپ پہ قرباں ہو جائے

شہ نے فرمایا کہ، دشوار ہے فرقت تیری ۸۳ مجھکو مر کر بھی نہ بھولے گی محبت تیری
وا دریغا، ہوئی کچھ ہم سے نہ خدمت تیری خیر فردوس میں ہو جائے گی دعوت تیری
آج رُتبہ ترا خیلِ شہدا میں ہوگا
شب کو تو صحبتِ محبوبِ خدا میں ہوگا

تجھ پہ مخفی نہیں مغتنم سے جو کچھ ہے مرا حال ۸۴ راہیں ہر سمت کی روکے ہوئے ہیں اہلِ ضلال
قحط پانی کا ہے اس دشت میں گندم کا ہے کال نانِ جَو کا بھی ہے ملنا کسی قریے میں محال
سب کو ایذا عوضِ آب و غذا ملتی ہے
دودھ اصغرؑ کو نہ عابدؑ کو دوا ملتی ہے

حُر نے رو کر سرِ تسلیم جُھکایا بہ ادب ۸۵ شہ نے رومال رکھا آنکھوں پہ رونے لگے سب
جب چڑھا گھوڑے پہ وہ عاشقِ سلطانِ عرب شاہ بولے کہ عجب دوست چھٹا ہائے غضب
دم بہ دم یاں سے جو آوازِ بُکا جاتی تھی
گریۂ آلِ محمدؐ کی صدا آتی تھی

حُر چلا فوجِ مخالف پہ اُڑا کے توسن ۸۶ چوکڑی بھول گئے جس کی تگاپو سے ہرن
وہ جلال اور وہ شوکت، وہ غضب کی چِتون ہاتھ میں تیغ، کماں دوش پہ، بَر میں جوشن
دوسرے دوش پہ شملے کے جو بل کھاتے تھے
کاکلِ حُور کے سب پیچ کھلے جاتے تھے

زورِ بازو کا نمایاں تھا بھرے شانوں سے ۸۷ دستِ فولاد دبا جاتا تھا دستانوں سے
بر چھیوں اُڑتا تھا دب دب کے فرس رانوں سے آنکھ لڑ جاتی تھی دریا کے نگہبانوں سے
خودِ رومی کی جو ضو تا بہ فلک جاتی تھی
چشمِ خورشید میں بجلی سی چمک جاتی تھی

نیزۂ حُر کی سناں پر نہ ٹھہرتی تھی نگاہ ۸۸ تھا یہ ظاہر کہ نکالے ہے زباں مارِ سیاہ
قبضۂ تیغ پہ رکھے تھی سرِ عجز پناہ آفتابی وہ سپر جس سے خجل گردۂ ماہ
قدر اندازوں کو جانوں کے اُدھر لالے تھے
تیر ترکش میں نہ تھے آگ کے پرکالے تھے

رَن میں جب شہ کی طرف سے حُرِ دیں دار آیا ۸۹ کس بشاشت سے اُڑاتا ہوا رہوار آیا
قتل ہوا سیّدِ مظلوم کا، غم خوار آیا مطلع دوم جاں نثارِ خلفِ حیدرِ کرارؑ آیا
مُتّقی نورِ سرِ راہ نظر آتا ہے
جلوۂ قدرتِ اللہ نظر آتا ہے

آنے جانے کا بہادر کے کروں کیا مذکور ۹۰ پہلے کچھ اور ہی جلوہ تھا پر اب اور ظہور
اے خوشا رتبۂ فیضِ قدمِ پاکِ حضور غل تھا آتا ہے ٹک پہنے ہوئے خلعتِ نور
صحبتِ اہلِ ولا، دل کو جلا کرتی ہے
مس کو اک آن میں اکسیر طلا کرتی ہے

واہ کیا فیض ہے، سرکارِ شہِ عالم میں ۹۱ ذرۂ خاک کو خورشید کیا، اک دم میں
نور یہ حور میں دیکھا، نہ بنی آدم میں یہ وہی حُرِ جری ہے جو ابھی تھا ہم میں
تن ہے خوش بو، رُخِ گل رنگ تر و تازہ ہے
خاکِ نعلینِ مبارک کی عجب غازہ ہے

مہر ذرہ ہے جہاں، چہرۂ روشن ایسا ۹۲ چاند بھی جس سے کرے کسبِ ضیا، تن ایسا
حرز ہو، بازوئے داؤدؑ کا جوشن ایسا ہوش پریوں کے اُڑے جاتے ہیں توسن ایسا
گلشنِ دہر میں لو بادِ بہاری آئی
قاف میں غل ہے سلیماں کی سواری آئی

حُر پکارا کہ عجب کہتے ہو بے شک، لاریب[۴۴] ۹۳ دامنِ حضرتِ شبیرؑ نے ڈھانپے مرے عیب
دولتِ دیں سے نہ دامن مرا خالی ہے نہ جیب بارک اللہ کی دیتا ہے صدا ہاتفِ غیب
فیض پا کر پئے شمشیر زنی آیا ہوں
یاں سے محتاج گیا، واں سے غنی آیا ہوں

مجکو خورشید کیا نورِ خدا کی ضو نے ۹۴ نور بخشا قمرِ فاطمہؑ کے پرتو نے
بخت پائے ہیں سکندر کے غلامِ نو نے گنج وہ لایا ہوں، دیکھا جو نہ تھا خسروؔ[۴۵] نے
دور دور آج سے میرا ہے، زمانہ میرا
کبھی خالی نہیں ہونے کا خزانہ میرا

رُخِ روشن کو مرے تکتے ہو کیا حسرت سے ۹۵ مَل کے آیا ہوں منہ اپنا قدمِ حضرت سے
نور وہ ہے جسے دیکھیں، نظرِ رغبت سے وائے وہ لوگ، جو محروم ہیں اِس دولت سے
مجکو بھی دیکھ کے بیدار نہیں ہوتے ہو
ہے غضب آنکھیں تو کھولے ہو، مگر سوتے ہو

جانِ سلطانِ رسالت کو غنیمت جانو ۹۶ پسرِ شاہِ ولایت کو غنیمت جانو
نورِ خالق کی زیارت کو غنیمت جانو قمرِ برجِ امامت کو غنیمت جانو
ساتھ اس کے برکت خلق سے اُٹھ جائے گی
پھر جو ڈھونڈو گے یہ دولت تو نہ ہاتھ آئے گی

ایک سیّد کے مِٹا دینے میں ہے کونسا نام ۹۷ اس ہوا پر ہو کہ بجھ جائے چراغِ اسلام
گر ہو دانا تو کہو بد ہے کہ ہے نیک یہ کام خوش نما کب ہے وہ تسبیح، نہ ہو جس میں امام
شکرِ اعدا جنابِ [illegible] کرتے ہیں
پیشوا سے، کہیں پیرو بھی بدی کرتے ہیں

یہ سخن سُن کے پکارا پسرِ سعدِ شریر ۹۸ ہاں طرف دارِ شہِ دیں پہ چلیں نیزہ و تیر
لئے حربوں کو بڑھا فوج کا انبوہِ کثیر فاتحہ پڑھ کے، جواں مرد نے کھینچی شمشیر
حُر کا منہ سُرخ ہوا، فوجِ ستم زرد ہوئی
شعلۂ تیغ سے بجلی کی چمک گرد ہوئی

رعد تھرا گیا نعرے جو سُنے ضیغم کے ۹۹ استخواں کانپ گئے زیرِ زمیں رستم کے
تہ و بالا ہوئیں لشکر کی صفیں جم جم کے برقِ شمشیر سے ڈر ڈر کے فرس بھی چمکے
نوبتِ جنگ نہ آئی تھی کہ دل ٹوٹ گئے
بیرقیں گر گئیں ہاتھوں سے نشاں چھوٹ گئے

چھیڑ کر باگ، فرس کو جو ذرا گرمایا ۱۰۰ غیظ میں آن کے گھوڑا بھی غضب کف لایا
شیر سا فوجِ مخالف پہ جھپٹ کر آیا روند ڈالا اسے دم میں، جسے سرکش پایا
اس کا قاتل تھا جو دشمن شہِ عالی کا تھا
کاٹ ہر نعل میں شمشیرِ ہلالی کا تھا

حشر برپا تھا کہ تیغِ حُرِ ذی جاہ چلی ۱۰۱ آگ برسانے کو بجلی سوئے جنگاہ چلی
کس کرشمے سے وہ لیلیٰ ظفر، راہ چلی گرتھمی گاہ بڑھی گاہ رُکی گاہ چلی
زخم سینوں کے گریباں کی طرح پھٹتے تھے
چال کیا تھی کہ ہزاروں کے گلے کٹتے تھے

کیں صفیں صاف، مگر مُنہ کی صفائی نہ گئی ١٠٢ کج ادائی کو نہ چھوڑا، وہ لڑائی نہ گئی
کاٹ چھانٹ اور وہ لگاوٹ وہ رُکھائی نہ گئی سیکڑوں خون کئے اور کہیں آئی نہ گئی

شور تھا برق، پئے جلوہ گری نکلی ہے
جان لینے کو، اجل بن کے پری نکلی ہے

جس طرف دیدۂ جوہر سے نظر کرتی ہے ١٠٣ پل نہ گذرے کہ صفیں، زیر و زبر کرتی ہے
چشم ہر چند کہ پتلی کو، سپر کرتی ہے ہے وہ طرار، کہ آنکھوں میں یہ گھر کرتی ہے

اس کے افسوں سے، جو ساحر ہو تو جل جاتا ہے
سحر پریوں کا اسی طرح سے چل جاتا ہے

پھُنکے بجلی کو یہ اس آگ کی ہے، پرکالا ١٠٤ کاٹ جائے تو کبھی لہر نہ لے پھر کالا
برچھیاں چل گئیں اس پر جسے دیکھا بھالا آ گیا دام میں جس شخص پہ ڈورا ڈالا

اس کے پانی میں کفِ مارِ سیہ گھولا ہے
باڑھ ہے یا ملک الموت نے منہ کھولا ہے

آئی جس غول پہ لاشوں سے زمیں پاٹ گئی ١٠٥ دست و پا، صدر و کمر، گردن و سر کاٹ گئی
چاٹ ایسی تھی لہو کی، کہ صفیں چاٹ گئی دیکھی تیغوں کی جدھر باڑھ، اسی گھاٹ گئی

جس پہ جاتی تھی، نہ بے جان لئے پھرتی تھی
ایک بجلی تھی، مگر لاکھ جگہ گرتی تھی

گل نئے پھولے جو برچھی پہ لگا پھل اُس کا ١٠٦ زور دکھلاتا تھا، ہر ضرب میں کس بل، اس کا
ڈھیر تھا خاک پہ کاٹا ہوا جنگل، اُس کا جو بڑھا جنگ میں قصہ ہوا فیصل اس کا

شور تھا دیکھیئے کیوں کر یہ بلا ٹلتی ہے
اس قدر جلد تو شیغی بھی نہیں چلتی ہے

جنگ میں تیغ کو دعویٰ تھا کہ یکتا ہوں میں ١٠٧ سر اُٹھایا تھا یہ گھوڑے نے کہ عنقا ہوں میں
چرخ کہتا تھا کہ یارب تہ و بالا ہوں میں برق کہتی تھی کہ تلوار ہے یہ، یا ہوں میں

کس میں ہے یہ، جو تڑپ زیرِ فلک میری ہے
تیغ کرتی تھی اشارہ، یہ چمک میری ہے

نہ تھمی سنگ سے وہ اور نہ رُکی آہن سے ۱۰۸ ہاتھ اُڑا لے گئی پہونچوں سے تو سر گردن سے
نہ اُٹھی اس کی کڑی ضرب، کسی جوشن سے چل گئی بادِ مخالف جدھر آئی، سَن سے
جوشِ طوفاں کا دکھا کر وہ خوش اسلوب گئی
خوں کے دریا میں ہر ایک کشتیٔ تن ڈوب گئی

کثرتِ جوہرِ ذاتی سے گو وہ جال میں تھی ۱۰۹ پر تڑپ صورتِ ماہی وہی ہر حال میں تھی
تھی چمک جانے میں بجلی، تو پری چال میں تھی کبھی مغفر میں، کبھی سر میں، کبھی ڈھال میں تھی
کہیں دم لینے کی مہلت تھی نہ بسمل کے لئے
تھی جگر کے لئے برچھی تو چھری دل کے لئے

صید کرنے کو جدھر صورتِ شہباز آئی ۱۱۰ لاکھ تڑپا پہ نہ بے جان لئے باز آئی
غل ہوا شہ پرِ شاہیں کے تلے، قاز آئی اُڑ گیا طائرِ جاں، اور نہ آواز آئی
گرچہ قبضے میں لئے تھی اسے پر چھوڑ دیا
تھا زبس صیدِ زبوں، کاٹ کے سر چھوڑ دیا

آب نے آتشِ سوزاں کا اثر دکھلایا ۱۱۱ تاب نے مرگِ مفاجات کا گھر، دکھلایا
باڑھ نے جادۂ صحرائے سقر، دکھلایا گھاٹ نے آئینۂ فتح و ظفر، دکھلایا
تیغ کہتی تھی درِ فتح کی مفتاح ہوں میں
قول قبضے کا یہ تھا قابضِ ارواح ہوں میں

خم وہ پایا تھا کہ شرمائے ہلالِ مہِ عید ۱۱۲ حُر کے ہاتھ آ گئی تھی گلشنِ جنت کی کلید
جرش ایسی تھی کہ کٹ کٹ گئی سب فوجِ یزید جامۂ کفر کے پُرزے تھے زہے قطع و بُرید
نہ بچا تارِ نفس، خلق میں، جینے کے لئے
چاک زخموں کے فقط رہ گئے سینے کے لئے

کئی حملے کئے پیہم جو کمانداروں پر ۱۱۳ چل گئے تیر ملامت کے خطاکاروں پر
چٹکیاں سب کی دھری رہ گئیں سوفاروں پر رُخ پھرا تھا کہ گری برقِ ستم گاروں پر
جل کے خرمن ہوا یوں خاک کہ خوشہ نہ ملا
کشمکش میں کہیں چھپنے کو بھی گوشہ نہ ملا

۱۱۴ دم میں اس شیرِ نیستاں نے قلم کرڈالے — نیزۂ فوجِ ستمگار تھے دیکھے بھالے
آفتِ مرگ کو سر سے کوئی کیوں کر ٹالے — گرچہ تھے جان لڑائے ہوئے لڑنے والے
جب سواروں کے پرے جنگ پہ تُل جاتے تھے
بند سب ناخنِ شمشیر سے کھل جاتے تھے

۱۱۵ تھی نئی آمد و رفت اور نئی طرح کی چال — الف گرز کو کر دیتی تھی ہر ضرب میں دال
کہیں تلوار، کہیں خنجرِ برّاں، کہیں ڈھال — کہیں برچھی کی انی تھی تو کہیں تیر کی بھال
ضرب کو روک کے دشمن کو فنا کرتی تھی
دم بہ دم فوجِ ستم گر بھی ثنا کرتی تھی

۱۱۶ جل بجھی کشتیِ تن خون میں طوفانی ہے — شور تھا آگ ہے تلوار میں یا پانی ہے
کہتا تھا حُر، یہ فقط قوتِ ایمانی ہے — ضرب میں فرد ہے یہ، زور میں لاثانی ہے
زور تھا مجھ میں نہ ایسا، نہ وغا کی طاقت
سب ہے یہ سبطِ پیمبرؐ کی دعا کی طاقت

۱۱۷ ورطۂ قلزمِ آفت میں گہر ڈوب گیا — کہہ کے یہ فوج میں پھر تشنہ جگر ڈوب گیا
کشمکش تھی کہ عرق میں گلِ تر ڈوب گیا — لشکرِ شام کے بادل میں قمر ڈوب گیا
تھا کبھی شیر سا بپھرا ہوا شمشیروں میں
کبھی نیزوں کے نیستاں میں کبھی تیروں میں

۱۱۸ کبھی اس صف میں در آیا کبھی روندی وہ صف — گہ چھپا اور کبھی نکلا وہ مہِ برجِ شرف
کبھی نعرہ تھا کہ صدقے ترے یا شاہِ نجف — کبھی دریا کے کنارے کبھی صحرا کی طرف
جتنے مجروح تھے دم اُن کے نکل جاتے تھے
شیر بھی نامِ علیؑ سُن کے دہل جاتے تھے

۱۱۹ سرکی جاتی تھی زمیں رن کی غضب تھی ہل چل — نخل تھرّاتے تھے سب گونج رہا تھا جنگل
منہ کے بل گرتا تھا کوئی تو کوئی سر کے بَل — کوند جاتی تھی، سروں پر جو وہ شمشیرِ اجل
حشر برپا تھا سواروں پہ فرس لوٹتے تھے
دو پہ چار، ایک پہ دو، پانچ پہ دس لوٹتے تھے

بڑھ کے فرماتے تھے عباسؑ، زہے عزت و جاہ ۱۲۰ بارکؑ اللہ کی دیتا تھا صدا دلبرِ شاہ
کہتے تھے ابن حسنؑ، واہ حرِ غازی، واہ شاہ ہر ضرب پہ فرماتے تھے، ماشاء اللہ
اپنی جاں بازی کا غازی جو صلہ پاتا تھا
مسکراتا ہوا تسلیم کو جھک جاتا تھا

حیف، جھکنے میں لعینوں نے جو فرصت پائی ۱۲۱ سامنا چھوڑ کے سب فوج، عقب سے آئی
لاکھ خوں ریز اُدھر، اور اِدھر تنہائی باگ گھوڑے کی پھراتا تھا کہ برچھی کھائی
آ گیا موت کے پنجے میں نہ کچھ دیر لگی
فرق پر گرز لگا دوش پہ شمشیر لگی

سینہ غربال ہوا، تیر چلے اعدا کے ۱۲۲ رکھ دیا حر نے قربوس پہ سر منہ موڑا کے
علی اکبرؑ نے یہ حضرت سے کہا چلّا کے گر ہو ارشاد تو مہماں کو سنبھالوں جا کے
خانۂ زیں سے عدم کا سفری گرتا ہے
خاک پر گھوڑے سے اب حرِ جری گرتا ہے

شاہ رونے لگے یہ سنتے ہی، مہماں کی خبر ۱۲۳ ہو گئی آنسوؤں سے ریشِ مبارک سب تر
علی اکبرؑ سے کہا تم ابھی ٹھہرو دلبر حر کی امداد کو ہم جائیں گے اے نورِ نظر
کس سے اس وقت کہوں میں، جو قلق مجھ پر ہے
لاش مہماں کی اٹھاؤں گا کہ حق مجھ پر ہے

عرض کی حضرتِ عباسؑ نے جاتا ہے غلام ۱۲۴ جوشِ رقت میں کہا شہ نے نہیں اے گلفام
میری الفت میں ہوا قتل حرِ نیک انجام دوست کیسے، جو بُرے وقت میں ہم آئیں نہ کام
اس پہ جب سخت گھڑی ہو گی تو کام آئیں گے
لاش کیا قبر میں مہمان کی ہم جائیں گے

اس کے لاشے پہ نہ جائیں، یہ مروت سے ہے دُور ۱۲۵ اُس سے ہم شاد ہوئے، وہ بھی تو ہو کچھ مسرور
قصرِ خلد اس کو دکھائیں کہ ہوئے عفوِ قصور سُرخ رُو جاتا ہے دنیا سے وہ خالق کے حضور
ایسا ذی رُتبہ کوئی خلق میں کم نکلے گا
میرے مہماں کا مری گود میں دم نکلے گا

یہ سخن کہہ کے چلے رن کو جنابِ شبیرؑ ۱۲۶ واں گرا خاک پہ گھوڑے سے حُرِ با توقیر
دیکھ کر شاہ کو آتے ہوئے بھاگے بے پیر پہنچے لاشے پہ امامِ دوجہاں وقتِ اخیر
چمنِ ہستیِ مہماں کو اُجڑتے دیکھا
ایڑیاں خاک پہ زخمی کو رگڑتے دیکھا

گر کے لاشے کے برابر یہ پکارے سرور ۱۲۷ ہائے اے میرے مددگار و معین و یاور
گرز کیا تجھ کو لگا ٹوٹ گئی میری کمر گر پڑے گھوڑے سے اور آہ نہ کی ہم کو خبر
دوست کے ہجر میں کس دوست کو چین آیا ہے
کھول دے آنکھوں کو بھائی کہ حسینؑ آیا ہے

واہ رے حُرِ جری میں تری ہمت کے فدا ۱۲۸ اس کو کہتے ہیں محبت اسے کہتے ہیں وفا
ہے یہ بیکس ترا شرمندۂ احساں بہ خدا بس یہی بھائی بھی کرتے ہیں جو کچھ تو نے کیا
حق تعالےٰ چمنِ خلد میں گھر دے بھائی
اس ریاضت کا خدا تجھ کو ثمر دے بھائی

حُر کو چونکا کے حبیب ابنِ مظاہرؑ نے کہا ۱۲۹ آپ بیتاب ہیں اے حُرِ جری ہوش میں آ
دیکھ دیدارِ جگر بندِ جنابِ زہراؑ کوچ درپیش ہے یہ وقت نہیں غفلت کا
دم رُکا ہے تو اشارے سے وصیت کر لے
نزع میں نورِ الٰہی کی زیارت کر لے

کسی آقا نے کبھی کی ہے یہ توقیرِ غلام ۱۳۰ دیکھ تو رحم ترے واسطے روتے ہیں امام
بھائی فرماتے ہیں شفقت سے شہِ عرش مقام اے خوشا حال خدا سب کا کرے نیک انجام
حشر تک خلق میں یہ ذکرِ غم انگیز رہا
تو تو بچپن کے غلاموں سے بھی کچھ تیز رہا

نیم وا چشم سے حُر نے رُخِ مولا دیکھا ۱۳۱ زیرِ سر زانوئے شبیرؑ کا تکیا دیکھا
مسکرا کر طرفِ عالمِ بالا دیکھا شہ نے فرمایا کہ اے حُرِ جری کیا دیکھا
عرض کی حُسنِ رُخِ حور نظر آتا ہے
فرش سے عرش تلک نور نظر آتا ہے

باغ فردوس دکھاتا ہے مجھے اپنی بہار ۱۳۲ صاف نہریں ہیں رواں جھوم رہے ہیں اشجار
شاخوں سے میری طرف بڑھتے ہیں میوے ہر بار حوریں لاتی ہیں جواہر کے طبق بہرِ نثار
ہے یہ رضواں کی صدا دھیان کدھر تیرا ہے
دیکھ اے شاہ کے مہمان یہ گھر تیرا ہے

مجھ کو لینے چلے آتے ہیں فرشتے یا شاہ ۱۳۳ ملک الموت بھی کرتا ہے محبت کی نگاہ
خلد سے شیرِ خدا نکلے ہیں اللہ اللہ لو برآمد ہوئے شبّر بھی پدر کے ہمراہ
نِنھے سر احمد مختار کی پیاری آئی
دیکھئے آپ کے نانا کی سواری آئی

قبلہ رُو کیجئے لاشہ مرا اے قبلۂ دیں ۱۳۴ پڑھیئے یٰسین کہ اب ہے یہ دم بازپسیں
کوچ نزدیک ہے اے بادشہِ عرش نشیں لیجئے تن سے نکلتی ہے مری جانِ حزیں
بات بھی اب تو زباں سے نہیں کی جاتی ہے
کچھ اثر عادیجئے مولا مجھے نیند آتی ہے

کہہ کے یہ گود میں شبیرؑ کے لی انگڑائی ۱۳۵ آیا ماتھے پہ عرق چہرے پہ زردی چھائی
شہ نے فرمایا ہمیں چھوڑ چلے کیوں بھائی چل بسے حرِؑ جری پھر نہ کچھ آواز آئی
طائرِ رُوح نے پرواز کی طوبیٰ کی طرف
پتلیاں رہ گئیں پھر کر شہِ والا کی طرف

بس انیسؔ اب یہ دعا مانگ کہ اے ربِّ عباد ۱۳۶ لکھنؤ کے طبقے کو تو سدا رکھ آباد
رونے والے شہِ والا کے رہیں خلق میں شاد اُن کے سائے میں برومند ہو اُن کی اولاد
عشرۂ ماہِ عزا نالہ کشی میں گذرے
سال بھر شہ کے غلاموں کو خوشی میں گذرے

مرثیہ (۷)

طے کر چکا جو منزلِ شب کاروانِ صبح ۱ ہونے لگا افق سے ہویدا، نشانِ صبح
گردوں سے کوچ کرنے لگے اخترانِ صبح ہر سو ہوئی بلند صدائے اذانِ صبح
پنہاں نظر سے روئے شبِ تار ہو گیا
عالم تمام، مطلعِ انوار ہو گیا

خورشید نے جو رُخ سے اُٹھائی نقابِ شب ۲ در کھل گیا سحر کا، ہوا بند بابِ شب
انجم کی فردِ فرد سے لے کر حسابِ شب دفتر کشائے صبح نے اُلٹی کتابِ شب
گردوں پہ رنگِ چہرۂ مہتاب فق ہوا
سُلطانِ غرب و شرق کا نظم و نسق ہوا

پہونچا جو مُہرِ مہر سے فرمانِ عزلِ شب ۳ گردوں پہ عاملانِ سحر کا ہوا نصب
منشیِ آسماں مع دفتر ہوا طلب بس جا بہ جا سے اُٹھ گئی انجم کی فوج اب(الف)
تا صبح، فرد فرد میں بیگانگی ہوئی
برخاست کی چراغوں کو پروانگی ہوئی

یوں گلشنِ فلک سے ستارے ہوئے رواں ۴ چُن لے چمن سے پھولوں کو جس طرح باغباں
آئی بہار میں گلِ مہتاب پر خزاں مُرجھا کے گر گئے، ثمرِ شاخِ کہکشاں
دکھلائے طور بادِ سحر نے سموم کے
پژمردہ ہو کے رہ گئے غنچے نجوم کے

چھپنا وہ ماہتاب کا، وہ صبح کا ظہور یادِ خدا میں زمزمہ پردازیِ طیور
وہ رونق اور وہ سرد ہوا، وہ فضا وہ نور خنکی ہو جس سے چشم کو، اور قلب کو سُرور
انساں زمیں پہ محو، ملک آسمان پر
جاری تھا ذکرِ قدرتِ حق ہر زبان پر

وہ سُرخی شفق کی اُدھر، چرخ پر بہار ۶ وہ بارور درخت، وہ صحرا، وہ سبزہ زار
شبنم کے، وہ گلوں پہ، گہرہائے آبدار   پھولوں سے سب بھرا ہوا، دامانِ کوہسار
نافے کھلے ہوئے وہ گُلوں کی شمیم کے
آتے تھے سرد سرد وہ جھونکے نسیم کے

تھی دشتِ کربلا کی، زمیں رشکِ آسماں   تھا دُور دُور تک شبِ مہتاب کا سماں
چھٹکے ہوئے ستاروں کا ذرّوں پہ تھا گماں   نہرِ فرات بیچ میں تھی، مثلِ کہکشاں
سرسبز جو درخت تھا وہ نخلِ طور تھا
صحرا کے ہر نہال کا، سایہ بھی، نور تھا

وہ سربلند خیمۂ زنگاری امام   جس میں خدا کے عرش کے تاروں کا تھا قیام
کم تھا نہ اس کا، خانۂ کعبہ سے احترام   قدسی طواف کرنے کو آتے تھے، صبح و شام
جلوہ تھا اس میں برجِ امامت کے ماہ کا
درباں تھا جبرئیل اسی بارگاہ کا

گیسوئے حورِ خلد کی ہمسر ہر اک طناب   دریا تھا وہ، تو گنبدِ گردوں تھا، اِک حباب
وہ شان، وہ شکوہ، وہ رفعت، وہ آب و تاب   شمسے جس کے، آنکھ چُراتا تھا آفتاب
پڑھنا درود آ کے ملائک کا وِرد تھا
سائے کے بدلے نور قناتوں کے گِرد تھا

وہ اوج اور وہ قبۂ پُر نور کی جھلک ۱۰ ضَو نور کی، زمین سے تھی، آسماں تلک
دب دب کے سر جھکاتا تھا، بے چوبۂ فلک   اُٹھ اُٹھ کے دیکھتے تھے اسے عرش سے ملک
خوشبو سے ہر بشر کا معطر دماغ تھا
وسعت سے اس کی صحن کا دل باغ باغ تھا

تھا وہ سپہرِ دیں، تو ہر ایک چوب رکنِ دیں ۱۱ چکر میں اس کے دَور سے تھا چرخِ ہفتمیں
تھا در پہ بابِ گلشنِ فردوس کا یقیں   پردے تھے رشکِ پردۂ چشمانِ حورِ عیں
جلوے سے حُسنِ روئے شہِ کائنات کے
آئینہ ہائے نور تھے، قُبّے قنات کے

اس کی زمینِ پاک کو تھا آسماں پہ ناز ۱۲ ساتوں فلک جھکائے ہوئے تھے سرِ نیاز
طوبیٰ سے سربلند، تو کیواں[۱۳] سے سرفراز اور بیچ میں وہ مسندِ شاہنشہِ حجاز
کرسی میں یہ صفا، نہ صباحت یہ عرش پر
دل عرش کا بھی لوٹ گیا اُس کے فرش پر

حاضر درِ حضور پہ، وہ خاصگانِ رب ۱۳ ایک ایک جن میں فخرِ عجم، زینتِ عرب
غربت زدہ، گرسنہ و مظلوم و تشنہ لب سُن کر سحر کا شور، اُٹھے بستروں سے سب
کہتے تھے ہائے جا کے کدھر جستجو کریں
پانی نہیں کہ قبلۂ عالم وضو کریں

نکلے حرم سے کرکے تیمم امامِ پاک ۱۴ سجادے سب نے لا کے بچھائے بروئے خاک
اکبرؑ نے دی اذاں، جو بآوازِ دردناک آنسو بھر آئے، ہو گیا دل غم سے چاک چاک
آگے سبھوں کے شاہِ حجازی کھڑے ہوئے
پیچھے صفیں جما کے نمازی کھڑے ہوئے

آراستہ صفیں تھیں، کہ قرآں کھلا ہوا ۱۵ بسم اللہ آگے[ب] جیسے ہو یوں تھا وہ مقتدا[۱۴]
اور مقتدی تھے سب، عقبِ شاہِ کربلا مصحف کی جس طرح سے ہوں سطریں جدا جدا
جیسا امام ویسے ہی ابرار فوج تھی
ہر صف خدا کے نور کے دریا کی موج تھی

سیدھے کبھی الف کی طرح تھے، وہ خوش خصال ۱۶ جھک جاتے تھے رکوع میں گاہے بشکلِ دال
ختم ہو گئے سجود میں گر صورتِ ہلال پیشانیوں سے صاف عیاں نورِ ذوالجلال
حق سے دعا قنوت میں کوثر کے جام کی
طاعت خدا کی تھی، تو اطاعت امام کی

وہ چاند سے سفید عمامے، رخوں پہ نور ۱۷ دیکھے سے جن کے سیر کبھی ہو نہ چشمِ حور
دیں دار و حق پرست و دل آگاہ و باشعور کریں کیسے جہاد پہ، راحت دلوں سے دور
لب پر درود، اشکوں سے آنکھیں بھری ہوئی
تلواریں سجدہ گاہوں کے آگے دھری ہوئی

حُبِّ حسینؑ دل میں، زباں پہ ذکرِ حق ۱۸ نہ فکر کچھ عیال کی نہ مرگ کا قلق
دیں دار ایسے پھر نہ ہوئے زیرِ نہ طبق حقا کہ سب صحیفۂ ایماں کے تھے ورق
کس آفتِ عظیم میں ثابت قدم رہے
آقا کا دم بھرا کئے جب تک کہ دم رہے

اللہ نے دل اُن کے وفا سے بنائے تھے ۱۹ اور جسمِ پاک خاکِ شفا سے بنائے تھے
سینے خمیرِ صدق و صفا سے بنائے تھے دستِ کرم سخا و عطا سے بنائے تھے
اور لکھ دیا تھا روزِ ازل سرنوشت میں
پہونچیں گے یہ حسینؑ سے پہلے بہشت میں

یاں تھیں صفیں نمازِ جماعت کی، اور اُدھر ۲۰ باندھی تھی فوجِ کیں نے صف آرائی پر کمر
شکلِ ہلال، چڑھتی تھیں تلواریں چرخ پر نیزے بھی تیز ہوتے تھے اور خنجر و تبر
غل تھا کہ آج خون کا دریا بہائیں گے
پیاسے نمازیوں کے گلے کاٹے جائیں گے

نیزوں کی نوکیں آج ہیں، اور آلِ مصطفےٰ ۲۱ تلواروں سے کریں گے قلم، باغِ مرتضےٰ
تیروں سے چھان ڈالیں گے سینہ حسینؑ کا خنجر ہے اور سیدِ لب تشنہ کا گلا
مٹی تلک نہ دیں گے تنِ پاش پاش کو
گھوڑے سے روند ڈالیں گے سید کی لاش کو

یہ ذکر تھا کہ شاہ نے پھیرا اُدھر سلام ۲۲ وہ آخری نمازِ جماعت ہوئی تمام
تسبیحِ فاطمہؑ کو ابھی پڑھتے تھے امام بڑھ بڑھ کے جو لگانے لگے تیر اہلِ شام
اُٹھے نہ شہ، یہ محو تھے یادِ الٰہ میں
یاں تک کہ آئے تیر کئی خیمہ گاہ میں

گرمی کے دن تھے، صحن میں تھے اہلِ بیتؑ سب ۲۳ دیکھے جو تیر آتے، تو حالت ہوئی عجب
چلائیں بیبیاں کہ کدھر جائیں ہے غضب چھپنے کو کوئی امن کا گوشہ نہیں ہے اب
گھبرا کے ننھے بچوں کو سب نے اٹھا لیا
اصغر کو ماں نے چھاتی کے نیچے چھپا لیا

بچوں کو لے کے چھپنے لگے سب اِدھر اُدھر ۲۴ چہروں کے رنگ اُڑ گئے، تھرا گئے جگر
گھبرا کے آئیں ڈیوڑھی پہ زینبؑ برہنہ سر چلاتی تھی، کوئی مرے بھائی کی تو خبر
شاید مسافروں پہ ستم بے سبب ہوا
کس پہ چلے یہ تیر ارے کیا غضب ہوا

لوگو خبر تو لاؤ کدھر ہیں شہِ حجاز ۲۵ دیکھو تو پڑھ چکے کہ نہیں پڑھ چکے نماز
ان تیروں سے بچائے انھیں ربِ بے نیاز اللہ مثلِ خضر کرے عمر کو دراز
جیتے رہیں وہ میری قضا کا بہانہ ہو
بھائی کے بدلے سینۂ زینبؑ نشانہ ہو

جا کے کہے کوئی کہ سکینہؑ ہے، بے قرار ۲۶ اور چونک چونک پڑتا ہے اصغرؑ بھی بار بار
آتے ہیں تیر لشکرِ اعدا سے بے شمار گھر میں وظیفہ آ کے پڑھو تم پہ میں نثار
آئے نہ گر، تو دھیان نہ پردے کا لاؤں گی
خیمے سے میں نکل کے سپر ہونے آؤں گی

یاں اہلِ بیت میں یہ تلاطم تھا اور وہاں ۲۷ مصروفِ ذکرِ حق تھے شہنشاہِ دو جہاں
اُٹھ کر صفِ نماز سے، عباسؑ نوجواں بس جا کھڑے ہوئے عقبِ شاہِ انس و جاں
بھائی بھی تھے، پناہِ شہِ بحر و بر بھی تھے
تلوار بھی حسینؑ کی تھے اور سپر بھی تھے

مڑ کر اشارہ شاہ نے عباسؑ سے کیا ۲۸ پیچھے کھڑے ہو کس لیے، کیوں کیا ہے ماجرا
دست ادب کو جوڑ کے اس شیر نے کہا ہے خیریت، حضور کریں طاعتِ خدا
خیمے میں تہلکہ ہے، حرم غل مچاتے ہیں
پیاسوں پہ تیر لشکرِ اعدا چلاتے ہیں

عباسؑ سے یہ سن کے اُٹھے قبلۂ امم ۲۹ تسبیح جانماز پہ رکھ دی بہ چشمِ نم
رونق فزا ہوئے، طرفِ خیمۂ حرم ڈیوڑھی تک آئے ساتھ رفیقانِ ذی حشم
سب سے کہا کہ بہنوں سے رخصت کو جاتے ہیں
باندھو کمر جہاد پہ تم، ہم بھی آتے ہیں

داخل ہوئے حرم میں جو حضرت بہ چشمِ تر ۴۰ زینبؑ نے لیں بلائیں برادر کی دوڑ کر
رو کر کہا سکینہؑ نے، تم نے نہ لی خبر تیروں سے یاں خدا نے بچایا ہمیں، پدر
لے جاکے ہم کو، کون سی جاگہ چھپاؤ گے
قرباں ہو گئی کہیں اب تو نہ جاؤ گے

سینے میں مارے ڈر کے دھڑکتا ہے دل مرا ۴۱ یہ کس خطا پہ تیر لگاتے ہیں اشقیا
بیٹی سے رو کے کہنے لگے شاہِ کربلا بی بی میں بے قصور ہوں، آگاہ ہے خدا
دشمن تمھارے باپ کے سب اہلِ شام ہیں
قربان ہو پدر، یہ اجل کے پیام ہیں

چھاتی سے تب لپٹ کے یہ بولی وہ دلربا ۴۲ میں صدقے جاؤں مجھ کو تمھاری لگے بلا
اب پھر چلو وطن کی طرف، تم پہ میں فدا شہ نے کہا کہیں نہیں، امن و اماں کی جا
مظلوم ہیں، غریب ہیں، اور دردمند ہیں
پانی بھی ہم پہ بند ہے، رستے بھی بند ہیں

شبیرؑ وعدہ گاہ سے، کس سمت پھر کے جائے ۴۳ دیکھیں گے صبر و شکر سے جو کچھ خدا دکھائے
عاشق وہ ہے، جو راہِ الٰہی میں گھر لٹائے کٹ جائے تن سے سر پہ نہ وعدے میں فرق آئے
خواہانِ مرگ، زیست کی کیا آرزو کرے
نانا کے منہ سے مجھ کو خدا سرخ رو کرے

یہ سن کے اہلِ بیت میں محشر ہوا بپا ۴۴ بانوؑ کے سر سے گرنے لگی خاک پر ردا
زینبؑ پکاری پیٹ کے سر وامحمدا دنیا سے آج کوچ ہے بھائی حسینؑ کا
فرزندِ فاطمہؑ کی بلاؤں کو رد کرو
زینبؑ تباہ ہوتی ہے، نانا مدد کرو

یہ کہہ کے سر پٹکنے لگی، وہ اسیرِ غم ۴۵ چھاتی سے سر لگا کے، یہ بولے شہِ امم
چھوڑ دو سر، تمھیں سرِ شبیرؑ کی قسم یہ کیا غضب ہے جیتے ہیں زینبؑ ابھی تو ہم
لاشے پہ میرے آہ و بکا کر کے روئیو
مر جائے جب حسینؑ تو جی بھر کے روئیو

مر جاؤنگی جو بھائی سے پہلے پٹک کے سر ۳۶ لے گا بتاؤ کون یتیموں کی پھر خبر
چھاتی پہ ہاتھ مار کے بولی وہ نوحہ گر مجھ کو نہ موت آئے گی یا شاہِ بحر و بر
ہر اِک عزیز گنجِ شہیداں میں سوئے گا
بھیا کوئی جنازے پہ میرے نہ روئے گا

زندہ رہوں گی آپ کے بدلے شہِ زمن ۳۷ کیا بازوؤں میں کس کے بندھے گی مرے رسن
ہے ہے کہیں گی بیبیاں جاؤنگی جب وطن بھائی تو قتل ہو گیا جیتی رہی بہن
بھائی کو کھو کے آئی ہے اُجڑے مکاں میں
ایسا نہ سخت جاں کوئی ہوگا جہان میں

طفلی میں ماں کے واسطے روئی بچھا کے صف ۳۸ بیٹھی پسِ جنازۂ شاہنشہِ نجف
زہرِ ستم سے ایک برادر ہوا تلف تیروں سے ایک بھائی کا سینہ ہوا ہدف
دشتِ بلا سے شام تلک ننگے سر گئی
کیا کیا جوان مر گئے اور یہ نہ مر گئی

شہ نے کہا کہ اِس میں بہن اختیار کیا ۳۹ جو مصلحت کریم کی، جو مرضیٔ خدا
بھائی بہن کے سامنے مرتے نہیں ہیں کیا ہو جاتے ہیں جوان پسر باپ سے جُدا
ہم کب گئے جہاں سے نبیؐ و علیؑ کے ساتھ
دنیا میں کون مرتا ہے بی بی کسی کے ساتھ

توڑا ہماری گود میں بھائی حسنؑ نے دم ۴۰ مرنا کچھ ان کا، باپ کے مرنے سے تھا نہ کم
ان کی مفارقت کا ہمیں آج تک ہے غم ہوتا جو اختیار، تو کیا مر نہ جاتے ہم
تڑپے بہت لحد پہ گریبان پھاڑ کے
آخر پھر آئے ان کو بقیعہ میں گاڑ کے

فرما کے یہ امام پہننے لگے لباس ۴۱ پٹکے کے ساتھ پھرتی تھی زینبؑ بھی آس پاس
تھے اہلِ بیت مضطر و حیران و بے حواس لب خشک، رنگ زرد، دلوں پر ہجومِ یاس
شہ دیکھتے تھے ان کو، جو غم کی نگاہ سے
بچے بلک بلک کے لپٹتے تھے شاہ سے

کوئی تو رشک مہر، کوئی غیرتِ قمر ۴۲ تسمے باندھے بھائی بند کھڑے تھے جھکائے سر
گیسوئے پیچدار لٹکتے تھے دوش پر تن پر سجے سلاح، کسے جنگ پر کمر
منھ پھیر پھیر کر، جو وہ میداں کو تکتے تھے
جن کے پسر تھے ان کے کلیجے دھڑکتے تھے

خوش ہوتی تھی کبھی، کبھی روتی تھی زار زار ۴۳ اکبر کی شان دیکھ کے، بانوئے نامدار
صدقے میں تیرے، اور تری شان کے نثار لے کر بلائیں دور سے کہتی تھی بار بار
شان آخری شباب کی ماں کو دکھاتے ہو
دولہا بنے، جوانی میں مرنے کو جاتے ہو

قبضہ میں تیغ، بر میں زرہ، دوش پر کماں ۴۴ سب سے جدا تھی شوکتِ عباسؑ نوجواں
رہ رہ کے دیکھتے تھے شہنشاہِ دوجہاں حمزہؓ کا رعب، شوکتِ جعفرؑ علیؑ کی شاں
شان و شکوہ ختم تھی اس خوش نہاد پر
گویا کمر علیؑ نے کسی تھی جہاد پر

لاؤ تبرکات کا صندوق، اے بہن ۴۵ زینبؑ سے رو کے کہنے لگے سرورِ زمن
اکبر کو دو عمامۂ محبوبِ ذوالمنن قاسم کو تم پہناؤ قبائے تنِ حسنؑ
ہم کو علیؑ کی تیغ دو دم لاکے دو بہن
عباسؑ نامور کو علم لاکے دو بہن

جعفرؑ کے مرتبہ کا سزاوار ہے یہی ۴۶ اس منصبِ بزرگ کا مختار ہے یہی
روزِ ازل سے میرا علمدار ہے یہی آلِ نبی کا مونس و غمخوار ہے یہی
بھائی بھی ہے، جری بھی ہے، اہلِ وفا بھی ہے
حکمِ علیؑ بھی ہے یہی، حکمِ خدا بھی ہے

یعنی کہ ہم ہیں جعفرؑ و حیدرؑ کے وارث دار ۴۷ منہ ماں کا دیکھنے لگے زینبؑ کے گلعذار
حکمِ امام دیں میں مجھے کیا ہے اختیار ماں نے کیا اشارہ کہ اس عزم کے نثار
چپکے کھڑے رہو نہیں جا کر کلام کی
واجب ہر امر میں ہے اطاعت امام کی

دو روز سے ضعیف ہو آب و طعام بن ۴۸ قابل علم اٹھانے کے، کب ہیں تمھارے سن
صدقے گئی نہ پاؤ گے پھر اس طرح کا دن ظاہر ہے تم پہ، رتبۂ سلطانِ انس و جن
جعفرؑ کے ورثہ داروں میں تم لا کلام ہو
پر کیا شرف یہ کم ہے کہ شہؑ کے غلام ہو

عباسؑ کوئی اور ہے پیارا کرو تو غور ۴۹ میں آپ کہتی بھائی سے، ہوتا جو کوئی اور
شاید انھیں سے صلح کا بن جائے کوئی طور ہے تین دن سے بھائی پہ ظلم و جفا و جور
بچے ہو تم کو فکر ہے نام و نشان کی
مجھ کو پڑی ہے سبطِ پیمبرؐ کی جان کی

لے آئیں ذوالفقار ید اللہ اور علم ۵۰ سمجھا کے دونوں بیٹوں کو اپنے بچشمِ نم
شانِ علم کو دیکھ کے روئے شہِ امم قبضہ کو اس کے شاہ نے چوما بہ درد و غم
پنجہ کی تا بہ چرخِ چہارم ضیا گئی
بوئے علیؑ علم کے پھریرے سے آگئی

نہوڑائے سر حضور میں آئے بصد ادب ۵۱ عباسؑ کو امام نے آگے کیا طلب
اس عہدۂ جلیل کے تھے آرزو میں سب بھائی سے رو کے کہنے لگے شاہِ تشنہ لب
یہ مرتبہ کسی کو، مقدر نے کم دیا
لو ہم نے اپنی فوج کا تم کو علم دیا

بندے پہ بچپنے سے عنایت کی ہے نظر ۵۲ کی عرض اس جری نے قدم پر جھکا کے سر
میں اور، حاملِ علمِ سیدالبشر مشہور ہوں غلامِ شہنشاہِ بحر و بر
ذرے پہ کی یہ مہر کہ خورشید کر دیا
دامن کو میرے دولتِ ایماں سے بھر دیا

مدِ نظر رہی ہے مری پرورش سدا ۵۳ کس منہ سے شکرِ بندہ نوازی کروں ادا
اے افتخارِ خلق، دو عالم کے مقتدا سب بادشاہ اس درِ دولت کے ہیں گدا
طوبیٰ سے اس نشان کا سایہ بلند ہے
اس وقت عرش سے مرا پایہ بلند ہے

فرطِ خوشی سے سر کو اُٹھا کر وہ ذی وقار ۵۴ ہمشیر کے قدم پہ گرا، با صد افتخار
زینبؑ بلائیں لے کے یہ بولیں کہ میں نثار بھیا خدا کے واسطے بھائی سے ہوشیار
ایذا ہو دُھوپ سے، نہ شہ خوش خصال کو
رکھیو علَم کے سائے میں زہرؑا کے لال کو

گھر میں سلامت آئیں گے جب سرورِ امم ۵۵ تب دوں گی تم کو تہنیتِ عہدۂ علَم
ہاتھوں کو جوڑتی ہے یہ بھینا اسیرِ غم کیجو صلاحِ صلح، کہ لشکر اُدھر ہے کم
تم سے بڑی اُمید ہے زہرؑا کی جائی کو
بھیا تمھیں سے لے گی بہن اپنے بھائی کو

عباسؑ بولے، بھائی نہیں، میں تو ہوں غلام ۵۶ سُن لیجئے گا، جنگ میں جو کچھ کروں گا نام
بھر جائے دشمنوں سے جو ہوئے زمیں تمام کیا منہ کوئی، جو دیکھ سکے جانبِ امام
بچّے فدا ہیں جان فدا گھر نثار ہے
ہر موئے تن پہ شہ کے، مرا سر نثار ہے

اتنے میں پاس آکے سکینہ نے یہ کہا ۵۷ چہرے کی لوں بلائیں، میں صدقے جھکو ذرا
عہدہ علَم کا تم کو مبارک ہو اے چچا میں نے دُعائیں کی ہیں کہو مجھ کو دو گے کیا
میداں کا رُخ کرو گے کہ دریا پہ جاؤ گے
کیا اب بھی تم نہ پیاس ہماری بُجھاؤ گے

بِن پانی اینٹھی جاتی ہے اب تو مری زباں ۵۸ ہونٹوں پہ دم ہے، ہوں کوئی ساعت کی میہماں
مر جاؤں گی اگر، تو مجھے پاؤ گے کہاں صدقہ علَم کا آج بچا لو ہماری جاں
سُوئے فرات جاتے ہو شاہِ اُمم کے ساتھ
چھوٹی سی ایک مشک بھی لے لو علَم کے ساتھ

عباسؑ نے کہا کہ مجھے خود ہے آرزو ۵۹ عزت ہوئی ملا علَم شاہِ نیک خو
سقّہ تمھارا ہوں تو بڑھے اور آبرو جب تک ہے دَم کروں گا میں پانی کی جستجو
مشکیزہ خالی نہر سے لے کر نہ آؤں گا
پانی نہ یاں ملے گا تو کوثر کو جاؤں گا

ناگہ سنا جو زوجۂ عباسؑ نے یہ حال ۶۰ مارے خوشی کے ہوگیا چہرے کا رنگ لال
ہمراہ لے کے بیٹے کو اپنے وہ خوش خصال   آئی حضورِ سرورِ ذیقدر و ذی کمال
پہلے تو بڑھ کے شاہِ اُمم کی بلائیں لیں
پھر دونوں ہاتھ اُٹھا کے علَم کی بلائیں لیں

جھک کر قدم پہ شہ کے یہ بولی وہ خوش سیر ۶۱ کونین میں کیا مرے والی کو نامور
رکھتی نہیں کچھ اور میں یا شاہِ بحر و بر   آقا کنیز نذر کو لائی ہے یہ پسر
قائم رکھے کریم محمدؐ کی آل کو
بچوں پہ صدقے کیجئے اس نونہال کو

خالق سے صبح و شام یہی ہے مری دُعا ۶۲ وارث مرا، حضور کے قدموں پہ ہو فدا
ہوں مانندِ ہم سی لاکھ کنیزیں اگر تو کیا   بانوئے دو جہاں کو سہاگن رکھے خدا
دعویٰ برابری کا نہیں گو عزیز ہوں
یہ آپ کے غلام، میں ان کی کنیز ہوں

بولے پسر سے جھک کے یہ عباسِ نیک نام ۶۳ تم بھی تو کچھ حضور میں بیٹا کرو کلام
ننھے سے ہاتھ جوڑ کے بولا وہ لالہ فام   لے چلئے ہم کو، ہم علیؑ اصغر کے ہیں غلام
چھوٹی سی ایک تیغ منگا دیجئے مجھے
پہلے سبھوں سے رن کی رضا دیجئے مجھے

حضرت کے آگے فوجِ ستم سے کریں گے جنگ ۶۴ مردوں کا بیٹھنا ہے بڑا عورتوں میں ننگ
پیریں گے خوں میں، بحرِ شجاعت کے ہیں نہنگ   ہم کو بھی آج لاکھوں سے لڑنے کی ہے اُمنگ
رشتہ تو رکھتے ہیں شہِ خیبر شکن سے ہم
بندھوائیں ہاتھ جان بچا کر رسن سے ہم

بولے گلے لگا کے اسے شاہِ نامدار ۶۵ کس نے تجھے سکھائیں یہ باتیں چچا نثار
آئی صدائے حضرتِ زہراؑ یہ ایک بار   ہوتا ہے لال اہلِ وفا کا وفا شعار
بچپن میں کس طرح نہ وہ بچہ دلیر ہو
دادا بھی جس کا شیر ہو، بابا بھی شیر ہو

رخصت حرم سے ہو کے چلے شاہِ کربلا ۶۶ اِتنے میں طبلِ جنگ کی آنے لگی صدا
تسلیم ساری فوج نے کی باندھ کر پرا نکلے علم لئے ہوئے عباسؑ باوفا
غل تھا کہ ہوں گے حشر میں اس کی پناہ میں
یہ حیدری نشاں ہے حسینی سپاہ میں

حمزہؑ جہاد کرتے تھے لے کر، یہی علم ۶۷ تھا زینتِ سپاہِ پیمبرؐ یہی علم
خود دوش پر اُٹھاتے تھے حیدرؑ، یہی علم ہے افتخارِ حضرتِ جعفرؑ، یہی علم
صدقے سے شہ کے ہم کو یہ عزت نصیب ہو
سائے میں اس علم کے شہادت نصیب ہو

ذرّے سے آفتابِ فلک ہے نظر میں کم ۶۸ صلِّ علیٰ زہے علم و حاملِ علم
یہ شان یہ شکوہ یہ اقبال یہ حشم آتی ہے بوئے خلد پھریرے سے دم بدم
ایسا علم ہو دوش پہ، ایسے جوان کے
عباسؑ کے نثار، تصدق نشان کے

برجِ شرف سے، جیسے نمایاں ہو آفتاب ۶۹ نکلے حرم سرا سے امامِ فلک جناب
در پہ بلکتی رہ گئی زینبؑ جگر کباب گھوڑے پہ جلوہ گر ہوا، فرزندِ بوتراب
آنکھوں کے سامنے سے سواری نکل گئی
گویا چمن سے بادِ بہاری نکل گئی

خادم کسی مقام پہ باندھے ہوئے قطار ۷۰ یاں تھے کسی جگہ پہ پیادے، کہیں سوار
پھولے ہوئے چمن پہ، خزاں آئی ایکبار یکسو پرا جمائے رفیقانِ گلعذار
خالی بہادروں سے جلو خانہ ہو گیا
ڈیوڑھی اداس ہو گئی ویرانہ ہو گیا

مولا کا کچھ جلوسِ سواری کروں بیاں ۷۱ شبدیزِ طبع کا یہ اشارہ ہے اب کہ ہاں
ایک ایک جن میں فخرِ عرب، زینتِ جہاں کیجئے شمار گر، تو اکاسی ہیں سب جواں
چہروں کی روشنی سے خجل شمعِ طور ہے
لشکر نہیں حسینؑ کا دریائے نور ہے

جاتی تھی یوں سواریِ سلطانِ بحر و بر ۲ انجم کی فوج لے کے چلے جس طرح قمر
کھولے علم کو حضرتِ عباسؑ نامور گھوڑوں پہ قاسمؑ و علیؑ اکبر ادھر اُدھر
مرکب پہ بیچ میں خلفِ بوتراب ہے
دو چودھویں کے چاند ہیں اک آفتاب ہے

آہن میں مثلِ جوہرِ شمشیر سب ہیں غرق ۳ شملے ہیں زیبِ دوش، عمامے ہیں زیبِ فرق
نعرے جو مثلِ رعد، تو گھوڑے مثالِ برق جن کے قدم تلے ہے سدا سیرِ غرب و شرق
آہو کا اُن کی چال سے کیا زور چل سکے
جن سے سمندِ وہم، نہ آگے نکل سکے

اک اک دلیر شیرِ نیستانِ کارزار ۴ رستم کی روح، خوف سے جن کے کرے فرار
دیں دار، سرفروش، نمودار، نامدار رانوں میں کوندتے ہوئے بجلی سے راہوار
للکاریں جو فوج کو نیزے سنبھال[۱] کے
بھاگیں عدو زمین پہ ہتھیار ڈال کے

آگے پکارتے ہوئے جاتے تھے یوں نقیب ۵ ہاں نمازیو حسینؑ محمدؐ کا ہے حبیب
فدیہ ہو، فاطمہ کے پسر کے، زہے نصیب جنت بھی اب قریب ہے مقتل بھی اب قریب
آداب و قاعدے سے دلیرو بڑھے چلو
تلواریں تولتے ہوئے شیرو بڑھے چلو

تھا کس شکوہ و شان سے وہ لشکرِ خدا ۶ آگے پرا جمائے، رفیقانِ باوفا
باندھے سلاح ادب سے اُدھر خویش و اقربا پیچھے تمام فوج کے وہ کل کا پیشوا
حلقے میں تھے امام کو قدسی لئے ہوئے
تھے جبرئیل فرق پہ سایہ کئے ہوئے

تھا زیبِ سر عمامہ محبوبِ کبریا ۷ مہتاب سے سفید تھی کاندھے پہ اک عبا
پہنے قمیص حضرتِ یوسف تہِ قبا باندھے ہوئے کمر میں، کمربندِ مرتضیٰ
داؤدؑ کی زرہ، شہِ والا کے بر میں تھی
وہ ذوالفقار حیدرِ صفدر، کمر میں تھی

بالائے دوش حضرتِ حمزہؑ کی تھی سپر ۷۸ ہو جس طرح سے ابر کا ٹکڑا، پسِ قمر
چار آئینہ پہ جا کے ٹھہرتی نہ تھی نظر تھے دو غلامِ خاص مگس راں، اِدھر اُدھر
چہرہ عرق سے تر تھا جو سبطِ رسولؐ کا
رومال ہاتھ میں تھا جنابِ بتولؑ کا

پھیلا ہوا تھا دشت میں شاہِ زمن کا نور ۷۹ حیدرؑ کا، فاطمہؑ کا، نبیؐ کا، حسنؑ کا نور
اک چہرۂ حسینؑ میں تھا، پنجتنؑ کا نور چہرے کی ضو، جبیں کی ضیا، اور بدن کا نور
گردوں پہ کس طرح مہ و اختر نہ ماند ہوں
اک چاند کے شریک جہاں چار چاند ہوں

پہونچے نہ تھے امام ابھی تا بہ قتل گاہ ۸۰ جاسوس نے یہ آکے خبر دی میانِ راہ
قائم رہے شکوہِ شہنشاہِ دیں پناہ آمادۂ نبرد ہے سب شام کی سپاہ
ناوک فگن کہیں ہیں، کہیں نیزہ دار ہیں
میداں سے تا بہ نہر، ہزاروں سوار ہیں

ذرّوں کی طرح فوج کا ممکن نہیں شمار ۸۱ اس گھاٹ پر فقط ہیں، کماندار دس ہزار
ان سے اُدھر کو، برچھیوں والوں کی ہے قطار نیزے ہلا رہے ہیں سوارانِ ہرزہ کار
پانی سپاہِ شام سے پانا محال ہے
دریا تلک نگاہ کا جانا محال ہے

اس دم فسادِ لشکرِ اعدا میں ہے مگر ۸۲ مولا، کمال فکر میں ہے، شمرِ خیرہ سر
سردارِ فوج جمع ہیں باندھے ہوئے کمر تاکیدِ جنگ کرتا ہے ایک ایک کو عمر
اک نوجواں ہے میں اُسے پہچانتا نہیں
سب مانتے ہیں پر وہ جری مانتا نہیں

سردار ہے ہزار سواروں کا وہ دلیر ۸۳ زور آورانِ فوج ہیں سب اسکے ڈر سے زیر
بگڑا ہوا کھڑا ہے، الگ وہ بسانِ شیر ہر بار دیکھتا ہے اِدھر منھ کو پھیر پھیر
آہوں کے ساتھ آنکھوں میں آنسو بھر آتے تھے
مانندِ بید عضوِ بدن تھرتھراتے تھے

کیا کیا خطا شعاروں کو اس نے دیا جواب ۸۴ ہے یہ یقیں کہ اس سے نہ چھوٹے رہِ ثواب
تلواریں کھنچ گئی ہیں اِدھر اے فلک جناب یاں کی بُرائی سُننے کی اس کو نہیں ہے تاب
جو ہے اُسے، کسی کو، یہ پاسِ ادب نہیں
آپس میں جنگ ہو تو یہ کچھ اس کا عجب نہیں

سُنتا تھا میں کہ یہ عُمرِ سعد نے کہا ۸۵ آتا ہے بہرِ جنگ، محمدؐ کا لاڈلا
شہرہ عرب میں تیری شجاعت کا ہے بڑا جا چل کے لڑ حسینؑ سے تو سوچتا ہے کیا
سرسبز ہونے دے نہ محمدؐ کے باغ کو
جلدی بُجھا مزارِ علیؑ کے چراغ کو

قبضے پہ ہاتھ رکھ کے یہ بولا وہ نیک نام ۸۶ مظلوم کو ستاؤں یہ میرا نہیں ہے کام
سیّد، عیالدار، غریب الوطن، امام فاقے سے تین روز کے، دو دن سے تشنہ کام
واجب ہے احترام، محمدؐ کی آل کا
ہے کیا قصور، فاطمہؑ زہرا کے لال کا

پیاسے سے، تشنہ کام سے، بے پر سے میں لڑوں ۸۷ مختارِ کارخانۂ داور سے میں لڑوں
کافر نہیں، جو دین کے رہبر سے میں لڑوں کھینچوں علیؑ پہ تیغ پیمبرؐ سے میں لڑوں
اُمت کو چاہیئے، مدد آلِ رسولؐ کی
پاؤں گا کیا اُجاڑ کے کھیتی بتولؑ کی

فرمایا شہ نے اس کو خدا دے جزائے خیر ۸۸ بیٹوں سے ہے عزیز، مجھے گو کہ ہے وہ غیر
روئیں گے اس جری کو جن و انس و وحش و طیر لکھی ہے اس کے بخت میں باغِ ارم کی سیر
اعدا میں تو ہماری محبت کی بُو نہیں
وہ ہے تو حُر ہے اور کی یہ گفتگو نہیں

یہ کہہ کے قتل گاہ میں آئے امامِ دیں ۸۹ کوسوں فروغِ حُسن سے روشن ہوئی زمیں
غرقِ سلاحِ حرب، جوانانِ مہ جبیں نعروں سے غازیوں کے لرزتی تھی فوجِ کیں
تلواریں تول تول کے اعدا کو تکتے تھے
شملے چھٹے تھے دوش پہ گیسو لٹکتے تھے

عباسؑ آئے نیزے کے کھولے ہوئے علم ۹۰ آنکھوں کو مل رہے تھے پھریرے سے دم بدم
پیدا تھی شانِ شیرِ خدا سر سے تا قدم حمزہؓ کا رعب جعفرِ طیار کا حشم
دریا کو تکنے لگتے تھے بھائی کو دیکھ کر
بڑھتے تھے مثلِ شیر ترائی کو دیکھ کر

آمادۂ نبرد تھی دونوں طرف کی فوج ۹۱ نرغے میں بے قرار تھا شاہِ زماںؑ کا زوج
لہراتا تھا ہوا سے پھریرا جو مثلِ موج تھا تا بہ چرخ رایتِ فوجِ خدا کا اوج
کثرت پہ اپنی فوجِ عدو کو غرور تھا
ظلمت اُدھر تھی کفر کی یاں حق کا نور تھا

چلا ابنِ سعدِ جفا پیشہ و شریر ۹۲ ہاں ابنِ فاطمہؑ پہ چلیں ہر طرف سے تیر
کھینچے ہوئے کمانیں بڑھا لشکرِ شریر بولا یہ حُر کہ قہرِ خدا سے ڈر اے امیر
خوں کس کا ہوگا تیر یہ کس کو لگائے گا
کیا سینۂ نبیؐ کو نشانہ بنائے گا

اس نے کہا کہ ہاں یہی ہوئے گا لا کلام ۹۳ تم سے تجھے علاقہ ہے یا دشمنوں سے کام
حُر نے کہا کہ او ستم آرا زباں کو تھام سبطِ رسول ہے مرا محسن مرا امام
تو دشمنِ نبی ہے ترا کیا شریک ہوں
جن کی طرف خدا ہے انھیں کا شریک ہوں

بولا عُمر یزید سے کرتا ہے انحراف ۹۴ پکڑی تھی باگ واں کبھی نہ ہوگی خطا معاف
اس نے کہا یہ باتیں ہیں سب عقل کے خلاف واللہ ہے حسینؑ کا دل آئینے سے صاف
ایسے نہیں کہ دوست کو اپنے خجل کریں
تو بھی اگر چلے تو خطائیں بحل کریں

اس نے کہا خلافِ شجاعت ہے یہ کلام ۹۵ تجھ کو بُرا کہیں گے شجاعانِ روم و شام
حُر نے کہا رہے گا ابد تک ہمارا نام قائل ہیں جتنے مدح کریں گے مری مدام
اس کثرتِ سپاہ پہ تو ڈر سے زرد ہے
تھوڑوں کا جو شریک ہو جا کر وہ مرد ہے

مجھکو بُرا کہے تو کہے حاکمِ جہول ۹۶ مرنا قبول، آگ میں جلنا نہیں قبول
اب سر مرا ہے، اور قدمِ نائبِ رسول بے دیں کی، بے یقیں کی اطاعت سے کیا حصول
نہ مال سے غرض ہے نہ اب زر سے کام ہے
خوشنودیٔ خدا و پیمبر سے کام ہے

دوزخ سے میں تو جاتا ہوں لے جانبِ ارم ۹۷ روکے تو مجھ کو آ کے ترا لشکرِ ستم
چھیڑا فرس کو، کہہ کے حریا سیدِ اُمم طاؤس کی طرح سے اُڑا اسپِ خوش قدم
ہاں ہاں کیا کیے، یہ وہ تن سے نکل گیا
آئی صدا کہ چاند گہن سے نکل گیا

جب آدھی راہ کر چکا طے، حرِ نامور ۹۸ بیٹے سے تھم کے کہنے لگا وہ نکوسیر
ہیں شاہ دستگیرِ خلق کا، مجرم ہوں اے پسر تو کاٹ ڈال ہاتھ مرے تیغ کھینچ کر
دستِ خدا، پدر ہے شہِ کائنات کا
ہاتھ آئے گا اسی میں وسیلہ نجات کا

روکر کہا پسر نے ابھی سے یہ کیا ضرور ۹۹ پہلے چلو تو ابنِ یداللہ کے حضور
آقا نہ قہر سے وہ رہیں نہ کم ہراق سے دور تب کاٹیو یہ ہاتھ، نہ بخشیں گے جب قصور
چلو کر امامِ پاک کے دامن کو تھام لو
فردوس ہاتھ آئے وہ ہاتھوں سے کام لو

اس نے کہا پسر سے کہ خیر اے نکو شعار ۱۰۰ رومال سے تو باندھ دے دستِ گناہ گار
باندھے پسر نے دستِ پدر ہو کے بے قرار ہاتف نے دی صدا کہ ہوا اب یہ رستگار
میزانِ مغفرت میں گناہوں کو تول دو
باندھے ہیں اس نے ہاتھ درِ خلد کھول دو

واں سے چلا غلام، اِدھر سے بڑھے امام ۱۰۱ دیکھا جو حُر نے آتے ہیں شاہِ فلک مقام
گھوڑے سے کود کر یہ پکارا وہ نیک نام صدقے ترے کرم کے میں اے قبلۂ انام
محجوب ہوں بہت، شہِ والا صفات سے
بندے کے ہاتھ قطع کرو اپنے ہاتھ سے

پھیلا کے ہاتھ، کہنے لگے، شاہِ دیں پناہ ۱۰۲ لگ جا گلے سے، روکی تو روکی ہماری راہ
ہے تو تو دوست، ہم تو ہیں دشمن کے خیر خواہ تیری نہ کچھ خطا ہے، نہ ہاتھوں کا ہے گناہ
تجھ کو نہ بخش دیں، یہ رحیمی سے دور ہے
روکا تھا ہم کو موت نے، تو بے قصور ہے

احسان مند بلکہ ہوں تیرا میں تشنہ لب ۱۰۳ پھر جانے کی صلاح، مجھے دی تھی وقتِ شب
سوتی تھی تیری فوج کیا میں نے کوچ جب لیکن مسافروں پہ تباہی پڑی عجب
جنگل میں رات پھرتے ہی پھرتے بسر ہوئی
مرنا تھا جس جگہ وہیں آکر سحر ہوئی

یہ کہہ کے ہاتھ کھول دیئے اس کے شاہ نے ۱۰۴ لپٹا لیا گلے سے، رسالتؐ پناہ نے
پونچھا غبار چہرے کا، شیرِ الٰہ نے ذرّے کو مہر کر دیا زہراؑ کے ماہ نے
حُر کے قدم کی آ کے ملک خاک لے گئے
مہماں کو اپنے پنجتنِؑ پاک لے گئے

جب سب سے مل چکا تو یہ حُر نے کیا کلام ۱۰۵ امیدوارِ حرب کی، رخصت کا ہے غلام
رو کر یہ اس سے کہنے لگے، شاہِ تشنہ کام اک دم تو گھر میں، فاقہ کشوں کے بھی کر مقام
ہم پہلے داغ خویش و برادر کو دیکھ لیں
تو ہم کو دیکھ، ہم تجھے جی بھر کے دیکھ لیں

حر نے کہا بہشت میں ہے آپ کا تو گھر ۱۰۶ ہوگا وہیں مقام، کیا یاں سے جب سفر
خادم کو اب نہ روکئے یا شاہِ بحر و بر شہ نے کمر کو ہاتھوں سے تھاما جھکا کے سر
بچھڑے جب ایسا دوست تو کیا دل کو کل پڑے
رخصت تو دی پر آنکھوں سے آنسو نکل پڑے

چڑھنے لگا فرس پہ جو بادیدۂ پُر آب ۱۰۷ عباسؑ نامدار بڑھے تھامنے رکاب
کی عرض حُر نے تب، کہ یہ کیا اے فلک جناب عباسؑ نے کہا تری خدمت تو ہے ثواب
شیدائے جاں نثارِ امامِ انام ہوں
تو جن کا مہماں ہے میں، ان کا غلام ہوں

چڑھ کر سمند پر جو چلا وہ بصد حشم ۱۰۸ پیچھے پیادہ روتے چلے سیدِ اُمم
گھبرایا حُر تو کہنے لگے شاہِ باکرم مجھ کو مشایعت[27] کو تو چلنے دے دو قدم

زہرا بھی تیرے ساتھ ہیں حیدر بھی ساتھ ہیں
تنہا نہیں حسینؑ پیمبر بھی ساتھ ہیں

حُر نے کہا کہ ہوتا ہے خادم گناہگار ۱۰۹ کیونکر بڑھوں حضور پیادہ ہیں میں سوار
یہ سُن کے اُس سے روتے پھرے شاہِ نامدار میداں میں حُر پہونچ گیا چمکا کے راہوار

بازارِ حرب گرم جو تھا، سرد ہو گیا
دہشت سے ابنِ سعد کا منہ زرد ہو گیا

دیکھا سیاہ کاروں نے جب روئے حُر کا نور ۱۱۰ غل پڑ گیا یہ حور ہے یا روشنیِ طور
حُر نے کہا کہ **عقل کا** تم سب کے ہے قصور حُر ہوں غلام شہ کا، فرشتہ ہوں میں نہ حور

ہے روشنی جو رُخ پہ فزوں مہر و ماہ سے
خلعت مِلا ہے نور کا، سرکارِ شاہ سے

واں لُٹ رہا ہے خُلد جسے ہو طلب وہ جائے ۱۱۱ ممکن نہیں کہ وقت پھر ایسا جہاں میں پائے
لے جائے **جاں بیچ کے** جو جس کے ہاتھ آئے ایسا سخی نہیں جو کسی سے وہ منہ پھرائے

ہے دوست پر حلال، عدو پر حرام ہے
سرکارِ ابنِ فاطمہؑ میں فیض، عام ہے

بھولے ہو راہِ راست تو رہبر کے پاس جاؤ ۱۱۲ دنیا محل فریب کا ہے، دام میں نہ آؤ
دوزخ کی راہ چھوڑ کے، گھر خلد میں بناؤ بھوکے ہو نعمتوں کے تو پھل برچھیوں کے کھاؤ

زہرا کا نورِ عین تمہارا کفیل ہے
پیاسو چلو کہ چشمۂ کوثر سبیل ہے

کعبے سے منہ پھرا کے نہ ہو ساکنِ کنشت[28] ۱۱۳ لازم ہے عاقلوں کے لئے ترکِ فعلِ زشت
سرسبزیاں نہ ہوں گی، کبھی عاقبت کی کشت دوڑو کہ لُٹ رہے ہیں اُدھر حلۂ بہشت

دینِ نبی میں آؤ، نہ کافر کا ساتھ دو
دستِ خدا کے لال کے ہاتھوں میں ہاتھ دو

دیکھو مری طرف میں وہی ہوں جو تھا ادھر ۱۱۴ یوں نور تھا کبھی مرے چہرے پہ جلوہ گر
یہ دبدبہ، یہ اوج، یہ حشمت، یہ کرّ و فر مولا کی اک نگاہِ عنایت کا ہے اثر
پڑھتے ہوئے درود، ملک ساتھ آئے ہیں
یہ سب شرف حسینؑ کے صدقے سے پائے ہیں

اِس گفتگو سے حُر کی ہوئے اہلِ کیں خجل ۱۱۵ کانپے بدن، لرزنے لگے چھاتیوں میں دل
کتنے جواں تو رونے لگے ہو کے منفعل چلّایا شمر آن کے ہر صف کے متّصل
مارو اسے، کچھ اس کے نہ ہونے کا غم نہیں
دشمن کا ہو جو دوست، وہ دشمن سے کم نہیں

یہ سُن کے حُر پہ چلنے لگے تیر بے شمار ۱۱۶ نیزہ ہلا ہلا کے صفوں سے بڑھے سوار
تیغیں ہوئیں بلند، چلے برچھیوں کے وار لشکر میں شکلِ شیر در آیا وہ نامدار
پہلے ہی جن کے وار چلے تھے سو چل گئے
دیکھی جو تیغِ حُر کی چمک، دم نکل گئے

چہرے چھپائے پشت سے ڈھالوں کو کھول کے ۱۱۷ پیچھے ہٹے، بڑھے تھے جو تیغوں کو تول کے
بھاگے سوار پھر تو پیادوں کو رول کے پہونچا وہ شیر بیچ میں اعدائے غول کے
غل تھا کہ آج خاتمہ لشکر کا ہو گیا
اِک اِک قدم پہ ڈھیر تن و سر کا ہو گیا

ہر دم تھی جنگ میں برشِ تیغِ حُر دوچند ۱۱۸ خوں گھٹ گئے تنوں کے، بڑھا جس طرف سمند
دستِ اماں کیے تھے ادھر کے علم بلند تھرا رہے تھے برچھیوں والوں کے بند بند
تیغوں کی کچھ خبر تھی، نہ ڈھالوں کا ہوش تھا
نیزہ ہر اک سوار کو اِک بارِ دوش تھا

دہشت سے سہم کر قدَر انداز مر گئے ۱۱۹ رُخ پھر گئے، کمانوں کے چلّے اُتر گئے
ترکش سے تیر گر کے زمیں پر بکھر گئے ہرگز ملا نہ گوشۂ راحت، جدھر گئے
دانستہ سرکشوں نے جو کارِ خطا کیا
تقدیر نے نشانۂ تیرِ قضا کیا

گھوڑا وہ برق تھا کہ جو راکب اُسے چلائے ١١٠ افلاک پر سمندِ نظر کی طرح سے جائے
اُس کے قدم کی گرد کو صرصر کبھی نہ پائے پیکِ خیال و وہم یہ سرعت کہاں سے لائے
جس غول پر گرا، تو اُڑا اس شکوہ سے
پرواز کبک کرتا ہے جس طرح کوہ سے

بجلی سی تیغِ شعلہ نشاں چار سو پھری ١٢١ میداں میں بھاگتی ہوئی فوجِ عدو پھری
دم میں ستمگروں کا بہا کر لہو پھری سر کاٹ کر جدھر سے پھری سرخرو پھری
یہ اوجِ تیغ قدرتِ حق سے عیاں ہوا
گویا ہلالِ عید شفق سے عیاں ہوا

غلطاں تھے تن زمیں پہ جدا، اور سر جدا ١٢٢ زخمی اُدھر پڑے تھے جدا، اور اِدھر جدا
گردن جدا تھی، سینہ جدا، اور کمر جدا شانے سے ہاتھ، ہاتھ سے تیغ و سپر جدا
پستی پہ جب چمک کے بلندی سے آتی تھی
گاؤ زمیں، زمیں کے تلے، تھرتھراتی تھی

رد کا سپر پہ جب تو سپر سے نکل گئی ١٢٣ دو کر کے خود، کاسۂ سر سے نکل گئی
آئی اِدھر سے گر، تو اُدھر سے نکل گئی سینے کو چاک کر کے، کمر سے نکل گئی
ضربت سے چار آئینہ والے بھی دنگ تھے
کہنے کو تھی وہ تیغ، پہ بجلی کے رنگ تھے

تن سیکڑوں زمین پہ بے سر دکھا دیئے ١٢٤ اجزائے جسم خاک پہ ابتر دکھا دیئے
چشمِ غضب نے شیر کے تیور دکھا دیئے ہاتھوں نے زورِ تیغ نے جوہر دکھا دیئے
یوں جست کی سمند نے لاشوں کو روند کر
بجلی فلک سے گرتی ہے جس طرح کوند کر

دہنی طرف گیا تو رسالے قلم ہوئے ١٢٥ ترکش سے جس نے تیر نکالے قلم ہوئے
آیا اِدھر تو برچھیوں والے قلم ہوئے حملہ کیا پلٹ کے تو بھالے قلم ہوئے
اعدا کے ہوش برقِ اجل نے اُڑا دیئے
ڈھالوں کے پھول تیغ کے پھل نے اُڑا دیئے

یوں تن سے سر گرانی تھی شمشیرِ آبدار ۱۲۶ جیسے رگِ سحاب کبھی ہو تگرگ بار
دو ہو گیا وہ صاف کیا جس پہ ایک وار غلطاں لہو میں تھے کہیں پیدل کہیں سوار
ہر صف میں اس جری کی لڑائی کا شور تھا
ہر غول میں نبیؐ کی دُہائی کا شور تھا

چلائے تب حسینؑ کہ بس اے دلیر بس ۱۲۷ مقتل میں ہر طرف ہوئے لاشوں کے ڈھیر بس
اعدا دُہائی دیتے ہیں گھوڑے کو پھیر بس اُمت ہے یہ نبیؐ کی، بس اے میرے شیر بس
شاباش حقِ دوستیٔ پنجتن ہے یہ
غربت بھی اب دکھا کہ ہمارا چلن ہے یہ

یہ سُن کے ہاتھ روک لیا اس جری نے جب ۱۲۸ بولا یہ شمر ٹوٹ پڑو اس پہ مل کے سب
یاں غم سے بے قرار ہوئے شاہِ تشنہ لب تیغوں کے وار چلنے لگے، حُر پہ ہے غضب
کاری جو زخم تن پہ لگے اس دلیر کے
تکنے لگا حسینؑ کو مُنہ پھیر پھیر کے

سینے سے جبکہ ہو گئی برچھی ستم کی پار ۱۲۹ گھوڑے پہ ڈگمگانے لگا حُرِ نامدار
رکھ کر جگر پہ ہاتھ، پکارا وہ دلفگار اے فاطمہؑ کے لال، یہ خادم ہوا نثار
اب شفقتِ امامِ حجازی کا وقت ہے
آقا یہی غلام نوازی کا وقت ہے

جس دم سُنی امامِ اُمم نے صدائے حُر ۱۳۰ چھاتی پہ ہاتھ مار کے بولے کہ ہائے حُر
رو کر کہا رفیقوں سے دیکھی وفائے حُر خیمے میں پیٹنے لگی زینب برائے حُر
کھینچی جو شہ نے آہ دلِ بیقرار سے
نکلی تڑپ کے فاطمہؑ زہرا مزار سے

دوڑے اُدھر سے رَن کی طرف سیدِ اُمم ۱۳۱ آئے نجف سے حیدرِ صفدر بچشمِ نم
آواز دی نبیؐ نے کہ حُر کو لئے ہیں ہم اس وقت پہونچے شاہ کہ وہ توڑتا تھا دم
سر کاٹنے کی فکر میں جو تھے وہ ہٹ گئے
مہماں سے اپنے دوڑ کے حضرت لپٹ گئے

زانو پہ رکھ لیا سرِ حُرؑ اور یہ کہا ۱۳۲ بھائی حسینؑ آیا ہے، آ ہوش میں ذرا
آنکھیں قدم پہ مل کے، یہ بولا وہ باوفا مولا ہزار جان سے میں آپ پر فدا
جن کے لئے زمیں، یہ فلک سر جھکائے ہیں
وہ لوگ خلد سے مرے لینے کو آئے ہیں

زانو پہ سر ہے آپ کے یا شاہِ بحر و بر ۱۳۳ محبوبِ کبریا ہیں اِدھر، شیرِ حق اُدھر
یہ کون بی بی ہیں مرے پہلو میں نوحہ گر شہ نے کہا کہ روتی ہیں اماں برہنہ سر
تو حشر تک، امامِ دو عالم کے ساتھ ہے
ماتم ترا حسینؑ کے ماتم کے ساتھ ہے

یہ سنتے سنتے غیر ہوا اُس جری کا حال ۱۳۴ زانوئے شاہِ دیں پہ، کیا حُرؑ نے انتقال
خیمے کے در پہ لاش کو لایا علیؑ کا لال سب بیبیوں نے کھول دیئے اپنے سر کے بال
زینبؑ یہ روئی شہ کے فدائی کے واسطے
جیسے بہن تڑپتی ہے بھائی کے واسطے

بس اے انیسؔ مرثیہ ہوتا ہے اب طویل ۱۳۵ مصرعے ہیں لاجواب تو مضمون بے عدیل
اِس نظم کو قبول کریں سیدِ جلیل مداح جن کا تو ہے وہی ہیں ترے کفیل
مقبولِ بارگاہِ خدائے قدیر ہیں
شاہانِ خلق سب اُسی در کے فقیر ہیں

مرثیہ (۸)

کیا فوجِ حسینی کے جوانانِ حسیں تھے ۱ کیا زاہد و ابرار تھے، کیا صاحبِ دیں تھے
آگاہ دل و اہلِ وفا، اہلِ یقیں تھے غنچہ دہن و مہر لقا ماہ جبیں تھے
ایک ایک کے مرقد پہ فدا ہوتی ہے زہرا
عاشور سے بس آج تلک روتی ہے زہرا

وہ عاشقِ صادق تھے، وہ تھے مومنِ کامل ۲ دی تھی انھیں خالق نے تمیزِ حق و باطل
کیا ہوش تھا، کیا فہم تھی، کیا عقل تھی، کیا دل کیا حسن سے طے کر گئے وہ عشق کی منزل
محرابِ عبادت خمِ شمشیر کو سمجھے
جادہ، وہ مسافر، دمِ شمشیر کو سمجھے

دنیا کی[الف] نہ خواہش تھی نہ کچھ فکرِ زر و مال ۳ تھی[ب] دولتِ فقر اِن کے لیے حشمت و اجلال
نہ یادِ وطن تھی، نہ انھیں اُلفتِ اطفال شبیرؑ کے عاشق تھے، زہے بختِ خوشحال
منظور[ت] یہ تھا جی سے گزر جائیں گے پہلے
اِس بات پہ مرتے تھے کہ مر جائیں گے پہلے

کلمہ کوئی پڑھتا تھا، کوئی کہتا تھا تکبیر ۴ قاری کوئی قرآں کا، کوئی ماہرِ تفسیر
تھی پیشِ نظر گلشنِ فردوس کی تعمیر تھا شوق کہ اب حوروں سے ہوویں گے بغلگیر
نہ پیاس کا صدمہ تھا، نہ جانوں کی پڑی تھی
ایک ایک کی کوثر کی طرف آنکھ لڑی تھی

مقبولِ خدائے دو جہاں تھے وہ جوانمرد ۵ مر جانے پہ سرگرم تھے، اور زیست سے دل سرد
ایک ایک جری، دفترِ کونین میں تھا فرد تابندہ تھے خورشید کی صورت، رُخِ پُر گرد
ایسے کسی تسبیح کو کب دانے ملے ہیں[د]
کس شمع کو اِس طرح کے پروانے ملے ہیں[ہ]

مستِ مئے عرفاں تھے وہ سب عاقلِ ذی ہوش ۶ تھی غیرِ خدا سب کی انھیں یاد فراموش
دنیا سے بری، بارِ علائق سے سبکدوش دل یادِ الٰہی میں، جو دیکھو تو خاموش

ہر دم سرِ تسلیم تھا خم راہِ خدا میں
بڑھتے چلے جاتے تھے قدم راہِ خدا میں

وہ صوتِ حسن، اور وہ اثر دار دعائیں ۷ وہ چاند سے رخ، اور وہ نورانی عبائیں
وہ ان کی عباؤں کے تلے تنگ قبائیں وہ دوش پہ شملے، وہ عمامے، وہ ردائیں

نہ حور میں یہ حسن، نہ انساں، نہ پری میں
گویا ملک اترے تھے لباسِ بشری میں

ہمت سے توانا، پہ ریاضت سے بدن زار ۸ مرنے پہ کمر باندھے شہادت کے طلبگار
غربت، الم، فاقہ کشی، زردیِ رخسار سوکھے ہوئے ہونٹوں پہ عیاں پیاس کے آثار

تسبیحِ خدائے دوجہاں وردِ زباں تھی
بیداریِ شب، نرگسی آنکھوں سے عیاں تھی

مقبولِ خدا، صاحبِ دیں، زاہد و ابرار ۹ ایسے نہ پیمبر کو ملے، یاور و انصار
برسوں جو رہے چرخ میں، یہ گنبدِ دوّار پیدا نہ ہوں، اس طرح کے، اصحابِ وفادار

حق ہم سے غلامی کے ادا ہو نہیں سکتے
کٹوائے سر ان لوگوں نے، ہم رو نہیں سکتے

کیا کیا نہ اذیت تھی، پہ تھے صابر و شاکر ۱۰ مولا کی محبت تھی، ہر اک بات میں ظاہر
سر دینے پہ موجود، فدا ہونے کو حاضر اس بھوک میں ثابت قدم، اس پیاس میں صابر

کھائے تبر و تیر، یہ غمخواری کا حق تھا
وہ کر گئے نمازی، جو وفاداری کا حق تھا

مرقوم ہیں قرآں میں، مراتب شہدا کے ۱۱ بے جاں ہوئے پردیس میں، کیا رنج اٹھا کے
وہ چاہنے والے تھے، امامِ دوسرا کے طالب تھا خدا اُن کا، وہ طالب تھے خدا کے

دنیا میں یہ تحصیلِ سعادت کا صلہ تھا
آقا بھی انھیں سبطِ پیمبر سا ملا تھا

حقا کہ عجب فوج تھی، فوجِ شہِ ابرار ۱۲ جن لوگوں کا عباس ولاور سا علمدار
ہمشکلِ پیمبرؐ سا جواں، فوج کا سالار مختارؑ وہ اللہ کے، جو گھر کا ہے مختار
ایسا کسی سردار نے لشکر نہیں پایا
لشکر نے بھی اس طرح کا افسر نہیں پایا

چہرے تھے خدا نے یدِ قدرت سے سنوارے ۱۳ نہ پیدا تھے اس چاند کو ایسے ہی ستارے
کس صبر سے، آفت میں کئی روز گذارے شبیرؑ کے شیدا تھے، وہ اللہ کے پیارے
بڑھ بڑھ کے گلا رکھتے تھے شمشیرِ دودم پر
سر کٹ کے جو گرتے تھے تو آقا کے قدم پر

تلواریں تو تھیں ہاتھوں میں اور کاندھوں پہ ڈھالیں ۱۴ نیزوں کی ستاروں سے چمکتی ہوئی بھالیں
یہ قصد کہ قبضے پہ عدو ہاتھ نہ ڈالیں ہم بھی ابھی رہواروں کو چمکا کے نکالیں
تلواریں علم کر کے جو لشکر پہ جھکیں گے
نیزوں سے، نہ تیروں سے، نہ خنجر سے رکیں گے

کہتا تھا کوئی آج کا مرنا ہے سعادت ۱۵ سر تا بقدم، خون میں، بھرنا ہے سعادت
خنجر کے تلے حلق کو دھرنا ہے، سعادت سر سے رہِ خالق میں گذرنا ہے سعادت
پانی میں وہ لذت نہ وہ کھانے میں مزا ہے
جو آج کے دن حلق کٹانے میں مزا ہے

تھے دہنی طرف جمع عزیزِ شہِ ذیشاں ۱۶ جن کے رُخِ روشن سے منور تھا وہ میداں
زہراؑ کے جگر بند، محمدؐ کے دل و جاں تلواروں کو تولے ہوئے سب جنگ کے خواہاں
میداں میں عجب ننگ سے مرنے پہ تُلے تھے
حیدرؑ کے مرقع کے ورق رَن میں کھلے تھے

اٹھارہ تھے فرزندِ محمدؐ کے یگانے ۱۷ اک رشتے میں جس طرح ہوں تسبیح کے دانے
پالا تھا انھیں گود میں شاہِ شہدا نے عاشور کو ہاتھ اُن پہ کیا صاف قضا نے
وہ فاطمہؑ کے نخل جو پھولے نہ پھلے تھے
مقتل میں ستمگاروں کی تیغوں کے تلے تھے

کچھ طفل تھے اور تازہ جواں تھے کئی خوشرو ۱۸ خوش ظاہر و خوش باطن و خوش قامت و خوش خو
وہ چاند سے رُخ اور وہ گوندھے ہوئے گیسو تھی کوسوں تک ان فاطمہؑ کے پھولوں کی خوشبو
مرجائیں گے فاقے میں قسم کھائے ہوئے تھے
پانی کا جو تھا قحط تو مُرجھائے ہوئے تھے

لڑکے جو کئی پہلے پہل نکلے تھے گھر سے ۱۹ ہر صف کی طرف تکتے تھے شیروں کی نظر سے
چھوٹے سے لگائے ہوئے ہتھیار کمر سے کہتے تھے نکلتا نہیں اب کوئی اِدھر سے
یہ دیر ہے کیوں اس سے بھلا فائدہ کیا ہے
میداں میں چمکنے لگیں تیغیں تو مزا ہے

چلنے لگے تلوار، کھلیں تیغوں کے جوہر ۲۰ دیکھیں تو بھلا کس نے کسے کر دیا بے سر
میداں سے پھرا کون ہزاروں کو بھگا کر ہاں دیکھیں تو کس نے تہ و بالا کیا لشکر
رہوار کو چمکا کے ہزاروں پہ گرا کون
فوجِ ستم آرا کے نشاں لے کے پھرا کون

دو لاکھ میں کس نے پسرِ سعد کو مارا ۲۱ کس نے سرِ شمرِ ستم ایجاد اُتارا
تلوار سے کس نے کیا خولی کو، دو پارا خالی کیا کس شیر نے دریا کا کنارا
لو فتح ہوئی کون خبر دیتا ہے آکر
گڑتا ہے نشاں کس کا درِ کوفہ پہ جا کر

بولا کوئی حضرت ہمیں پہلے جو رضا دیں ۲۲ لڑکے ہیں، پہ زورِ اسداللہ دکھا دیں
دعویٰ یہ نہیں کرتے کہ لشکر کو بھگا دیں اک حملے میں دو چار صفوں کو تو مِٹا دیں
ناچار ہیں، گر پیاس سے غش کھا کے گریں گے
اس کی بھی قسم لے لو کہ جیتے نہ پھریں گے

کیا حضرتِ مسلم کے یتیموں کا کہوں حال ۲۳ نُہ سالہ و دہ سالہ تھے وہ صاحبِ اقبال
منہ چاند سے اور الجھے ہوئے گیسوؤں کے بال پوشاک سیہ جسم میں اور دھوپ سے منہ لال
وہ چاند سے رُخ گردِ یتیمی سے اَٹے تھے
اور ماتمی کپڑوں کے گریبان پھٹے تھے

ٹوٹا تھا فلک غم کا جو ایذائے سفر میں ۲۴ تھے داغِ غمِ بے پدری اُن کے جگر میں
لب خشک تھے، اندھیر زمانہ تھا نظر میں دنیا تھی فراموش، انھیں یادِ پدر میں
کہتے تھے کہ بابا تو نہ اب آکے ملیں گے
آقا کے برادر نے ہمیں جا کے ملیں گے

چھٹنے کا سخن تھا کہ بڑا غم ہے یہ بھائی ۲۵ بابا کی سنائی تو مقدر نے سنائی
کہنے سے نہ دو بھائیوں کی کچھ خبر آئی کیا جانیے ہیں قید کہ پائی ہے رہائی
وہ کہتا تھا سر اُن کے اُتارے گئے ہونگے
اقلیم میں دشمن کے ہیں مارے گئے ہونگے

ماموں کے قریں زینبِ دلگیر کے دلدار ۲۶ اک حیدرِ کرار تھا، اک جعفرِ طیار
انگڑائیاں لے لے کے یہی کہتے تھے ہر بار کچھ دھیان پہ چڑھتا نہیں یہ لشکرِ کفار
اِک دم میں فنا ہونگے جو لاکھوں ہیں تو کیا ہیں
روباہ ہیں وہ، ہم پسرِ شیرِ خدا ہیں

اور تین تھے لختِ جگرِ شبرِ ذیجاہ ۲۷ عبداللہ و زیدِ حسنؑ و قاسمِؑ نوشاہ
دولہے کے سن و سال کا کیا حال لکھوں آہ لیکن تیرہ برس کا تھا پہ تھا چودھویں کا ماہ
دن گنتی تھی ماں، بیٹے کی شادی کی ہوس میں
دولہا بھی بنے مر بھی گئے تیرہ برس میں

وہ حسن، وہ بچپن، اور وہ پوشاکِ شہانی ۲۸ قد سرو سا ہے، پر یہ کہاں اُس میں روانی
خلقِ حسنی، کم سخنی، غنچہ دہانی وہ رعب کہ ہو جائے جگرِ شیر کا پانی
تلوار تو کاندھے پہ، زرہ باپ کی بر میں
تصویرِ حسنؑ پھرتی تھی حضرت کی نظر میں

تھی صبحِ شبِ عقد کہ پیکِ اجل آیا ۲۹ دیکھا بھی نہ تھا ماں نے کہ سہرے کو بڑھایا
بازو پہ سرِ شام دلہن جس کو بنایا قسمت نے سحر کو اُسے رنڈسالہ پنہایا
دولہا کی نشانی تو کلیجے پہ دھری تھی
اور مانگ میں صندل کے عوض خاک بھری تھی

عباسؑ سوا پانچ تھے فرزند یداللہ ۳۰ ششدر تھا جنھیں دیکھ کے سب لشکرِ گمراہ
ایک ایک دلاور تھا، ہژبرِ صفِ جنگاہ شیروں کو دمِ حرب سمجھتے تھے وہ روباہ
غازی تھے، بہادر تھے، ولی ابنِ ولی تھے
سب قوتِ بازوئے حسینؑ ابنِ علیؑ تھے

عباس علی حیدرِ صفدر کا نشاں تھا ۳۱ بس لشکرِ اسلام میں وہ شیرِ ژیاں تھا
لکھا ہے کہ بتیس برس کا وہ جواں تھا چہرے سے جلالِ اسداللہ عیاں تھا
اعلیٰ نہ ہو کیوں ایسے علمدار کا رتبہ
خالق جسے دے جعفرِ طیار کا رتبہ

کیا وصف جنابِ علی اکبر کروں تحریر ۳۲ حسنِ نبویؐ، خلقِ حسنؑ، غربتِ شبیرؑ
اٹھارہ برس کا تو سِن اور صاحبِ توقیر تھا شور کہ انساں ہے کہ ہے، نور کی تصویر
شوکت ہے سراپا میں رسولؐ دوسرا کی
ایسے بھی بشر ہوتے ہیں قدرت ہے خدا کی

تھے بیچ میں اس غول کے شاہنشہِ عالم ۳۳ گردوں پہ ستاروں میں ہو جوں نیرِ اعظم
دریائے کرم رحمتِ حق نورِ مجسم فخرِ دو جہاں قبلۂ دیں سیدِ اکرم
غل تھا کہ عجب شوکت و شانِ شہِ دیں ہے
ذرے سب اسی کے ہیں یہ خورشیدِ زمیں ہے

ناگاہ بجا فوجِ عدو میں دُہلِ جنگ ۳۴ کھلنے لگے ہر صف کے علمہائے سیہ رنگ
لشکر کے زرہ پوشوں نے گھوڑوں کے کسے تنگ جا خالی نہ تھی فوجِ ستم میں کئی فرسنگ
بے دینوں کے رُخ قبلۂ ایماں سے پھرے تھے
ہفتاد و دو تن لاکھ سواروں میں گھرے تھے

اُمڈا تھا سمندر کی طرح لشکرِ کفار ۳۵ جوں موج نظر آتی تھی تلوار پہ تلوار
کیا دخل نظر جائے جو اِس پار سے اُس پار بہ خوں میں ہوئے غرق، عبور اس سے تھا دشوار
پانی تھے جگر پیاس سے اولادِ علیؑ کے
خشکی میں تباہی تھی سفینے پہ نبیؐ کے

تھے گھاٹ پہ دریا کے صف آرا قدر انداز ۳۶ قالب سے کرے رُوح جنھیں دیکھ کے پرواز
پیغامِ اجل ان کے ہر اک تیر کی آواز ایک ایک کو اپنی قدر اندازی پہ تھا ناز
جوڑے ہوئے تیروں کو جمائے ہوئے صف کو
رُخ سب کے، جگر گوشۂ زہراؑ کی طرف کو

بدکیش کوئی دیکھتا تھا تیر کا پَلّا ۳۷ کہتا تھا کوئی کرتے ہیں اب پیاسوں پہ ہَلّا
اُلفت ہے نہ حیدرؑ سے، نہ احمدؐ سے تولّا کردیتے ہیں برباد قریشوں کا محلّا
دنیا سے مٹا دیں گے نشاں آج نبیؐ کا
بچہ بھی نہ چھوڑیں گے حسینؑ ابن علیؑ کا

واں ہوتی تھی قتلِ شہِ مظلوم کی تدبیر ۳۸ تھے یاں کے بھی تھوڑے سے جواں دست بہ شمشیر
غل خیمے میں تھا ہائے غضب گھر گئے شبیرؑ بیتاب تھی سر کھولے ہوئے شاہ کی ہمشیر
گر پڑتی تھی غش کھا کے جو غل ہوتا تھا رَن میں
چادر نہ سنبھلتی تھی، یہ رعشہ تھا بدن میں

کہتی تھی سکینہ سے کہ آؤ مری پیاری ۳۹ سُن لیتا ہے بچوں کی دُعا ایزدِ باری
خالق سے یہ رو رو کے دعا مانگو میں واری پھر خیر سے آئے مرے بابا کی سواری
اس بن میں یتیمی کا مجھے داغ نہ ہوئے
پامالِ خزاں فاطمہؑ کا باغ نہ ہوئے

یاں تھا یہ تلاطم کہ چلے تیر اُدھر سے ۴۰ عباسؑ بچانے لگے حضرت کو سپر سے
تلواریں نکلنے لگیں شیروں کی کمر سے لڑنے کا لیا اذن، شہِ جن و بشر سے
کہتے تھے کہ رَن میں کہیں تلوار نہ چل جائے
دھڑکا تھا کہ ہم سے کوئی پہلے نہ نکل جائے

پہلے حرِؑ غازی نے صفیں کیں تہ و بالا ۴۱ پھر بھائی گیا رَن میں ہِلاتا ہوا بھالا
فرزند نے رہوار کو چمکا کے نکالا تینوں جو ہوئے قتل تو روئے شہِ والا
کہرام تھا مہماں کے لئے اہلِ حرم میں
رونے کو بتولؑ آئی تھی میدانِ ستم میں

میداں میں مسلم پسرِ عوسجہ آیا ۴۲ تلوار جو کھینچی تو ہزاروں کو بھگایا
جس دم وہ گرا شہ نے بڑا رنج اٹھایا چھاتی سے کئی مرتبہ زخمی کو لگایا
لاشے سے گلے مل کے جدا ہوتے تھے شبیرؑ
عورات میں غل ہوتا تھا جب روتے تھے شبیرؑ

ضرغامہ و وہب و انس و مالکِ دیندار ۴۳ حجاز و زہیر و اسدی عامر و عمار
عمران و شعیب و عمرو شوذب و ابرار قربانِ حسینؑ ابن علی ہو گئے اکبار
جس سمت یہ جانباز تھے خالی وہ پڑا تھا
اور دور تلک دشتِ ستم خوں سے بھرا تھا

باقی جو رفیقِ شہِ دیں رہ گئے دو چار ۴۴ حسرت سے انھیں دیکھتے تھے سیدِ ابرار
کی بڑھ کے حبیبؑ ابن مظاہر نے یہ گفتار یہ پیر غلام اب ہے اجازت کا طلبگار
بندے کو بھی مرنے کی رضا دیجئے آقا
فردوس کے رستے پہ لگا دیجئے آقا

اوروں نے تو سر دے کے بڑا مرتبہ پایا ۴۵ زیرِ دمِ شمشیر ہر اک خوں میں نہایا
چھاتی سے انھیں احمدِ مرسل نے لگایا میں بھی اسی دولت کی ہوں امید پہ آیا
وہ کیجئے کہ شرمندہ نہ ہوں آپ کے جد سے
جنت میں پہونچ جاؤں گا آقا کی مدد سے

حقا کہ سخی ابن سخی کا ہے یہ دربار ۴۶ محروم یہاں سے کوئی جاتا نہیں زنہار
آقا مرا وہ ہے جو خدائی کا ہے مختار حُر کو بھی پہونچا دیا کس رتبے کو اکبار
بیقدر ہوں افلاک جو نظروں سے گرا دو
جس ذرے کو چاہو اسے خورشید بنا دو

پہونچا ہے ہر اک شخص کو حضرت کی بدولت ۴۷ پاتا ہے کوئی حور، کوئی حُلّۂ جنت
رہنے کو مکاں، خلد میں ہوتے ہیں عنایت محبوبِ خدا بانٹتے ہیں خلعتِ رحمت
اب دیر جو ہوتی ہے مرے دل کو قلق ہے
بچپن کا جو خادم ہے کچھ اس کا بھی تو حق ہے

حضرت نے سنا دردِ دل اس دوست کا جس دم ۴۸ اک آہ بھری سرد اور آنکھیں ہوئیں پُرنم
فرمایا کہ اے یارِ قدیم اے مرے ہمدم اس وقت مجھے اپنی جُدائی کا نہ دے غم
ہے کون رفیقوں میں بجز یاس ہمارے
اِک چاہنے والا تو رہے پاس ہمارے

منظور نہیں مجھ کو کہ تو مجھ سے جُدا ہو ۴۹ باقی ہے جو کچھ زیست بسر ایک ہی جا ہو
یہ ساتھ غنیمت ہے ستم ہو کہ جفا ہو تنہائی میں پھر مجھ پہ خدا جانیے کیا ہو
جو دوست ہے میرا اسے پہچانتا ہوں میں
بھائی تجھے بھائی سے سوا جانتا ہوں میں

اِس عالمِ پیری میں نہ کر جنگ کی تدبیر ۵۰ رعشہ ہے بہت ہاتھوں میں اُٹھے گی نہ شمشیر
مانندِ کماں خم ہے کمر حال ہے تغییر چلّے سے ملایا بھی تو کھنچنے کا نہیں تیر
پیاسا ہے دمِ حرب غش آجائیگا رَن میں
پانی بھی نہیں ہے جو چواؤں گا دہن میں

ہے عالمِ طفلی سے تجھے جس سے محبت ۵۱ وہ آج ہے دنیا میں گرفتارِ مصیبت
ہے یاں سے قریں قبرِ شہنشاہِ ولایت جا بیٹھ نجف میں کہ ملے گی تجھے راحت
مشہور وہ دربارِ شہِ عقدہ کشا ہے
دنیا میں غریبوں کے لئے امن کی جا ہے

جاری اُسی دربار سے ہے امن کا دستور ۵۲ ہے پرورشِ شاہ و گدا ایک سی منظور
افسانۂ شہباز و کبوتر تو ہے مشہور پشّہ کو ستائے یہ کسی کا نہیں مقدور
اک ضرب کو فرمادیا پر دل سے نہ چاہا
خوں کا عوض اپنے بھی تو قاتل سے نہ چاہا

ہم اذن اگر قبلۂ کونین سے پاتے ۵۳ آپ دمِ شمشیر سے خوں اس کا بہاتے
حضرت کا یہ تھا رحم کہ جب کھانے کو کھاتے کہتے تھے حسنؑ سے کہ اسے بھی ہو کھلاتے
بھوکا نہ رکھو رحم اسیروں پہ روا ہے
باندھی نہ باندھو کہ علیؑ عقدہ کشا ہے

جس وقت کہ دربارِ یداللہ میں جاتا ۵۴ اس مرقدِ پُرنور کو آنکھوں سے لگاتا
آداب بجا لاکے یہ بابا کو سُناتا بیٹے کی خبر لو کہ ہے برگشتہ زمانا
تم ساقیِ کوثر ہو زمانے پہ عیاں ہے
یہ تیسرا دن ہے کہ پسر تشنہ دہاں ہے

بیٹھے ہیں لبِ نہر ستمگاروں کے دستے ۵۵ بچّے مرے گرمی میں ہیں پانی کو ترستے
جاؤں تو کدھر جاؤں کہ سب بند ہیں رستے پانی کا جو لوں نام تو ہیں تیر برستے
حضرت سے بھی ہوں دور وطن سے بھی جدا ہوں
امداد کو پہونچو کہ مصیبت میں پھنسا ہوں

یا شاہ کہیں امن کی جا میں نہیں پاتا ۵۶ دشمن کو بھی غربت میں نہیں کوئی ستاتا
سب سہل تھا بچوں کو اگر ساتھ نہ لاتا ہے سخت مصیبت، مجھے کچھ بن نہیں آتا
جب سر مرا خنجر سے جدا ہوئے گا بابا
کیا جانیئے ناموس پہ کیا ہوئے گا بابا

اے کُل کے مددگار مدد کرنے کو آؤ ۵۷ تم صاحبِ اعجاز ہو، اعجاز دکھاؤ
میں شاد ہوں، کچھ غم مرے مرنے کا نہ کھاؤ پر زینبِ بیکس کو اسیری سے بچاؤ
پاؤں نہ کفن میں تو کچھ اس کا نہیں غم ہے
بے پردہ جو ہو دخترِ زہرا تو ستم ہے

رویا یہ سخن سُن کے حبیبِ جگر افگار ۵۸ گر کر قدمِ شہ پہ، یہ کی عرض بہ تکرار
قربان ترے اے خلفِ حیدرِ کرّار اس وقت کہاں جائے یہ بچپن کا نمک خوار
فردوس میں جانا مجھے منظور ہے آقا
جنّت تو ہے نزدیک، نجف دور ہے آقا

کس منہ سے میں دربارِ یداللہ میں جاؤں ۵۹ نداروں کو کس طرح سے شکل اپنی دکھاؤں
کیا کہہ کے میں اس قبر کو آنکھوں سے لگاؤں حیدر کو خبر آپ کے مرنے کی سناؤں
فرمائیں گے شبیرؑ سے منہ موڑ کے آیا
تلواروں میں بچے کو مرے چھوڑ کے آیا

میں یاں سے کہاں جاؤں کہ حیدرؓ بھی یہیں ہیں ۶۰ حمزہؓ بھی یہیں آئے ہیں، جعفرؓ بھی یہیں ہیں
دل تھامے ہوئے حضرتِ شبّرؓ بھی یہیں ہیں زہراؑ بھی یہیں روتی ہیں، پیمبرؐ بھی یہیں ہیں
حضرت پہ جو ظلم و ستم و جور و جفا ہے
دو روز سے یاں ہائے حسینا کی صدا ہے

بچپن سے تو سائے کی طرح ساتھ رہا ہوں ۶۱ آیا جو بُرا وقت تو حضرت سے جُدا ہوں
سر دوں گا کہ میں عاشقِ نقشِ کفِ پا ہوں اس نام پہ قربان ہوں، اس گھر پہ فدا ہوں
جیتا ہے سدا، جو یہ شرف پاتا ہے مولا
اس طرح کا مرنا کسے ہاتھ آتا ہے مولا

حضرت کے غلاموں کے لئے عید کا ہے روز ۶۲ دولت سے شہادت کے ہوئے سب فیروز
راحت ہے جو سینے پہ لگے تیر جگر دوز گر آگ ہو تو کود پڑیں آپ کے دل سوز
مجروح ہوں تیروں سے جو میدانِ ستم میں
ہاتھ آئے ضعیفی کا عصا راہِ عدم میں

ہر چند کہ ہے عالمِ پیری سے نقاہت ۶۳ باقی ہے مگر جسم میں ایماں کی حرارت
جب دیکھتا ہوں آپ کو، آجاتی ہے طاقت چڑھتا ہے جوانوں کی طرح جوشِ شجاعت
بے سر دیئے مولا مجھے آرام کہاں ہے
گو پیر ہوں پر دل مرا مرنے پہ جواں ہے

احوال ہر اک دوست کا ہے آپ کو معلوم ۶۴ مرنے سے وہ ہیں شاد جو ہیں عاشقِ قیوم
رونا فقط اس خوف سے ہے اے شہِ مظلوم رہ جائے بدن زخمِ شہادت سے نہ محروم
کچھ ضعف نہیں آپ کے قدموں کی قسم ہے
سر بار ہے تن پر کمر اس واسطے خم ہے

بچپن کی تو اُلفت سے مری آپ ہیں آگاہ ۶۵ کچھ یاد ہے اس روز کا حال اے شہِ ذی جاہ
ہم سن کئی لڑکے بھی تھے اور میں بھی تھا ہمراہ یوں بیچ میں تھے آپ ستاروں میں ہو جوں ماہ
کیا دن تھے سوا کھیل کے کچھ غم نہ ذرا تھا
گیسو تھے اٹے خاک سے کرتا بھی پھٹا تھا

لڑکوں کو سوا کھیل کے کچھ اور نہ تھا دھیاں ۶۶ اور پیار سے میں آپ کا منھ تکتا تھا ہر آں
ساتھ اُن کے جدھر دوڑتے آپ اے شہِ ذیشاں نقشِ قدمِ پاک پہ میں ہوتا تھا قرباں
نہ کھیل پہ رغبت، نہ تماشے پہ نظر تھی
خاکِ کفِ پا میرے لئے کحلِ بصر تھی

ناگاہ زمیں واں کی ہوئی مطلعِ انوار ۶۷ اور چاروں طرف نور لگا پھیلنے اِک بار
خوشبو سے یہ عالم تھا کہ پھولوں کا ہے انبار تسلیم کو جھکنے لگے بام و در و دیوار
تھا شور کہ آمد ہے یہ محبوبِ خدا کی
ہر ذرے سے آتی تھی صدا صلِّ علا کی

اتنے میں قریب آئے شہِ یثرب و بطحا ۶۸ اور آپ کو ہمجولیوں میں کھیلتے دیکھا
پھیلائے ہوئے ہاتھوں کو دوڑے بہ تمنا ہنس ہنس کے لگے بھاگنے آپ اے مرے مولا
کہتے تھے کہ ہم دوڑتے ہیں آئیے نانا
جب جانیں کہ اس وقت ہمیں پائیے نانا

فرماتے تھے احمد کہ میں قربان تمہارے ۶۹ ہم تم کو پکڑتے ہیں کہاں جاتے ہو پیارے
ہاتھ آئے نہ جب آپ تو کہہ کر یہ پکارے لو آؤ لگو چھاتی سے اچھا ہمیں ہارے
ڈر ہے مرے آرام کا نقشہ نہ بگڑ جائے
کانٹا کوئی ان پھولوں سے تلوؤں میں گڑ جائے

پھر دوڑ کے آغوش میں حضرت نے اٹھایا ۷۰ چھاتی سے دھڑکتی ہوئی چھاتی کو لگایا
اور پاؤں کو ہاتھوں سے کئی بار دبایا ان سوکھے ہوئے ہونٹوں سے ہونٹوں کو ملایا
اُس پیار میں رونے کے بھی پہلو نکل آئے
بوسہ جو لیے لب کا آنسو نکل آئے

مجھ پر نظرِ فیض اگر پڑ گئی اک بار ۷۱ خادم کو بھی حضرت کی طرح کرنے لگے پیار
اُس دم متعجب ہوئے اصحابِ وفادار اُن سب سے یہ فرمانے لگے احمدِ مختار
بے جا نہیں اس طفل پہ الطاف نبی کا
یہ چاہنے والا ہے حسین ابنِ علی کا

تم لوگوں نے دیکھے نہیں اس طفل کے جوہر ۲؎ جس خاک پہ رکھتا تھا قدم یہ مرا دلبر
آنکھوں سے لگاتا تھا یہ اس خاک کو لے کر شبیرؑ کے عاشق پہ تصدق ہے پیمبرؐ
مرقوم ہے نام اس کا ازل سے شہدا میں
دیوے گا خدا قبر اسے خاکِ شفا میں

فرمائیں یہ جب حق میں مرے احمدِ مختار ۳؎ کس طرح نہ صدقے ہو غلامِ شہِ ابرار
مشتاقِ شہادت ہے جوانی سے یہ غمخوار کفار سے جب لڑنے چلے حیدرِ کرار
خدمت میں ہر اک تیغ و سپر باندھ کے آیا
سر دینے کو بندہ بھی کمر باندھ کے آیا

دیکھا جو مسلح مجھے رو کر یہ سنایا ۴؎ ہتھیار لگا کر تو ابھی کس لئے آیا
مرنا ترا اس دن کا ہے اللہ کو بھایا جس روز لڑائی پہ چڑھے گا مرا جایا
ہے صاحبِ قسمت، تری کیا بات ہے بھائی
دامانِ حسینؑ اور ترا ہاتھ ہے بھائی

جب شہ نے سنی ابنِ مظاہر کی یہ تقریر ۵؎ بچپن کا خیال آیا تو رونے لگے شبیرؑ
فرمایا کہ مجبور ہوں جو خواہشِ تقدیر دکھلاتا ہے احباب کی فرقت، فلکِ پیر
چھٹتا ہے تو پھر یارِ موافق نہیں ملتا
سب ملتے ہیں پر عاشقِ صادق نہیں ملتا

خاطر شکنی دوست کی مجھ کو نہیں منظور ۶؎ کچھ بن نہ پڑا روک چکے اپنے بہ مقدور
منظورِ نظر یہ تھا کہ آنکھوں سے نہ ہو دور تقدیر کی تحریر سے شبیرؑ ہے مجبور
گو پیچھے رہے جاتے ہیں پھر آئیں گے ہم بھی
منزل پہ سرِ شام پہنچ جائیں گے ہم بھی

فرما کے یہ چھاتی سے لگایا کئی باری ۷؎ رخصت جو کیا آنکھوں سے آنسو ہوئے جاری
گھبرا کے درِ خیمہ سے زینب یہ پکاری لوگو کہو میداں میں چلی کس کی سواری
اب کون بچائے گا شہِ جن و بشر کو
سب چھوڑے چلے جاتے ہیں زہراؑ کے پسر کو

سنتی ہوں ادھر فوج پہ فوج آتی ہے ہر دم ۷۸ یاں کم ہوئے جاتے ہیں رفیقِ شہِ عالم
سب روتے ہیں یہ کس کے جدا ہونے کا ہے غم جلدی کہو اب تن سے نکلتا ہے مرا دم
حضرت نے کہا کیا کہوں، کیا ہوتا ہے بھینا
بچپن کا مرا دوست، جدا ہوتا ہے بھینا

یہ سنتے ہی کہرام ہوا اہلِ حرم میں ۷۹ پہونچا وہ جری شبیر سا میدانِ ستم میں
کامل تھا زبس عشقِ شہنشاہِ اُمم میں بیتاب تھا مولا کی جدائی کے الم میں
سینہ تھا جری کا تبر و تیر کی جانب
پھر پھر کے نظر کرتا تھا شبیرؑ کی جانب

پیری میں عجب شان تھی اس شیر ژیاں کی ۸۰ پڑتی تھی سراپے پہ نظر پیر و جواں کی
تھی جلوہ گری نورِ خدائے دو جہاں کی گردوں پہ چمک جاتی تھی سجدے کے نشاں کی
پیشانیٔ پُرنور پہ عالم تھا قمر کا
یہ چاند تھا شب کا وہ ستارہ تھا سحر کا

باہم صفتِ تیر و کماں ابرو و مژگاں ۸۱ سرزد نہ کبھی جس سے خطا ہو کسی عنواں
آنکھیں وہ غزالانِ حرم جن پہ ہوں قرباں نظروں سے ہو یعنی رُخِ شبیرؑ نہ پنہاں
رخساروں کو تر کرتے ہیں اشک آنکھ سے ڈھل کر
رہ جاتی ہیں پلکیں کفِ افسوس کو مل کر

خورشید سے افزوں ہے صفائے رخِ نیکو ۸۲ مہتاب میں یہ رنگ نہ یہ حسن نہ یہ رو
غنچے سے زیادہ دہنِ تنگ میں خوشبو اور وردِ زباں ذکرِ صفاتِ شہِ خوش خو
لب ایسے کہ یاقوت بھی گر جائے نظر سے
بن پانی مگر خشک ہیں چوبیس پہر سے

بے شبہ لڑی موتیوں کی ہیں، دُرِ دنداں ۸۳ یا گوہرِ شبنم ہیں کہ غنچے میں ہیں پنہاں
وہ ریش سپید اور وہ اُس کا رُخِ تاباں آغوشِ مہِ نو میں ہے خورشیدِ درخشاں
کہتی ہے اجل منزلِ ہستی سے سفر ہے
شب گذری جوانی کی یہ پیری کی سحر ہے

افسوس بہارِ چمنِ عمر خزاں ہے ۸۴ گردن جو جھکی جاتی ہے، سر تن پہ گراں ہے
جو تیر سا قد تھا سو وہ خم مثلِ کماں ہے جانے کا یہی گوشۂ مرقد کے نشاں ہے
ہے تیغوں کی دھاروں سے گزرنا کوئی دم کو
ہر دم یہ دعا ہے کہ نہ لغزش ہو قدم کو

زخموں کے لئے، تن کو زرہ سے نہ چھپایا ۸۵ سر پر عوضِ خود ہے، اللہ کا سایا
کیا فائدہ ہے، جینے سے جب ہاتھ اٹھایا دستانے پہننا بھی نہ غازی کو خوش آیا
اِک ہاتھ میں وہ تیغ جو لاکھوں پہ چلی ہے
اِک ہاتھ میں دامانِ حسینؑ ابنِ علیؑ ہے

اے قوم حبیب ابنِ مظاہر ہے مرا نام ۸۶ اِتنے میں رجز پڑھ کے پکارا وہ خوش انجام
وار اس کا ہے دشمن کے لئے موت کا پیغام ہشیار کہ اب میاں سے کھنچتی ہے یہ صمصام
یہ تیغ نہیں وہ، جو دمِ حرب رُکے گی
میں تم سے رکوں گا، نہ مری ضرب رُکے گی

آتا ہے بڑا سبطِ پیمبرؐ کا مددگار ۸۷ یہ سُن کے پکارا عمرِ سعدِ جفاکار
بڑھ کر کہا غازی نے کہ او ظالمِ غدّار اس پیر کو مہلت نہ دیا چاہیئے زنہار
میں تیری طرح دشمنِ شبیرؑ نہیں ہوں
ہوں پیر تو واللہ پہ بے پیر نہیں ہوں

گر کوہ کو چاہوں تو اُکھاڑوں صفتِ کاہ ۸۸ گو ہاتھوں میں رعشہ ہے، پہ او ظالمِ گمراہ
ہے قدر شناس ان کا جگر بندِ یداللہ ان ہاتھوں کی قوّت سے ابھی تو نہیں آگاہ
پیری سے جو ہے پشت، خمیدہ تو بجا ہے
جس خاک میں جانا ہے اُدھر سر بھی جھکا ہے

دیکھا ہے محمدؐ کا، انھیں آنکھوں سے دیدار ۸۹ میں وہ ہوں کہ جو فخر کروں ہے وہ سزاوار
زہراؑ کی نوازش رہی، شبّرؑ نے کیا پیار چوما کیے اکثر قدمِ حیدرِ کرّار
بچپن سے مجھے عشقِ امامِ دوجہاں ہے
اب ساتھ ہے شبیرؑ کا اور سیرِ جناں ہے

پیری سے ہے روشن کہ چراغِ سحری ہوں ۹۰ دنیا سے کوئی دم میں عدم کا سفری ہوں
آقا مرا شاہد ہے کہ عصیاں سے بری ہوں دیندار ہوں، غازی ہوں، مجاہد ہوں، جری ہوں
بے خوف چلا جاتا ہوں میں شیر کے منہ پر
دعویٰ ہے تو آؤ مری شمشیر کے منہ پر

مشہور ہے دنیا میں کہ "یک پیری و صد عیب" ۹۱ جرأت میں کسی کا نہ شباب اور نہ مرا شیب
ہر دم ہے عنایاتِ خدا سے مددِ غیب شک اس میں نہیں بندۂ شبیرؑ ہوں لاریب
تلواروں سے سو ٹکڑے اگر ہو کے گروں گا
اس قبلۂ دیں سے نہ پھرا ہوں نہ پھروں گا

آقا مرا وہ ہے جو امامِ ازلی ہے ۹۲ مظلوم ہے سید ہے ولی ابن ولی ہے
ہر جنگ میں اکثر مری تلوار چلی ہے اُس شیر کے بیشے میں پلا ہوں، جو علیؑ ہے
ٹلتا نہیں مر کر اسی میداں میں گروں گا
تلوار نہ ہووے گی، تو ہاتھوں سے لڑوں گا

مینہ تیروں کا برسے تو کبھی منہ کو نہ موڑوں ۹۳ نیزوں کا ہر اک بند انہیں ہاتھوں سے توڑوں
ہاتھ آؤ تو ٹکرا کے سر ایک ایک کا پھوڑوں جیتا شہِ مظلوم کے دشمن کو نہ چھوڑوں
کچھ ڈھال کی حاجت نہیں، خناقِ اجل کو
دانتوں سے چبا جاؤں گا تلوار کے پھل کو

ہے کانپتے ہاتھوں میں مرے زورِ خداداد ۹۴ ہے جنگِ یداللہ کا انداز مجھے یاد
پکڑوں جو کلائی کو تو ضیغم کرے فریاد پھر جاتا ہے پنجے سے مرے پنجۂ فولاد
کھا سکتے نہیں دیو، دلیروں کا طمانچہ
ہے ضرب مرے ہاتھ کی شیروں کا طمانچہ

شبیرؑ سے بیکس پہ، یہ لشکر کی چڑھائی ۹۵ اے ظالمو کرتے ہو یہ کس گھر کی صفائی
کرتے ہو غضب اُس کے نواسے سے بُرائی پیدا ہوئی ہے جس کے لئے ساری خدائی
فرزندِ پیمبرؐ پہ جفا کرتے ہو یارو
گھر لٹتا ہے زہراؑ کا یہ کیا کرتے ہو یارو

ہلتی ہے زمیں عرش خدا کو نہ ہلاؤ ۹۶ بدعت نہ کرو، ہاتھ نہ سینہ پہ اٹھاؤ
شمع حرمِ لم یزلی کو نہ بجھاؤ کعبہ ہے یہ بنیاد نہ اس گھر کی مٹاؤ

کون اس کے سوا دوشِ محمدؐ کا مکیں ہے
شبیرؑ سا آقا کوئی دنیا میں نہیں ہے

ہر چند بہادر ہے تو اے رستمِ لشکر ۹۷ سمجھانے لگا آن کے تب ایک ستمگر
لازم ہے وہ تدبیر کر برباد نہ ہو گھر تیرے زن و فرزند بھی ہووینگے مقرر

گو لختِ دلِ صاحبِ معراج ہے شبیرؑ
حاصل تجھے کیا ہوگا کہ محتاج ہے شبیرؑ

ساتھ اُس کا نہ دے جس سے ہے برگشتہ زمانہ ۹۸ کیوں آپ کو تیروں کا بناتا ہے نشانہ
دو روز سے پانی نہ میسر ہے، نہ دانہ قبضے میں نہ دولت، نہ ریاست، نہ خزانہ

لازم ہے کنارہ پسرِ شیرِ خدا سے
ہو اُس کا ملازم جو سپر بھر دے طلا سے

چلّا کے کہا دور ہو، اے ظالم و غدار ۹۹ تھرا گیا یہ سُن کے حبیبِ جگر افگار
نہ ملک سے مطلب ہے، نہ دولت سے سروکار فرزند نہ کام آئیں گے مرقد میں نہ گھر بار

شبیرؑ کے کام آؤں تو دل شاد ہو میرا
وہ گھر تو لٹے اور گھر آباد ہو میرا

فاسق کی طرف دولتِ دیں چھوڑ کے جاؤں ۱۰۰ ممکن ہے کہ سردار پھر اس طرح کا پاؤں
گر کوہ طلا ہووے تو ٹھوکر نہ لگاؤں خاکِ قدمِ شاہ کو آنکھوں سے اٹھاؤں

کیا دے گا مجھے کوئی جو آقا نے دیا ہے
شبیرؑ سے فردوس میں گھر میں نے لیا ہے

اُڑ کر صفِ اعدا پہ گیا صورتِ شہباز ۱۰۱ یہ کہتے ہی جولاں کیا شبدیز سبکتاز
گھوڑا تھا مگر جست میں تھا شیر کا انداز رنگِ رُخِ افواجِ ستم کر گیا پرواز

اک دم میں گیا پار سواروں کے پروں سے
مُڑ کر ادھر آیا تو گرے خود سروں سے

چمکی عجب انداز سے اس شیر کی تلوار ۱۰۲ گویا سرِ اعدا پہ گری برقِ شرربار
ڈھالوں سے بدن اپنے چھپاتے تھے سیہ کار اُس دستِ زبردست کا رُکتا تھا کوئی وار
کچھ امن نہ تھا خود و زرہ سے تن و سر کو
سینے سے گذر جاتی تھی دو کرکے سپر کو

کاٹے ہوئے پھل برچھیوں کے رن میں پڑے تھے ۱۰۳ سہمے ہوئے گوشوں میں کماندار کھڑے تھے
چھایا تھا ہراس اُن پہ ہمیشہ جو لڑے تھے آنکھیں وہ چُراتے تھے بہادر جو بڑے تھے
دہشت سے زرہ پوشوں نے جی چھوڑ دیا تھا
اس تیغ نے، تیغوں کا بھی منھ موڑ دیا تھا

تھے برچھیوں والوں کے پرے بے سر و بے پا ۱۰۴ برچھی تھی کہیں، ہاتھ کہیں، اور کہیں پہونچا
تھا نہر تلک، موج زن اک خون کا دریا بہتے تھے حبابوں کی طرح سے سرِ اعدا
دہشت سے تلاطم تھا ہر اک فوجِ عدا میں
مچھلی سے تڑپتے تھے زرہ پوش لہو میں

چلّاتے تھے اعدا کوئی بنتی نہیں تدبیر ۱۰۵ دم بند ہیں، ماریں کسے تلوار، کسے تیر
جس وقت علَم ہو کے چمکتی ہے یہ شمشیر پھر جاتی ہے آنکھوں کے تلے موت کی تصویر
کیا ہوتا ہے ڈھالوں کی جو بدلی سی جھکی ہے
بجلی بھی کہیں ابر کے روکے سے رُکی ہے

بیکار تھے جلّادوں کے نیزے دمِ پیکار ۱۰۶ تلوار سے ملتی تھی نہ مہلت کہ چلے وار
حلقے کئے اُس شیر کے درپے تھے کماندار چلّے سے مگر جس نے ملایا لبِ سوفار
شہباز سا سر پہ فرسِ تیز قدم تھا
نکلا ہی نہ تھا تیر کماں سے کہ قلم تھا

پیری میں جو دکھلائی جوانوں کی شجاعت ۱۰۷ تھرّانے لگے عضوِ بدن، گھٹ گئی طاقت
دم چڑھ گیا گرمی سے ہوئی پیاس کی شدّت دل سے کہا اب عالمِ فانی سے ہے رخصت
نے لشکرِ اعدا کو، نہ شمشیر کو دیکھا
کس یاس سے مڑ کر رُخِ شبیرؑ کو دیکھا

پھر[1] ناتھا کہ بس پڑنے لگی تیروں کی بوچھار ۱۰۸ دیکھا جو اُدھر پشت پہ نیزے کا لگا وار
چاہا اُسے ماریں کہ لگی فرق پہ تلوار اور ظلم کی برچھی بھی کلیجے کے ہوئی پار
کہتے تھے تن و جاں شہِ دلگیر کے صدقے
ہر زخم پہ نعرہ تھا کہ شبیرؑ کے صدقے

چھاتی بھی چھنی تیروں سے اور فرق دو پارا ۱۰۹ رگ رگ جو کٹی پھر نہ رہا ضبط کا یارا
شیرازۂ اجزائے بدن کھل گیا سارا گرتے ہوئے گھوڑے سے یہ آقا کو پکارا
یاں آپ کا آنا مری بخشش کی سند ہے
اے شیرِ الٰہی کے پسر وقت مدد ہے

ناگاہ صفیں چیر کے آئے شہِ ذیشاں ۱۱۰ دیکھا کہ وہ مظلوم کوئی دم کا ہے مہماں
لاشے سے لپٹ کر یہ پکارے بصد افغاں اے دوست مرے تیری محبت کے میں قرباں
دکھلا دو مجھے زخم کہاں کھائے ہیں بھائی
چھاتی سے لپٹ جاؤ کہ ہم آئے ہیں بھائی

اس عالمِ پیری میں نہ منہ جنگ سے موڑا ۱۱۱ کس طرح نہ روؤں ترا احساں نہیں تھوڑا
میرے لئے تو نے زن و فرزند کو چھوڑا فرقت نے تری آہ کمر کو مری توڑا
تنہا کوئی لاکھوں سے لڑائی نہیں کرتا
وہ تو نے کیا مجھ سے کہ بھائی نہیں کرتا

آقا کی صدا سُن کے اسے ہوش جو آیا ۱۱۲ گردن کے تلے زانوئے شبیرؑ کو پایا
آنکھوں سے کفِ پائے مبارک کو لگایا اکبرؑ کی طرف جوڑ کے ہاتھوں کو سنایا
کچھ اپنے نمک خوار پہ احساں نہیں کرتے
حضرت پہ اُٹھا کے مجھے قرباں نہیں کرتے

للہ مرے واسطے آنسو نہ بہاؤ ۱۱۳ شہزادۂ عالم مرے کام اس گھڑی آؤ
محبوبِ خدا آئے ہیں، خادم کو اٹھاؤ حیدر یہ کھڑے ہیں، مجھے قدموں پہ گراؤ
بوئے حسنؑ سبز قبا آتی ہے مجھ کو
فریاد کی زہراؑ کی صدا آتی ہے مجھ کو

[1] یہ بند نول کشور کے نسخے میں نہیں ہے۔

یہ کہتے ہی بس گلشنِ دنیا سے سدھارے ۱۱۴ نکلی رہی ہونٹوں پہ زباں پیاس کے مارے
بازو کو ہلا کر شہِ مظلوم پکارے چھوڑا ہمیں اے یارِ وفادار ہمارے
ہم رہ گئے تم ہم سے دغا کر گئے بھائی
صدقے ابھی ہوتے تھے ابھی مر گئے بھائی

ہے ہے مرے عاشق مرے شیدا مرے یاور ۱۱۵ ہے ہے مرے سلمانؓ مرے مقدادؓ و اباذرؓ
ہے ہے مرے رستم مرے ضیغم مرے صفدر ہے ہے مرے عمارؓ مرے مالکؓ اشتر
تا زیست ترے ہجر میں فریاد کروں گا
خنجر کے تلے بھی میں تجھے یاد کروں گا

پھر لاش درِ خیمہ پہ لائے شہِ عالم ۱۱۶ سر پیٹ کے فرمایا کہ اے زینبؑ پُرغم
میداں میں حبیب ابنِ مظاہر ہوئے بیدم ماتم کرو بیکس کا بچھا کر صفِ ماتم
یاں رونے کو اس کے زن و فرزند نہیں ہیں
مظلوم مسافر کے اگر ہیں تو ہمیں ہیں

خاموش انیسؔ آگے نہ کہہ لاش کا جانا ۱۱۷ پہنچائے گا کوثر پہ یہ رونا یہ رلانا
افسوس کہ فرصت نہیں دیتا ہے زمانا اے ذاتِ خدا قادر و قیوم و توانا
رکھ اس پہ نظر تنگ نہ ہو کثرتِ غم سے
مطلب ترے بر لائے گا وہ اپنے کرم سے

مرثیہ (۹)

جب حُر کو ملا خلعتِ پُرخونِ شہادت ۱ جنت میں گیا رایتِ گلگونِ شہادت
مستوجبِ رحمت تھا وہ مفتونِ شہادت جاں بیچ کے پایا دُرِ مکنونِ شہادت
بے سر دیے ہرگز یہ مہم سر نہیں ہوتی
ہاتھ آئی وہ دولت جو میسّر نہیں ہوتی

یہ مرتبہ بے شکر گزاری، نہیں ہوتا ۲ یہ اوج بجز رحمتِ باری، نہیں ہوتا
بے فیض، یہ چشمہ کبھی جاری نہیں ہوتا کم قدر کا پلّہ، کبھی بھاری نہیں ہوتا
راحت بھی اٹھاتی ہے جب آزار ملے ہیں
غوّاص کو اکثر دُرِ شہوار ملے ہیں

غل تھا کہ یہ اچھوں کی رفاقت کا ثمر ہے ۳ جنت، گلِ زہرا کی محبت کا ثمر ہے
ایمان، فقط نخلِ ولایت کا ثمر ہے سرسبزیٔ حُر باغِ ریاضت کا ثمر ہے
مولا جسے چاہیں وہ گناہوں سے بری ہو
کھیتی یہ ہر اول کی ہے، کیوں کر نہ ہری ہو

اک جا تھے حُر و شمر، یہ عالم میں ہے مشہور ۴ کیا شانِ خدا ہے کہ، یہ مغفور، وہ مقہور
وہ ہوتا ہے جو ہوتا ہے، اللہ کو منظور انسان رہے حق کی طرف اپنے بہ مقدور
دولت کو نہ حشمت کو نہ آرام کو دیکھے
آنکھیں وہی رکھتا ہے جو انجام کو دیکھے

اللہ کے محبوب کے دربار میں پہونچا ۵ سر دے کے یداللہ کی سرکار میں پہونچا
بے رنج و خلش گلشنِ بے خار میں پہونچا وہ نار میں، یہ خُلد کے گلزار میں، پہونچا
مالکؑ نے لیا اس کو اُسے شاہِ عرب نے
رحمت نے اسے گھیر لیا، اُس کو غضب نے

رویا اسے زہرا کا پسر واہ ری قسمت ۶ زانو پہ حسین اور وہ سر واہ ری قسمت
طوبیٰ کے تلے خلد میں گھر واہ ری قسمت دنیا سے یہ راحت کا سفر واہ ری قسمت
کیا جلد گیا سوئے ارم دارِ فنا سے
سوکھا جو پسینہ بھی تو جنت کی ہوا سے

خواہش یہ ہر اک حور کی تھی حُر ادھر آئے ۷ یہ صاحبِ اقبال و تہوّر ادھر آئے
لہراتا تھا کوثر بھی کہ یہ دُر ادھر آئے فرماتے حیدر یہ بہادر، ادھر آئے
مشتاق ملاقات کے سب چھوٹے بڑے تھے
محبوبِ خدا ہاتھوں کو پھیلائے کھڑے تھے

فرماتی تھی زہرا مرے غم خوار کو لاؤ ۸ جلدی مرے پیارے کے مددگار کو لاؤ
تعظیم سے تکریم سے جرّار کو لاؤ لاؤ مرے آگے حُرِ دیں دار کو لاؤ
پایا نہ کفن واں تو یہاں شاد کروں گی
میں حلۂ جنت اسے امداد کروں گی

حوروں کا وہ میووں کے طبق سامنے لانا ۹ در پردہ اشارے کہ، ہماری طرف آنا
کوثر ہے وہ، منظور ہے گر پیاس بجھانا اِس قصرِ جواہر سے کہیں اور نہ جانا
جو کہہ وہ کریں فخر ہے خدمت شہدا کی
ہم سب ہیں کنیزیں پسرِ شیر خدا کی

حقا کہ یہ رتبہ شہِ ذی جاہ نے بخشا ۱۰ ایماں کا شرف، فاطمہؑ کے ماہ نے بخشا
طالب تھا وہ جس کا وہی اللہ نے بخشا بخشا اُسے خالق نے، جسے شاہ نے بخشا
جنت ادھر آئی، جدھر آیا قدم اُن کا
کر دیتا ہے انساں کو فرشتہ کرم اُن کا

اے حُرِ دلاور تری تقدیر کے صدقے ۱۱ رتبے کے فدا، عزت و توقیر کے، صدقے
مہماں کے تصدق، شہِ دل گیر کے صدقے اس صحبتِ ذی قدر کی تاثیر کے، صدقے
ناکام کا یوں کام ملاقات میں بن جائے
برسوں کا جو بگڑا ہو وہ اک بات میں بن جائے

اب یاں سے رقم کرتا ہے، یوں راویِ صادق ۱۲ جب قتل ہوا حُر سا مددگار موافق
پھر فوج پہ برسانے لگے تیر منافق مرجانے پہ اک دل ہوئے سب شاہ کے عاشق
اک ایک سے پہلے تھا خریدار اجل کا
سر کٹ رہے تھے گرم تھا بازار اجل کا

یوں جاتے تھے، میدانِ شہادت میں وہ جرّار ۱۳ جس طرح کہ بچھڑی ہوئی بلبل سوئے گلزار
خود روکتے تھے فرق پہ، جب آتی تھی تلوار بارانِ کرم جانتے تھے تیروں کی بوچھار
برچھی جو لگی نخلِ شہادت میں پھل آیا
جاں آگئی جس وقت پیامِ اجل آیا

زخموں کو عطائے صمدی، جانتے تھے وہ ۱۴ آزار کو لطفِ ابدی، جانتے تھے وہ
جینے کو مقدر کی بدی، جانتے تھے وہ مرنے کو حیاتِ ابدی، جانتے تھے وہ
سوکھے ہوئے ہونٹوں پہ محمدؐ کی ثنا تھی
دو روز کی پیاس، اُن کے لیے آبِ بقا تھی

قربان تولّائے حبیب ابنِ مظاہر ۱۵ یکساں صفتِ مہرِ مبیں باطن و ظاہر
عصیاں سے بَری، طیّب و پاکیزہ و طاہر جاں باز جہاں دیدہ، فنِ جنگ سے ماہر
سر ہلتا تھا پیری سے، قدِ راست میں خم تھا
اس پر بھی کچھ آگے ہی جوانوں سے قدم تھا

رعشہ تھا کہ قابو میں نہ تھے دستِ نکوکار ۱۶ پر ایک میں محکم تھی سپر ایک میں تلوار
جب شہ کی طرف تیر لگاتے تھے ستمگار یہ بڑھ کے اُسے روکتے تھے سینہ پہ ہر بار
بھائی مرے پاس آؤ یہ فرماتے تھے حضرت
جب تیر اُنھیں لگتا تھا، تڑپ جاتے تھے حضرت

جب ایسے رفیقوں کا پرا ہو گیا خالی ۱۷ بھرتا تھا دمِ سرد وہ کونین کا والی
پھر تھا کوئی مولا کا نہ ہمدم نہ موالی لاشوں کو لگاتے تھے گلے سرورِ عالی
بیتاب تھے اس طرح ہر اک دوست کے غم میں
جیسے کوئی روتا ہے برادر کے اَلم میں

لاشوں کے اُٹھانے سے نہ پائی تھی فراغت ۱۸ جوتول کے نیزوں کو بڑھے اہلِ شقاوت
مولا کے یگانوں نے کیا عزمِ شہادت لُٹنے لگی زہرا و محمد کی بضاعت
سیدانیوں کا دودھ جو پی پی کے پلے تھے
جلادوں کی تلواریں تھیں اور اُن کے گلے تھے

لاکھوں سے لڑے حضرتِ عباسؑ کے بھائی ۱۹ حملوں میں دکھائی شہِ مرداں کی لڑائی
سب شانِ پدر بیٹوں نے جعفرؑ کے دکھائی مُسلم کی جو میراث تھی، فرزندوں نے پائی
لاکھوں میں پھر اس شان سے شاہِ دوجہاں تھے
دو طفل جلو میں فقط، اور تین جواں تھے

دو طفل وہ، جو تین شب و روز کے پیاسے ۲۰ زینبؑ کے پسر، شیرِ الٰہی کے نواسے
خود اپنی شہادت کے طلب گار، خدا سے بے تاب کہ کیوں رہ گئے پیچھے شہدا سے
جینے کی ہماری، جو خبر پائیں گی اماں
لاشے بھی یقیں ہے کہ نہ منگوائیں گی اماں

قاسمؑ حسنِ سبز قبا کا مہِ تاباں ۲۱ عباسؑ علی چشم و چراغِ شہِ مرداں
ہم شکلِ نبی نورِ نگاہِ شہِ مرداں زینبؑ کے پسر، جعفرؑ و زہراؑ کے دل و جاں
تاباں نظر آتا تھا قمر پاس قمر کے
پانچوں یہ جری چاند تھے شبیرؑ کے گھر کے

ایک ایک جری ملکِ شجاعت کا شہنشاہ ۲۲ بچپن میں اولوالعزم کہ العظمۃ للہ
ذی قدر، سرافراز، وفا کیش، دل آگاہ شیر اُن کی نظر دیکھ کے بن جاتے تھے روباہ
پیدا یہ تہور سے کہ لاکھوں ہیں تو کیا ہے
دعویٰ تھا ہر اک کو کہ ہمیں شیرِ خدا ہیں

کھولے ہوئے رایت، کوئی تولے ہوئے شمشیر ۲۳ بے تاب کہ تلوار کے چلنے میں ہے کیوں دیر
فاقوں میں زبردست، کہ لاکھوں سے نہ ہوں زیر بیشے میں پلے جو اسد اللہ کے، وہ شیر
جز سجدۂ حق سر کبھی اُن کے نہ جھکے تھے
یہ قبلۂ عالم کا ادب تھا جو رُکے تھے

اس وقت عجب غم تھا شہِ جن و بشر کو ۲۴ نہ رُوح کو راحت تھی، نہ آرام جگر کو
کھو سکتے تھے بھائی کو، نہ اکبرؑ سے پسر کو نہ عونؑ و محمدؑ کو، نہ شبّرؑ کے قمر کو
میوے تھے سب ایک باغ کے پھول ایک چمن کے
وہ بھائی کا بیٹا تھا، یہ بیٹے تھے بہن کے

فرماتے تھے موت آئے تو چھوٹ جاؤں الم سے ۲۵ یارب مرا گھر ہے انھیں جرّاروں کے دَم سے
بچھڑیں ہمیں ان سے یہ جُدا ہوئیں نہ ہم سے کٹ جائے گلا جلد کہیں تیغِ دودم سے
ہاتھوں سے یہ محبوب گنوائے نہیں جاتے
داغ اب ترے بندے سے اُٹھائے نہیں جاتے

ناگاہ ہوا شور، مبارز طلبی کا ۲۶ پھر قصد لعینوں نے کیا بے ادبی کا
مُنہ سُرخ ہوا غیظ سے، ہم شکلِ نبی کا رایت بھی بڑھا فوجِ رسولِ عربی کا
حیدر کے نواسوں کی بھی ابرو پہ بل آیا
چھوٹا تو یہ بگڑا کہ پرے سے نکل آیا

گھبرا کے پکارے جو اسے سیّدِ ابرار ۲۷ بس پھر کے گرے پاؤں پہ آقا کے وہ جرّار
کی عرض بصد عجز کہ اے کُل کے مددگار ہم دونوں غلام اب ہیں اجازت کے طلبگار
بے تاب ہیں دل جان لڑائی میں پڑی ہے (الف)
اے نورِ خدا ذرّہ نوازی کی گھڑی ہے

مرنے کو اگر پہلے گئے قاسمؑ و اکبرؑ ۲۸ یا شاہ ہمیں دودھ نہ بخشیں گی مادر
شبّرؑ کی وہ تصویر، یہ ہم شکلِ پیمبرؐ توقیر اسی میں ہے کہ ہم صدقہ ہوں ان پر
مالک ہیں، خداوند ہیں، سردار ہیں دونوں
ہم ان کے بزرگوں کے نمک خوار ہیں دونوں

بسمل جو ہوئے مُسلمؑ مظلوم کے پیارے ۲۹ ہم خیمے میں جا سکتے نہیں شرم کے مارے
امّاں نے کہا ہوگا کہ اب تک نہ سدھارے جانوں کو بچاتے ہیں، جگر بند ہمارے
قاصر ہیں، جو توقیرِ شہادت نہیں ملتی
کیا جانیں اسے وہ کہ اجازت نہیں ملتی

حضرت پہ ہے روشن، جو ہمارا ہے ارادہ ۳۰ سن کم ہیں، پہ ہمت ہے جوانوں سے زیادہ
نانا تو علیؑ، جعفرِ طیار سے دادا ہم ڈھونڈتے ہیں صبح سے فردوس کا جادہ

شیروں کی طرح بیشۂ حیدر میں پلے ہیں
تلواروں سے ہم کھیل کے اس گھر میں پلے ہیں

وہ تیغ کے مالک ہیں، تو مختار ہیں ہم بھی ۳۱ دادا کی طرح، مرنے پہ تیار ہیں ہم بھی
نانا تھے جو کرّار، تو جرّار ہیں ہم بھی سر دے کے شہادت کے طلبگار ہیں ہم بھی

ہے جوشِ وفا، عمر کے پیمانے بھرے ہیں
ہم صبح سے سر نذر کو ہاتھوں پہ دھرے ہیں

ہم آپ سے، مرنے کے لئے جا نہیں سکتے ۳۲ زخمِ تبر و تیر و سناں کھا نہیں سکتے
بے حکم، جو مطلب ہے اُسے پا نہیں سکتے آداب سے، کچھ لب پہ سخن لا نہیں سکتے

پیچھے رہے اوروں سے یہ تقدیر ہماری
ہاتھ آپ کے ہے، عزت و توقیر ہماری

ہم دونوں غلام اکبرؑ و اصغرؑ کے ہیں یا شاہ ۳۳ الفت کو بس اب دل سے اُٹھا لیجئے للّٰہ
اماں کا تو نازک ہے مزاج، آپ ہیں آگاہ بنتِ اسدِ حضرتِ باری ہیں وہ ذی جاہ

پوچھیں گی خفا ہو کے تو کیا ان سے کہیں گے
آزردہ ہوئیں وہ، تو کہیں کے نہ رہیں گے

عورت ہیں پہ خو بو شہِ مرداںؑ کی ہے ساری ۳۴ شب کو بھی فرمایا تھا ہم سے کئی باری
تم یہ نہ سمجھیو کہ میں عاشق ہوں تمھاری بھائی سے تجھے جان نہ اولاد ہے پیاری

کس کام کے پھر سر جو تصدق نہ کروگے
تب دودھ میں بخشوں گی جو عزت سے مروگے

یہ کہہ کے جو رونے لگے زینبؑ کے جگر بند ۳۵ حضرت نے کہا میں ہوں بہرحال رضا مند
کھوئے ہیں کسی بھائی نے ہمشیر کے فرزند کس منھ سے کہوں آہ کہ ہو خاک کے پیوند

تنہائی کا دکھ فاطمہؑ کا لال سہے گا
لاشے کے اُٹھانے کو بھی کوئی نہ رہے گا

اکبرؑ کو تو ہمشیر نے، میں نے تمھیں پالا ۳۶ ماموں سے جُدا ہوتے ہو جب ہوش سنبھالا
اب کون ہے غربت میں مرا تھامنے والا دل کا کوئی ارمان بھی تم سے نہ نکالا
دس سال بھی پورے نہیں دونوں کے سِنوں میں
دُنیا سے اجل لے چلی شادی کے دنوں میں

دونوں سے یہ فرما کے اُدھر روتے تھے شبّیرؑ ۳۷ چُپ بیٹھی تھی، رانڈوں میں، اُدھر شاہ کی ہمشیر
سرزانو پہ تھا فکر میں، اور لب پہ تھی تقریر محجوب کیا بیٹوں نے، ہے ہے بری تقدیر
میں جانتی تھی پہلے اجازت وہی لیں گے
اس کی نہ خبر تھی کہ دغا وقت پہ دیں گے

آتا ہے دمِ صبح سے یا لاشے پہ لاشا ۳۸ اُن کے لیے اوروں کی لڑائی ہے تماشا
پائی نہ اجازت، یہ سخن خوب تراشا باتیں ہیں یہ ساری، مجھے باور نہیں حاشا
رُکتے ہیں دلاور کہیں روکے سے کسی کے
وہ سب بھی تو پیارے تھے حسینؑ ابنِ علیؑ کے

بانو نے کہا دونوں کی عمریں ہیں ابھی کیا ۳۹ نہ گھر سے وہ نکلے نہ کوئی معرکہ دیکھا
میداں کی رضا دیتے نہ ہوں گے شہِ والا آزردہ نہ ہوں آپ، یہ غصّے کی نہیں جا
سُن لیجیے گا، رن میں جو کچھ کام کریں گے
حیدرؑ کے نواسے ہیں، بڑا نام کریں گے

فرمایا کہ ہاں، جو مجھے تقدیر دکھائے ۴۰ جی جاؤں گی، مر کر، جو وہ میدان سے آئے
کیوں شاہ سے رخصت کا سخن لب پہ نہ لائے کیا جانیے کس فکر میں ہیں وہ مرے جائے
جو چاہیں کریں، بیٹوں کے قابل میں کہاں ہوں
اب وہ مرے فرزند نہ میں دونوں کی ماں ہوں

یہ ذکر تھا فضہ جو خبر لے کے یہ آئی ۴۱ فریاد کہ اب لٹتی ہے زینبؑ کی کمائی
لو بیرے خوزادوں نے رضا جنگ کی پائی اے بنتِ علیؑ رو رہے ہیں، آپ کے بھائی
بچّے بھی شریکِ شہدا ہوتے ہیں لوگو
دو بھانجے ماموں پہ فدا ہوتے ہیں لوگو

فضہ سے یہ سُننا تھا کہ بس رونے لگے سب ۴۲ اور خاک پہ سجدے کو جھکیں حضرتِ زینب
فرمایا کہ صد شکر، بر آیا مرا مطلب عزت مرے بچوں کی ترے ہاتھ ہے یارب

بہتر ہے جو لڑنے کو وہ پیارے گئے دونوں
یہ خوش خبری آئے کہ مارے گئے دونوں

بچے ہیں، لڑائی کے نہیں رنگ سے واقف ۴۳ نیزے کے نہ تلوار کے ہیں ڈھنگ سے واقف
فوجوں سے نہ آگہ، نہ فنِ جنگ سے واقف دونوں میں نہیں ایک بھی چورنگ سے واقف

بوٹا سے ہیں قد بھی نہیں کچھ ایسے بڑے ہیں
گھوڑوں پہ تو وہ پہلے پہل آج چڑھے ہیں

دہ سالہ و نو سالہ تھے، نکلے جو وطن سے ۴۴ بُو دودھ کی آتی ہے ابھی اُن کے دہن سے
بچے مرے کمزور ہیں فاقوں کے محن سے دھڑکا ہے کہ گھبرا کے چلے آئیں نہ رن سے

محسوب ہوں فدیوں میں ولی ابنِ ولی کے
تو ان کی مدد کر کہ نواسے ہیں علیؑ کے

بانو نے کہا دیکھ لو پھر ان کو بُلا کر ۴۵ فرمایا نہیں آئیں گے خود برچھیاں کھا کر
اصرار کیا سب نے، تو گردن کو جھکا کر فرمایا کہ اچھا کوئی کہہ آئے یہ جا کر

صدقے گئی کچھ کام ہے یاں آکے سدھارو
جاتے ہو تو شکلیں مجھے دکھلا کے سدھارو

فضہ گئی اور خیمے میں لائی انھیں ہمراہ ۴۶ آئے صفتِ مہر لرزتے ہوئے دو ماہ
قدموں پہ گرے ہاتھوں کو جوڑے جو وہ ذی جاہ لپٹا کے گلے کہنے لگی بنتِ ید اللہ

ماموں پہ فدا ہوتے ہو، میں تم پہ فدا ہوں
لو آؤ کہ میں اب تو نہ غصے نہ خفا ہوں

چھوٹے نے کہا جوڑ کے ہاتھوں کو کہ مادر ۴۷ ہر دم تھے اسی فکر میں ہم دونوں برادر
جاتا تھا وہاں ایک کے بعد ایک دلاور ہر دست سے مل مل کے گلے روتے تھے، سرور

کس سے کہیں آقا پہ جو کچھ رنج و تعب تھا
اس وقت میں رخصت طلبی ترکِ ادب تھا

لاشوں کا وہ آنا وہ ہجومِ اَلم و یاس ۴۸ جرأت نہ پڑی عرض کی، تھے گرچہ بہت پاس
آزردہ نہ ہوں آپ ہمیں تھا یہی وسواس جب بڑھتے تھے ہم روکتے تھے حضرتِ عبّاس
جوڑے ہیں کبھی ہاتھ کبھی گرد پھرے ہیں
راضی ہوئے جب پاؤں پہ اسوقت گرے ہیں

خوش ہو کے کہا ماں نے کہ شاباش دلیرو ۴۹ اب دیر نہیں خوب سِدھارو مرے شیرو
ہاں چاہیئے منھ نیزہ و خنجر سے نہ پھیرو دو شیر ہو مل کر عمر و شمر کو گھیرو
توقیر تمھاری ہو، مری نام وری ہو
سر دونوں کے لاؤ تو میں جانوں کہ جری ہو

دادا کو جو پوچھو تو علمدارِ پیمبر ۵۰ ہاتھوں کے عوض جن کو خدا نے دیئے دو[۱۴] پر
نانا سا تو عالم میں نہ تھا کوئی دلاور کرّار کی جرأت تو سنی ہو گی مکرّر
یوں سب ہیں پہ سرتاج دلیروں کے تمھیں ہو
ماں صدقے گئی شیر تو شیروں کے تمھیں ہو

اس گھر کے بزرگوں کا چلن تیغ زنی ہے ۵۱ جو فقر میں کرتا ہے سخاوت، وہ غنی ہے
کیا شہرۂ[۱۵] خیبر شکنی، بت شکنی ہے جو بات پہ سر دے وہ سخاوت کا دھنی ہے
بودے کی کہاں آنکھ کہاں مرد کے تیور
چھپتے نہیں لاکھوں میں جواں مرد کے تیور

ہمراہ کوئی واں سے نہیں لاتا ہے رُتبہ ۵۲ جو نام پہ مرتا ہے، وہی پاتا ہے رُتبہ
سر پیچ کے ذی قدر کو ہاتھ آتا ہے رُتبہ ہٹتا ہے قدم بڑھ کے تو گھٹ جاتا ہے رُتبہ
مر کر نہ ہٹے قابلِ احسنت[۱۶] وہی ہے
جو کھیت میں سر سبز ہو ساونت[۱۸] وہی ہے

دریا کی طرف پیاس میں تکتے نہیں غازی ۵۳ گو شیر بھی جھپٹے تو سرکتے نہیں غازی
تلواروں میں آنکھوں کو جھپکتے نہیں غازی بجلی بھی گرے گر تو، جھجکتے نہیں غازی
آفت میں حواس انکے بجا ہوتے ہیں پیارو
جرّاروں کے تیور ہی[(۴)] جُدا ہوتے ہیں پیارو

تیروں کی مہم بلت میں سر کرتے ہیں صفدر　۵۴　آقا کے دلِ پاک میں گھر کرتے ہیں صفدر
تلواروں میں سینوں کو سپر کرتے ہیں صفدر　عزت پہ بزرگوں کی نظر کرتے ہیں صفدر
دم ہونٹوں پہ آتے تو شجاعت نہیں جاتی
مرنے پہ بھی چہرہ کی بشاشت نہیں جاتی

نانا نے تمھارے درِ خیبر کو جو توڑا　۵۵　مانندِ سپر ہاتھ سے اس در کو نہ چھوڑا
ہر وار میں، بچتا تھا نہ اسوار نہ گھوڑا　خالی ہوا جب قلعہ تو منھ جنگ سے موڑا
تھراتے کفار، تزلزل میں زمیں تھی
تھا زور تو یہ، اور غذا نانِ جویں تھی

جب دستِ یداللہ میں تیغِ دوسر آئی　۵۶　بس قبضۂ قدرت میں یکایک ظفر آئی
جھپٹے یہ ادھر فوج پہ، نصرت اُدھر آئی　بعد آپ پھرے، فتح کی پہلے خبر آئی
پڑھتے ہیں وہ کلمہ جو مسلماں ہوئے دب کے
اب تک تو سر اُٹھتے نہیں، کفارِ عرب کے

خندق کی دغا، عمروِ سیہ کار کی وہ دھوم　۵۷　تھراتا تھا تلوار سے جس کی عرب و روم
رد کر کے جو حربوں کو بڑھا خاصۂ قیوم　جھپٹا اسد آہو پہ، یہ سب کو ہوا معلوم
اک ضرب میں نہ گرز، نہ مغفر تھا، نہ سر تھا
خندق کے اُدھر لاش، سرِ نحس اُدھر تھا

جس وقت ظفریاب ہوئے حیدرِ کرار　۵۸　ایک ہاتھ میں سر عمرو کا، اور ایک میں تلوار
فرمایا نبیؐ نے یہ بہ اعلان و بہ تکرار　افضل ہے دو عالم کی عبادت سے یہ اک وار
سر فتح کا تھا پاؤں پہ خالق کے ولی کے
جبریلِ امیں چومتے تھے ہاتھ علیؑ کے

واری یوں ہی تم بھی مرے کام آؤ تو جانوں　۵۹　آقا کی اطاعت کو بجا لاؤ تو جانوں
اِن چھاتیوں پہ زخمِ سناں کھاؤ تو جانوں　لڑ بھڑ کے جب اس فوج سے مر جاؤ تو جانوں
جرّار ہو سب حال سے محرم ہیں تمھارے
مجھ کو بھی یہ دھڑکا ہے کہ سن کم ہیں تمھارے

ماں صدقے گئی گھاٹ پہ دریا کے نہ جانا ۶۰ پانی کی طرف پیاس میں گھبرا کے نہ جانا
ساحل پہ کبھی سرد ہوا پا کے نہ جانا صابر ہو تو، رہواروں کو گرما کے نہ جانا
ایسے تو نہیں جو مجھے محجوب کروگے
میں دودھ نہ بخشوں گی جو پیاسے نہ مروگے

جس پانی کو ترسے اسد اللہ کا پیارا ۶۱ کیوں جاؤ ادھر نہر پہ کیا کام تمھارا
عاقل کے لیے کافی و وافی ہے، اشارا گر آبِ بقا ہو تو مناسب ہے کنارا
وہ کام ہو جس کام میں کوثر پہ گذر ہو
دم بھر کے لیے کیوں عرقِ شرم میں تر ہو

بھائی کسی ہنگام میں بھائی کو نہ چھوڑے ۶۲ دونوں میں کوئی عقدہ کشائی کو نہ چھوڑے
جرأت کو، جلالت کو، لڑائی کو نہ چھوڑے ہمت کو، مروّت کو، بھلائی کو نہ چھوڑے
جو امر کہ مشکل ہے، وہ دشوار نہ ہوگا
اک دل ہوئے جب دو تو کوئی چار نہ ہوگا

اک بھائی لڑے بڑھ کے، جو ہاتھ ایک کا تھک جائے ۶۳ بلوہ جو پھر اُس پر ہو، تو یہ بہرِ کمک جائے
ہاتھوں میں صفائی ہو کہ بسمل بھی پھڑک جائے گر صف ہو تو لپٹا ہو، پرا ہو تو سرک جائے
حملوں میں سب انداز ہوں خالق کے ولی کے
پہچان لیں وہ سب کہ نواسے ہیں علیؑ کے

نیزوں کی طرف چھاتیاں تانے ہوئے جانا ۶۴ ہاں تیروں کی بارش میں، سپر منھ پہ نہ لانا
ہنس ہنس کے میں قربان گئی برچھیاں کھانا لازم ہے وہ ہمت، کہ معترف ہو زمانا
اس جنگ کا چرچا، سحر و شام رہے گا
دنیا میں اگر تم نہ رہے، نام رہے گا

دونوں نے کہا، ہوگا یہی فضلِ خدا سے ۶۵ کیا بات ہے، جیتے ہیں تو مر جائیں گے پیاسے
ہم اور نہیں کوئی، علیؑ کے ہیں نواسے غافل نہ رہیں آپ، غلاموں کی دعا سے
کچھ ہم سے نہ تلوار سے نہ ڈھال سے ہوگا
جو ہوگا وہ سب آپ کے اقبال سے ہوگا

بھولے سے بھی دریا کی طرف جائیں تو مجرم ۶۶ ارشاد نہ حضرت کا بجا لائیں تو مجرم
بڑھ بڑھ کے نہ شمشیر و سناں کھائیں تو مجرم   بڑھ جائیں تو بے وقر، جو ہٹ جائیں تو مجرم
مر جائیں گے، دُنیا میں سدا کون جِیا ہے
دودھ آپ کا ہم دونوں نے پیا ہے

مجبور ہیں سینوں میں اگر دم نہ رہیں گے ۶۷ بیٹھے ہیں تو بے صف شکنی ہم نہ رہیں گے
لڑکے ہیں، جوانوں سے مگر، کم نہ رہیں گے   سر کاٹے گا، پاؤں جو محکم نہ رہیں گے
جینا کسی صورت ہمیں مطلوب نہیں ہے
اب کیا کہیں، خود اپنی ثنا خوب نہیں ہے

ان سینوں پہ رکھ دے کوئی سو نیزوں کی بھالیں ۶۸ چھوٹے تو ہیں، کیا منہ سے بڑی بات نکالیں
تلواروں میں روکیں گے وہی سینہ پہ ڈھالیں   سیدانیاں ایسی، جنھیں آغوش میں پالیں
ہم جینے پہ مرتے نہیں، مرنے کو جِئے ہیں
سینے ہمیں کس واسطے خالق نے دیے ہیں

ہوتے ہیں مکدر کہیں، دل جن کے صفا ہوں ۶۹ مختار ہیں یوں، آپ سزا دیں کہ خفا ہوں
تب وقت ہے غصّے کا جو وعدے نہ وفا ہوں   وہ نام پہ کیوں کر نہ مریں جو شرفا ہوں
کیا زیست پسر ان کی جنھیں ماں باپ نہ بخشیں
تیور بھی جو میلے ہوں تو دودھ آپ نہ بخشیں

سب نام کریں، اور ہمیں جرأت نہ دکھائیں ۷۰ ایسے تو نہیں ہم جو شجاعت نہ دکھائیں
مصحف کی قسم، آپ کو صورت نہ دکھائیں   نانا کی اگر شان و جلالت نہ دکھائیں
خندق ہو تو لاشوں سے زمیں پاٹ کے مر جائیں
تیغیں نہ چلیں گر تو گلا کاٹ کے مر جائیں

آنکھوں سے ٹپکنے لگے رخساروں پہ آنسو ۷۱ جب کہہ چکے یہ جوشِ شجاعت میں وہ گل رُو
اللہ یہ غصّہ ہے کہ بل کھاتے ہیں گیسو   لپٹا کے گلے، کہنے لگی زینبِ خوش خُو
لڑنا ہے تمھیں فوج سے مطلوب، لڑو گے
لو رو دو نہ معلوم ہوا، خوب لڑو گے

صدقے میں ارادوں کے مرے شیر جوانو ۷۲ اے بے وطنو، فاقہ کش و تشنہ دہانو
اب غیظ سے تھراؤ نہ، کہنا مرا مانو ماں کہتے تھے پر اب مجھے تم خادمہ جانو
یہ فصل لڑائی کی نہیں کھیل کے دن ہیں
میں اس لیے کہتی ہوں کہ چھوٹے ابھی سن ہیں

شیر اس کے ہو تم، شیر ہے جو بنتِ اسد کا ۷۳ سر جس نے کیا معرکہ صفیّن و اُحد کا
دُنیا میں بڑا نام ہے تم دونوں کے جد کا ماں صدقے گئی وقت ہے ماموں کی مدد کا
ایک ایک جری دشتِ ستم لاشوں سے بھر دے
اللہ تمھیں لشکرِ اعدا پہ ظفر دے

لو بخش دیا دودھ، سِدھارو مرے پیارو ۷۴ اُلجھے ہوئے گیسو تو سنوارو مرے پیارو
میلی ہے یہ پوشاک، اُتارو مرے پیارو دولھا تو بنالوں مرے پیارو مرے پیارو
خوش ہوں گی میں تب گھوڑوں پہ جب آن چڑھو گے
شادی ہے بڑی آج کہ پروان چڑھو گے

فرما کے یہ لیں دونوں کے چہروں کی بلائیں ۷۵ اور تھام کے بازو کو پڑھیں آپ دعائیں
فرمایا کہ رخصت جنھیں ہونا ہو وہ آئیں لو بیبیو سب آؤ تو، بچے مرے جائیں
رن میں یہ برات اپنی دکھانے کو چلے ہیں
دونوں دُلھنیں بیاہ کے لانے کو چلے ہیں

سب بیبیاں آئیں جو کلیجوں کو سنبھالے ۷۶ تسلیم کو جھک جھک گئے وہ نازوں کے پالے
جس وقت چلے خیمے سے وہ گیسوؤں والے در تک گئی ماں، خاکِ عزا فرق پہ ڈالے
ڈیوڑھی سے جو دونوں دُرِ یکتا نکل آئے
نزدیک تھا یہ ماں کا کلیجہ نکل آئے

خیمے سے برآمد ہوئے زینب کے جو دلبر ۷۷ دیکھا کہ حسینؑ ابنِ علیؑ روتے ہیں در پر
بس جھک گئے تسلیم کو حضرت کے وہ صفدر منھ کرکے سوئے چرخ پکارے شہِ بے پر
یہ وہ ہیں جو آغوش میں زینبؑ کی پلے ہیں
بچے بھی تری راہ میں مرنے کو چلے ہیں

کہہ کر یہ سخن دونوں کو گھوڑوں پہ چڑھایا ۷۸ دونوں نے شرف پایۂ معراج کا پایا
بجلی کا سب انداز سمندوں نے دکھایا دوڑے کہ دکھائی نہ دیا دھوپ میں سایا
ثابت نہ ہوا ایک پہ، کیا ہو گئے دونوں
جنگل کو جو دیکھا ہوا ہو گئے دونوں

ایک ایک سے جاں دار گراں قدر، سبک رو ۷۹ وہ جست، وہ کاوے، وہ طرارے، وہ دوادو[۲۳]
کیلوں کی وہ تابش، وہ ہر ایک نعل کا پرتو تاروں میں دکھاتے تھے چمک چار مہِ نو
اِک چاند تھا وہ جو سُمِ توسن کا نشاں تھا
بالائے زمیں عالمِ بالا کا سماں تھا

شکلیں بھی پری، جرأت و سرعت کے علاوا ۸۰ دو گام تھا، جن کے لیے سو کوس کا دھاوا
قد ایک سے، شکل ایک سی، اور ایک سا کاوا[۲۴] یہ گشت میں بجلی، وہ روا رو میں چھلاوا
شوخی میں یہ آہو تھا اگر، طیر تھا وہ بھی
یہ بادپا[۲۵] پیما، تو فلک سیر تھا وہ بھی

ہاں کبک تو یہ رنگ، یہ انداز دکھائے ۸۱ قائل ہوں جو طاؤس، یہ پرواز دکھائے
جانیں جو پری، چال میں یہ ناز دکھائے آہو یہ طرارے یہ تگ[۲۶] و تاز دکھائے
ہوگا وہی لاریب، تصور ہمیں[۲۷] جو ہے
دعویٰ ہے تو آئیں یہی میداں یہی گو ہے

تھم تھم کے بھی چلنے میں سب انداز ہوا کا ۸۲ لڑنے میں سماں برق کا، اڑنے میں ہما کا
پائے انھیں، مقدور یہ کب پیکِ[۲۸] صبا کا نے وہم کا واں دخل، نے فہم شعراء کا
یہ عجز ہے تعریف جو کرتا نہیں کوئی
باندھیں کیسے، مضمون ٹھہرتا نہیں کوئی

یوں ذہن میں آتے ہی نکل جاتے ہیں سن سے ۸۳ جس طرح نسیم آ کے نکل جائے چمن سے
جرأت میں فزوں شیر سے، سرعت میں ہرن سے آگاہ ہیں وہ جرأت و سرعت کے چلن سے
نعل ان کے سروہی سے چلے فوجِ ستم پر
پڑتے تھے قدم دونوں کے دُلدُل کے قدم پر

گھوڑوں کو اُڑاتے ہوئے پہونچے جو بہادر ۸۴ فوجِ ستم آرا ہوئی سب غرقِ تحیر
اِک شور ہوا کون سے دریا کے ہیں یہ دُر لڑکے ہیں یہ اللہ رے اقبال و تہوّر
کیا جانیے کیا نام ہیں، ان کے اَب و جد کے
تیور سے یہ پیدا ہے کہ بچے ہیں اسد کے

پیشانیاں خورشید جہاں تاب سے بہتر ۸۵ رخسارۂ رنگیں گلِ شاداب سے بہتر
دانتوں کی صفا گوہرِ نایاب سے بہتر چہروں کا عرق موتیوں کی آب سے بہتر
ابرو نہیں، پیشانی ذی قدر کے نیچے
ہیں دو مہِ نو، ہالۂ اِک بدر کے نیچے

حیراں ہیں عدو حُسن پہ اور دونوں کے سن پر ۸۶ ابرو وہ کمانیں ہیں کہ قرباں[۲۷] ہیں سب ان پر
آنکھیں وہ کہ پریوں کی نظر پڑتی ہے جن پر گیسو ہیں کہ سایہ کیا ہے رات نے دن پر
یہ گیسو و رُخ خوں میں بھرے رنج کی جا ہے
دو بدر، شبیں چار، شش و پنج کی جا ہے

آنکھوں کی سیاہی پہ فدا نرگسِ شہلا ۸۷ یہ عینِ شجاعت ہے کہ ہے معرکہ پہلا
ہیں پنجتنی، دل کبھی ان کا نہیں دہلا بے تیغوں کے کھیلے کوئی بچہ نہیں بہلا[۲۸]
تلوار چلی پھر گئی چتون جدھر اُن کی
غصے میں سروہی سے سوا ہے، نظر اُن کی

دلبر ہیں دلیروں کے، حسینوں کے حسیں ہیں ۸۸ گویا یہ دہن، خاتمِ قدرت کے نگیں ہیں
شیریں سخن اس طرح کے عالم میں نہیں ہیں یہ طرفہ حلاوت ہے، کہ باتیں نمکیں ہیں
جُملے ہیں وہی صاف، وہی شرط و جزا ہے
تقریر میں سب مصحفِ[۲۹] ناطق کا مزا ہے

شرمندہ ہے شمشاد بھی، قد معتدل ایسے ۸۹ رکھ دیتے ہیں سینوں کو سنانوں پہ دل ایسے
مختوم ہیں خط خال کے نقطے سجل ایسے دیکھے ہیں کسی چشم کی پتلی نے تِل ایسے
سطریں ہیں یہ سب گیسوؤں کے بال نہیں ہیں
مُہریں ہیں یہ خطِ حسن پہ ہیں، خال نہیں ہیں

دو چاند سے سینے کہ، وفا کا ہے گھر ان میں ۹۰ عدل و کرم و صنعت و علم و ہنر ان میں
شیروں کا ہے بیشہ کہ دل ان میں جگر ان میں اسرارِ جنابِ اَحدی کے گُہر ان میں
خود جن میں ہوں دریا، یہ سفینے نہیں دیکھے
اِس طرح کے سینے تو کسی نے نہیں دیکھے

مضموں ہیں سرِ دست یہ ہاتھوں کی ثنا کے ۹۱ ناخن میں ہیں دونوں کے ہُنر عقدہ کشا کے
قبضے (کے) پہ اگر ہاتھ رکھیں غصے میں آ کے دَم بھر میں مِلا دیں طبقے ارض و سما کے
ہے کون سا، سرکش جو یہاں پست نہیں ہے
ان سے کوئی دُنیا میں زبردست نہیں ہے

بُت کعبے سے جن سب نے نکالے یہ وہی ہیں ۹۲ رُکتے نہیں جن لوگوں کے بھالے، یہ وہی ہیں
ہے فتح و ظفر جن کے حوالے، یہ وہی ہیں خیبر کے ہیں جو توڑنے والے، یہ وہی ہیں
پروانے ہیں شمعِ حرمِ[31] لم یزلی پر
قبضہ انھیں لوگوں کا ہے شمشیرِ علیؑ پر

فوجیں نہیں ٹھہریں، یہ جہاں جم کے لڑے ہیں ۹۳ ہاتھ ان کے تو فولاد کے پنجے سے کڑے ہیں
چھوٹے ہیں جو اس گھر کے، وہ جرّار بڑے ہیں دیکھو یہ کہ بپھرے ہوئے دو شیر کھڑے ہیں
یہ پاؤں ہٹاتے نہیں ہیں، جنگ پہ چڑھ کر
سر کٹنے پہ بھی گرتے ہیں تو کھیت سے بڑھ کر

ناگاہ یہ بڑھ کر پسرِ سعد پکارا ۹۴ اے شیر دلو! نام و نسب کیا ہے تمھارا
تلواریں پکڑ کر یہ پکارے، وہ دل آرا خالق نے ہمارے لیے دُنیا کو سنوارا
خورشیدِ زمیں، تاجِ سرِ عرشِ بریں ہیں
پہلا یہ شرف ہے کہ غلامِ شہِ دیں ہیں

اسمِ جدِّ اعلیٰ ہے ابو طالبِ والا ۹۵ جس شیر نے احمدؐ سے شہنشاہ کو پالا
عزّت میں فزوں سب سے، شرافت میں دوبالا جس کا ہے علیؑ سا پسرِ اقدس و اعلا
مصدر سے جو مشتق ہے تو اعلیٰ سے علیؑ ہے
ایمان میں ان کے جسے شک ہو وہ شقی ہے

دادا ہے شہنشاہِ دو عالم کا مددگار ۹۶ سردارِ جہاں فخرِ عرب، جعفرِ طیار
وہ شقۂ[۳۱] طرازِ علمِ احمدِ مختار آلودہ رہی خون میں جس شیر کی تلوار
ہاتھوں کے عوض حق سے سر دست لیے ہیں
اللہ نے پر ان کو زمرد کے دیے ہیں

نانا اسد اللہ، مددگارِ دو عالم ۹۷ دیں دار، نمودار، جہاں دارِ دو عالم
سلطانِ قضا، منتظم کارِ دو عالم سرتاجِ فلک، جیغہ[۳۲] (ل) دستارِ دو عالم
سب امر اہم، عقل کی میزاں میں تلے تھے
عقدے وہ ہوئے حل، جو کسی سے نہ کھلے تھے

بازوئے نبی، دستِ خدا، نفسِ پیمبر ۹۸ طیب و زکی، طاہر و پاکیزہ و اطہر
لشکر شکن و بت شکن و فاتحِ خیبر سرتاجِ عجم، میرِ عرب، حیدرِ صفدر
اصنام سے کیا خانۂ حق پاک کیا ہے
گہوارے میں اژدر کا دہن چاک کیا ہے

وہ رعب کہ شیروں کو بھی عبرت ہوئی جس سے ۹۹ وہ حکم کہ خورشید کو رجعت ہوئی جس سے
وہ زور کہ ایماں کو قوت ہوئی جس سے وہ ضرب بِنا کفر کی غارت ہوئی جس سے
دیکھے اسے آگاہ جو حیدر سے نہیں ہے
بہتر کوئی شاید درِ خیبر سے نہیں ہے

کانپا کیا روم و عرب اِک تیغ دو سر سے ۱۰۰ گذری سرِ مرحب[۳۴] سے تو عنتر[۳۵] کی کمر سے
دیں داروں کو امن اس نے دیا فتنۂ و شر سے ضرب اس کی نہ روکی گئی جبریل کے پر سے
کیا کیا نہ بدل جائے گا کیا کیا نہ مٹے[۳۶] گا
پر حشر تک اس ضرب کا سکہ نہ مٹے گا

اللہ رے اوج و شرف و عزت و مقدار ۱۰۱ دشمن کو بھی تھا فضل میں جس کے نہیں انکار
خالق کا ولی، احمدِ مرسل کا مددگار خاکِ کفِ پا سرمۂ چشمِ اُولوالابصار[۳۶]
پاتے ہیں اشارے میں شفا کور و کر، اس سے
بینا ہے وہی جس کو ہے چشمِ نظر اس سے

ہم دونوں نواسے ہیں اسی فیضِ رساں کے ۱۰۲ فرزند ہیں ہمشیرِ شہِ کون و مکاں کے
دکھلائیں گے جوہر تمھیں تیغِ دو زباں کے بڑھ بڑھ کے اُلٹ دیں گے پرے فوجِ گراں کے
تم یہ نہ سمجھنا کہ یداللہ نہیں ہیں
ہم شیر تو ہیں، گر اسداللہ نہیں ہیں

سن کر یہ رجز فوج کے سردار پکارے ۱۰۳ اے قوم یہ شبیر کے ہیں بھانجے پیارے
تابندہ ہیں، افلاکِ شرافت کے یہ تارے ہاں بھرے طلاے وہ سپر، جو انھیں مارے
حیدر کی طرح صاحبِ شمشیر ہیں دونوں
لڑکا انھیں سمجھے نہ کوئی، شیر ہیں دونوں

یہ سن کے کیا سب نے لڑائی کا سرانجام ۱۰۴ کھلنے لگے ہر صف میں علم ہائے سیہ فام
برچھی کہیں چمکی، کہیں جمدھر، کہیں صمصام بدلی کی طرح جھوم کے آئی سپہِ شام
یوں آتے تھے سب لوٹ کو، فوج آتی ہے جیسے
بچوں پہ صفیں آتی تھیں، موج آتی ہے جیسے

اس شور میں، بشاش کھڑے تھے وہ دلاور ۱۰۵ پروا تھی نہ مطلق کہ یہ فوج آتی ہے کس پر
کہتا تھا بڑے بھائی سے چھوٹا، کہ برادر دیکھیں تو ذرا آپ، قریب آگیا لشکر
وہ کہتا تھا تکیہ ہے عنایاتِ اَحد پر
آنے دو، اجل ان کو لیے آتی ہے، زد پر

آتا ہے شکار آپ سے، جس دم طرفِ شیر ۱۰۶ دانستہ وہ کرتا ہے جھپٹنے میں ذرا دیر
جاتے ہیں کہاں اب تو یہ آئے تہِ شمشیر جس جا ہیں صفیں، لاشوں کے ہوتے ہیں وہاں ڈھیر
کھل جائے گا، جب نیمچے کھینچیں گے، کمر سے
عرصہ فقط اتنا ہے کہ، سبقت ہو اُدھر سے

تھوڑے میں اُبل پڑتے ہیں وہ، جو ہیں تنگ ظرف ۱۰۷ جب گرم ہوا مہرِ درخشاں تو کہاں برف
سر جائے، پہ آئے نہ شجاعت پہ کوئی حرف اس نحو سے، عمر اپنی بزرگوں کی ہوئی صرف
ہاتھ اپنا چلے گا، تو جگہ پا کے چلے گا
ٹھوکر وہی کھائے گا جو گھبرا کے چلے گا

تقریر اِدھر یہ تھی، کہ تیر آئے اُدھر سے ۱۰۸ پیغامِ دغا لے کے سفیر آئے اُدھر سے
سب موت کے حلقے میں اسیر آئے، اُدھر سے دو بچوں پہ، دو لاکھ شریر آئے اُدھر سے
اس بھیڑ پہ بھی بند تھے دہشت سے دَم ان کے
بڑھ بڑھ کے ہٹے جاتے تھے پیچھے قدم ان کے

برچھی لیے انبوہ سواروں کا جب آیا ۱۰۹ شہزادوں نے رانوں میں سمندوں کو دبایا
اک شور ہوا غیظ رحیموں کو اب آیا دو نیمچے بجلی سے جو چمکے، غضب آیا
آخر وہ جری لختِ دلِ ضیغمِ دیں تھے
سر تھے صفِ اوّل کے کہیں، جسم کہیں تھے

بس پھر تو دھنسے فوج میں وہ شیر درندہ ۱۱۰ تلواروں سے ڈر ڈر کے چھپے مُردوں میں زندہ
آہو سے بھی چالاک تھے اسپانِ دوندہ مُڑنے میں جو بجلی تھے، تو اُڑنے میں پرندہ
مانندِ بُراقِ نبوی، عرش سما تھے
گھوڑے نہ کہو، اوجِ سعادت کے ہُما تھے

مارا انھیں چُن چُن کے، جو تھے فوج میں چیدہ ۱۱۱ رہواروں سے پامال تھے سر ہائے بریدہ
باہم تھے کماں داروں سے دونوں وہ کشیدہ بدکیش و خطاکار تھے، سب زخم رسیدہ
سہمے ہوئے تھے تیر، کہ آفت تھی جہاں پر
پیکان نہ سر پر تھا، نہ چلّہ تھا کماں پر

خالی تھی جو یہ صف، تو پریشاں وہ پرا تھا ۱۱۲ جنگل ستم ایجادوں کی لاشوں سے بھرا تھا
رنگ اُڑ گئے تھے چہروں سے، لشکر یہ ڈرا تھا تھرّاتا تھا وہ ہاتھ، جو قبضے پہ دھرا تھا
ڈر سے نہ بڑھاتے تھے جو سرکش قدم اپنے
تیغیں بھی نیاموں میں چُرائے تھیں دَم اپنے

وہ مر گیا تلوار اُٹھا کر جسے ڈانٹا ۱۱۳ اس نخل کو تلوار سے کاٹا اسے چھانٹا
گلہائے جراحت کو عجب حُسن سے بانٹا نکلی نہ کوئی شاخ، نہ اُلجھا کوئی کانٹا
اب تک یہ ہوا، باغِ جہاں میں نہیں دیکھی
غُل تھا کہ بہار ایسی خزاں میں نہیں دیکھی

تلوار نے چھوٹے کی نیا رنگ دکھایا 114 ضربِ اسد اللہ کا سب ڈھنگ دکھایا
حسرت ہوئی وہ زور، دمِ جنگ دکھایا راکب کو بھی مرکب کو بھی، چورنگ دکھایا
ایسا کوئی طفلی میں نمودار نہ ہوگا
ہاتھ ایسا تو جعفر کا بھی تیار نہ ہوگا

وہ نیمچہ اور پھول سی وہ نرم کلائی 115 سب جس سے ہویدا یدِ بیضا[39] کی صفائی
وہ انگلیاں جن میں، ہنرِ عقدہ کشائی ضیغم کے بھی پنجے نے یہ قوت نہیں پائی
زور ایسا، جہاں کوہ ٹنک ہاتھ کے بل سے
ضرب ایسی کہ پوچھے کوئی جبریل کے دل سے

دو شیروں سے بچ کر ستم ایجاد کدھر جائے 116 گر منھ پہ چڑھے یہ تو سرِ نحس اُتر جائے
خالی بھی جو دے وار تو سپر خون میں بھر جائے بس زیست اسی میں ہے کہ تلوار سے مر جائے
بزدل جو بچے کیوں کر، وہ دلیروں سے بچے گا
بھاگے گا تو کیا صید یہ شیروں سے بچے گا

کس میں تھی ضیا نیمچوں کی ضو کے برابر 117 گویا کہ مہِ نو تھا مہِ نو کے برابر
بجلی نہ چمک سکتی تھی پرتو کے برابر سر خاک پہ گر پڑتے تھے سو سو کے برابر
بچتا تھا نہ وہ، نوک بھی جا لگتی تھی جس کو
رہ جاتا تھا وہ، جل کے ہوا لگتی تھی جس کو

کاٹی جو سپر فرقِ جفا جو پہ نہ ٹھہری 118 منھ پر نہ رکی ساعد و بازو پہ نہ ٹھہری
چار آئینہ[40] ظالم بد خو پہ نہ ٹھہری دشمن کی زرہ کاٹ کے پہلو پہ نہ ٹھہری
کیا زور تھا، کیا ضربتِ شمشیر نکو تھی
گھوڑے کی بھی گردن اسی اک وار میں دو تھی

بھالوں میں جو تیغوں کو سنبھالے نظر آئے 119 افسر نظر آئے نہ رسالے نظر آئے
ریتی پہ طپاں برچھیوں والے نظر آئے ہر صف کی جگہ خون کے تھالے نظر آئے
غل تھا کہ رن ایسا کبھی پڑتے نہیں دیکھا
بچوں کو اس انداز سے لڑتے نہیں دیکھا

چار آئے جو لڑنے کو تو اِک دل ہوئے دونوں ۱۲۰ ٹھہرے نہ ہٹے، نہ متامّل ہوئے دونوں
گرما کے فرس جنگ پہ مائل ہوئے دونوں   چاروں سے یہ فرما کے مقابل ہوئے دونوں
ششدر نہیں ہوتے جو شجاعت کے دھنی ہیں
تم چار ہو ہم دو ہیں مگر، پنجتنی ہیں

یہ سنتے ہی بچوں پہ جھپٹ کر وہ بل آئے ۱۲۱ غصے سے دلیروں کے بھی ابرو پہ بل آئے
لشکر نے یہ جانا کہ وہ بچ کر نکل آئے   آنا تھا کہ چاروں تہِ تیغِ اجل آئے
احسنت کا برپا ہوا غُل چرخِ بریں پر
ٹکڑے جو گنے چار کے تھے آٹھ زمیں پر

کیا ذکر بھلا آٹھ کا، یا چار سروں کا ۱۲۲ کُشتوں کے جو پُشتے تھے تو انبار سروں کا
گِننا ہوا اب تو ہمیں دُشوار سروں کا   اِک مینھ سا برس جاتا تھا ہر بار سروں کا
تھم سکتے نہ تھے پاؤں کسی عربدہ جُو کے
کشتی تھی زمیں رن کی دڑیڑوں سے لہو کے

اعدا تھے دمِ جائزہ، ہر بار ندارد ۱۲۳ منشی کے قلم ہاتھ، علمدار ندارد
پیدل نظری، فوج کے اسوار ندارد   دو آئے تو دو، چار تھے پھر چار ندارد
یوں فوج کے دفتر کو الٹتے نہیں دیکھا
یوں چہرے پہ چہرہ کبھی کٹتے نہیں دیکھا

یہ ٹھنک کے جو ٹھہرا تو وہ لشکر میں در آیا ۱۲۴ رستے کو، تڑپتے ہوئے لاشوں سے بھر آیا
یہ ڈوب گیا جب وہ اُدھر سے اِدھر آیا   اِک چاند تہِ خاک چھپا، اِک نظر آیا
ہٹ جائے گا لشکر تو یہ خود چڑھ کے لڑیں گے
چھوٹے ہیں مگر بھائی سے کچھ بڑھ کے لڑیں گے

جانبازیاں دکھلاتے تھے میداں میں وہ جانباز ۱۲۵ دل تھامے ہوئے دیکھتے تھے شاہِ سرافراز
قاسم کا سخن تھا کہ علیؑ کا ہے سب انداز   فرماتے تھے اکبر یہ لڑائی ہے کہ اعجاز
بڑھتے تھے، کبھی گاہ سرک جاتے تھے شاباش
جب وار وہ کرتے تھے پھڑک جاتے تھے شاباش

ہر بار صدا دیتے تھے اے گیسوؤں والو ۱۲۶ کیا کہنا ہے، پھر بڑھ کے ابھی ہاتھ دکھا لو
رہوار بڑھے جاتے ہیں، باگوں کو سنبھالو حلقہ ہے کڑی آنکھ، زرہ پوشوں پہ ڈالو
اب ہٹنے کی مہلت، مری جاں ان کو نہ دینا
منت بھی کریں گر تو اماں ان کو نہ دینا

ہاں شیروں کے شیروں کا، یہی کام ہے شیرو ۱۲۷ بس آج لڑائی میں بڑا نام ہے شیرو
پنجہ میں تمھارے سپہ شام ہے شیرو تم دونوں کا جد صاحب صمصام ہے شیرو
اک شمس تو اک برج شرافت کا قمر ہے
ماں کس کی ہے بیٹی، تو پدر کس کا پسر ہے

شہ کہتے تھے، بچے ہیں لڑیں ہائے کہاں تک ۱۲۸ لاکھوں سے لڑے دونوں میں طاقت تھی جہاں تک
دو روز سے پانی نہیں پہونچا ہے، دہاں تک اب پھیر کے کوئی انھیں لے آئے یہاں تک
سیراب بھی یہ تشنہ وہاں ہونے نہ پائے
ہے ہے، مرے گھر میں یہ جواں ہونے نہ پائے

سیدانیاں دروازوں پہ تھیں کھولے ہوئے سر ۱۲۹ اصغر کو لیے کانپتی تھی بانوئے بے پر
فضہ تھی پریشاں کیے مو، خیمے کے باہر پردے سے لگی کہتی تھی یہ شاہ کی خواہر
بتلا مجھے بچے مرے کیا کرتے ہیں، دونوں
وہ کہتی تھی، لاکھوں سے وغا کرتے ہیں دونوں

وہ رخ پہ نظر آتے ہیں، اڑتے ہوئے گیسو ۱۳۰ وہ نیچے بجلی کی طرح گرتے ہیں ہر سو
ڈھالیں لیے وہ بھاگتے پھرتے ہیں جفا جو وہ ابر میں چھپ چھپ کے، نکل آتے ہیں مہ رو
بہتا ہے لہو چھاتیوں سے چور ہیں دونوں
کس طرح پکاروں کہ بہت دور ہیں دونوں

زینب نے کہا دونوں ہیں یک جا کہ جدا ہیں ۱۳۱ کی عرض یہ رو کر، کہ نہیں ایک ہی جا ہیں
لاکھوں ہیں عدو، اور وہ دو ماہ لقا ہیں منہ نہر سے پھیرے ہوئے سرگرم دغا ہیں
دم خوف سے سینے میں سماتا نہیں، اب تو
ہے ہے مجھے چھوٹا نظر آتا نہیں اب تو

یہ سنتے ہی ڈیوڑھی سے ہٹیں حضرت زینبؑ ۱۳۲ فرمایا کہ بچوں کا مرے خاتمہ ہے اب
اب کچھ نہیں وسواس بر آیا مرا مطلب لو بیبیو مل کر صفِ ماتم پہ چلو اب
بچے مرے داخل ہوئے خیلِ شہدا میں
سجدہ تو کروں شکر کا درگاہِ خدا میں

یہ ذکر تھا جو طبل بجا فتح کا ناگاہ ۱۳۳ چلّائے حرم لٹ گئی بنتِ اسد اللہ
سجدہ کو سُوئے قبلہ جھکیں زینبِؑ ذی جاہ دوڑے طرفِ دشت وِغا روتے ہوئے شاہ
تلواریں علم قاسم و عباسؑ لیے تھے
ہم شکلِ نبی چاک گریبان کیے تھے

عباسؑ نے غصّے میں لعینوں کو ہٹایا ۱۳۴ بجلی سے بھی کچھ بڑھ کے گرا تیغ کا سایا
پسپا ہوئے کفار کوئی تاب نہ لایا شبیرؑ نے لاشوں کو تڑپتا ہوا پایا
آلودۂ خوں دو مہِ کامل نظر آئے
گودی کے پلے خاک پہ بسمل نظر آئے

سرتا بہ قدم چُور تھے زخموں سے تنِ زار ۱۳۵ انگڑائیاں لینے سے رگیں کھنچتی تھیں ہر بار
پیکانِ سہ پہلو تھے کئی چھاتیوں کے پار تلواریں تھیں قبضوں میں مگر ہاتھ تھے بیکار
لب پہ یہ سخن تھا شہِ والا نہیں آئے
دم ہونٹوں پہ آئے مگر آقا نہیں آئے

لاشوں کے قریب آکے پکارے شہِ صفدر ۱۳۶ اے بھانجو موجود ہے یہ بے کس و بے پر
یہ گرم زمیں، اور یہ گُل سے تنِ انور ریتی سے اٹھا کر مرے زانو پہ رکھو سر
ماموں سے عجب وقت میں مُنھ موڑ رہے ہو
کن آنکھوں سے دیکھوں میں کہ دم توڑ رہے ہو

اے عون و محمدؐ یہ جفا تم نے اُٹھائی ۱۳۷ ایذائے عطش سب سے سوا تم نے اُٹھائی
راحت مرے گھر میں نہ ذرا تم نے اُٹھائی کیا کیا نہ صعوبت بہ خدا تم نے اُٹھائی
مانع جو ہوئی ماں سُوئے تیغ پھر نہیں دیکھا
اِس عمر میں تم سا کوئی صابر نہیں دیکھا

اے شیر جوانو! مجھے طاقت تھی تمھیں سے ۱۳۸ اے تیز زبانو! مجھے طاقت تھی تمھیں سے
اے مرتبہ دانو! مجھے طاقت تھی تمھیں سے اے تشنہ دہانو! مجھے طاقت تھی تمھیں سے
ساتھ اپنے جہاں سے مجھے لیتے نہ گئے تم
کاندھا مرے تابوت کو دیتے نہ گئے تم

اکبر نے کہا عون کے بازو کو ہلاکر ۱۳۹ بھیّا تمھیں چلاتے ہیں شہ اشک بہاکر
ماموں کو پکارے بھی نہ تم برچھیاں کھاکر باتیں شہِ والا سے کرو ہوش میں آکر
لو گھر میں چلو، بیبیاں سب غش میں پڑی ہیں
سر ننگے پھوپی خیمے کی ڈیوڑھی پہ کھڑی ہیں

خم ہو کے یہ چھوٹے کو علمدار پکارے ۱۴۰ اے تشنہ دہن اے مرے جانی مرے پیارے
کیا منھ میں زباں اینٹھ گئی پیاس کے مارے چونکو کہ عجب حال ہے ماموں کا تمھارے
ہاتھوں کو ذرا جوڑ کے کچھ بات تو کرلو
بیٹا شہِ والا سے ملاقات تو کرلو

سن کر یہ صدا ہوش میں آئے وہ دلاور ۱۴۱ سر رکھ دیے گھبرا کے شہِ دیں کے قدم پر
اٹکے تھے جو اکھڑے ہوئے دَم سینوں کے اندر دو ہچکیاں لیں دونوں صغیروں نے برابر
فردوسِ معلّٰی کے مسافر ہوئے دونوں
کروٹ بھی نہ بدلی تھی کہ آخر ہوئے دونوں

گودی میں موئے وہ جنھیں آغوش میں پالا ۱۴۲ آنکھیں تھیں لہو اور جگر تھا تہ و بالا
بسمل کی طرح گر کے جو تڑپے شہِ والا عباسؑ نے تھاما علی اکبر نے سنبھالا
رقّت کا تھا(ع) یہ جوش کہ تھراتے تھے شبیرؑ
ہر مرتبہ لاشوں سے لپٹ جاتے تھے شبیرؑ

عباسؑ نے کی عرض یہ بادیدۂ خوں بار ۱۴۳ خیمے سے نکل آئیں نہ سیدانیاں یک بار
لے چلیے انھیں خیمے میں اب یا شہِ ابرار بہتر ہے کہ ماں دیکھ لے فرزندوں کا دیدار
لاشے جو نہ جائیں گے، تو غم کھائیں گی زینبؑ
یہ قبر میں سوئے، تو کہاں پائیں گی زینبؑ

یہ سنتے ہی لاشے شہِ والا نے اُٹھائے ۱۴۴ خیمے کے قریں دونوں کو روتے ہوئے لائے
غل تھا کوئی جلدی صفِ ماتم کو بچھائے لو آئے شہنشاہ کی ہمشیر کے جائے
چھوٹے کو علی اکبرِ دلگیر لیے ہیں
اِک لاش کو خود گود میں شبیرؑ لیے ہیں

زینبؑ نے کہا کیوں مجھے دسواس نہ کیجے ۱۴۵ ہے ہے علی اکبرؑ اُسے کیوں گود میں لائے
لوگو مرے پیارے نے بڑے رنج اُٹھائے صدقے یہ پھوپھی لاش کے لے آنے کے، جلائے
دو روزے وہ سرورِ رواں تشنہ دہاں ہے
اس بوجھ کی طاقت مرے بچے میں کہاں ہے

ان دونوں نے گر جان گنوائی تو گنوائی ۱۴۶ بن بیاہے مرے لال نے کیوں لاش اٹھائی
میں ماں ہوں نہ صاحب، مجھے یہ بات نہ بھائی اکبر مری اٹھارہ برس کی ہے کمائی
دل سے نہ یہ داغِ الم و یاس مٹے گا
صدقہ اب اُتاروں گی تو دسواس مٹے گا

بانو نے کہا کون سے دسواس کی ہے جا ۱۴۷ ہم شکلِ نبیؐ لاشوں کو لائے تو ہوا کیا
شق ہوتا ہے مظلوموں کی غربت پہ کلیجا ہے ہے وہ کوئی غیر تھے، اے دخترِ زہراؑ
گھر تک کوئی واماندوں کو پہونچا نہیں دیتا
بھائی کوئی کیا بھائی کو، کاندھا نہیں دیتا

ان دونوں کے عاشق تھے علی اکبرِ گل رُو ۱۴۸ چھوڑا نہ انھوں نے کبھی، کبھی بھائی کا پہلو
ایسا یہ نہیں غم کہ تھمیں آنکھ سے آنسو بس تلخ ہوئی زندگیِ اکبرِ خوش خو
کل تک تھے سہم آج اکیلے ہوئے دونوں
بھائی بھی وہ، جو ساتھ کے کھیلے ہوئے دونوں

دونوں تھے اسی بھائی کے آرام کے طالب ۱۴۹ جانے وہی جس شخص پہ گذریں یہ مصائب
دسواس کا یہ کون سا ہنگام ہے صاحب بے جاں ہوتے ہے ہے علی اکبرؑ کے مصاحب
ساتھ اب نہ کوئی جوڑے ہوئے ہاتھ رہے گا
شہزادۂ کونین اُسے کون کہے گا

ناگاہ، شہِ عرش نشیں لاشوں کو لائے ۱۵۰ غل پڑ گیا لو سرورِ دیں لاشوں کو لائے
تھم کر صفِ ماتم کے قریں، لاشوں کو لائے ہمشیر تھیں جس صف میں وہیں لاشوں کو لائے
دونوں کا لپٹنا تھا کہ غش کر گئی زینبؑ
ہر بی بی پہ ثابت یہ ہوا مر گئی زینبؑ

ہوش آیا تو اکبرؑ سے کہا، رانڈوں کو سمجھاؤ ۱۵۱ ہے ہے نہ کرو صاحبو، اک لحظہ ٹھہر جاؤ
عباسؑ کی زوجہ سے یہ بولیں، کہ ادھر آؤ کیا روتی ہو کپڑے علی اکبر کے بدلواؤ
بانو ہیں کدھر، آہ یہ کیا بے خبری ہے
سب خوں سے مرے لال کی پوشاک بھری ہے

حضرت سے کہا آپ کو ایذا ہوئی یا شاہ ۱۵۲ کس طرح لڑے دونوں غلامانِ ہوا خواہ
حضرت نے کہا، مدح میں قاصر ہے زباں آہ زینبؑ مجھے یاد آگئی جنگِ اسد اللہ
نانا کی طرح دونوں نواسوں نے وغا کی
بچوں کی نہ تھی جنگ، یہ قدرت تھی خدا کی

تیغوں میں یہ تیزی، یہ صفائی نہیں دیکھی ۱۵۳ یہ ضرب، یہ پھرتی، یہ لڑائی نہیں دیکھی
شیروں کی یہ پُر زور کلائی نہیں دیکھی اعدا میں یہ ہلچل، یہ دُہائی نہیں دیکھی
صفین و جمل میں بھی رن ایسے نہ پڑے تھے
تم پُوچھ لو عباسؑ تو نزدیک کھڑے تھے

عباسؑ نے کی عرض زباں لاؤں کہاں سے ۱۵۴ جو کر گئے یہ لال، وہ باہر ہے بیاں سے
لڑتے تھے اسی طرح علیؑ فوجِ گراں سے افسوس کہ یوں اُٹھ گئے یہ شیر جہاں سے
تلواریں جب ان کی مجھے یاد آتی ہیں بھینا
دو بجلیاں آنکھوں میں چمک جاتی ہیں بھینا

کیا عرض کروں ہائے محمدؐ کی، لڑائی ۱۵۵ گویا کہ یہ دیکھے ہوئے تھا جدّ کی لڑائی
بس صاف تھی صفین کی سرحد کی لڑائی غل تھا کہ یہ ہے باندھے احمدؐ کی لڑائی
رن پر جو چڑھا ہو، وہی جانے کہ یہ کیا تھا
دُنیا میں علیؑ آج جو ہوتے تو مزا تھا

یہ سُنتے ہی سُرخی سی، رُخِ زرد پہ آئی ۱۵۶ حضرت سے کہا آپ کا صدقہ ہے یہ بھائی
کونین میں عزت مرے دلبندوں نے پائی اب شاد ہوئی اِن سے یداللہ کی جائی
آقا مجھے پیار آتا ہے اقبال پہ ان کے
بیکس ہیں، خدا رحم کرے حال پہ ان کے

فرما کے یہ لیں ان کی بلائیں کئی باری ۱۵۷ شانوں کو ہلا کر کے یہ آہستہ پکاری
کرتے ہیں، امامِ دوجہاں، مدح تمہاری یہ کیا ہے، جو تسلیم کو اُٹھتے نہیں واری
صدقے گئی یہ نیند ہے یا غش میں پڑے ہو
بیٹھے ہیں حسینؑ ابنِ علیؑ، اُٹھ تو کھڑے ہو

کچھ آج ہے غفلت عجب، اے نیند کے ماتو ۱۵۸ باعث ہے یہ بچپن کا سب، اے نیند کے ماتو
چونکو مری خاطر سے اب، اے نیند کے ماتو پھر سوئیو آتی ہے شب، اے نیند کے ماتو
پھر کیا ہے، جو بچپن کے یہ انداز نہیں ہیں
گردن ہے کہیں ہاتھ کہیں، پاؤں کہیں ہیں

اب ضبط کی طاقت نہیں، اماں کو سنبھالو ۱۵۹ انگڑائیاں لو، بات کرو، نیند کو ٹالو
سینے میں الجھتا ہے دم اے گیسوؤں والو واری مجھے خدمت کے لیے پاس بلالو
میں ہوں گی تو راحت سے تمہیں یاس نہ ہوگی
کیا گذرے گی منزل پہ جو ماں پاس نہ ہوگی

پہلا تو سفر، اور نئے لوگ نئی راہ ۱۶۰ کس طور سے گذریں گی یہ تاریک شبیں، آہ
صدقے گئی رستے سے بھی تم تو نہیں آگاہ پہونچائے تمہیں خیر سے فردوس میں اللہ
پُر ہول ہے رستہ، مجھے تشویش بڑی ہے
قربان ہو ماں، قبر کی منزل بھی کڑی ہے

ٹوکے کوئی رستے میں تو ڈریو نہ مری جان ۱۶۱ ہاں کلمۂ توحید پڑھے جائیو ہر آن
اقرارِ نبوت میں فصاحت کا رہے دھیان دلبند ہو تم تین اماموں کے، میں قربان
کہنا کہ مُلازم ہیں ولی ابنِ ولی کے
ہم آتے ہیں لشکر سے حسینؑ ابنِ علیؑ کے

اے عون خبردار، مرے چھوٹے پسر سے ۱۶۲ شب کو یہ اکیلا کبھی نکلا نہیں گھر سے
رستے سے نہ واقف ہے نہ غربت کے سفر سے محروم رہوں گی میں سدا خیر و خبر سے
وا مندوں پہ ظاہر ہو یہ وہ بھید نہیں ہے
اے وائے خط آنے کی بھی امید نہیں ہے

بچوں کے یہ سن ہائے غضب، اور سفر ایسا ۱۶۳ لائے گا خبر کون کہاں نامہ بر ایسا
برباد نہ ہو یوں کوئی آباد گھر ایسا نظروں سے نہ پوشیدہ ہو، شمس و قمر ایسا
کس ناز و نعم سے یہ خوش اقبال پلے تھے
قبروں کے لیے ہائے مرے لال پلے تھے

اب کون مرے پہلوؤں میں سوئے گا بچو ۱۶۴ تڑپے گا کلیجہ مرا دل روئے گا بچو
یہ داغ تو دنیا سے مجھے کھوئے گا بچو دن جائے گا شب آئے گی تو کیا ہوئے گا بچو
راحت کسی کروٹ کسی پہلو نہ ملے گی
مر جاؤں گی، زلفوں کی جو خوشبو نہ ملے گی

دنیا کو نہ دیکھا تھا کہ موت آگئی تم کو ۱۶۵ خیمے سے نکلتے ہی، اجل پا گئی تم کو
ماں صدقے ہو، جنگل کی ہوا بھا گئی تم کو اے گلبدنو! کس کی نظر کھا گئی، تم کو
ہے ہے، مجھے پوشاک شہانی نہ دکھاؤ
صدقے گئی اماں کو جوانی نہ دکھائی

مرتے ہوئے پانی بھی نہ مانگا مرے ڈر سے ۱۶۶ پیاسے سوئے فردوس سدھارے مرے گھر سے
بے آب تھے، اس عمر میں چوبیس پہر سے دیکھا بھی نہ دریا کو توجہ کی نظر سے
سہواً جو پڑی آنکھ تو منہ موڑ لیا ہے
ڈرتے تھے کہ اماں نے ہمیں منع کیا ہے

غصے ہوئی تھی تم پہ میں واری مجھے بخشو ۱۶۷ ماں اب نہیں لونڈی ہوں تمھاری مجھے بخشو
لب پر سخنِ عذر ہیں جاری، مجھے بخشو صدمے سے غشی ہوتی ہے طاری، مجھے بخشو
میں بھی تو یہ جانوں کہ دل افسردہ نہیں ہیں
لو کہہ دو بس اتنا کہ ہم آزردہ نہیں ہیں

یہ کہہ کے جو چھاتی پہ دو ہتّڑ کئی مارے ۱۶۸ سینہ ہوا شق ہاتھ بھی نیلے ہوئے سارے
ہم شکلِ نبی پاؤں پہ گر گر کے یہ پکارے بس والدہ اب روئیو لاشے پہ ہمارے
اب پیاس میں آبِ دمِ شمشیر پئیں گے
بھائی نہ رہے خلق میں ہم بھی نہ جئیں گے

گھبرا کے وہ مخدومۂ عالم یہ پکاری ۱۶۹ مر جائے یہ ناشاد بلا کے تمھاری
بن بیاہے ہو تم لاشوں کے پاس آؤ نہ واری تم روؤ گے اس ڈر سے میں کرتی نہیں زاری
باتوں میں بھی کچھ بَین کے پہلو نہیں نکلے
آنکھوں سے مری دیکھ لو آنسو نہیں نکلے

فرما کے یہ غش ہو گئیں اور پھر ہوئیں ہشیار ۱۷۰ پوچھا کہ کدھر ہے علی اکبرؑ مرا دلدار
بانو نے کہا شاہ سے با دیدۂ خونبار اب فرق بصارت میں بھی ہے یا شہِ ابرار
اب کی جو غش آیا تو گذر جائیں گی زینبؑ
لے جائیے لاشے نہیں مر جائیں گی زینبؑ

یہ ماتمِ اولاد ہے کیوں کر اسے ٹالیں ۱۷۱ مرجائیں جنھیں دل کی طرح گود میں پالیں
اکبرؑ کی سنیں یا جگر و دل کو سنبھالیں در آئی ہیں اک قلب میں دو تیروں کی بھالیں
بالائے جگر خنجرِ بیداد پھرے ہیں
دو غم کے پہاڑ ایک ضعیفہ پہ گرے ہیں

یہ سنتے ہی لاشوں کو اٹھانے لگے سرور ۱۷۲ رانڈیں صفِ ماتم سے اٹھیں کھولے ہوئے سر
بانو نے کھڑے ہو کے ادھر روک لی چادر چلّائی سمجھ کر شہِ مظلوم کی خواہر
ٹھہرو ابھی کیوں داغ دیے جاتے ہو لوگو
ہے ہے مرے بچوں کو لیے جاتے ہو لوگو

دیکھا نہیں جی بھر کے ابھی بیٹوں کا دیدار ۱۷۳ دونوں کی بلائیں مجھے لے لینے دو اک بار
چھوٹے کو بھی چھاتی سے لگا لے یہ دل افگار مادر سے مکدر نہ ہوں یہ آئینہ رخسار
گھر میں مرے کاہے کو یہ پھر آئیں گے جا کے
دینے دو کفن دونوں کو زہراؑ کی ردا کے

در تک گئیں لاشوں سے لپٹنے کو کھلے سر ۱۷۴ پر رانڈوں نے جانے نہ دیا خیمے کے باہر
چلائیں درِ خیمہ کے پردے کو اٹھا کر گاڑو گے کہاں بھائیوں کو اے علی اکبر
ڈر ہے کہ خفا مجھ سے مرے لال نہ ہو جائیں
صدقے گئی لاشے کہیں پامال نہ ہو جائیں

یہ وقت نہیں طول کا خاموش انیس اب ۱۷۵ جتنے ہیں سخن فہم، وہ عاشق ہیں ترے سب
ہر دم ہے عنایاتِ محمدؐ، کرمِ رب اب جلد وہ حاصل ہو، جو کچھ ہے ترا مطلب
یہ حُسنِ فصاحت ہے یہ شیریں سخنی ہے
پیری میں جواں ہے تو، فقیری میں غنی ہے

مرثیہ (۱۰)

جب زُلف کو کھولے ہوئے لیلائے شب آئی ۱ پردیس میں سادات پہ آفت عجب آئی
فریاد کناں رُوحِ امیرِ عرب آئی غل تھا کہ شبِ قتلِ شہِ تشنہ لب آئی
سادات کو کیا کیا غمِ جانکاہ دکھائے
رات ایسی مصیبت کی نہ اللہ دکھائے

کاغذ پہ لکھے کیا قلم اس شب کی سیاہی ۲ ہے چار طرف جس کی سیاہی سے تباہی
مرغانِ ہوا بر میں طپاں بحر میں ماہی تربت سے نکل آئے تھے محبوبِ الٰہی
فریاد کا تھا شور رسولانِ سلف میں
یثرب میں تزلزل تھا اُداسی تھی نجف میں

صدمے سے ہوا رنگِ رُخِ ماہ کا کافور ۳ اختر بھی بنے مردمکِ دیدۂ بے نور
غم چھا گیا، راحت دلِ عالم سے ہوئی دُور تصویرِ الم بن گئی جنت میں ہر اِک حور
کہتے تھے ملک رات نہ ہووے گی اب ایسی
تاروں نے بھی دیکھی نہ تھی تاریک شب ایسی

شمعِ طربِ محفلِ عالم تھی جو خاموش ۴ تھی رات بھی شبیر کے ماتم میں سیہ پوش
کیا غم تھا کہ شادی تھی ہر اک دل کو فراموش ہر چشم کو تھا غم میں سمندر کی طرح جوش
مضطر تھے علیؑ اشکوں سے مُنہ دھوتی تھی زہرا
مقتل تھا جہاں شاہ کا، واں روتی تھی زہرا

تھا خانۂ غم خیمۂ شاہنشہِ والا ۵ آندھی یہ پریشاں تھی کہ دل تھا تہ و بالا
مشعل نہ ٹھہرتی تھی، نہ شمعوں کا اُجالا خیمہ بھی اندھیرے میں نظر آتا تھا کالا
خاک اُڑتی تھی مُنہ پر حرمِ شیرِ خدا کے
تھا چیں بجبیں فرش بھی جھونکوں سے ہوا کے

جنگل کی ہوا، اور درندوں کی صدائیں ۶ تھراتی تھیں بچوں کو چھپائے ہوئے مائیں
دھڑکا تھا کہ دہشت سے نہ جانے کہیں جائیں روتی تھی کوئی، اور کوئی پڑھتی تھی دعائیں
گودوں میں بھی راحت نہ ذرا پاتے تھے بچے
جب بولتے تھے شیر تو ڈر جاتے تھے بچے

بچوں کے بلکنے پہ حرم کرتے تھے زاری ۷ غش ہو گئی تھی بالی سکینہ کئی باری
چلاتی تھی رو رو کے وہ شبیرؑ کی پیاری یا حضرتِ عباسؑ چلی جان ہماری
افسوس کہ پانی تو قطرہ نہیں گھر میں
اور آگ لگی ہے مرے ننھے سے جگر میں

تھی سب سے سوا، بنتِ علیؑ، مضطر و بیتاب ۸ فق ہو گیا تھا شام سے مُنھ، صورت مہتاب
مژگاں سے رُخِ پاک پہ تھی، بارشِ خوں ناب تلوار کلیجے پہ چلے جب، تو کہاں تاب
اِک کرب تھا بسمل کی طرح جانِ حزیں پر
اُٹھتی تھی کبھی اور کبھی گرتی تھی زمیں پر

کہتی تھی کبھی، آج پیمبرؐ نہیں ہے ہے ۹ حال اپنا دکھاؤں کسے، حیدرؑ نہیں ہے ہے
بیٹی پہ فلک ٹوٹا ہے، مادر نہیں ہے ہے شبیرؑ مصیبت میں ہے، شبرؑ نہیں ہے ہے
دیکھا نہ سُنا یہ جو ستم آج ہے لوگو
نازوں کا پلا پانی کو محتاج ہے لوگو

درپیش ہے کل فوجِ ستمگر سے لڑائی ۱۰ یاں تھوڑے سے پیاسے ہیں، اُدھر ساری خدائی
بے سر دیے رن سے نہ پھرے گا مرا بھائی ہو جائے گی حیدرؑ کے بھرے گھر کی صفائی
اِس غم سے سدا اشکوں سے مُنھ دھوتی تھیں اماں
کل دن وہ ہے جس دن کے لیے روتی تھیں اماں

تھے دوسرے خیمہ میں اُدھر سبطِ پیمبرؐ ۱۱ دربار میں حاضر تھے رفیقانِ دلاور
اِک پہلو میں قاسمؑ تھے، اور اِک پہلو میں اکبرؑ اکبرؑ کے اُدھر لختِ دلِ زینبؑ مضطر
شبیرؑ محبت سے سخن کرتے تھے سب سے
عباسؑ علی سامنے بیٹھے تھے ادب سے

سرگرم تھے مرجانے پہ سب شاہ کے انصار ۱۲ عباس سے یہ کہتا تھا وہ حق کا مددگار
تم رہیو ذرا خیمۂ ناموس سے ہشیار ڈر ہے نہ کرے بے ادبی لشکرِ کفار
بے دینوں کو راحت مری منظور نہیں ہے
شب خوں جو اُدھر سے ہو تو کچھ دور نہیں ہے

یہ ذکر ابھی تھا کہ یکایک خبر آئی ۱۳ اے چاند ید اللہ کے، شب دوپہر آئی
حضرت کو ستاروں کی جو گردش نظر آئی دل یادِ خدا کرنے لگا، چشم بھر آئی
فرمایا بڑا اجر ہے بیداریٔ شب کا
اے تشنہ لبو وقت ہے یہ طاعتِ رب کا

اب عمر بھی آخر ہے نمازیں بھی ہیں آخر ۱۴ بے توشہ پہونچتا نہیں منزل پہ مسافر
ہر وقت ہے ربِ دو جہاں حاضر و ناظر اجر ان کے مضاعف ہیں جو ہیں صابر و شاکر
مشکل نہ کسی رنج کو سمجھے نہ بلا کو
بندہ وہی بندہ ہے جو بھولے نہ خدا کو

نام اس کا رہے وردِ سفر ہو کہ حضر ہو ۱۵ موجود سمجھ لے اُسے جنگل ہو کہ گھر ہو
سجدے ہی کرے دکھ میں کہ راحت میں بسر ہو تسبیح میں شب ہو، تو نمازوں میں سحر ہو
عشقِ گلِ تر ظلم کے خاروں میں نہ بھولے
معشوق کو تلواروں کی دھاروں میں نہ بھولے

چومے لبِ سوفار جو سینے پہ لگیں تیر ۱۶ دم عشق کا بھرتا رہے زیرِ دمِ شمشیر
زخموں کو یہ سمجھے، کہ ملا گلشنِ توقیر تکبیر کا نعرہ ہو زباں پر، دمِ تکبیر
کٹنے میں رگوں کے نہ صدا آہ کی نکلے
ہر رنگ میں بو اُلفتِ اللہ کی نکلے

شہ نے سخنِ معرفتِ حق جو سنائے ۱۷ اشک آنکھوں میں ہر عاشقِ صادق کے بھر آئے
کچھ پیاس کا شکوہ بھی زباں پر نہیں لائے سجادے وہیں لا کے دلیروں نے بچھائے
تکبیریں ہوئیں لشکرِ اللہ و نبی میں
سب محو ہوئے یادِ جنابِ احدی میں

۱۸
تسبیح کہیں تھی کہیں سجدے کہیں زاری — تھا صوتِ حسن سے کوئی قرآن کا قاری
کرتا تھا کوئی عرض کہ یا حضرتِ باری — اب صبح کو عزت ہے ترے ہاتھ ہماری
حرمت سے شریکِ شہدا کیجیو یارب
تو حوصلۂ صبر، عطا کیجیو یارب

۱۹
ہم ہیں ترے محبوب کے پیارے کے مددگار — مرنے کے لیے آئے ہیں یاں چھوڑ کے گھر بار
یہ بندۂ بیکس ہے مصیبت میں گرفتار — کر رحم کہ ہے ذات تری راحم و غفار
فاقوں کے سبب جسم کی طاقت میں کمی ہے
تجھ سے طلبِ قوتِ ثابت قدمی ہے

۲۰
بیکس ہیں، مسافر ہیں، وطن دور ہے، گھر دور — ہفتم سے ہمیں گھیرے ہے یہ لشکرِ مقہور
تیروں سے ہوں غربال، کہ تیغوں سے بدن چور — احمدؐ کے نواسے سے جدائی نہیں منظور
پھر منہ کسے دکھلائیں جو سردار کو چھوڑیں
کیوں کر ترے مقبول کی سرکار کو چھوڑیں

۲۱
مردوں کے لیے ننگ ہے تلواروں سے ڈرنا — راحت ہو کہ ایذا، یہیں جینا، یہیں مرنا
تو چاہے تو مشکل نہیں کچھ سر سے گذرنا — اے کل کے مددگار، مدد جنگ میں کرنا
فاقوں میں ہزاروں سے وغا ہو تو مزا ہے
کچھ حقِ نمک ہم سے ادا ہو تو مزا ہے

۲۲
کرتے تھے مناجات اُدھر یاور و انصار — پڑھتے تھے نمازِ شب اِدھر سیدِ ابرار
تھی نیت[۲]ِ تسبیح بتولِ جگر افگار — آوازِ بکا خیمے سے آنے لگی یکبار
اکبرؑ سے اشارہ کیا مڑ کر، کہ یہ کیا ہے
کی عرض پھوپھی جان کے رونے کی صدا ہے

۲۳
یوں تو کئی راتوں سے وہ ہیں مضطر و بیتاب — راحت کی نہ صورت ہے نہ آرام کا اسباب
غش میں جو ذرا بند ہوئے دیدۂ پُرآب — روتی ہوئی چونکی ہیں، ابھی دیکھ کے کچھ خواب
نعلین کہیں، چادرِ پُرنور کہیں ہے
اُس وقت سے بسمل کی طرح چین نہیں ہے

سب بیبیاں ہیں رو رہیں بچوں کو لیے پاس ۲۴ ایک ایک کو اندیشہ ہے، ایک ایک کو وسواس
جو پوچھتا ہے وجہ تو کہتی ہیں بصد یاس لوگو مجھے شبیر کے بچنے کی نہیں آس
مانگو یہ دعا غیب سے بیکس کی مدد ہو
صدقے کرو مجھ کو کہ بلا بھائی کی رد ہو

ان کا تو یہ احوال ہے، اماں کا یہ عالم ۲۵ اشکوں کی جھڑی آنکھوں سے تھمتی نہ تھی اک دم
اصغر کی بھی ہے فکر، سکینہ کا بھی ہے غم شش ماہ کا بچہ بھی ہوا جاتا ہے بے دم
گودی میں اٹھائیں اسے یا اس کو سنبھالیں
دو روز کے فاقے میں وہ کس کس کو سنبھالیں

روتی ہیں عابد کے سرہانے کبھی جا کر ۲۶ گہوارۂ اصغر پہ کبھی گرتی ہیں آکر
قرآں کی ہوا دیتی ہیں غش میں اسے پاکر بہلاتی ہیں، بیٹی کو کبھی اشک بہا کر
وہ کہتی ہے تا صبح یوں ہی روؤں گی اماں
بابا ہی جب آویں گے تو میں سوؤں گی اماں

بتلاؤ شہِ جن و بشر کیوں نہیں آتے ۲۷ اب رات بہت کم ہے، پدر کیوں نہیں آتے
آزردہ ہیں کچھ مجھ سے، اِدھر کیوں نہیں آتے کیا آج وہیں سوئیں گے، گھر کیوں نہیں آتے
اب پیاسوں کی فریاد بھی بابا نہیں سنتے
حضرت مرے رونے کی صدا کیا نہیں سنتے

رو کر علی اکبر نے، جو کی شہ سے یہ تقریر ۲۸ پڑھتے ہوئے تسبیح گئے، حضرت شبیر
دیکھا جو نہ تھی دیر سے وہ چاند سی تصویر قدموں پہ محبت سے گری، دوڑ کے ہمشیر
بیتاب جو پایا بہت اس تشنہ دہن کو
شبیر نے لپٹا لیا چھاتی سے بہن کو

فرمایا بہن تم نے بنایا ہے یہ کیا حال ۲۹ نہ سر پہ عصابہ ہے نہ چادر ہے، نہ رومال
ماتھے پہ [illegible] سے بکھرے ہوئے ہیں بال پیٹو نہیں، جیتا ہے ابھی فاطمہ کا لال
دم تن سے مرا گھٹ کے نکل جائے گا زینب
رو لیجیو جب مرنے کا وقت آئے گا زینب

جیتا ہوں میں اور آہ ابھی سے یہ تلاطم ۳۰ یہ کرب، یہ دُکھ درد، یہ زاری، یہ تظلم
ہوتے ہیں مرے ہوش و حواس آئے ہوئے گم خنجر کے تلے دیکھوں گی کس طرح مجھے تم
بس صبر کرو جی سے گذر جائیں گے بچے
تڑپو گی تم اِس طرح تو مر جائیں گے بچے

تلوار کسی نے ابھی تولی نہیں مجھ پر ۳۱ سینہ ابھی تیروں سے مشبک نہیں خواہر
گردن پہ کسی نے ابھی پھیرا نہیں خنجر مر جائے گا بھائی تمھیں ثابت ہوا کیونکر
ہر چند کہ ساعت نہیں ٹلتی ہے قضا کی
بچ جاؤں تو کیا دُور ہے قدرت سے خدا کی

زینبؑ نے کہا خوش ہوں جو میری اجل آئے ۳۲ بھائی تمھیں اللہ اِس آفت سے بچائے
خالق مجھے عابد کی یتیمی نہ دکھائے بھائی کی بلا لے کے بہن خلق سے جائے
وسواس طبیعت کو بہلنے نہیں دیتا
بے چین ہے دل مجھ کو سنبھلنے نہیں دیتا

آتا ہے سکینہ کی یتیمی کا مجھے دھیان ۳۳ ہر وقت بھرا گھر نظر آجاتا ہے، ویران
سمجھانے سے کچھ دل جو بہلتا ہے میں قربان پھر جاتا ہے آنکھوں کے تلے موت کا سامان
بازو مرے کَسنے کو رسن لاتا ہے کوئی
سر پر سے ردا کھینچے لیے جاتا ہے کوئی

مُنھ ڈھانپ کے بستر پہ جو سو جاتی ہوں دم بھر ۳۴ تو چاکِ گریباں نظر آتے ہیں پیمبر
اماں کبھی چلّاتی ہیں یوں کھولے ہوئے سر بیٹی نہ بچے گا ترا مظلوم برادر
کیا لیٹی ہے بستر پہ کدھر دھیان ہے زینبؑ
شبیرؑ اسی رات کا مہمان ہے زینبؑ

یہ ذکر ابھی تھا کہ سکینہ نے پکارا ۳۵ سونا تو گیا آپ کے ہمراہ ہمارا
میں جاگتی ہوں اور جہاں سوتا ہے سارا گردوں پہ چمکنے نہ لگے صبح کا تارا
نیند آتی ہے بیٹی کو سُلا جائیے بابا
بس ہو چکیں باتیں اب اِدھر آئیے بابا

حضرت نے کہا میں تری آواز کے قربان ۳۶ اللہ تم اب تک نہیں سوئی ہو مری جاں
غربت میں کہاں راحت و آرام کا سامان بن باپ کے تم کو تو نہیں چین کسی آن
اچھی نہیں عادت یہ نہ رویا کرو بی بی
پہلو میں کبھی ماں کے بھی سویا کرو بی بی

کیا ہوتے جو ہم گھر میں کسی شب کو نہ آئیں ۳۷ مجبور رہوں ایسے کہ تمھیں چھوڑ کے جائیں
تم پاؤ نہ ہم کو، نہ تمھیں ہم کہیں پائیں بی بی کہو پھر چھاتی پہ کس طرح سلائیں
جنگل میں بہت قافلے لُٹ جاتے ہیں، بی بی
برسوں جو رہے ساتھ وہ چھُٹ جاتے ہیں، بی بی

جب عمر تھی کم ہم بھی چھُٹے تھے یونہی ماں سے ۳۸ سوتے تھے لپٹ کر یونہی، خاتون جناں سے
کوچ اُن کا ہوا سامنے آنکھوں کے جہاں سے ماتم سے رہیں وہ، نہ بکا سے، نہ فغاں سے
یہ داغ یہ اندوہ و الم سب کے لیے ہیں
ماں باپ زمانے میں سدا کس کے جیے ہیں

رستہ وہ اجل کا ہے کہ ہوتا ہی نہیں بند ۳۹ کوچ آج پدر کا ہے تو کل جائے گا فرزند
ہوتا ہے قلق فرقتِ اولاد میں وہ چند کیا زور ہے بندے کا، جو مرضیِ خداوند
جو آئے ہیں دُنیا میں وہ سب کوچ کریں گے
اِس زیست کا انجام یہی ہے کہ مریں گے

یہ کہتے تھے حضرت کہ صدا آئی اذاں کی ۴۰ گلدستۂ اسلام پہ بُلبل نے فغاں کی
اِک دم میں بہار اور ہوئی باغِ جہاں کی تلوار چلی گلشنِ انجم پہ خزاں کی
مہتاب ہوا گم فلکِ نیلوفری سے
پھولا گُلِ خورشید، نسیمِ سحری سے

گرمی کی سحر اور وہ پھولوں کا مہکنا ۴۱ مرغانِ چمن کا وہ درختوں پہ چہکنا
انجم کا وہ چھپنا کبھی اور گاہ چمکنا وہ سرد ہوا اور وہ سبزے کا لہکنا
[illegible]
[illegible]

جلوہ وہ دمِ صبح کا، وہ نور کا عالم ۴۲ دلچسپ صدا نوبت و شہنا کی، وہ باہم
سرخی وہ شفق کی، افق چرخ پہ کم کم وہ گل کے کٹوروں پہ دُر افشانیِ شبنم
خشکی میں بھی سردی سے ترائی کا سماں تھا
پر مالکِ گلزارِ جناں، تشنہ دہاں تھا

لشکر میں ادھر مورچہ بندی کی ہوئی دھوم ۴۳ یاں فرض ادا کرنے لگے عاشقِ قیوم
پیچھے تو جماعت تھی اور آگے شہِ مظلوم صف بستہ ملائک ہیں یہی ہوتا تھا معلوم
سب ساجد و راکع تھے شہنشاہ کے ہمراہ
تاباں تھے بہتر مہِ نو ماہ کے ہمراہ

خیمہ تھا فلک، آپ قمر، دوست ستارے ۴۴ تارے بھی وہ تاروں کو فلک جن پہ اتارے
خم ہو گیا تھا، پیرِ فلک شرم کے مارے کہتی تھی زمیں، اوج ہے طالع کو ہمارے
خورشید نہیں روشنیِ نیّرِ دیں ہے
خود عرش کو دھوکا تھا، یہ میں ہوں کہ زمیں ہے

جو صف ہے وہ اک سطر ہے قرآنِ مبیں کی ۴۵ دیوار ہے قبلہ کی طرف کعبۂ دیں کی
کیا خوب جماعت ہے یہ اربابِ یقیں کی افلاک کی زینت ہے تو رونق ہے زمیں کی
کس طرح شہنشاہ سے وہ فوج جدا ہو
مشکل ہے کہ دریا سے کہیں موج جدا ہو

اس دم تھی یہ آواز پسِ پردۂ قدرت ۴۶ اے قدسیو دیکھو مرے بندوں کی عبادت
نہ پیاس کا شکوہ ہے نہ فاقوں کی شکایت یہ زہد، یہ تقویٰ، یہ اطاعت، یہ ریاضت
کونین میں یہ صاحبِ اقبال و شرف ہیں
عالم ہوں کہ ان لوگوں کے دل میری طرف ہیں

کس عجز سے آگے مرے حاضر ہیں یہ بندے ۴۷ دیکھو مرے محبوب کے ناصر ہیں، یہ بندے
مظلوم ہیں بیکس ہیں مسافر ہیں یہ بندے تھوڑے نہ ہوں کس طرح کے شاکر ہیں، یہ بندے
صادق ہیں، دل سے مرے ان سب کو ولا ہے
ان کا وہ صلہ ہے، جو رسولوں کو ملا ہے

پُرسش نہ لحد میں نہ حساب ان کے لیے ہے ۴۸ یہ لائقِ رحمت ہیں، ثواب ان کے لیے ہے
موتی سے جو ہے صاف، وہ آب ان کے لیے ہے میں جس کا ہوں ساقی، وہ شراب ان کے لیے ہے
اِس نخلِ ریاضت کے ثمر ان کو ملیں گے
جو عرش کے نیچے ہیں وہ گھر ان کو ملیں گے

فارغ جو صلوٰۃِ سحری سے ہوئے دیں دار ۴۹ پوشاک پہننے کو اُٹھے سیدِ ابرار
فرمانے لگے حضرتِ عباسؑ علمدار ہاں غازیو اب تم بھی سجو جنگ کے ہتھیار
قرباں تمھیں ہونا ہے، محمدؐ کے پسر پر
کمروں کو کسو، گلشنِ جنت کے سفر پر

آمادہ شر لشکرِ کفار ہے کل سے ۵۰ ہونا ہے تمھیں آج، ہم آغوش اجل سے
درپیش ہے جنگ و جدل اس فوج کے دَل سے آقا بھی کوئی دَم میں نکلتے ہیں محل سے
ہاں صف شکنو، وقت ہے نصرت کی دعا کا
کھلتا ہے پھریرا علمِ فوجِ خدا کا

ہم لوگ اسی روز کے مشتاق ہیں، کب سے ۵۱ اب ہوگی ملاقات شہنشاہِ عرب سے
سیدانیاں تم سب کو دعا دیتی ہیں شب سے صف باندھ کے آؤ، درِ دولت پہ ادب سے
فردوس میں نانا سے حضور آج ملیں گے
کوثر پہ تمھیں خلعتِ نور آج ملیں گے

اِس مژدہ کو سنتے ہی مسلح ہوئے غازی ۵۲ اصطبل سے آنے لگے جراروں کے تازی
شیرِ صفِ جنگاہ تھا، ایک ایک نمازی نعرے تھے کہ قربانِ شہنشاہِ حجازی
ڈیوڑھی پہ شگفتہ تھا چمن خلدِ بریں کا
خیمہ میں تلاطم تھا وداعِ شہِ دیں کا

تھے گرد حرم بیچ میں وہ عاشقِ حق تھا ۵۳ مانندِ سحر رنگ ہر اک بی بی کا فق تھا
بانوئے دو عالم کا جگر سینے میں شق تھا زینبؑ یہ تڑپتی تھی کہ حضرت کو قلق تھا
شبیرؑ کے پہلو سے نہ ہٹتی تھی سکینہ
بڑھتے تھے تو دامن سے لپٹتی تھی سکینہ

شہ کہتے تھے بی بی ہمیں اب جانے دو گھر سے ۵۴ سینہ مرا شق ہوتا ہے، لپٹو نہ پدر سے
وہ کہتی تھی سایہ جو یہ اُٹھ جائے گا سر سے ہے ہے میں تمھیں ڈھونڈ کے لاؤں گی کدھر سے
بیٹی کا سوا آپ کے کوئی نہیں بابا
شب بھر میں یہاں خوف سے سوئی نہیں بابا

سمجھاتے تھے حضرت کہ میں صدقے مری پیاری ۵۵ میداں سے ابھی آئیں گے ہم تو کسی باری
وہ کہتی تھی میں آپ کی مظلومی کی واری ساماں نظر آتا ہے یتیمی کا ہماری
درپیش لڑائی نہیں گر فوجِ شقی سے
کیوں آپ سفارش مری کرتے تھے پھوپھی سے

اب آپ کے جانے سے تو ثابت ہے نہ آنا ۵۶ کیوں کہتے تھے زینبؑ اسے چھاتی پہ سُلانا
بانو مرے پیچھے، نہ سکینہ کو رُلانا پانی جو میسر ہو تو، پیاس اس کی بجھانا
بہلائیو جب رو کے مجھے یاد کرے گی
تڑپوں گا لحد میں جو یہ فریاد کرے گی

میں سُنتی تھی عابدؑ سے جو کچھ کی تھی وصیّت ۵۷ اس گھر کی تباہی کی خبر دیتے تھے حضرت
ہے ہے یہ مری عمر، یہ صدمہ، یہ مصیبت لے لو مجھے ہمراہ، گوارا نہیں فُرقت
ساتھ آپ کے جاؤں گی جو اِس دارِ محن سے
کوئی مری گردن تو باندھے گا رسن سے

نادان کی ان باتوں پہ گھر روتا تھا سارا ۵۸ ماتم میں کسی دل کو نہ تھا، صبر کا یارا
حضرت کو بھی فرقت تھی نہ بیٹی کی گوارا ڈیوڑھی تک اُسے گود سے اپنی نہ اُتارا
جس دَم وہ چھٹی، جیتے ہی جی مر گئے شبّیرؑ
کس درد سے روتے ہوئے باہر گئے شبّیرؑ

جس دَم درِ دولت پہ امیرِ اُمم آیا ۵۹ پیٹے یہ حرم گھر میں کہ ہونٹوں پہ دَم آیا
تسلیم کو اسلام کا، لشکر بہم آیا کس صولت و اقبال و حشم سے علم آیا
جاتی تھی چمکنے میں ضیا عرش تک اس کی
خورشید کو پنجہ میں لیے تھی چمک اس کی

آپس میں یہ کہتے تھے رفیقانِ دلاور ۶۰ دیکھیں یہ ہُما سایہ فگن ہوتا ہے کس پر
اکبرؑ کے تو ہے نام پہ سالاریِ لشکر عباسؑ کو دیں گے شہِ دیں منصبِ جعفرؑ
اِک عشق ہے اس شیر سے سُلطانِ اُمم کو
بھائی کو کبھی دیکھتے ہیں، گاہ علم کو

زینبؑ کے پسر مشورہ یہ کرتے تھے باہم ۶۱ کیوں بھائی علم لینے کو ماموں سے کہیں ہم
تاییدِ خدا چاہیے، گو عمر میں ہیں کم عہدہ تو ہمارا ہے یہ آگاہ ہے عالم
واقف ہیں سبھی حیدر و جعفر کے شرف سے
حق پوچھو تو حقدار ہیں ہم دونوں طرف سے

دادا بھی علمدار ہے، نانا بھی علمدار ۶۲ ہم اپنے بزرگوں کے ہیں منصب کے طلبگار
کہتا تھا بڑا عرض کا موقع نہیں زنہار ہیں بادشہِ کون و مکاں مالک و مختار
عہدہ تو بڑا یہ ہے کہ ماموں پہ فدا ہوں
چپکے رہو، اماں نہ کہیں سن کے خفا ہوں

مطلب نہ علم سے نہ حشم سے ہمیں کچھ کام ۶۳ مٹ جائیں نشاں بس یہی عہدہ ہے یہی نام
یہ سر ہوں نثارِ قدمِ شاہِ خوش انجام عزت رہے بھائی، یہ دعا ہے سحر و شام
آقا جسے چاہیں علمِ فوجِ خدا دیں
مشتاقِ اجل ہیں، ہمیں مرنے کی رضا دیں

روتی تھی جو پردے کے قریں زینبِؑ دلگیر ۶۴ سب اُس نے مفصل یہ سنی بیٹوں کی تقریر
فضہ سے یہ کہنے لگی، وہ صاحبِ توقیر دونوں کو اشارے سے بُلالے کسی تدبیر
کچھ کہنا ہے سُن لیں آئے فرصت انھیں گر ہو
عباسؑ نہ دیکھیں نہ شہِ دیں کو خبر ہو

یہ کہتی تھی زینبؑ کہ خود آئے وہ نکوکار ۶۵ چھوٹے سے یہ فرمانے لگیں زینبِؑ ناچار
کیا باتیں ابھی بھائی سے تھیں اے مرے دلدار اس وقت میں ہو کون سے منصب کے طلبگار
سمجھے نہ کہ مادر عقبِ پردہ کھڑی ہے
گھر لُٹتا ہے میرا، تمھیں منصب کی پڑی ہے

اللہ بڑا عزم کیا، باندھ کے تلوار ۶۶ بچو! تمھیں ایسا نہ سمجھتی تھی میں زنہار
دیکھو ابھی تم دونوں سے ہو جاؤں گی بیزار کچھ کہیو نہ ماموں سے خبردار! خبردار
کیا دخل تمھیں امر میں سلطانِ اُمم کے
دیکھوں گی نہ پھر منھ، جو گئے پاس علم کے

کچھ اور ہی تیور ہیں، علم نکلا ہے جب سے ۶۷ تم کون ہو جو آگے بڑھے جاتے ہو سب سے
اِستادہ ہو، جا کر عقبِ شاہ، ادب سے عہدہ ہے یہ جس کا مجھے معلوم ہے ڈھب سے
اِس امر میں خاطر نہ کریں، اور کسی کی
میں خوش ہوں، بجا لائیں وصیت کو علیؑ کی

دو روز سے بھائی پہ مرے ظلم و ستم ہے ۶۸ تم فکرِ علم میں ہو، مجھے سخت الم ہے
چھوٹے سے ہیں قد، سن بھی تمھارا ابھی کم ہے کھیل اِس کو نہ سمجھو، یہ محمدؐ کا علم ہے
ہرگز نہ ابھی کچھ شہِ ذی جاہ سے کہنا
کہنا بھی تو رخصت کے لیے شاہ سے کہنا

مانا کہ پہونچتا ہے تمھیں منصبِ جعفر ۶۹ آقا کی غلامی سے ہے، عہدہ کوئی بڑھ کر
چھوٹا مرا بھائی بھی ہے، بیٹوں کے برابر عاشق کا تو عاشق ہے، برادر کا برادر
بگڑوں گی، گلہ گر کوئی اسلوب کرو گے
عباسؑ سے کیا تم مجھے محجوب کرو گے

زینبؑ نے عتابانہ جو کی اُن سے یہ گفتار ۷۰ یوں کہنے لگے، جوڑ کے ہاتھوں کو وہ دلدار
شاہوں سے غلاموں نے بھی کی ہے، کبھی تکرار مالک ہیں جسے چاہیں علم دیں، شہِ ابرار
رخصت کے لیے تیغ و سپر باندھے ہوئے ہیں
ہم صبح سے مرنے پہ کمر باندھے ہوئے ہیں

زینبؑ نے کہا لے کے بلائیں کہ سدھارو ۷۱ بس اب مرا دل شاد ہوا اے مرے پیارو
ماں صدقے گئی، سر قدمِ شاہ پہ وارو ہو عید مجھے گر عمر و شمر کو مارو
یہ وقت ہے امدادِ امامِ ازلی کا
دے چھوٹے سے ہاتھوں میں خدا زور علیؑ کا

صدقے گئی سن لو کہ میں کہتی ہوں جتا کر ۷۲ تم پہلے فدا کیجیو سر شہ کے قدم پر
میدان میں زخمی ہوئے گر قاسم و اکبر پھر تم ہو مرے فرزند نہ میں دونوں کی مادر
جب دل ہوا ناراض تو فرزند کہاں کے
کس کام کا وہ لعل جو کام آئے نہ ماں کے

ان میں سے اگر رن کی طرف ایک سدھارا ۷۳ زہراؑ کی قسم منھ نہ میں دیکھوں گی تمھارا
جس وقت سنوں گی کہ سر ان دونوں نے وارا اس وقت تمھیں ہوگا مرا دودھ گوارا
بے جاں ہوئے بعد ان کے، تو ماتم نہ کروں گی
دیکھو جو مروں گی بھی تو ناراض مروں گی

ہیں دونوں بھتیجے، مرے پیارے، مرے محبوب ۷۴ تم ان پہ تصدق ہو، یہی ہے مجھے مطلوب
جینا نہیں بہتر کسی صورت، کسی اسلوب بے سر دیے دودھ اپنا میں بخشوں تمھیں، کیا خوب
ایذا جو اٹھاؤ گے تو راحت بھی ملے گی
جب آئیں گی لاشیں تو یہ دولت بھی ملے گی

دیکھو کہے دیتی ہوں خبردار، خبردار ۷۵ جیتے جو رہے دودھ نہ بخشوں گی میں زنہار
شیروں کے یہ ہیں کام کہ کھینچے جس گھڑی تلوار رکھ دیویں گلا بڑھ کے تہِ خنجرِ خوں خوار
توڑی ہیں صفیں جنگ میں جب کھیت پڑے ہیں
جنات سے لشکر سے علیؑ یوں ہی لڑے ہیں

اعدا کو مرے دودھ کی تاثیر دکھاؤ ۷۶ اجلالِ حسنؑ شوکتِ شبیرؑ دکھاؤ
جعفرؑ کی طرح جوہرِ شمشیر دکھاؤ تن تن کے یداللہ کی تصویر دکھاؤ
خورشیدِ امامت سے قرابت میں قریں ہو
تم شیر ہو شیروں کے، حسینوں کے حسیں ہو

جعفرؑ سے نمودار کے دلبر ہو دلیرو ۷۷ حیدرؑ سے دلاور کے دلاور ہو دلیرو
جرار[12] ہو، کرار ہو، صفدر ہو دلیرو ضرغام[13] ہو، ضیغم ہو، غضنفر ہو دلیرو
تیروں سے جوانوں کے جگر توڑ کے آؤ
خیبر کی طرح کوفے کا در توڑ کے آؤ

بچّے اسداللہ کے ہو، جان پہ کھیلو ۷۸ خندق کی لڑائی کی طرح جنگ کو جھیلو
کوفے کو تہِ تیغ کرو، شام کو لے لو تیغوں میں دھنسو، چھاتیوں سے نیزوں کو ریلو
دو اور جِلا آئینہ تیغِ عرب کو
لو روم کو قبضے میں تو قابو میں حلب کو

ہاں غازیو! چین و حبش و زنگ سے لو باج ۷۹ خاقان کا رہا تخت نہ قیصر کا رہا تاج[15]
گیتی تہ و بالا ہو وہ تلوار چلے آج چڑھنا ہے لڑائی پہ جواں مَردوں کو معراج
یوں آئیو چار آئینہ پہنے ہوئے بر میں
جس طرح علیؑ بعد ظفر آتے تھے گھر میں

جھکتے ہیں، بس اُٹکے ہیں، جدھر ہیں، بس اُدھر ہیں ۸۰ میلے نہ ہوں تیور، یہ سپاہی کے ہنر ہیں
صحبت میں مصاحب ہیں، لڑائی میں سپر ہیں گر عطر میں ڈوبے ہیں، گئے خون میں تر ہیں
وہ اور کسی سے نہ جھکیں گے نہ جھکے ہیں
عزت میں نہ فرق آئے کہ سر بیچ چکے ہیں

کس پیار سے منہ دونوں کا تکنے لگے سرور ۸۱ یہ سُن کے جو نکلے وہ جری خیمے سے باہر
تیار ہے سب قبلۂ کونین کا لشکر اکبرؔ نے یہ کی عرض اے سبطِ پیمبر
جلدی ہے لڑائی کی اُدھر فوجِ ستم کو
ارشاد جسے ہو وہ بڑھے لے کے عَلَم کو

پیارے مرے محبوب برادر کو بلاؤ ۸۲ شہ بولے کہ عباسِ دلاور کو بلاؤ
جلدی مرے حمزہؑ، مرے جعفرؑ کو بلاؤ عاشق کو، مددگار کو، یاور کو بلاؤ
یہ اَوج، یہ رُتبہ، یہ حشم اس کے لیے ہے
زیب اُس سے عَلَم کی ہے، عَلَم اس کے لیے ہے

نازاں ہوا خود اَوج پہ اپنے عَلَمِ شاہ ۸۳ سب تکنے لگے صورتِ عباسِ فلک جاہ
بالیدہ تھا پرچم، تو پھریرا تھا ہوا خواہ میں ہوا حامل ہے نشانِ اسداللہ
جان آگئی تھی سنتے ہی اس خوش خبری کو
پنجہ بھی اشارے سے بلاتا تھا جری کو

خوش ہو کے یہ عمّو کو پکارے علی اکبر ۸۴ جلد آیئے یاد آپ کو فرماتے ہیں سرور
حاضر ہوا جوڑے ہوئے ہاتھوں کو وہ صفدر ارشاد کیا شہ نے علم بھائی کو دے کر
رکھیے اسے کاندھے پہ، یہ ہے آپ کا عہدہ
لو بھائی مبارک ہو تمھیں باپ کا عہدہ

بوسہ دیا عباسِ دلاور نے علم پر ۸۵ تسلیم کی اور رکھ دیا سر شہ کے قدم پر
کی عرض کہ قربان اس الطاف و کرم پر سو سر ہوں تو صدقے ہیں شہنشاہِ اُمم پر
ادنیٰ جو ابھی تھا اُسے اعلیٰ کیا مولا
قطرے کو ترے فیض نے دریا کیا مولا

اِس چترِ فلک قدر کا سایہ مرے سر پر ۸۶ اس دھوپ میں ہوگا یہ پھریرا مرے سر پر
یہ ابر مرے سر پہ، یہ طوبیٰ مرے سر پر قائم رہیں لاکھوں برس آقا مرے سر پر
سلطانِ دو عالم کی غلامی کے صلے ہیں
سب اوج یہ نعلین اُٹھانے سے ملے ہیں

حضرت نے کہا رو کے یہ کیا کہتے ہو پیارے ۸۷ حاضر ہے اگر جان بھی کام آئے تمھارے
حصّہ یہ تمھارا تھا سو پہونچا تمھیں بارے مالک ہو تمھیں، ہم تو ہیں اب گور کنارے
تھا دل میں جو کچھ وہ بخدا ہو نہیں سکتا
بھائی ترا حق مجھ سے ادا ہو نہیں سکتا

یہ کہہ کے بڑھے سرورِ دیں جانبِ توسن ۸۸ ہتیار لگائے ہوئے، پہنے ہوئے جوشن
اسوار ہوئے آپ، جو گرداں کے دامن اللہ رے ضیا، خانۂ زیں ہو گیا روشن
وہ پاؤں رکابوں کے لیے باعثِ ضو تھے
خورشید کے قدموں کے تلے دو مہِ نو تھے

رانوں کے اشارے سے لگا کوندنے، شبدیز ۸۹ اسوار کے دل کا تھا اشارہ اسے مہمیز
گرما کے جو شبیر نے تازی کو کیا تیز اعدا پہ چلا غول سواروں کا، جلو ریز
ایک ایک جوانِ عربی، رشکِ ملک تھا
اللہ کے لشکر کا علم سر بہ فلک تھا

کیا فیضِ سواری تھا کہ زرریز تھی سب راہ ۹۰ طالع تھا اُدھر مہر، اِدھر تھا علمِ شاہ
مابین دو خورشید تھی، فوجِ شہِ ذی جاہ پنجے پہ تجلی تھی، کہ اللہ ہی اللہ
بالا تھی چمک، مہرِ منور کی چمک پر
ضَو اس کی زمیں پر تھی، ضیا اُس کی فلک پر

ایک ایک جواں، زیورِ جنگی کو سنوارے ۹۱ نیزوں کی چمک اور وہ سمندوں کے طرارے
جعفر کے جگر بند، یداللہ کے پیارے رستم سے ہر اک جنگ کرے، شیر کو مارے
سیّاف ہو مرحب سا، تو شمشیر سے ماریں
ارجن سے کماندار کو، اک تیر سے ماریں

کم سِن کئی لڑکوں کا جُدا غول تھا سب سے ۹۲ سوئے بھی نہ تھے، ولولۂ جنگ میں، شب سے
سمٹے ہوئے باگوں کو، شہِ دیں کے ادب سے اعدا کی طرف دیکھتے تھے، چشمِ غضب سے
ہتیار جو باندھے تھے تو کیا تن پہ کھلے تھے
سب نیمچے تولے ہوئے مرنے پہ تُلے تھے

وہ چاند سا منھ اور وہ گورے بدن، اُن کے ۹۳ شرمندہ ہوں غنچے بھی، وہ نازک دہن اُن کے
یوسف کی طرح عطرفشاں پیرہن اُن کے مرکر وہی کپڑے ہوئے آخر کفن اُن کے
کیا حُسنِ عقیدت تھا، عجب دل کے جواں تھے
آقا پہ فِدا ہونے کو سب ایک زباں تھے

عمریں تو کم و بیش، پہ سب گیسوؤں والے ۹۴ اِک غول میں تھے چاند کئی، اور کئی ہالے
ذی مرتبہ سیدانیوں کی گود کے پالے غنچہ تھا وہ سب، اکبرِ گل رُو کے حوالے
ان تازہ نہالوں میں نمودار یہی تھے
اس گلشنِ یک رنگ کے مختار یہی تھے

مقتل کو جو پُرنور کیا، [19] عسکرِ دیں نے ۹۵ دیکھا طرفِ چرخ حقارت سے زمیں نے
اونچا نہ کیا سر فلکِ ماہ جبیں نے کی فرش پہ حسرت سے نظر عرشِ بریں نے
اُٹھ اُٹھ کے چمک اپنی دکھانے لگے ذرّے
خورشید کے پہلو کو دبانے لگے ذرّے

کھولا جو پھریرے کو علمدار جری نے ۹۶ ٹوٹے گل فردوس، نسیم سحری نے
تاروں کو اُتارا، فلک نیلوفری نے پرچم جو کھلا کھول دیے بال پری نے
عیسیٰ نے پکارا کہ نثار اس کے چشم کے
خورشید نے منھ رکھ دیا پنجے پہ علم کے

ترتیب صف فوج کا جس دم ہوا اعلام ۹۷ باندھی علی اکبرؑ نے صف لشکر اسلام
ظاہر جو ہوئی شان جوانان گل اندام کوفے کے نشاں جھک گئے، کانپی سپہ شام
اللہ رے شوکت شرفا و نجبا کی
اسلام کا لشکر تھا کہ قدرت تھی خدا کی

ناگاہ بجا طبل، بڑھا لشکر سفاک ۹۸ تا چرخ گیا، غلغلۂ کوس شغب ناک
فریاد سے قرنا کی ہلا گنبد افلاک تھرا گیا آواز دہل سے کرۂ خاک
نوبت تھی زبس قتل امام مدنی کی
صاف آتی تھی تاشوں سے صدا سینہ زنی کی

واں شور تھا باجوں کا ادھر نعرۂ تکبیر ۹۹ ایک ایک جری جھومتا تھا تول کے شمشیر
ناگاہ سوئے فوج خدا آنے لگے تیر عباسؑ علمدار نے دیکھا رخ شبیرؑ
کی عرض کہ لڑنے کو شریر آتے ہیں مولا
کیا حکم ہے اب پیاسوں پہ تیر آتے ہیں مولا

شہ نے کہا شرم آتی ہے کیا حکم میں دوں آہ ۱۰۰ ہفتاد و دو تن یاں ہیں، ادھر سیکڑوں گمراہ
غازی نے یہ کی عرض کہ اے کل کے شہنشاہ یہ شیر نیستان علیؑ ہیں، تو وہ روباہ
لاکھوں ہیں تو کیا ڈر ہے شجاعان عرب کو
اقبال سے آقا کے بھگا دیتے ہیں سب کو

فرمایا کہ فاقے سے ہے سارا مرا لشکر ۱۰۱ پانی نہیں ملتا کہ لب خشک کریں تر
بہتر ہے اگر پہلے کٹے تن سے مرا سر غازی نے کہا شیر گرسنہ ہیں، یہ صفدر
حملوں سے الٹ دیں گے پرے فوج عدو کے
بھوکے ہیں یہ زخموں کے، پیاسے ہیں لہو کے

حضرت نے کہا خیر! لڑو فوجِ ستم سے ۱۰۲ معلوم ہے سب آج جُدا ہوویں گے ہم سے
دُنیا سے نہ مطلب ہے، نہ کچھ جاہ و حشم سے کٹ جائے گا اپنا بھی گلا، تیغِ دودم سے
مقبول ہیں وہ، جو مری امداد کریں گے
اِس جنگ کو بھی لوگ، بہت یاد کریں گے

جس دَم یہ سُنی، قبلۂ کونین کی گفتار ۱۰۳ جانباز بڑھے، فوج سے چلنے لگی تلوار
تھے پیاسوں کے حملے غضبِ حضرتِ قہار چوٹی کے جواں بھاگ گئے پھینک کے تلوار
کون آنکھ مِلا سکتا تھا، شیروں سے عرب کے
جب کرتے تھے نعرے، قدم اُٹھ جاتے تھے سب کے

لڑتا تھا غضب، ایک کے بعد ایک وفادار ۱۰۴ دن چڑھتا تھا یاں، گرم تھا واں موت کا بازار
سر بیچتے تھے، جنسِ شہادت کے طلبگار بڑھ بڑھ کے خریدار پہ گرتا تھا خریدار
لیں پہلے، ہم ایک ایک کی جاں اس کی پڑی تھی
عقبیٰ کا جو سودا تھا تو قیمت بھی کڑی تھی

آیا جو عزیزوں کے لیے موت کا پیغام ۱۰۵ فرزندوں نے جعفرؑ کے بڑے رن میں کیے نام
اَولادِ عقیلؑ آ چکی شبیرؑ کے جب کام لڑنے کو گئے مُسلمِ بیکس کے گُل اندام
تھا حشر بپا، ندیاں بہتی تھیں لہو کی
بچوں نے اُلٹ دی تھیں صفیں فوجِ عدو کی

لشکر میں تلاطم تھا غضب چلتی تھی تلوار ۱۰۶ بیتاب تھے یاں، زینبِؑ ناشاد کے دلدار
مُنھ دیکھ کے حضرت کا یہی کہتے تھے ہر بار ہم جائیں گے بعد ان کے سُوئے لشکرِ کُفّار
جی جائیں جو مولا ہمیں مرنے کی رضا دیں
ایسا نہ ہو قاسمؑ کو حضور اذنِ وغا دیں

کچھ ان سے کہا چاہتے تھے سرورِ ذی شان ۱۰۷ جو غُل ہوا مارے گئے مُسلم کے دل و جان
لاشے بھی ادھر آ چکے، جب خون میں غلطاں پھر ہاتھوں کو جوڑا کے ملے رخصت میداں
شہ نے کہا یہ داغ تو دشوار ہے ہم پر
ان دونوں نے سر رکھ دیے، ماموں کے قدم پر

حضرت نے کہا ماں سے بھی ہو آئے ہو رخصت ۱۰۸ کیا کہتے ہو لٹوا دو ں میں ہمشیر کی دولت
مایہ ہو تمہیں اس کا تمہیں اس کی بضاعت چھوٹے نے یہ حضرت سے کہا تھام کے رقت
جھوٹے نہیں ہم آپ ابھی پوچھ لیں سب سے
اماں تو رضا دے چکی ہیں مرنے کی شب سے

بچوں نے جو کی جوڑ کے ہاتھوں کو یہ تقریر ۱۰۹ اُن دونوں کا مُنھ دیکھ کے رونے لگے شبیرؑ
فرمایا چھڑاتا ہے تمہیں بھی فلکِ پیر اچھا میں رضامند ہوں جو مرضیِ ہمشیر
وہ سیدۂ پاک نواسی ہے نبیؐ کی
فیاض کی ہمشیر ہے بیٹی ہے سخی کی

یہ سُن کے جھکے آخری تسلیم کو ذی جاہ ۱۱۰ خورشید کے آگے مہ نو بن گئے دو ماہ
کی سوئے فلک دیکھ کے شبیرؑ نے اک آہ دو شیر چلے گھوڑوں پہ چڑھ کر سوئے جنگاہ
ماں ڈیوڑھی سے چلائی کہ رخصت ہو مبارک
سرکارِ شہنشاہ سے خلعت ہو مبارک

سلطانِ دو عالم نے منگائی کیا واری ۱۱۱ تم جاتے ہو یا جاتی ہے دولھا کی سواری
پروان چڑھے ختم ہوئیں شادیاں ساری لو دُور سے لیتی ہوں بلائیں میں تمہاری
صدقے گئی نیزوں کو ہلاتے ہوئے جاؤ
شکلیں مجھے پھر پھر کے دکھاتے ہوئے جاؤ

تسلیم کو گھوڑوں سے جھکے دونوں وہ گل رُو ۱۱۲ دل ماں کا یہ اُمڈا کہ ٹپکنے لگے آنسو
باگیں جو اُٹھائیں تو فرس بن گئے آہو پھر دیکھنے پائی نہ اُنھیں زینبِ خوش خو
میداں کی طرف یاس سے ماں رہ گئی تک کر
پنہاں ہوئے بدلی میں ستارے سے چمک کر

میداں میں عجب شان سے وہ شیرِ نر آئے ۱۱۳ گویا کہ بہم حیدرؑ و جعفرؑ نظر آئے
غل پڑ گیا حضرت کی بہن کے پسر آئے افلاک سے بالائے زمیں دو قمر آئے
یوسف سے فزوں حسن گرانمایہ ہے اُن کا
یہ دھوپ بیاباں میں نہیں سایہ ہے اُن کا

وہ چاند سے منھ، اور وہ گیسوئے معنبر ۱۱۴ وہ بدر سے رُخسار، زہے قدرتِ داور
سب شانِ یداللہ کی، سب شوکتِ حیدر چتون وہی، غصّہ وہی، سب اُبھوہی تیور
یہ دبدبہ کس صاحبِ شمشیر نے دیکھا
دیکھا جسے، معلوم ہوا شیر نے دیکھا

تن تن کے جو شان اپنی دکھلاتے تھے وہ ذی جاہ ۱۱۵ چھاتی سے لگا لیتے تھے دونوں کو یداللہ
شمشاد سے قامت، نہ دراز اور نہ کوتاہ کھیلے ہوئے تیغوں میں فنِ جنگ سے آگاہ
ناخن سے دلیروں کے سب اندازِ وغا تھے
بچے تھے مگر بچۂ ضرغامِ خدا تھے

تھے حُسن میں ان دونوں کے آئینہ رُو ایک ۱۱۶ پیشانی و ابرو و سر و صدر و گلو ایک
شان ایک، شکوہ ایک، جو رنگ ایک، تو بُو ایک دل ایک، جگر ایک، جسد ایک، لہو ایک
اور ان سا کوئی غرب سے تا شرق نہیں ہے
دو ٹکڑے ہیں اک سیب کے، کچھ فرق نہیں ہے

پڑھنے لگے اشعارِ رجز جب وہ دلاور ۱۱۷ اللہ ری فصاحت، فُصحا ہو گئے ششدر
ہر بیت تھی دشمن کے لیے تیغِ دو پیکر ہر مصرعِ برجستہ میں تھی تیزیِ خنجر
دے کون جواب ان کا کہ دم بند تھا سب کا
واں قافیہ[۲۴] تھا تنگ شجاعانِ عرب کا

اظہارِ نسب میں جو محمدؐ کا لیا نام ۱۱۸ سب پڑھنے لگے صلِ علیٰ صاحبِ اسلام
آگے جو بڑھے نامِ علیؑ کر کے وہ گلفام دل ہل گئے، تھرّانے لگا روم سے تا شام
جعفرؑ کا جو کچھ ذکر کیا بعد علیؑ کے
تھرّے کو علَم جھک گئے سب فوجِ شقی کے

آغاز تھا ذکرِ شرفِ حضرتِ شبیرؑ ۱۱۹ ڈنکے پہ اُدھر چوٹ لگی، چلنے لگے تیر
اس وقت بڑے بھائی نے کی چھوٹے سے تقریر تلوار علَم کیجیے اب کس لیے تاخیر
کہیے تو جُدا ہو کے ستمگاروں پہ جائیں
اسواروں میں ہم، آپ کمانداروں پہ جائیں

فرمایا بڑے بھائی نے ہنس کر، نہیں بھائی ۱۲۰ تم جان ہو، دشوار ہے دم بھر کی جدائی
ہو جاتی ہے اک آن میں، ہر صف کی صفائی کر دیتے ہیں سر، کون سی ایسی ہے لڑائی
بازو ہوں قوی، ہاتھ سے گر ہاتھ نہ چھوٹے
سر تن سے اُتر جائے، مگر ساتھ نہ چھوٹے

نانا کی طرح، فوج پہ حملے کریں، آؤ ۱۲۱ تلواروں میں تن تن کے چلو، برچھیاں کھاؤ
ان چھوٹے سے ہاتھوں کا ہمیں، زور دکھاؤ ہم سینہ سپر تم پہ ہوں، تم ہم کو بچاؤ
ہم شیروں پہ رستم کا بھی مُنھ پڑ نہ سکے گا
جب دو ہوئے اک دل تو کوئی لڑ نہ سکے گا

چھوٹے نے کہا جوڑ کے ہاتھوں کو کہ، بہتر ۱۲۲ بس کھینچ لیے نیمچے، دونوں نے برابر
دو بجلیاں کوندیں کہ لرزنے لگے لشکر نیزوں کے نیستاں میں، در آئے وہ غضنفر
برباد کیا رَو میں سواروں کو دبا کے
رہوار بھی اسوار تھے گھوڑوں پہ ہوا کے

ان چھوٹی سی تلواروں کے تھے کاٹ نرالے ۱۲۳ تھیں کُہنیاں پہونچوں سے جدا، ہاتھوں سے بھالے
شل اپنی جگہ تھے جو بے مثل رسالے تھے حیرت اس سب کا یہی دیکھنے والے
ناز اپنے ہنر پر تھا شجاعان عرب کو
نیزوں کو قلم کر کے نِدار دکیا سب کو

موت آئی اُدھر نیمچے دونوں جدھر آئے ۱۲۴ جب ہاتھ بڑھا، پاؤں پہ کٹ کٹ کے سر آئے
گر سینے تک آئے تو، کبھی تا کمر آئے خالی نہ پھرے جس پہ گئے، خوں میں بھر آئے
ہر نیمچہ، بجلی تھا ستمگاروں کے حق میں
ڈوبے ہوئے تھے دو مہِ نو، خوں کی شفق میں

اُٹھتی تھی نہ ڈر سے کسی خوں خوار کی گردن ۱۲۵ سر خود کا جھک جاتا تھا، تلوار کی گردن
دو چار کے مُنھ کٹ گئے، دو چار کی گردن اسوار کا سر اُڑ گیا، رہوار کی گردن
دو نیمچے بجلی سے گزرتے تھے کمر سے
آدھے ہوئے جاتے تھے لعیں جان کے ڈر سے

دو چھوٹی سی تیغوں سے قیامت نظر آئی ۱۲۶ معصوموں کے ہاتھوں سے کرامت نظر آئی
سر کٹنے کی، اعدا کے علامت نظر آئی　　لوہے کی سپر بھی نہ سلامت نظر آئی
بے وجہ نہ پھر جاتے تھے منھ اہلِ جفا کے
دریا کے تھپیڑے تھے، طمانچے تھے قضا کے

گردن سے بڑھے کاٹ کے پیکر نکل آئے ۱۲۷ جوشن کو دکھاتے ہوئے جوہر نکل آئے
چار آئینہ میں تیر کے باہر نکل آئے　　صابون سے دو تار برابر نکل آئے
محراب کے نیچے کبھی جھکتے نہیں دیکھا
مچھلی کو بندھے پانی میں رکتے نہیں دیکھا

ہر غول میں غلطاں و تپاں تھے سر و پیکر ۱۲۸ دستانے کہیں تھے، کہیں ڈھالیں، کہیں مغفر
جب نیچے ان دونوں کے اٹھتے تھے برابر　　منھ خوف سے ڈھالوں میں چھپاتے تھے ستمگر
روکے انھیں، طاقت یہ نہ تھی پیر و جواں کی
صورت نظر آنے لگی تیغِ دو زباں کی

غارت تھی وہ صف جس سے وغا کر کے پھرے وہ ۱۲۹ دو ہاتھ میں سو سو کو فنا کر کے پھرے وہ
سرداروں کے سر تن سے جدا کر کے پھرے وہ　　ہر غول میں اک حشر بپا کر کے پھرے وہ
غل تھا کہ پرے ٹوٹے ہوئے جم نہیں سکتے
سر کٹنے کی دہشت سے قدم تھم نہیں سکتے

گھوڑے تھے چھلاوا، کبھی یاں تھے کبھی واں تھے ۱۳۰ پتلی میں تو پھرتے تھے، پر آنکھوں سے نہاں تھے
یاں تھے جو سبک رو تو ادھر گرم عناں تھے　　بجلی تھے، کسی جا تو کہیں آبِ رواں تھے
ہو سکتی تھی بجلی سے یہ سرعت نہ ہرن سے
جھونکے تھے ہوا کے کہ نکل جاتے تھے سن سے

بے آب تھے دو دن سے پہ جاندار تھے گھوڑے ۱۳۱ ہر مرتبہ اڑ جانے پہ تیار تھے گھوڑے
اِس پار کبھی تھے، کبھی اُس پار تھے گھوڑے　　نقطہ تھے وہ سب فوج کہ پرکار تھے گھوڑے
دم بھر میں جو مڑ جاتے تھے ٹاپوں سے کچل کے
بڑھ سکتا نہ تھا اک بھی احاطے سے اجل کے

تُلنے ہوئے سینوں کو جدھر جاتے تھے دونوں ۱۳۲ تلواروں کی موجوں سے گزر جاتے تھے، دونوں
ہر غول میں بے خوف و خطر جاتے تھے، دونوں سب ہوتے تھے پسپا تو ٹھہر جاتے تھے، دونوں
اُلٹی ہوئی صف دیکھ کے ہنس دیتا تھا[۹] بھائی
بھائی کی طرف دیکھ کے ہنس دیتا تھا[۵] بھائی

دَم لے کے جو گھوڑوں کو اُڑاتے تھے وہ جرّار ۱۳۳ اعدا کے رسالوں کو بھگاتے تھے وہ جرّار
شیروں کی طرح فوج پہ جاتے تھے وہ جرّار دو کرتے تھے یکتا، جسے پاتے تھے وہ جرّار
شیروں نے جو مارا بھی تو رہواروں کو مارا
جب آنکھ ملی چُن کے نموداروں کو مارا

جمعیتِ لشکر کو پریشاں کیا، دَم میں ۱۳۴ جو فوج کی جاں تھے، انھیں بے جاں کیا دَم میں
تلواروں سے جنگل کو گلستاں کیا دَم میں سرکاٹ کے خونخواروں کو غلطاں کیا دَم میں
بے دست تھے عَلموں کو جو بے دین لیے تھے
بچّوں نے جوانوں کے نشاں چھین لیے تھے

دو لاکھ کو دونوں نے کیا تھا تہ و بالا ۱۳۵ تیغ ایک کی چلتی تھی، تو اِک بھائی کا بھالا
اِک بڑھ گیا گر ایک نے گھوڑے کو نکالا دَم اِس نے لیا، اُس نے لڑائی کو سنبھالا
یک جا فرسِ تیز قدم ہو گئے دونوں
جب بھیڑ بڑھی کچھ تو بہم ہو گئے دونوں

وہ چھیڑ کے تازی کو سواروں میں در آیا ۱۳۶ دَم بھر میں پیادوں کو پامال کر آیا
جب شیر سا پہونچا وہ اُدھر، یہ اِدھر آیا جاں آ گئی بھائی کو جو بھائی نظر آیا
بچ بچ کے نکلتے تھے جو نیزوں کے تلے سے
اِک بھائی لپٹ جاتا تھا بھائی کے گلے سے

کچھ بھائی سے بڑھ کر جو وغا کرتا تھا بھائی ۱۳۷ بچ جانے کی بھائی کے دعا کرتا تھا بھائی
حق بھائی کی اُلفت کا ادا کرتا تھا بھائی ہر وار پہ بھائی کی ثنا کرتا تھا بھائی
تم سا نہیں صفدر کوئی واللہ برادر
کیا خوب لڑے مشلک[۲۶] اللہ برادر

کہتا تھا بڑے بھائی سے چھوٹا بصد آداب ۱۴۸ بھائی میں بھگا دوں ابھی ان کو جو ملے آب
اب پیاس کی گرمی سے کلیجے کو نہیں تاب سینے میں مرا دل نہیں، آتش پہ ہے سیماب
ہم لوگ محق کیا نہیں اس آبِ رواں کے
تالو میں خلش ہوتی ہے کانٹوں سے زباں کے

کہتا تھا بڑا بھائی میں صدقے ترے گلفام ۱۴۹ ہم خشک زبانوں کو بھلا پانی سے کیا کام
اب جلد اجل آئے تو کوثر کا پئیں جام غش ہم کو بھی آجائے گا، پانی کا نہ لو نام
آنکھیں تو ستمگاروں کی تیغوں سے لڑی ہیں
چپکے رہو اماں درِ خیمہ پہ کھڑی ہیں

اس نہر کا لینا تو کچھ ایسا نہیں مشکل ۱۵۰ روکیں ہمیں کیا تاب لعینوں کی ہے، کیا دل
پل باندھ لیں لاشوں کے ابھی ہم سرِ ساحل بتلائیے، پھر نہر کے لے لینے سے حاصل
دیکھو نہ اُدھر پیاس سے گو لاکھ تعب ہے
اماں ہمیں گر دودھ نہ بخشیں تو غضب ہے

اشک آنکھوں میں بھر کر کہا چھوٹے نے بہت خوب ۱۵۱ ہر دم ہے رضا مندیِ مادر ہمیں مطلوب
ایسے تو نہیں ہم کہ بزرگوں سے ہوں محجوب منظور یہ تھا فخر کا نکلے کوئی اسلوب
دریا کو بھی دیکھیں گے نہ اب آنکھ اٹھا کے
پیتے بھی تو پہلے شہِ والا کو پلا کے

جعفر کے جو پوتے ہیں تو حیدر کے نواسے ۱۵۲ کچھ ہم علی اکبر سے زیادہ نہیں پیاسے
یہ کہتے ہی لڑنے لگے، پھر اہلِ جفا سے فریاد کہ بچوں پہ گری فوج قضا سے[28]
خوں سر کا بہا منہ پہ تو گھبرا گئے دونوں
دو لاکھ کی تیغوں کے تلے آ گئے دونوں

ڈوبے ہوئے تھے شام کے بادل میں وہ دو ماہ ۱۵۳ پردے سے کھڑی تکتی تھی زینبؑ سوئے جنگاہ
عباس سے کہتے تھے تڑپ کر شہِ ذی جاہ اب مجھ سے جدا ہوتے ہیں دو شیر مرے آہ
کیوں کر متحمل ہو دل اس رنج و محن کا
گھر لٹتا ہے بھائی مری نادار بہن کا

اس بی بی کے فاقوں کے ہیں پالے ہوئے یہ لال ۱۴۴ دولت ہے یہی اور یہی حشمت و اقبال
سات آٹھ برس کے ہیں ابھی کیا ہے سن و سال سب ہاتھ ملیں گے جو یہ گل ہو گئے پامال
تازہ یہی دو پھول ہیں جعفر کے چمن میں
مر جائے گا باپ ان کی خبر سُن کے وطن میں

رو کر دمِ رخصت وہ یہی کہتے تھے ہر بار ۱۴۵ میں شاہ کا خادم ہوں یہ دونوں ہیں نمک خوار
آگاہ صعوباتِ سفر سے نہیں زنہار اے دخترِ زہرا مرے بیٹوں سے خبردار
میں رکھ نہیں سکتا ہوں کہ ماموں پہ فدا ہیں
اب تو یہی دونوں مرے پیری کے عصا ہیں

شوہر کا تڑپنا اسے کچھ بھی نہ رہا یاد ۱۴۶ ہے ہے مری الفت میں لٹی زینبِ ناشاد
یوں بھائی پہ صدقے کوئی کرتا نہیں اولاد ہم دیکھتے ہیں اور بہن ہوتی ہے برباد
روئے گی وہ بیٹوں کو تو سمجھائیں گے کیوں کر
منہ زینبِ دلگیر کو دکھلائیں گے کیوں کر

عباس نے کی عرض، کلیجہ ہے دو پارا ۱۴۷ ان کو تو کسی کی نہیں، امداد گوارا
زخمی ہوئے، نہ مجھ کو نہ اکبر کو پکارا جائے یہ غلام آپ جو فرمائیں اشارا
حضرت کی قسم دے کے میں سمجھاؤں گا ان کو
مچلیں گے تو گودی میں اٹھا لاؤں گا ان کو

حضرت نے کہا صاحبِ غیرت ہیں، وہ دونوں ۱۴۸ لختِ جگرِ شاہِ ولایت ہیں وہ دونوں
ضرغامِ نیستانِ شجاعت ہیں، وہ دونوں واللہ بڑے صاحبِ ہمت ہیں وہ دونوں
دو لاکھ تو کیا ہیں جو کروڑوں میں گھریں گے
بے جان دیئے وہ نہ پھرے ہیں نہ پھریں گے

بڑھنے لگے میداں کی طرف قاسم ذی جاہ ۱۴۹ اکبر نے یہ کی عرض کہ میں جاتا ہوں یا شاہ
ہے دونوں کی فرقت کا، مجھے صدمۂ جانکاہ لاکھوں میں ہیں تنہا پھوپھی اماں کے پسر، آہ
ریتی پہ کہیں گر نہ پڑیں برچھیاں کھا کر
میں ساتھ انھیں لے آتا ہوں اعدا کو بھگا کر

گھبرا کے درِ خیمہ سے زینبؑ یہ پکاری ۱۵۰ سر ننگے میں نکلوں گی جو تم جاؤ گے واری
اولاد مجھے تم سے زیادہ نہیں پیاری بتلاؤ کہ میں ان کی ہوں عاشق کہ تمھاری
میداں کی طرف قاسمؑ بے پر بھی نہ جائیں
تلواروں میں عباسؑ دلاور بھی نہ جائیں

زہراؑ کی قسم کچھ نہیں بیٹوں کا مجھے دھیان ۱۵۱ بھائی پہ تصدق ہوں یہی تھا مجھے ارمان
وہ آئے تو دسواس سے دل ہوگا پریشان صدقے کو نہیں پھیر کے لاتے ہیں میں قربان
خود روؤں گی پر شاہ کو غم کھانے نہ دوں گی
لاشے بھی اُٹھانے کے لیے جانے نہ دوں گی

میداں میں ہے کیا اور بجز نیزہ و شمشیر ۱۵۲ مر جاؤں گی زخمی ہوئے گر قاسمؑ دلگیر
دل کس کا چھدے تم کو لگائے جو کوئی تیر سمجھاؤں صدقے گئی کیوں روتے ہیں شبیرؑ
باقی ہے اگر زیست تو پھر آئیں گے دونوں
غم کس لیے کیا ہوگا جو مر جائیں گے دونوں

شہزادوں کو کھوتے ہیں غلاموں کے لیے آہ ۱۵۳ میں جوڑتی ہوں ہاتھ بس اب روئیں نہ للّٰہ
ہے شرم کی کیا وجہ میں لونڈی وہ شہنشاہ سو ایسے ہوں بیٹے تو نثارِ شہِ ذی جاہ
ممتاز ہے فدیہ ہے جو زہراؑ کے پسر کا
شان اس کی بڑھے فخر ہو جو جد و پدر کا

باپ ان کا اگر ہوتا تو وہ سر نہ کٹاتا ۱۵۴ زہراؑ کے کلیجے کے عوض برچھیاں کھاتا
بیٹوں کو یوں ہی میری طرح نذر کو لاتا اپنے کوئی محسن کو نہیں دل سے بھلاتا
جو پاس ہے جس کے وہ عطائے شہِ دیں ہے
کہہ دے مرے ماں جائے کہ حق کس پہ نہیں ہے

بیٹوں سے ہوئی گر تو ہوئی آج جدائی ۱۵۵ سر پر مرے دنیا میں سلامت رہیں بھائی
اک دولتِ اولاد لٹائی تو لٹائی کیا لٹ گیا وہ کون سی ایسی تھی کمائی
کیوں روؤں میں دنیا میں جو دلبند نہیں ہیں
کیا اکبرؑ و اصغرؑ مرے فرزند نہیں ہیں

یہ ذکر ابھی تھا کہ ستمگار پکارے ۱۵۶ لو شاہ کی ہمشیر کے بیٹے گئے مارے
ٹکڑے کیا معصوموں کو تلواروں کے مارے وہ لوٹتے ہیں خاک پہ، دو عرش کے تارے
پامالی کو ان دونوں کی اسوار بڑھیں گے
بچوں کے سر اب کٹ کے نشانوں پہ چڑھیں گے

یہ سنتے ہی تھرانے لگے حضرت عباس ۱۵۷ گھبرا کے اٹھے خاک سے شبیر بعد یاس
سر کھولے ہوئے بیبیاں ڈیوڑھی کے جو تھیں پاس سب نے کہا نوشہ کی بہن ہو گئی بے آس
ٹوٹا ہے فلک بنت شہنشاہ نجف پر
زینب کو چلو لے کے بس اب ماتمی صف پر

ہے ہے کا جو اک شور ہوا رانڈوں میں برپا ۱۵۸ زینب بھی ہٹی، چھوڑ کے دروازے کا پردا
چلائی ارے چپکے رہو، غل ہے یہ کیسا بھائی ہیں سلامت، مجھے کیوں دیتے ہو پرسا
ہے ہے نہ کرو صاحبو گھبرائیں گے شبیر
پھر کون ہے زینب کا جو مر جائیں گے شبیر

تم روتے ہو کس واسطے، میں تو نہیں روتی ۱۵۹ دامان مژہ بھی نہیں اشکوں سے بھگوتی
دل ہوتا جو ایسا ہی تو کیوں بیٹوں کو کھوتی دولت کوئی ماں جائے سے پیاری نہیں ہوتی
قائم رہے اقبال محمد کے خلف کا
بس نام بھرے گھر میں نہ لو ماتمی صف کا

سر اپنے نہ کھولو کہ مجھے آتا ہے وسواس ۱۶۰ اک شب کی دلہن گھر میں ہے اس کا بھی نہیں پاس
شبیر تو سر پر ہیں، جو بیٹوں سے ہوئی یاس اکبر مری امید ہے، قاسم ہے مری آس
اب خلد میں نانا کے قریں جائیں گے دونوں
کیا پیٹنے رونے سے چلے آئیں گے دونوں

باتیں یہ کہیں سب سے، پہ سنبھلا نہ دل زار ۱۶۱ تڑپا یہ کلیجہ کہ گری خاک پہ اک بار
واں لاشوں پہ روتے ہوئے پہنچے شہ ابرار مہماں کوئی ساعت کے تھے وہ جگر افگار
کس عمر میں ہستی کا چمن چھوڑ رہے تھے
گودی کے پلے خاک پہ دم توڑ رہے تھے

رُخ زرد تھے اور خاک میں آلودہ تھے گیسو ۱۶۲ جُھک آئے تھے کٹ کٹ کے سرِ نو سے وہ ابرُو
تلواروں سے ٹکڑے تھے، وہ بلّور سے بازُو مہتاب سی وہ چھاتیاں اور تیر سرِ پہلو
پھنکتا تھا جگر آنکھ نہ کھل سکتی تھی غش سے
ہونٹوں پہ زبانیں نکل آئی تھیں عطش سے

ٹکڑے ہوا سینے میں دلِ سبطِ پیمبرؐ ۱۶۳ ہے ہے کہا اور لاشوں سے لپٹے، شہِ صفدر
چھوٹے سے بڑے نے کہا یہ ہوش میں آکر بالیں پہ حضور آئے ہیں، چونکو تو برادر
مشتاق تھے تم سیّدِ ذی جاہ کو دیکھو
مرتے ہوئے دیدارِ شہنشاہ کو دیکھو

سُن کے یہ صدا غش سے جو چونکا وہ دل افگار ۱۶۴ دونوں نے رکھا سر قدمِ شاہ پہ اِک بار
اکبرؑ سے یہ کی عرض کہ اے شاہ کے دلدار دشمن ہیں بہت قبلۂ عالم کے خبردار
ہم دونوں غلاموں کا نہ غم کھائیو بھائی
سر پیٹیں جو اماں انھیں سمجھائیو بھائی

یہ کہہ کے لگے ہچکیاں لینے جو وہ پیارے ۱۶۵ بس موت کے آثار نمایاں ہوئے سارے
سر پیٹ کے ہاتھوں سے یہ شبیرؑ پکارے ماموں سے بچھڑتے ہو میں قربان تمھارے
پھر کی نہ کوئی بات، سفر کر گئے دونوں
آنسو تھے رواں آنکھوں سے اور مر گئے دونوں

حضرت کے جو رونے کی صدا خیمے میں آئی ۱۶۶ رانڈوں نے ادھر ماتمی صف گھر میں بچھائی
زینبؑ نے کہا ہائے غضب، روتے ہیں بھائی فضہ یہ پکاری کہ دُہائی ہے دُہائی
لو چاک گریبان کیے آتے ہیں شبیرؑ
معصوموں کی لاشوں کو لیے آتے ہیں شبیرؑ

بیٹھی صفِ ماتم پہ اُدھر شاہ کی خواہر ۱۶۷ سیدانیوں نے اُٹھ کے اُدھر کھول دیے سر
لاشوں کو لیے آئے جو گھر میں شہِ صفدر زینبؑ کے قریں بیٹھ گئے سر کو جھکا کر
فرمایا کہ لو لختِ جگر آئے تمھارے
لو دو دھ انھیں بخشو، پسر آئے تمھارے

شبیرؑ نے جب دودھ کا زینبؑ سے لیا نام ۱۶۸ ہر چند کیا ضبط، پہ تھرا گیا اندام
دل تھام کے کہنے لگی وہ بیکس و ناکام آپ ان سے رضامند ہیں یا شاہ خوش انجام
فرمایا دل ان دونوں سے واللہ خوشی ہے
میں ان سے خوشی ہوں، مرا اللہ خوشی ہے

عاشق تھے مرے اور مرے غم خوار تھے دونوں ۱۶۹ بچے تھے مگر صادق الاقرار تھے دونوں
اس وقت میں ماموں کے مددگار تھے دونوں حیدر کی طرح صفدر و جرار تھے دونوں
موت آئے کہ داغوں سے دل اب بھر گیا زینبؑ
دونوں یہ نہیں مر گئے، میں مر گیا زینبؑ

افسوس کہ ان دونوں کی، دیکھی نہ جوانی ۱۷۰ میں کیا کہوں کیا صاحبِ ہمت تھے یہ جانی
ہوتی ہے بہت زخمیوں کو تشنہ دہانی پر ہم سے دمِ مرگ بھی مانگا نہیں پانی
سمجھے کہ گرفتارِ ستم آج ہے ماموں
وہ جانتے تھے پانی کو محتاج ہے ماموں

ہمشیر سے یہ کہہ کے جو روئے شہِ ابرار ۱۷۱ بس آگیا فرزندوں کی ہمت پہ اُسے پیار
تھراتی ہوئی خاک سے اُٹھی وہ دل افگار پاس آن کے لاشوں کی بلائیں لیں کئی بار
کانپے جو قدم گر کے سنبھلنے لگی زینبؑ
مُنھ خون بھرے چہروں سے ملنے لگی زینبؑ

دیکھا جو لہو بچوں کا، چھاتی اُمنڈ آئی ۱۷۲ نزدیک تھا مر جائے یداللہ کی جائی
پر فاطمہؑ کے صبر کی شان اس نے دکھائی سب سے یہ کہا نیک لگی میری کمائی
بچے مرے قربان ہوئے، احسان خدا کا
اے بیبیو صدقہ ہے یہ شاہِ شہدا کا

رو کر شہِ والا نے کہا صدقے میں تم پر ۱۷۳ دم بھر انھیں رو لو کہ یہ مہمان ہیں خواہر
بانو نے اشارہ کیا، اے سبطِ پیمبر قربان گئی آپ بس اب جائیے باہر
گر ضبط اسی طرح سے فرمائیں گی زینبؑ
یہ ماتمِ اولاد ہے، مر جائیں گی زینبؑ

روتے ہوئے خیمے سے جو ڈیوڑھی پہ گئے شاہ ۱۷۴ فرزندوں کو چلّانے لگیں زینبؑ ذی جاہ
یہ نیند ہے کیسی کہ خبر تم کو نہیں آہ　　صدقے گئی جاؤ شہِ کونین کے ہمراہ
زخمی ہوئے شبیرؑ تو جان اپنی میں دوں گی
اچھا میں تمھیں دونوں سے ماں جائے کو لوں گی

لو نیمچے کاندھو پہ دھرو لے مرے پیارو ۱۷۵ تنتے ہوئے شبیرؑ کے ہمراہ سدھارو
گو پیاسے ہو دو دن کے یہ ہمت کو نہ ہارو　　یہ خون میں ڈوبے ہوئے کپڑے تو اُتارو
اُٹھ بیٹھو، میں صدقے گئی اِتنا نہیں سوتے
اِس طرح تو جاگے ہوئے دُولہا نہیں سوتے

سوتا ہے لڑائی کے دن ایسا کوئی غافل ۱۷۶ بچو! تمھیں کیا سُن کے کہیں گے شہِ عادل
دیکھو کہ تڑپتی ہے، یہ ماں بصورتِ بسمل　　سُلجھاؤ یہ زُلفیں کہ اُلجھتا ہے مرا دل
کیا غش میں ہو، یہ سونے کا نقشہ نہیں ہوتا
ایسا تو کوئی نیند کا ماتا نہیں ہوتا

پھر دونوں کے سر زانو پہ رکھ کے یہ پکاری ۱۷۷ لو اب ہوا معلوم کہ تم مر گئے واری
بے ہوشی میں کچھ مجھ کو خبر تھی نہ تمھاری　　اب آنکھوں سے چھپ جائیں گی یہ صورتیں پیاری
دُنیا کو نہ دیکھا کہ اجل آگئی بچو!
ہے ہے یہ تمھیں کس کی نظر کھا گئی بچو!

بچو! تمھیں قسمت نے نہ بروان چڑھایا ۱۷۸ حسرت رہی، ماں نے تمھیں دُولہا نہ بنایا
پیدا ہوتے جس دن سے، کبھی چین نہ پایا　　دیکھی نہ جوانی کہ پیامِ اجل آیا
ہے ہے چمنِ دہر میں پھولے نہ پھلے تم
جب فصلِ بہاری کے دن آئے تو چلے تم

میں روتی تھی در پر مجھے سمجھا نہ گئے تم ۱۷۹ دروازے پہ دَم بھر کے لیے آ نہ گئے تم
ہے ہے دُلھنیں بھی، مجھے دِکھلا نہ گئے تم　　پیاسے تھے مگر جانبِ دریا نہ گئے تم
جیتی ہے وہ ماں جس کے گزر جانے کے دن تھے
یہ بیاہ کی راتیں تھیں کہ مر جانے کے دن تھے

خاموش انیسؔ اب کہ تڑپتا ہے دلِ زار ۱۸۰ کافی ہے رُلانے کو تری درد کی گفتار
اِس جنس کا گر آج نہیں کوئی خریدار فیاض ہے لیکن شہِ مظلوم کی سرکار

افسردہ نہ ہو غنچۂ اُمید کھلے گا
کھل جائیں گی آنکھیں وہ صلہ تجھ کو ملے گا

مرثیہ (۱۱)

جب حضرتِ زینبؑ کے پسر مر گئے دونوں ۱ تھا شور کہ پیاسے لبِ کوثر گئے دونوں
چھوٹے تھے مگر نام بڑا کر گئے دونوں دربارِ محمدؐ میں برابر گئے دونوں
زہراؑ کی طرح عاشقِ اولاد تھی زینبؑ
بیٹوں کا تو ماتم تھا مگر شاد تھی زینبؑ

دو بیٹوں کے مرنے کی یکایک خبر آئی ۲ نے روئی، نہ ماتم کیا، نہ خاک اڑائی
منہ سے نہ کہا یہ کہ کٹی کس کی کمائی پوچھا تو یہ پوچھا کہ سلامت تو ہیں بھائی
سمجھی نہ کہ دنیا سے یہ پیارے گئے کس کے
یہ بھی نہ کہا لاڈلے مارے گئے کس کے

فرزندوں سے ماں کو کوئی ہوتا نہیں پیارا ۳ جن بیٹوں کی عاشق تھی انہیں بھائی پہ وارا
بے دم ہوئے دو لعل پہ دم اس نے نہ مارا پوچھا نہ کہ جنت کی طرف کون سدھارا
چادر نہ گری سر سے، نہ چیں آئی جبیں پر
دو شکر کے سجدے کیے جھک کے زمیں پر

پرسے کے لیے آئیں جو سب بیبیاں باہم ۴ فرمایا بھرے گھر میں مناسب نہیں ماتم
ہے ہے نہ کرو صاحبو، کچھ مجھ کو نہیں غم مانگو یہ دعا خلق میں بھائی کا رہے دم
کونین میں رتبے مرے پیاروں کے بڑے ہیں
میں جانتی ہوں آج وہ پروان چڑھے ہیں

کچھ قاسم و اکبر سے سوا ان کا نہ تھا پیار ۵ کیوں روؤں سلامت رہیں دونوں مرے دلدار
سو ایسے پسر ہوں تو نثارِ شہِ ابرار میں شاد ہوں رحم ان پہ کرے ایزدِ غفار
جب تک نہ وہ مارے گئے تھے مجھ کو قلق تھا
حق بھائی کا مجھ پر تھا تو ان پر مرا حق تھا

۶ تھی مجھ کو بڑی فکر کہ کیا ہوگا الٰہی — پر دونوں نے جو بات کہی تھی وہ نباہی
مرتے نہ پسر آج تو تھی ماں پہ تباہی — میں کہتی تھی جو ہوتا تھا میدان کو راہی

سر دینے کو رن میں نہ شہِ جن و بشر جائیں
میں نے تو دعا کی تھی کہ پہلے یہی مر جائیں

۷ کہتے ہیں، بڑا نام کیا خوب وفا کی — ہر ضرب پہ خود قبلۂ عالم نے ثنا کی
شُستی ہوں اُلٹ دی تھیں صفیں اہلِ جفا کی — میں ایسی نہ تھی کچھ، یہ عنایت ہے خدا کی

ہاں صاحبِ ہمت تھے، وفا کر گئے دونوں
حق دودھ پلانے کا ادا کر گئے دونوں

۸ مرنا مجھے دونوں کا مبارک کرے اللہ — پائیں ظفر اِس لشکرِ کیں پر شہِ ذی جاہ
قاسم کو تو قسمت نے دکھایا مجھے نوشاہ — اب دھوم سے اپنے علی اکبرؑ کا کروں بیاہ

تم روؤ نہ، ماں ہوکے میں روتی نہیں لوگو
اکبرؑ سے زیادہ مجھے کوئی نہیں لوگو

۹ جب مر چکے زینبؑ کے پسر فوجِ ستم میں — اور گلشنِ ہستی سے گئے باغِ ارم میں
تاریک جہاں تھا نظرِ شاہِ اُمم میں — زینبؑ نے بُرا حال کیا بیٹوں کے غم میں

چلاتی تھی دولت مری سب لُٹ گئی لوگو
پردیس میں فرزندوں سے میں چھُٹ گئی لوگو

۱۰ اِن باتوں پہ زینبؑ کی حرم کرتے تھے ماتم — میداں میں مبارز طلبی کرتے تھے اظلم
کچھ مشورہ تھا اکبرؑ و عباسؑ میں باہم — قاسمؑ کا ارادہ تھا کہ لیں رن کی رضا ہم

پر شدتِ گریہ سے نہ یارا تھا سخن کا
مُنھ ماں کا کبھی دیکھتے تھے، گاہ دُلہن کا

۱۱ مادر کا اشارا تھا کہ کیا قصد ہے واری — چھُپکے رہو گھونگھٹ میں دُلہن کرتی ہے زاری
کہتا تھا پسر جان چچا سے نہیں پیاری — کچھ آپ سفارش کریں اب ان سے ہماری

اکبرؑ کو نہ شبیرؑ کہیں اذنِ وغا دیں
جی جائیں اگر یہ ہمیں مرنے کی رضا دیں

۱۲ فرزند پھوپھی جان کے دنیا سے سدھارے
رخصت کا سخن منھ سے نکلتا نہ ہمارے
حوریں ہمیں غرفوں سے یہ کرتی ہیں اشارے
کچھ منھ سے نہیں بولتیں یہ شرم کے مارے
کیا دیکھتے ہو پیارے صورت کو دلہن کی
اب سیر کرو اُٹھ کے شہادت کے چمن کی

۱۳ جز خواہشِ تقدیر کچھ اس کا نہیں چارا
ہر چند نہیں دل کو فراق ان کا گوارا
کس وقت میں افسوس ہوا بیاہ ہمارا
واللہ کہ صدمے سے کلیجہ ہے دوپارا
کیا راحت و آرام میں جلدی خلل آیا
باتیں بھی نہ کی تھیں کہ پیامِ اجل آیا

۱۴ بانو نے کہا ہائے مری بچی کی تقدیر
فق ہوگئی ماں سُن کے یہ فرزند کی تقریر
دولھا کا سخن سُن کے کلیجے پہ لگا تیر
خاموش تھی گھونگھٹ میں دلہن صورتِ تصویر
چاہا کہ کہے کاش ہماری اجل آئے
کچھ منھ سے نہ نکلا مگر آنسو نکل آئے

۱۵ رنگ اُڑنے لگا چھا گیا چہرے پہ رنڈاپا
جوں شمع لگی آتشِ غم فرق سے تا پا
پیشانی کا صندل بھی ہوا خاک کا چھاپا
تصویر بنی غم کی دلہن بن کے سراپا
پوشاک سے پیدا تھا کہ رنڈسالہ ہے تن میں
کنگنے سے یہ ثابت تھا کلائی ہے رسن میں

۱۶ سینے پہ چلی وصل میں تیغِ غمِ ہجراں
آنکھوں کو رنڈاپے کا نظر آگیا ساماں
ماتھے سے ستاروں کی طرح گر گئی افشاں
خود ہو گئے سب گوندھے ہوئے بال پریشاں
وہ رشکِ چمن غم سے جو سرگرمِ فغاں تھی
ہر آہ میں سہرے کے بھی پھولوں پہ خزاں تھی

۱۷ اب سر پہ رنڈاپے کی بلا چرخ نے ڈالی
غم تھا کہ کوئی دم میں یہ مسند ہوئی خالی
یہ ہونٹ چباتے کہ اُڑی پان کی لالی
کچھ منھ سے نہ کہہ سکتی تھی وہ نازکی پالی
[illegible]
رہ جاتی تھی وہ مہندی لگے ہاتھوں کو مل کر

زانو پہ جُھکا آتا تھا سر شرم کے مارے ۱۸ سینے سے نکل جاتے تھے آہوں کے شرارے
وہ کہتی تھی اب ناک سے نتھ کوئی اُتارے رو رو کے سکینہ سے یہ کرتی تھی اِشارے
اِس تاش کے جوڑے کو بس اب آگ لگا دو
سادے ہوں جو کپڑے وہ مجھے لا کے پنہا دو

کھلوائے کنگنے سے بس اب ہاتھ اُٹھایا ۱۹ کیوں ہائے یہ کنگنا، مجھے اماں نے پنہایا
بیٹی کو رنڈاپے کی مصیبت میں پھنسایا کیا ان کا بگاڑا، جو دُلہن مجھ کو بنایا
مر جانے کی رُخصت کے طلبگار ہیں مجھ سے
سونپا تھا جنھیں وہ بھی تو بیزار ہیں مجھ سے

اب ہوتی ہوں بیوہ مجھے کیا چاہیئے زیور ۲۰ کالی کفنی بر میں ہو، اور نیلی سی چادر
مسند مجھے اور خاک کا بستر ہے برابر قسمت میں لکھا تھا کہ پھروں شہروں میں دربدر
کیا کہیئے مقدر تھا عجب واہ ہمارا
جنت کے مسافر سے ہوا بیاہ ہمارا

دُولھا نے جو دیکھا کہ دُلہن غم سے ہے مضطر ۲۱ چلنے لگے سینے پہ غم و درد کے خنجر
اِک آہ بھری، زرد ہوا چہرۂ انور جُھک کر کہا، زانو سے اُٹھاؤ تو ذرا سر
لِللہ نہ روؤ تمھیں سمجھاتے ہیں صاحب
کچھ بات کرو مرنے کو ہم جاتے ہیں صاحب

اب پھر کے نہیں آنے کے، ہوتی ہے جُدائی ۲۲ حسرت ہے کہ آواز بھی تم نے نہ سنائی
تقدیر نے، آئینہ میں صورت تو دِکھائی پھر شان نہ اس مصحفِ رُخ کی نظر آئی
لب بند ہی رکھے، درِ گفتار نہ کھولا
ان نرگسی آنکھوں کو پھر اِک بار نہ کھولا

کچھ بات کرو ہم سے کہ فرصت ہے بہت کم ۲۳ راحت سے، خوشی سے، جو گذر جائے کوئی دم
اِک آن میں صحبت یہ کہاں، اور کہاں ہم ہو جائے گا شادی کا مکاں، خانۂ ماتم
زندانِ مصیبت تمھیں رونے کو ملے گا
اور گوشۂ تربت ہمیں سونے کو ملے گا

تلواروں سے واں جسم مرا ہووے گا صد چاک ۲۴ لوٹیں گے عدو آن کے یاں، بیاہ کی پوشاک
بھر جائے گی اس مانگ میں صندل کے عوض خاک کنگنا نہ کھلے گا کہ رسن باندھیں گے سفاک
خنجر مری گردن سے کوئی دم کو ملے گا
رنڈسالہ نہ تم کو، نہ کفن ہم کو ملے گا

ہم چھوڑ کے تنہا نہ تمھیں گھر سے نکلتے ۲۵ سایے کی طرح پاس سے اک آن نہ ٹلتے
اس گل سے کفِ پائے سدا آنکھوں کو ملتے کیا کیجیے، ہیں تیر چچا جان پہ چلتے
سو بار ہوں صدقے تو نہ حق ان کے ادا ہوں
مظلوم کا پھر کون ہے گر ہم نہ فدا ہوں

انصاف کرو تم کہ عجب سخت گھڑی ہے ۲۶ عمو تو اکیلے ہیں، اُدھر فوج کھڑی ہے
دنیا میں کسی پر بھی مصیبت یہ پڑی ہے دل پاس تمھارے ہے، اُدھر جان لڑی ہے
کیا جانیے کیا وقتِ اجل ہووے گی مشکل
رخصت ہیں اب دوگی تو مل ہووے گی مشکل

اک جانِ ستم کش پہ عجب رنج و تعب ہے ۲۷ سنتا ہوں میں (ع) عباس کو رخصت کی طلب ہے
یاں پاسِ محبت ہے تو واں جائے ادب ہے فرقت بھی قیامت ہے، نہ جانا بھی غضب ہے
ہوں کس سے جدا کس پہ تصدق کروں سر کو
الفت تو اِدھر کھینچتی ہے، موت اُدھر کو

چلاتی ہیں زہرا مرے گل پیرہن آؤ ۲۸ سہرا مجھے دکھلانے کو ابن حسن آؤ
بابا کی صدا ہے کہ مرے صف شکن آؤ اس بیاہ کی خلعت کو بنا کر کفن آؤ
بجھتا ہے چراغ آج محمد کی لحد کا
اے لال یہی وقت ہے عمو کی مدد کا

جس وقت سنی درد کی تقریر یہ ساری ۲۹ تا دیر تو بولی نہ دلہن شرم کی ماری
دولھا نے رکھا پاؤں پہ جب سر کئی باری آہستہ کہا آہ یہ تقدیر ہماری
سمجھی میں یہ بس مجھ کو نہ سمجھایئے صاحب
کیا زور مرا خیر چلے جایئے صاحب

راس آیا نہ صاحب کو مجھے بیاہ کے لانا ۳۰ ہے آپ کو منظور مرا رانڈ بنانا
روکوں تو کہو گے، برے کہنے کو نہ مانا آنا مرا اور آپ کا سر دینے کو جانا
اتنا تو کہے جاؤ کہ کب ہوگی ملاقات
دولھا نے کہا، حشر میں اب ہوگی ملاقات

وہ بولے کہ آنا طرف چشمۂ کوثر ۳۱ کبرا نے کہا میں تمھیں واں پاؤں گی کیوں کر
زہرا بھی وہیں ہوں گی، وہیں ہوں گے پیمبر ہوگا وہیں پیاسا شہِ مظلوم کا لشکر
صف ہوگئی فرشتوں کی درِ باغِ ارم تک
حوریں تمھیں پہونچائیں گی فردوس میں ہم تک

بولی نہ دلہن کچھ، یہ ہوا ماں کا عجب حال ۳۲ فرما کے یہ مسند سے جو اٹھا وہ خوش اقبال
فریاد ہے مجھ رانڈ کی کھیتی ہوئی پامال چلائی کہ مرنے کو چلا ہائے مرا لال
پردیس میں چھوڑے چلے جاتے ہیں دلہن کو
اے بیبیو روکو کوئی فرزندِ حسن کو

غل پڑ گیا لو اور قیامت یہ ہوئی اب ۳۳ واں پرسے کو زینبؑ کے جو تھے جمع حرم سب
بیٹھا نہ گیا اُٹھ کے لگی پیٹنے زینبؑ کبرا کو رنڈاپے سے بچا لیجیو، یارب
بیٹی کے لیے غم سے موئی جاتی تھی بانو
بچے کو لیے گود میں تھراتی تھی بانو

دولھا نظر آیا انھیں، باندھے ہوئے ہتھیار ۳۴ سب خیمۂ قاسم میں جو آئے بہ دلِ زار
اس وقت رہیں آپ فدا ان سے خبردار رخصت ہوا مادر سے یہ کہہ کر وہ دل افگار
جو بات مناسب ہو وہ سمجھائیو ان کو
لاش آئے جو میری تو نہ دکھلائیو ان کو

عباسؑ سے فرمایا کہ اے جانِ برادر ۳۵ ڈیوڑھی پہ یہ تقریر کھڑے سنتے تھے سرور
رانڈ اب ہوئی اک رات کی بیاہی مری دختر قاسم سے بھی لو ہم کو چھڑاتا ہے مقدر
اب صبر ہو کیوں کر دلِ مضطر سے ہمارے
بھائی کی بھی اولاد چلی گھر سے ہمارے

بس اتنے میں قدموں پہ گرا آن کے نوشاہ ۳۶ کی عرض کہ مرنے کی رضا دیجئے للہ
لپٹا کے گلے سے اسے شبیرؑ نے کی آہ فرمایا کہ رخصت ہے بڑا صدمۂ جانکاہ
پر خیر، چچا بیکس و مجبور ہے بیٹا
جاؤ یہی اللہ کو منظور ہے بیٹا

میں دیکھتا تھا تم کو جو یاد آتے تھے بھائی ۳۷ گویا کہ ہوئی آج برادر سے جدائی
ماتم بھی دکھایا ہمیں، شادی بھی دکھائی تم مرنے چلے اور نہ ہماری اجل آئی
کیا جانتے تھے ہاتھ سے یوں کھوئیں گے تم کو
تم ہم کو نہ روؤ گے، ہمیں روئیں گے تم کو

مرنے چلے جب شان سے چلنے کے دن آئے ۳۸ ملتے ہیں پڑے دھوپ میں جلنے کے دن آئے
مُرجھا گئے تھا جو سبزے کے نکلنے کے دن آئے رُت پھر گئی، جب پھولنے پھلنے کے دن آئے
افسوس مزا عالمِ فانی کا نہ دیکھا
کچھ تم نے ثمر باغِ جوانی کا نہ دیکھا

صدقے ہو چچا پاس تو آؤ مرے پیارے ۳۹ بیتاب ہے دل، گرد پھروں گا میں تمھارے
وہ پاؤں پہ حضرت کے جھکا شرم کے مارے لپٹا کے گلے سے شہِ والا یہ پکارے
دے صبر الٰہی کہ قرار آئے جگر کو
اُمت پہ فدا کرتا ہوں بھائی کے پسر کو

بیٹی کے رنڈاپے کا بھی کچھ مجھ کو نہیں غم ۴۰ خوشنود اگر تو ہے تو شادی ہے یہ ماتم
ہے لطف، ترا زخمِ جگر کا مرے مرہم مقبول مری نذر ہو اے خالقِ عالم
ہر چند کہ ہدیہ ہے یہ کیا، اور میں کیا ہوں
سو بار جیوں مر کے تو سو بار فدا ہوں

یہ کہہ کے کیا چاک بھتیجے کا گریباں فرمایا کفن ہے، یہی پوشاک مری جاں
ماں ڈیوڑھی سے چلائی کہ اللہ نگہباں کس شان سے گھوڑے پہ چڑھے قاسمِ ذی شاں
مقتل میں جو ضیغم کی طرح نعرہ زن آئے
تھا شور کہ بھائی کی مدد کو حسن آئے

مطلع سوم

دی رن کی رضا شاہ نے جب ابنِ حسن کو ۴۲ اک عید ہوئی مرنے کی اس غنچہ دہن کو
شیرانہ چلا تیغ بکف خیمے سے رن کو اعدا نے کہا دیکھ کے اس رشکِ چمن کو
نورِ حسن، چہرۂ زیبا سے عیاں ہے
ہم شوکت و شانِ اسد اللہ یہ جواں ہے

شمعِ حرمِ لم یزلی تھا قدِ بالا ۴۳ پایا یہ کہاں ماہِ دو ہفتہ نے اُجالا
شانے پہ کماں، بر میں زرہ، ہاتھ میں بھالا اک حسن کی تصویر تھا وہ گیسوؤں والا
نقشہ کسی انساں کو اگر دے تو حق ایسا
عالم کے مرقع میں نہیں اک ورق ایسا

تھا صولت و شوکت سے لعینوں کا جگر آب ۴۴ لڑنا تو کجا آنکھ ملانے کی نہ تھی تاب
چہرے کی لطافت پہ تصدق گلِ شاداب غیرت سے اُڑا جاتا تھا رنگِ رخِ مہتاب
حق نے رخِ روشن کو عجب نور دیا تھا
خورشید نے بھی شرم سے منہ پھیر لیا تھا

حیراں تھا لشکر یہ ملک ہے کہ بشر ہے ۴۵ گیسو ہے کہ ہالہ ہے، جبیں ہے کہ قمر ہے
یہ ابروؤں کی بیت ہے، یا حسن کا گھر ہے پلکیں ہیں کہ سرپنجۂ شہبازِ نظر ہے
یاں دیدۂ آہو بھی نگاہوں سے گرے ہیں
آنکھیں ہیں کہ دو شیر نیستاں میں کھڑے ہیں

بولا کوئی بے درد کہ لڑکا ہے یہ جانباز ۴۶ نکلا ہے نہ سبزہ نہ مسیں ہیں ابھی آغاز
تیور میں مگر شیر کی چتون کا ہے انداز برگشتہ ہے اس سے فلکِ تفرقہ پرداز
آتی ہے مہک بیاہ کے پھولوں کی بدن سے
کس وقت میں دولہا کو چھڑاتا ہے دلہن سے

گذری جو شبِ عقد تو قسمت نے رُلایا ۴۷ جاگے تھے خوشی میں مگر آرام نہ پایا
قسمت نے اُسے مسندِ شادی سے اُٹھایا مرنے کے سوا اور بنے کو نہ بن آیا
دیکھا ہے دلہن کو جو محبت کی نظر سے
اب دیکھتے ہیں جینے کو حسرت کی نظر سے

۴۸

حُسنِ حَسَنؑ و شانِ حسینؑ ہے نمودار
کیا بیاہ کے جوڑے پہ بھلے لگتے ہیں ہتھیار
ہے دستِ حنائی میں عجب شان سے تلوار
کرتی ہے زرہ خوبیِ اندام کو اظہار
باندھا ہے کمربند شہِ عقدہ کشا کا
عمامہ ہے سر پر حَسَنِ سبز قبا کا

۴۹

فانوس میں ہے شمع کہ ہے رخت بدن میں
رخساروں پہ گیسو ہیں کہ ہے چاند گہن میں
ہر شخص کی آنکھوں کو چکاچوند ہے رن میں
سہرے میں یہ چہرہ ہے کہ سورج ہے کرن میں
تڑپے گا وہ تربت میں جگر بند ہے جس کا
کیا گذرے گی اُس ماں پہ یہ فرزند ہے جس کا

۵۰

رخسارۂ روشن ہیں کہ دو آئینۂ نور
ٹھہرے نہ کبھی جن کی صفا پر نظرِ حور
جبیں کی ضیا پائے کہاں شمعِ سرِ طور
گر لب کو کہیں لعل تو یہ عقل سے ہے دور
وہ سنگ ہے پتھر، سنگ میں گویائی کہاں ہے
گویائی بھی یک سو، یہ مسیحائی کہاں ہے

۵۱

غنچوں نے کہاں پائے لب ایسے، دہن ایسا
باتوں میں مزہ قند کا، شیریں سخن ایسا
ہے عکس سے ملبوس گلابی، بدن ایسا
گل تھا کہیں دیکھا نہیں گلِ پیرہن ایسا
انداز سراپا ہے عجب لطف بھلا ہے
جنت کا چمن سامنے آنکھوں کے کھلا ہے

۵۲

یوسف نے یہ ترکیب، یہ صورت نہیں پائی
یہ بُو، یہ صباحت، یہ ملاحت نہیں پائی
ہے سرو بھی خوش قد، پہ یہ قامت نہیں پائی
گل نے یہ لطافت، یہ نزاکت نہیں پائی
گلدستۂ عالم ہے، کہ مجموعہ ہے تن کا
دُولھا کا پسینہ ہے کہ ہے عطر دُلہن کا

۵۳

آنکھیں وہ غزالانِ ختن جن پہ تصدق
رخسار وہ نازک کہ چمن جن پہ تصدق
لب ایسے کہ سو لعلِ یمن جن پہ تصدق
دانت ایسے کہ دُر ہائے عدن جن پہ تصدق
دانتوں سے لڑائے کوئی موتی کی لڑی کو
ہو جائیں گے یاقوت کے نگ، کوئی گھڑی کو

دیکھیں تو صفائی کو ذرا صاحبِ انصاف ۵۴ یہ شمعِ تجلّی ہے کہ ہے گردنِ شفّاف
شانوں کی ہے شوکت سے عیاں شانِ حسن صاف ہاتھوں کے یداللہ سے پوچھے کوئی اوصاف
پنجے کے لیے ہیں، نہ کلائی کے لیے ہیں
یہ انگلیاں سب عقدہ کشائی کے لیے ہیں

ہر چند کہ ملبوس میں مستور ہے سینہ ۵۵ روشن صفتِ روشنیٔ طور ہے سینہ
ظاہر ہے کہ اک آئینۂ نور ہے سینہ اللہ کے اسرار سے معمور ہے سینہ
نے بدر میں یہ نور، نہ یہ مہر میں ضو ہے
تکمہ تو ستارا ہے، گریباں مہِ نو ہے

باریک ہے، کیا ذہن میں وصفِ کمر آئے ۵۶ سو رنگ سے باندھیں اسے، جو شے نظر آئے
یہ فکرِ رسا جائے کہاں اور کدھر آئے ممکن ہی نہیں، یہ کہ عدم کی خبر آئے
واں پیکِ خرد حکمِ رسائی نہیں دیتا
یاں تارِ نظر ہے کہ دکھائی نہیں دیتا

ثابت قدمی میں کوئی اس کا نہیں ہمسر ۵۷ ٹل جائے زمیں، پر یہ نہیں ہٹنے کا صفدر
ہے اس کے لیے کاہ سے کم، کوہ کا لشکر جانباز ہے، لختِ جگرِ حیدرِ صفدر
زور ان کا کسی جنگ میں گھٹتے نہیں دیکھا
پیچھے قدم اس کا کبھی ہٹتے نہیں دیکھا

اتنے میں رجز پڑھنے لگے قاسمِ نوشاہ ۵۸ آگاہ ہو، آگاہ ہو، آگاہ ہو، آگاہ
دادا ہے ہمارا اسد اللہ ید اللہ عمّو ہیں حسینؑ ابنِ علیؑ سیّدِ ذی جاہ
میں لختِ دلِ فاطمہؑ کا لختِ جگر ہوں
پانی میں جسے زہر دیا، اُس کا پسر ہوں

دادی شرفِ آسیہ و مریمؑ و سارا ۵۹ خود نور سے اپنے جسے خالق نے سنوارا
میں ہوں فلکِ عزّ و شرافت کا ستارا روشن ہے نسب، صورتِ خورشید ہمارا
حیدر سے جدا ہیں نہ پیمبرؐ سے جدا ہیں
قرآں سے ثابت ہے کہ ہم نورِ خدا ہیں

سب جانتے ہیں پنجتنِ پاک کا رُتبا ۶۰ آدم سے کیا پہلے، خدا نے انھیں پیدا
کی شیرِ خدا نے مددِ حضرتِ موسیٰ تھا طور پہ بھی، نورِ محمد ہی کا جلوا
داخل سخن اپنا یہ تعلّی میں نہیں ہے
روشن ہے کہ تکرار تجلّی میں نہیں ہے

عالم میں بزرگ اپنے نمودار رہے ہیں ۶۱ اسلام کی رونق کے طلبگار رہے ہیں
ہر جنگ میں سر دینے کو تیار رہے ہیں مشکل میں رسولوں کے مددگار رہے ہیں
کام آتے ہیں ہر دُکھ میں، یہ ہے کام ہمارا
آفت سے چھٹا، جس نے لیا نام ہمارا

ہم صاحبِ شمشیر ہیں، ہم شیر جری ہیں ۶۲ ہم بندۂ مقبول ہیں، عصیاں سے بَری ہیں
دُنیا سے کوئی دَم میں عدم کو سفری ہیں کیا سمجھیں جو وہ مستِ مئے بے خبری ہیں
دلوائے گا خدا داد جو بیداد کرو گے
بھولے ہو ابھی تو، یہ بہت یاد کرو گے

جان و دلِ زہرا کے عبث درپئے جاں ہو ۶۳ کس سمت کو بہکے ہوئے پھرتے ہو، کہاں ہو
افسوس کہ جو مصحفِ ناطق کی زباں ہو سب پانی پئیں اور وہی تشنہ دہاں ہو
ہیں سیکڑوں تیغیں علَم اِک جان کی خاطر
دُنیا میں یہی ہوتی ہے مہمان کی خاطر

سیّد نے جو کی ہو کوئی تقصیر تو کہہ دو ۶۴ جوڑا ہو کماں میں جو کوئی تیر تو کہہ دو
چھینی ہو کسی شخص کی جاگیر تو کہہ دو اُمّت پہ کبھی کھینچی ہو شمشیر، تو کہہ دو
تم لوگوں نے کس روز نہیں جبر کیا ہے
اس صابر و شاکر نے سدا صبر کیا ہے

آمادہ تھے مرجانے پہ سب ہمدم و یاور ۶۵ فرمایا کہ اُمّت سے لڑائی نہیں بہتر
تابوت پہ بابا کے لگے تیر جو ستّر لے جا کے اُنھیں دفن کیا ماں کے برابر
کیا صبر ہے، دو بھانجے بے جان پڑے ہیں
اُس دن کی طرح آج بھی خاموش کھڑے ہیں

تم یہ نہ سمجھنا کہ وہ ہیں جنگ سے عاری ۶۶ باعث ہے فقط یہ کہ ہے اُمّت انھیں پیاری
ہے غیظ ہمارا، غضبِ ایزدِ باری جبریل سے رُکتی نہیں، تلوار ہماری
جن روزوں میں دادا سے مرے جنگ ٹھنی تھی
دہشت سے بنی جان کی، جانوں پہ بنی تھی

وہ طاہر و اطہر ہو اگر معرکہ آرا ۶۷ معلوم ہو حملۂ اسداللہ کا سارا
آگاہ ہو، کس طرح کہو عمرو کو مارا صمصام کا اِک وار ہوا کس کو گوارا
واللہ اگر اِک دم کو وہ صمصام علم ہو
ہر رُوح کو اُس دم ہوسِ مُلکِ عدم ہو

سردارِ اُمم، محرمِ اسرارِ محمدؐ ۶۸ مہرو اسداللہ کا، دلدارِ محمدؐ
دلدار و دل آرامِ مددگارِ محمدؐ ممدوحِ مَلک، مالکِ سرکارِ محمدؐ
سرور کہو اسلام کا اُس مالکِ کُل کو
آرام دو اِک دم دلِ سردارِ رُسل کو

کس کا اسداللہ سا ہوا والدِ مرحوم ۶۹ حلّالِ مہم، مالکِ کُل، طاہر و معصوم
صدرِ دوسرا، رحم دل و شوہرِ مہموم آسودہ ہو ہر سالک و گمراہ و محروم
معصوم کا دلدار ہو سالارِ اُمم ہو
اَولاد کا، اُس عالم و عادل کو اَلم ہو

اس طرح کا والا ہمم اس طرح کا سردار ۷۰ اس طرح کا عالم کا ممدّ اور مددگار
وہ مصدرِ الہامِ احد، محرمِ اسرار وہ اصلِ اصولِ کرمِ داورِ دوّار
حاصل، اگر اک مردِ دل آگاہ کو مارا
مارا، اگر اس کو اسداللہ کو مارا

قبضے پہ اگر ابنِ علیؑ ہاتھ دھرے گا ۷۱ دیکھیں گے کہ سینے کو سپر کون کرے گا
اِک دم میں یہ میدانِ ستم، خوں سے بھرے گا جو تیغ سے بچ جائے گا دہشت سے مرے گا
لشکر کو اُلٹ دیں گے انھیں غیظ جب آیا
تیغِ اسداللہ کھینچی اور غضب آیا

اُن کا تو ہے کیا ذکر اگر حکم وِغا دیں ۲؎ واللہ غلام اُن کے ابھی تم کو بھگا دیں
ضربِ اسد اللہ کا انداز دکھا دیں سو سو کے سرِ یک دم میں تنوں پہ سے اڑا دیں
بچپن میں سے میں آیا ہوں جرأت مری دیکھو
سِن دیکھو مرا اور شجاعت مری دیکھو

کیا دیر ہے مُنھ پر مری شمشیر کے آؤ ۳؎ دیکھوں تو بھلا کچھ ہنرِ جنگ دکھاؤ
بولا پسرِ سعد، سواروں سے کہ جاؤ ہاں قاسمِ نوشاہ کا سر کاٹ کے لاؤ
داماد کا دو داغ امامِ مدنی کو
ٹھنڈا کرو تیغوں سے چراغِ حَسَنی کو

باتوں پہ نہ جاؤ، سخن ان کے ہیں اثر دار ۴؎ پیچھے نہ ہٹے پاؤں، دمِ جنگ خبردار
پھل پائیں گے اِس سرو کے کاٹے سے تبردار سر لائے گا جو اُس کا، کروں گا اُسے سردار
نیزوں سے جو بچ جائے تو شمشیر سے مارو
شمشیر نہ کھائے تو اِسے تیر سے مارو

دریا کی طرح فوج کو جنبش ہوئی یک بار ۵؎ تیغوں کی اُٹھی موج میانِ صفِ کفّار
ڈھالوں کا ہوا، ابرِ سیہ رن میں نمودار بدلی جو ہوا، پڑنے لگی تیروں کی بوچھار
بیٹھا وہ جری تیغ بکف اہلِ جفا میں
بجلی سی لگی کوندنے ڈھالوں کی گھٹا میں

اِک برقِ اجل فوجِ ستمگار پہ آئی ۶؎ تیغ آئی کہ آفت سرِ کفّار پہ آئی
آڑی کیا اُس کو بھی جو تلوار پہ آئی دو ہو گیا اسوار تو رہوار پہ آئی
راکب نہ گرا تھا ابھی شبرنگ کے نیچے
یہ زین کے اوپر سے گئی تنگ کے نیچے

جو جنگ کے قابل تھے، ہوئے وہ نہ مقابل ۷؎ تھراتے تھے سینوں میں جگر، کانپتے تھے دل
تلوار کا پانی تھا کہ تھا زہرِ ہلاہل کیا لڑتے کہ خود قتل ہوئے جاتے تھے قاتل
مُہلت نہ ٹھہرنے کی، نہ دم لینے کی مُہلت
مل جاتی تھی، ہاں راہِ عدم لینے کی مُہلت

نوشاہ نے پائی تھی عجب ہمتِ عالی ۷۸ حملہ کیا جس صف پہ وہ صف ہوگئی خالی
تلوار نے آفت سرِ کفار پہ ڈالی لڑنے کے لیے تیغ و سپر جس نے سنبھالی
تلوار کا آنا ہوا ثابت نہ لعیں پر
دو ٹکڑے نظر آئے برابر سرِ زیں پر

اک حملے میں آخر ہوئی پہلے صفِ اول ۷۹ دو ہاتھ چلے تھے کہ اُدھر پڑ گئی ہلچل
اعدا کا گھٹا زور، پھٹا ڈھالوں کا بادل سر کٹ گئے، یہ برچھیوں بھالوں کو ملا پھل
بھالے سے جو بن مارے نہ دشمن کو پھرے تھے
اک نیزہ سراں لوگوں کے کٹ کٹ کے گرے تھے

سہمے یہ کماندار کہ رُخ جنگ سے پھیرا ۸۰ چلائے کہ حلقے میں ہمیں موت نے گھیرا
تھا غیظ سے نوشاہ کی آنکھوں میں اندھیرا نعرہ تھا کہ ہاں وار کوئی روکے تو میرا
میں دست بہ قبضہ ہوں وہ جانباز کہاں ہیں
گوشوں سے تو نکلیں قدرِ انداز کہاں ہیں

تھا مضطر و حیراں پسرِ سعد ستمگر ۸۱ پیہم یہ خبردار خبر دیتے تھے آکر
سرداروں کے سر کٹ گئے، پسپا ہوا لشکر دریا تلک آپہونچا ہے لختِ دلِ شبّر
اس شیرِ غضبناک کو ٹوکا نہیں جاتا
سب کہتے ہیں بجلی کو تو روکا نہیں جاتا

کس طرح سے اس صاعقہ کردار کو روکیں ۸۲ کس ڈھال پہ شمشیرِ شرربار کو روکیں
سو بجلیاں گرتی ہیں اگر اک وار کو روکیں تلوار کو روکیں کہ وہ رہوار کو روکیں
دونوں کا بدن آب اور آتش سے بنا ہے
اک برقِ جہندہ ہے تو اک سیلِ فنا ہے

گھبرا کے کہا اُس نے کہ ازرق کو بلا لا ۸۳ آیا وہ جفاکار سنبھالے ہوئے بھالا
بولا یہ عمر ہوگیا لشکر تہ و بالا گھوڑے کو مگر تو نے پرے سے نہ نکالا
جا کر کوئی اس صفدر و جرار کو مارے
نزدیک ہے آکر کسی سردار کو مارے

ہر سال تجھے ملتا ہے اسپ و زر و انعام ۸۴ سردار کے کام آ کہ شجاعوں کا یہ ہے کام
شہرہ تری شمشیر کا ہے روم سے تا شام دولہا کو مٹا دے تو بڑا ہوگا ترا نام
شور آبِ دمِ تیغ کا اس کے لبِ جو ہے
گریاں تلک آیا تو نہ پھر میں ہوں نہ تو ہے

سالاریِ لشکر ہے ترے نام پہ مرقوم ۸۵ ہے چار طرف آج شجاعت کی تری دھوم
رستم سے سوا جنگ کے فن ہیں تجھے معلوم تو جا تو ہو بے سر پسرِ سیدِ مسموم
داماد کا غم دے شہِ آوارہ وطن کو
دیکھا نہیں سر پیٹتے اک شب کی دلہن کو

یوں کہنے لگا چیں بہ جبیں ہو کے وہ مغرور ۸۶ لڑکے سے لڑوں میں یہ تری عقل سے ہے دور
اس فوج پہ تو گو کہ حکومت پہ ہے معمور یہ ننگ کسی طرح نہ ہوگا مجھے منظور
مارا ہے ہزاروں کو مری دھاک ہے سب میں
ہو جاؤں گا بدنام شجاعانِ عرب میں

مجھ سا کوئی عالم میں نہیں اور جواں مرد ۸۷ ہوں رستم و سہراب و نریماں کا ہم آورد
جلادِ فلک کا ہے مرے خوف سے منہ زرد پٹکوں جسے میداں میں زمیں سے نہ اٹھے گرد
پھٹ جائے کلیجہ جو سناں گیو کو ماروں
سرمہ ہو گر اک گرزِ گراں دیو کو ماروں

تابندہ ہو رستم مرے آگے یہ نہیں تاب ۸۸ پنجے میں جو پکڑوں نہ چھٹے گردنِ سہراب
چھیدوں دلِ ارجن جو کروں تیر کو پرتاب تلوار کو کھینچوں تو جگر شیر کا ہو آب
اس طفل سے کیا جنگ کا آہنگ کروں میں
میداں میں حسین آئیں تو ہاں جنگ کروں میں

بولا پسرِ سعد کہ اس طفل کو پہچان ۸۹ یہ شیر کا فرزند ہے لڑکا نہ اسے جان
رہتا ہے لڑکپن سے انھیں جنگ کا ارمان جانباز ہیں مر کر بھی نہیں چھوڑتے میدان
جب تیغ کھینچے ان کی تو سر تن سے جدا ہیں
یہ ہاشمی و مطلبی قہرِ خدا ہیں

آنکھ ان کی جھپکتی نہیں لاکھوں سے دمِ حرب ۹۰ نے خوفِ بلا ان کو، نہ رنج و الم و کرب
اوروں کے نہ سو وار، نہ ان لوگوں کی اک ضرب ایسا کوئی جرّار نہیں شرق سے تا غرب
سر لاکھوں اُتر جاتے ہیں چڑھتے ہیں جو رن پر
تلواریں بھی کھاتے ہیں تو ہنس ہنس کے بدن پر

اس شیر کے فرزند ہیں یہ شیر ۹۱ اللہ نے بھیجی ہے جسے عرش سے شمشیر
تلوار کھنچی ان کی، تو لاشوں کے ہوئے ڈھیر یہ سب سے زبردست ہیں اور ان سے ہیں سب زیر
ہم لوگوں کی ہے موت! جو زندہ ہیں یہ غازی
گر تیغ نہ ہو، شیرِ درندہ ہیں یہ غازی

آنکھ ان سے دمِ جنگ ملائی نہیں جاتی ۹۲ بگڑیں تو کوئی بات بنائی نہیں جاتی
فاقوں میں بھی ہاتھوں کی صفائی نہیں جاتی رستم سے بھی ضرب، ان کی اٹھائی نہیں جاتی
بعضے جو حسینی ہیں تو بعضے حسنی ہیں
تلوار کے مالک ہیں شجاعت کے دھنی ہیں

سرکش کو قدم آگے بڑھانے نہیں دیتے ۹۳ سوفار کو چلّے سے ملانے نہیں دیتے
لڑنے میں سپر چہرے پہ لانے نہیں دیتے بھاگیں تو کہیں بھاگ کے جانے نہیں دیتے
یوں آتے ہیں دشمن پہ یہ گھوڑے کو ڈپٹ کر
شیر آتا ہے جس طرح سے آہو پہ جھپٹ کر

گو طفل ہیں پر تیغ زنی ارث ہے ان کا ۹۴ یہ بطن سے مادر کے جری ہوتے ہیں پیدا
جانباز ہیں ایسے کہ نہیں جان کی پروا بڑھ بڑھ کے ہزاروں سے وغا کرتے ہیں تنہا
طفلی میں جو لڑکوں کے کیے کام علیؑ نے
گہوارے میں اژدر کو بھی چیرا ہے کسی نے

ازرق نے کہا گرچہ تری راست ہے گفتار ۹۵ پر میں تو نہ لڑکے پہ کبھی کھینچوں گا تلوار
قتل اس کا ہے منظور تو ہیں میرے پسر چار روئیں تن و زور آور و نامور و جرّار
ماہر ہے ہر اک میری طرح جنگ کے فن کا
سر کاٹ کے لے آئیں گے فرزند حسنؑ کا

یہ کہہ کے بڑے بیٹے سے ظالم نے کہا جا ۹۶ ہاں تیغ سے اُس طفل کا سر کاٹ کے لے آ
تُو زور میں بے مثل، شجاعت میں ہے یکتا یہ سُن کے جفا جُو نے لیا ہاتھ میں نیزا
جولاں کیا گھوڑے کو پرے سے جو نکل کے
بھاگے ہوئے بولے کہ چلا مُنھ میں اجل کے

بجنے لگے طبل و دف و نقارہ و قرنا ۹۷ کڑکا ہوا، نکلے وہ جواں، ہو جسے مرنا
دیتا ہے شجاعوں کو مزا خون میں بھرنا ہاں تا با ابد نام رہے، آج وہ کرنا
غیرت کی ہے جا، نام بزرگوں کے بڑے ہیں
یاں شمر و عمر، واں شہِ مظلوم کھڑے ہیں

نیزے کا ستمگار نے آتے ہی کیا وار ۹۸ قاسم اُسے رد کر کے پکارے کہ خبردار
پھر گھوڑے کو چمکا کے جو آیا وہ جفاکار بجلی سی اِدھر سے بھی چلی تیغِ شرربار
رد کے کیے، ظالم کبھی یاں تھی کبھی واں تھی
نیزے کو جو دیکھا تو نہ بوڑی نہ سناں تھی

تلوار کا ظالم نے کیا وار جھپٹ کر ۹۹ خالی دیا اُس وار کو نوشاہ نے ہٹ کر
دولھا نے جو حربہ کیا گھوڑے کو ڈپٹ کر دستانے بھی، ساعد بھی گرے تیغ سے کٹ کر
نے تیغ، نہ پنجہ، نہ کلائی نظر آئی
اِک ہاتھ میں ہاتھوں کی صفائی نظر آئی

سر سے گرا خود، ہٹا وہ جو جھجک کر ۱۰۰ تھے بال بڑے، کھل گئے چہرے پہ لٹک کر
قاسم نے لپیٹا اسے پنجے میں لپک کر سر سے ہوا اُونچا تو دیا گھوڑے پہ چکر
سمجھا تھا وہ کچھ، چرخ نے کچھ اور دکھایا
گردش نے زمانے کی نیا دَور دکھایا

ازرق کو زمانہ تہ و بالا نظر آیا ۱۰۱ دن چشمِ ستمگار میں کالا نظر آیا
سب کو رُخِ قاسم کا اُجالا نظر آیا یہ چاند نظر آئے، وہ ہالا نظر آیا
حیران تھے قوت پہ ملک ابنِ حسنؑ کی
اِس زور سے پٹکا کہ زمیں ہل گئی رن کی

اِک بھائی کے مرتے ہی بڑھا دوسرا بھائی ۱۰۲ اُس نے بھی لڑائی میں بہت جان لڑائی
مُہلت نہ مگر ہاتھ سے، نوشاہ کے پائی آیا وہ اُدھر سے کہ اِدھر سے اجل آئی
ڈھونڈا کیے قاسمؑ بھی کہ کیا ہو گیا دُشمن
اِک برق سی چمکی کہ فنا ہو گیا دُشمن

فرزندِ سوم فوج سے نکلا صفتِ شیر ۱۰۳ تھا بھائیوں کے غم سے جہاں آنکھوں میں اندھیر
دُولھا سے رہی رد و بدل نیزوں کی تادیر تھا گرچہ زبردست پہ، قاسمؑ نے کیا زیر
وار اپنا یہ کرتے تھے جو وار اُس کا بچا کر
رہ جاتا تھا غصّے سے، وہ ہونٹوں کو چبا کر

لب پر جو اُدھر بے ادبانہ سُخن آیا ۱۰۴ سُنتے ہی اِدھر غیظ میں ابنِ حسنؑ آیا
اُس وقت کوئی توڑ نہ ظالم کو بن آیا بالائے دہاں، نیزۂ دنداں شکن آیا
جاں بہرِ سفر تن کی سرا سے نکل آئی
نیزے میں زباں چھد کے قفا سے نکل آئی

نیزے کو دبایا تو فرس سے اُبھر آیا ۱۰۵ سیدھا جو کیا ہاتھ تو بالائے سر آیا
مچھلی سا پھریرے میں تڑپتا نظر آیا قاسمؑ نے کہا نخلِ وغا میں ثمر آیا
تلوار کو اُمّت کے جو سردار پہ کھینچا
خلّاقِ دو عالم نے اُسے دار پہ کھینچا

چوتھے کی طرف دیکھ کے قاسمؑ یہ پکارے ۱۰۶ تو آ کہ وہ تینوں تو جہنم کو سدھارے
تلوار علَم کر کے چلا طیش کے مارے تھے ڈھنگ اِدھر جنگِ یداللہ کے سارے
فرصت بھی نہ حربے کی رہی دشمنِ دیں کو
اِک ضرب میں دو کر کے کیا چار لعیں کو

چاروں پسرِ ازرق کو نظر آئے جو بے دم ۱۰۷ اِک آگ عناصر میں بھڑکنے لگی اُس دم
طاری ہوا غصہ نہ رہی فرصتِ ماتم باندھا کمرِ نحس کو زنجیر سے محکم
بیٹے ہوئے سر بر، جو نہ قتّالِ حرب سے
آنکھیں ہوئیں دو کاسۂ خوں جوشِ غضب سے

آیا وہ سِتمگار سجے اسلحہ تن پر ۱۰۸ شانے پہ کماں، رُخ پہ جِھلَم[21]، فرق پہ مغفر
ترکش بھی دہن کھولے ہوئے صورتِ اژدر بر میں تو زرہ اور کمرِ نحس میں خنجر
کف غیظ سے مُنھ میں سخنِ سخت زباں پر
اِک ہاتھ تو شمشیر پہ اور ایک عناں پر

نیزہ صفتِ مارِ زباں مُنھ سے نکالے ۱۰۹ ترکش تھا کہ بانبی میں نظر آتے تھے کالے
تلوار کا مُنھ ایسا کہ فولاد کو کھالے ڈھال ایسی کہ جو کوہ کے دامن کو چھپالے
گُرز ایسا، فلک خاک کا پیوند ہو جس سے
چار آئینہ، وہ تیغ کا دَم بند ہو جس سے

اور زیرِ زرہ پہنے تھا اِس طرح کا بکتر[22] ۱۱۰ خنجر نہ اثر جس پہ کرے اور نہ جَم دَھر[23]
زنجیر سے باندھے تھا کمر یوں وہ ستمگر حلقے میں ہو جس طرح لیے کوہ کو اژدر
وہ رشکِ تہمتن تو فرس پیل دماں تھا
اسوار نہ تھا، کوہ پہ اِک کوہ رواں تھا

چنگھاڑ کے رن میں صفتِ دیو پکارا ۱۱۱ کس شخص نے بیٹوں کو مرے جان سے مارا
قاسمؑ نے صدا دی، کہ یہ ہے کام ہمارا اُلفت ہے جو بیٹوں کی تو ہو معرکہ آرا
اِن بازوؤں میں زور ہے خالق کے ولی کا
تُو ازرقِ شامی ہے، میں پوتا ہوں علیؑ کا

شبیرؑ نے ازرق کو جو آتے ہوئے دیکھا ۱۱۲ بس بیٹھ گئے تھام کے ہاتھوں سے کلیجا
فرمایا بڑا قہر ہوا آہ کروں کیا وہ دیو، یہ کمزور، وہ سیراب یہ پیاسا
گرتا ہے فلک گود کے پالے پہ ہمارے
اب پیچ پڑا گیسوؤں والے پہ ہمارے

یارب مرے قاسمؑ کو اِس آفت سے بچالے ۱۱۳ بیکس کو ستمگر کی ضربت سے بچالے
کُبرا کو رنڈاپے کی مصیبت سے بچالے بچ جائے جو تو اپنی عنایت سے بچالے
اُمّت پہ فدا کر چکا اولاد بہن کی
یہ لعل مرے پاس امانت ہے حسنؑ کی

یہ کہہ کے جو بیتاب ہوئے شاہ خوش اقبال ۱۱۴ غل پڑ گیا لو باغِ حسن ہوتا ہے پامال
زہرا کی بہو بیٹیوں نے کھول دیے بال ماں خاک پہ یہ کہہ کے گری ہائے مرے لال
بیٹی جو دُلہن سر کو تو ٹکرائی سکینہ
روتی ہوئی خیمے سے نکل آئی سکینہ

یاں ہونے لگی قاسم و ازرق میں لڑائی ۱۱۵ نیزوں کی چمک دیکھتی تھی ساری خدائی
ازرق کی تو کرتا تھا عمر، مدح سرائی اکبر کا یہ نعرہ تھا کہ ہاں اے مرے بھائی
اب گھوڑے کی ٹاپوں تلے پامال ہے ازرق
تم شیر کے فرزند ہو کیا مال ہے ازرق

پھکڑے، میدان میں پھرنے لگے مرکب ۱۱۶ رد کر دیا نوشاہ نے وار اُس نے کیا جب
بندھتا تھا کوئی بند نہ بنتا تھا کوئی ڈھب جرأت میں یداللہ یہ تھے، اور وہ مرحب
اُٹھتے تھے تشق گرد کے میدان بلائیں
چنگاریاں اُڑتی تھیں سنانوں سے ہوائیں

نیزوں کی ہوئی ردّ و بدل ان میں برابر ۱۱۷ تھک تھک گئے، پسپا نہ ہوا وہ نہ یہ سرور
گھوڑے بھی تگ و پو سے پسینے میں ہوئے تر تھے غیظ میں نوشاہ، تو غصے میں ستمگر
وہ گونجتا تھا شیر کی مانند اُدھر سے
یاں، یا اسداللہ کے نعرے تھے جگر سے

قاسم پہ اُٹھاتا تھا وہ جب نیزۂ خونخوار ۱۱۸ گرتے تھے کلیجے کو پکڑ کر شہِ ابرار
اُٹھتے تھے سنبھل کر تو یہ چلاتے تھے ہر بار عمو ترے قربان، مری جان خبردار
طاقت تو نہ ہوگی تمھیں تشنہ دہنی سے
سینے کو بچائے رہو نیزے کی انی سے

نیزے تھے کہ دو مار نکالے تھے زبانیں ۱۱۹ جن سے نہ بچیں رستم و سہراب کی جانیں
حملے تھے، پہ شانوں سے نہ سرکیں تھیں کمانیں لڑ لڑ کے گریں خاک پہ نیزوں کی سنانیں
تھی تاب جو کڑی، ٹوٹ گئیں ڈانڈیں بھی لڑ کر
غصے سے مقابل ہوئے تیغوں کو پکڑ کر

قاسم کی طرف بڑھ کے لگا کہنے وہ بے پیر ۱۲۰ مشہور ہے دست ملک الموت یہ شمشیر
خالی گئے نیزہ و گرز و تبر و تیر اے طفلِ حسن اب نہ بچے گا کسی تدبیر
دو ٹکڑے کروں گا تجھے یکتائے جہاں ہوں
تُو مور سے کمزور ہے میں پیل دماں ہوں

قاسم نے کہا تول کے شمشیر دو دستی ۱۲۱ اک دم میں نہ یہ زور رہے گا نہ یہ مستی
پہونچائے گی دوزخ میں تجھے کفر پرستی دیکھیں کسے ہو آج بلندی، کسے پستی
حاکم جو اُدھر ہے تو اِدھر شاہِ نجف ہے
شیطاں ترا حامی ہے، خدا میری طرف ہے

یہ کہہ کے ستمگار نے غصے سے کہا ہاں ۱۲۲ قاسم نے کہا آ، یہی گو ہے یہی میداں
بولا یہ اٹھا تیغ کو وہ دشمنِ ایماں لے وار مرا روک تُو اے کودکِ ناداں
تھی پاس سپر پھر بھی نہ اِس وار کو روکا
نوشاہ نے تلوار کو تلوار پہ روکا

چمکا کے وہی تیغ جو دشمن کو بتائی ۱۲۳ ہٹنے کی بھی مہلت نہ ستمگار نے پائی
اِک برق سی آنکھوں میں چمکتی نظر آئی ظالم نے سپر سر کے بچانے کو اُٹھائی
احسنت کا غل فوج کی انبوہ سے اُٹھا
معلوم ہوا ابرِ سیہ، کوہ سے اُٹھا

عباس صدا دیتے تھے عمو ترے قرباں ۱۲۴ کس شان سے کرتے ہو وغا واہ مری جاں
وہ دیو ہے ضربت کے بچانے کا رہے دھیاں ہر وقت کا موقع ہے، بڑھے جاؤ نہ اِس آں
زد پر دمِ شمشیر کے آنے دو لعیں کو
جاتا ہے کہاں، مار لیا دشمنِ دیں کو

یاں مغفرِ دشمن پہ گری تیغ سپر سے ۱۲۵ مغفر کو جو کاٹا تو بڑھی کاسۂ سر سے
بجلی سی چمک کر اِدھر آئی جو اُدھر سے گردن تھی جدا سینے سے اور سینہ کمر سے
کیا ہاتھ جفاکار کو نوشاہ نے مارا
تھا شور کہ مرحب کو یداللہ نے مارا

بجلی سی اُٹھی تنگ کے نیچے سے جو شمشیر ۱۲۶ للکار کے قاسم نے کیا نعرۂ تکبیر
یاں خاک پہ سجدے کے لیے جھک گئے شبیر شادی سے ہوا سرخ رخِ اکبرِ دلگیر
دی بڑھ کے صدا فوج کو عباسِ علی نے
کیوں کیا ہوا اس وار کو روکا نہ کسی نے

زہرا کی صدا آئی کہ دولھا ترے واری ۱۲۷ اور گرد پھری رُوحِ حسن کئی کئی باری
ماں ڈیوڑھی سے لے لے کے بلائیں یہ پکاری قاسم ترے قربان یہ ماں درد کی ماری
میں کر چکی تھی سیدِ ذی جاہ کے صدقے
پھیرا تمھیں قسمت نے یداللہ کے صدقے

زینبؑ کا جو تھا حال بہت غم سے پریشاں ۱۲۸ پھولی نہ سمائی یہ ہوئی خرم و شاداں
بانو نے کہا جا کے دلہن سے کہ مری جاں تو شکر کا سجدہ کر کہ مشکل ہوئی آساں
زہرا کا ترے فرق پہ دامن رہے بیٹی
تو تا صد و سی سال سہاگن رہے بیٹی

ماں خلق میں آباد تجھے چھوڑ کے مر جائے ۱۲۹ دولھا ترا قائم رہے تو خلق میں سکھ پائے
روتا ہوا تجھ کو کبھی اللہ نہ دکھلائے ہنستا ہوا میدانِ شہادت سے بنا آئے
کھلتے ہوئے بر میں گلِ اُمید کو دیکھوں
مسند پہ قرانِ مہ و خورشید کو دیکھوں

بیٹھی تھی دلہن شکل جو رانڈوں کی بنائے ۱۳۰ تھا سوچ کہ کیا دیکھئے تقدیر دکھائے
مژدے جو خوشی ہونے کے قسمت نے سنائے یہ دل میں ہوئی شاد کہ آنسو نکل آئے
دولھا نہیں آئے گا یہ ہرگز نہ خبر تھی
گھونگھٹ سے کبھی ماں پہ کبھی در پہ نظر تھی

سچ کہتے ہیں ہیں شادی و غم خلق میں توام ۱۳۱ معلوم نہ تھا یہ کہ بچھے گی صفِ ماتم
دولھا پہ ادھر ٹوٹ پڑا لشکرِ اظلم تیغوں میں گھرے برچھیاں چلنے لگیں پیہم
تیر لگتے تھے سینے پہ کلیجے پہ جبیں پر
کٹ کٹ کے گرے ٹکڑے عمامے کے زمیں پر

زخموں کا لگا خون رکابوں سے ٹپکنے ۱۳۲ طاقت گئی لڑنے کی، لگا ہاتھ بہکنے
پانی کے لیے تن میں لگی روح پھڑکنے   مڑ مڑ کے سوئے خیمہ لگے یاس سے تکنے
سینے پہ سناں، گُرز لگا کاسئہ سر پر
تیورا کے جُھکے تھے کہ پڑی تیغ کمر پر

عمو کو صدا دی کہ چچا جان خبر لو ۱۳۳ ہوتا ہے غلام آپ پہ قُربان خبر لو
دُنیا میں کوئی دَم کا ہوں مہمان خبر لو   تکلیف نہ دیتا مگر اِس آن خبر لو
ذرّیتِ حیدر کی یہ توقیر ہوئی ہے
پامال ہمیں کرنے کی تدبیر ہوئی ہے

آوازِ حسنؑ آنے لگی ہائے مرے لال ۱۳۴ سبزے کی طرح گل کو مرے کرتے ہیں پامال
گھبرا کے اِدھر کھول دیے گُوندھے ہوئے بال   دَوڑے طرفِ فوج شہنشاہِ خوش اقبال
داماد کا ماتم تھا، کہ ضعف سے خم تھی
تیغِ دو زباں دستِ مُبارک میں عَلم تھی

اعدا کو بھگا کر جو لگے ڈھونڈھنے سرور ۱۳۵ پامال ملے قاسمِ نوشاہ سراسر
گودی کا پَلا پاؤں رگڑتا تھا زمیں پر   رو کر پسرِ فاطمہؑ نے پیٹ لیا سر
دیکھا جو حسنؑ کو تنِ صد پاش سے لپٹے
چِلا کے حسینؑ ابنِ علیؑ لاش سے لپٹے

رو کر کہا صدقے ہو چچا مُنھ سے تو بولو ۱۳۶ کیا حال ہے اے ماہ لقا مُنھ سے تو بولو
بیٹا میں تڑپتا ہوں ذرا مُنھ سے تو بولو   گر اُٹھ نہیں سکتے تو بھلا مُنھ سے تو بولو
مادر کو بڑا داغ دیے جاتے ہو قاسمؑ
بیٹی کو مری رانڈ کیے جاتے ہو قاسمؑ

یہ کہتے تھے جو موت کی ہچکی اُسے آئی ۱۳۷ مُنھ کھول کے حضرت کو زباں خُشک دکھائی
مخدومۂ عالم نے یہ آواز سُنائی   میں ساغرِ کوثر ہوں ترے واسطے لائی
پی لے اِسے اے لعل کہ تر خشک گلا ہو
دادی ترے سُوکھے ہوئے ہونٹوں پہ فدا ہو

لب بند کیے قاسم نوشاہ نے یک بار ۱۳۸ یعنی نہ پیوں گا کہ ہیں پیاسے شہِ ابرار
دُنیا سے سفر کر گیا وہ آئینہ رخسار لاش اُس کی چلے لے کے شہِ بیکس و بے یار
ڈیوڑھی پہ جو پہونچے تو کہا دیکھ کے سب کو
وہ آئے ہیں دُولہا تھا بنایا جنھیں شب کو

ہے ہے بنے قاسم کا ہوا شور جو در پر ۱۳۹ ماؤں نے کہا لُٹ گئی لو گودی دختر
فرزند کے لاشے پہ پیٹنے لگی مادر سر پیٹتی دوڑی شہِ مظلوم کی خواہر
پھر کون رہے بنتِ علیؑ جب نکل آئے
خیمے میں دُلہن رہ گئی اور سب نکل آئے

اِک شور اُٹھا ہائے غضب مر گئے قاسم ۱۴۰ سب خون میں سر تا بہ قدم بھر گئے قاسم
شہ بولے کہ برباد ہمیں کر گئے قاسم پیاسے بڑے گھر سے لبِ کوثر گئے قاسم
لو خیمے میں لے جاؤ تم اس رشکِ چمن کو
شرم آتی ہے میں مُنھ نہ دکھاؤں گا دُلہن کو

ڈیوڑھی سے جو خیمے میں شہِ بحر و بر آئے ۱۴۱ روتے ہوئے اور شرم سے گردن کو جھکائے
آغوش میں تھے لاشۂ نوشاہ اُٹھائے اکبر بھی تھے ہمراہ پدر اشک بہائے
خاموش انیسؔ اب نہیں طاقت ہے بیاں کی
حالت کہوں کس مُنھ سے شہِ کون و مکاں کی

مرثیہ (۱۲)

پھولا شفق سے، چرخ پر جب لالہ زارِ صبح ۔ ۱ ۔ گلزارِ شب خزاں ہوا، آئی بہارِ صبح
کرنے لگا فلک، زرِ انجم نثارِ صبح ۔ سرگرمِ ذکرِ حق ہوئے، طاعت گزارِ صبح
تھا چرخِ اخضری پہ یہ رنگ آفتاب کا
کھلتا ہے جیسے پھول چمن میں گلاب کا

چلنا وہ بادِ صبح کے جھونکوں کا دَم بہ دَم ۔ ۲ ۔ مرغانِ باغ کی وہ خوش الحانیاں بہم
وہ آب و تابِ نہر، وہ موجوں کا پیچ و خم ۔ سردی ہوا میں، پر نہ زیادہ بہت، نہ کم
کھا کھا کے اوس اور بھی سبزہ ہرا ہوا
تھا موتیوں سے دامنِ صحرا بھرا ہوا

وہ نورِ صبح (الف) اور وہ صحرا وہ سبزہ زار ۔ ۳ ۔ تھے طائروں کے غول درختوں پہ بے شمار
چلنا نسیمِ صبح کا رہ رہ کے بار بار ۔ کوکو وہ قمریوں کی، وہ طاؤس کی پکار
وا تھے دریچے، باغِ بہشتِ نعیم کے
ہر سو رواں تھے دشت میں جھونکے نسیم کے

آمد وہ آفتاب کی، وہ صبح کا سماں ۔ ۴ ۔ تھا جس کی ضو سے وجد میں طاؤسِ آسماں
ذرّوں کی روشنی پہ ستاروں کا تھا گماں ۔ نہرِ فرات بیچ میں تھی مثلِ کہکشاں
ہر نخل پر ضیائے سرِ کوہِ طور تھی
گویا فلک سے بارشِ بارانِ نور تھی

اوجِ زمیں سے پست تھا چرخِ زبرجدی ۔ ۵ ۔ کوسوں تھا سبزہ زار سے صحرا زمردی
ہر خشک و تر پہ تھا کرمِ بحرِ سرمدی ۔ بے آب تھے مگر دُرِ دریائے احمدی
روکے ہوئے تھی نہر کو اُمّت رسولؐ کی
سبزہ ہرا تھا، خشک تھی کھیتی بتولؐ کی

وہ پھولنا شفق کا، وہ مینائے لاجورد ۶ مخمل سی وہ گیاہ، وہ گُل سبز و سرخ و زرد
رکھتی تھی پھونک کر، قدم اپنا ہوائے سرد یہ خوف تھا کہ دامنِ گُل پر پڑے، نہ گرد
دھوتا تھا دل کے داغ چمن لالہ زار کا
سردی جگر کو دیتا تھا سبزہ کچھار کا

تھا بس کہ روزِ قتلِ شہِ آسماں جناب ۷ نکلا تھا خوں ملے ہوئے چہرے پہ آفتاب
تھی نہر علقمہ بھی خجالت سے آب آب روتا تھا پھوٹ پھوٹ کے دریا میں ہر حباب
پیاسی جو تھی سپاہِ خدا تین رات کی
ساحل سے سر پٹکتی تھیں موجیں فرات کی

تھا لشکرِ یزید میں سامانِ قتلِ شاہ ۸ ہر سُو جما رہا تھا صفیں شمرِ رُو سیاہ
گیتی کا تہلکہ تھا، یہ تھی کثرتِ سپاہ ممکن نہ تھا کہ ہو گذرِ طائرِ نگاہ
سب مستعد تھے قتلِ شہِ کائنات پر
طوفانِ آبِ تیغ، اُٹھا تھا فرات پر

اِک صف میں برچھیوں کی چمک تھی کہ، الحذر ۹ لچکا رہے تھے ڈانڈ، سوارانِ خیرہ سر
وہ بُوڑیاں جو سنگ کے دل میں کریں گذر انیاں وہ توڑ ڈالیں جو فولاد کا جگر
تھا اِک گلا تو خنجرِ بے پیر کے لیے
وہ برچھیاں تھیں سب تنِ شبّیر کے لیے

ناوک فگن لیے ہوئے حلقے کمان کے ۱۰ چلّاتے تھے یہ چھاتیوں کو تان تان کے
دشمن ہیں بادشاہِ دو عالم کی جان کے دَم لیں گے جسم شاہ کو تیروں سے چھان کے
ہرگز کریں گے پاس نہ احمد کی آل کا
ریتی پہ خوں بہائیں گے زہرا کے لال کا

جب بندھ چکیں صفیں تو علَم کھُل گئے تمام ۱۱ غُل پڑ گیا کہ جنگ کو نکلیں شہِ انام
حلقے میں اہلِ بیت کے روتے تھے یاں امام لپٹی ہوئی تھی قدموں سے بانوئے نیک نام
بکھرائے سر کے بال حرم ساتھ ساتھ تھے
پٹکے میں شاہِ دین کے سکینہ کے ہاتھ تھے

زینبؑ بلک رہی تھی، پریشاں تھے سر کے بال ۱۲ نعلین کا نہ ہوش، نہ چادر کا تھا خیال
سینہ کبود چاک گریباں شکستہ حال کہتی تھی مجھ پہ رحم کرو اے فاطمہؑ کے لال
پوچھے گا کون، ساتھ چھُٹے گا جو آپ کا
نہ ماں کا آسرا ہے مجھے، اب نہ باپ کا

زینبؑ کے اضطراب پہ شہ روئے زار زار ۱۳ فرمایا، اے بہن تری اُلفت کے میں نثار
یاد آگیا حسینؑ کو اس وقت ماں کا پیار لیکن میں کیا کروں نہیں کچھ میرا اختیار
واللہ اپنے قول کا ہر دم مجھے خیال ہے
بیٹا، حسینؑ مخبرِ صادق کا لال ہے

بچپن میں جو زباں سے کہا ہے، کریں گے ہم ۱۴ کھائیں گے تیرِ ظلم، لہو میں بھریں گے ہم
حلق اپنی زیرِ خنجرِ قاتل دھریں گے ہم اُمت کے بخشوانے کو پیاسے مریں گے ہم
اب ہاتھ اُٹھاؤ فاطمہؑ کے نورِ عین سے
ہوگی کبھی نہ وعدہ خلافی حسینؑ سے

یہ سُن کے گر پڑی جو قدم پر وہ نوحہ گر ۱۵ لپٹا لیا گلے سے بہن کو، بہ چشمِ تر
رو کر کہا کہ ہوتا ہے ٹکڑے مرا جگر زینبؑ خدا کے واسطے پیٹو نہ اپنا سر
خاصانِ حق کا خلق میں رُتبہ بلند ہے
صابر رہو کہ صبر خدا کو پسند ہے

فرما کے یہ سکینہؑ کے مُنھ پر نگاہ کی ۱۶ گودی میں لے لیا اُسے اور دل سے آہ کی
بولی بلائیں لے کے وہ رخسارِ شاہ کی سمجھی میں، آخری یہ نگاہیں ہیں چاہ کی
رونا یہ بے سبب نہیں مُنھ موڑ موڑ کے
مرنے چلے ہیں آپ مجھے گھر میں چھوڑ کے

معلوم ہو گیا کہ نہ اب آئیے گا آپ ۱۷ چھاتی پہ سونے والے کو تڑپائیے گا آپ
چھوڑا اگر مجھے تو نہ اب[ب] پائیے گا آپ میں اپنی جان دوں گی اگر جائیے گا آپ
فرقت میں مجھ کو جی سے گزرنا قبول ہے
اچھا سدھارو، گر مرا مرنا قبول ہے

منھ چوم کر یہ کہنے لگے شاہِ خوش خصال ۱۸ صدقے عقیقِ لب پہ ترے فاطمہ کا لال
معلوم ہے حسینؑ کو بی بی تمھارا حال کیوں کر نہ روؤں میں کہ قلق ہے مجھے کمال
ان برگِ گل سے ہونٹوں کے صدقے امام ہو
سولھا پہر ہوئے ہیں کہ تم تشنہ کام ہو

تدبیر اک نکالی ہے آنسو نہ اب بہاؤ ۱۹ ہم پانی لینے جاتے ہیں، تم ماں کے پاس جاؤ
سوکھی زباں دکھا کے، نہ شبیرؑ کو رلاؤ بی بی دعا کے واسطے ننھے سے ہاتھ اٹھاؤ
حق سے کہو بتولؑ کے جانی پہ رحم کر
یارب ہماری تشنہ دہانی پہ رحم کر

ناچار شہ کی گودی سے اتری وہ رشکِ حور ۲۰ روتے ہوئے محل سے برآمد ہوئے حضور
پھیلی زمیں پہ روشنیِ آفتابِ نور پڑھنے لگے درود رفیقانِ ذی شعور
چوما ادب سے پائے امامِ انام کو
خم ہو گئے تمام نمازی سلام کو

حق کے ولی، مصاحبِ سردارِ انس و جن ۲۱ کوئی جواں، کوئی متوسط، کوئی مسن
فاقوں میں باحواس، لڑائی میں مطمئن کہتے تھے روزِ قتل، ہمیں عید کا ہے دن
مانگو دعا کہ آج یہ مرنا سعید ہو
قرباں ہوں حسینؑ پہ رن میں، تو عید ہو

وہ گورے گورے جسم، قبائیں وہ تنگ تنگ ۲۲ جن کی صفا کو دیکھ کے ہو آئینہ بھی دنگ
زیور کی طرح جسم پہ زیبا سلاحِ جنگ جرأت کا تھا یہ جوش، کہ چہرے تھے لالہ رنگ
کہتے تھے سب چڑھائے ہوئے آستین کو
آقا ابھی کہیں، تو الٹ دیں زمین کو

تھے اک طرف عزیزِ شہِ آسماں وقار ۲۳ تھا جن کی چاہ میں دلِ یوسف بھی بے قرار
جاں باز، سرفروش، بہادر، وفا شعار ایک ایک رونقِ چمنستانِ روزگار
ہر چند باغِ دہر کو کیا کیا ملا نہیں
اب تک تو اِس روش کا کوئی گل کھلا نہیں

خُلق و مُروّتِ حَسنی اُن پہ ختم تھی ۲۴ حُسن اُن پہ ختم گُل بدنی اُن پہ ختم تھی
زور اِن پہ ختم، تیغ زنی ان پہ ختم تھی ہر معرکے میں صف شکنی ان پہ ختم تھی
غازی تھے، صف شکن تھے، جَری تھے، دلیر تھے
جس میں علیؑ رہے، اُسی بیشہ کے شیر تھے

اُن سب گُلوں میں، اِک علی اکبرؑ سا گُل بدن ۲۵ تھا جس کی جامہ زیبی کا شہرہ چمن چمن
رخسارے بہم تھے، جو گیسوئے پُر شکن حیراں تھے سب کہ مل گئے کیوں کر، حلب ختن
سُرخی تھی لب پہ، گو کہ نہ پانی نصیب تھا
دیکھا جو غور سے تو یمن بھی قریب تھا

کہتے تھے مُسکرا کے پدر سے یہ دَم بہ دَم ۲۶ عرصہ ہے کیا سوار ہوں، اب قبلۂ اُمم
آمادۂ وِغا ہے اُدھر لشکرِ سِتم دُشمن اگر بہت ہیں، تو ہم بھی نہیں ہیں کم
نامرد برقِ تیغ سے جل جائیں، تو سہی
دَب دَب کے مورچوں سے نکل جائیں تو سہی

کہتے تھے اشک بھر کے امامِ فلک جناب ۲۷ صدقے ترے جلال کے، اے میرے آفتاب
دو روز سے مِلا نہیں، میرے چمن کو آب جی بھر کے دیکھ لوں علی اکبرؑ ترا شباب
طاقت نہیں کلیجے میں، شیروں کے داغ کی
پیارے میں دیکھتا ہوں بہار اپنے باغ کی

قربانِ احتشام علمدارِ حق پژوہ ۲۸ لرزاں تھا جس جری کے تہور سے دشت و کوہ
سردار صفدروں کا، دلیروں کا سرگروہ حمزہ کا دبدبہ، اسداللہ کی شکوہ
دل کانپتے تھے دیکھ کے تیور دلیر کے
گویا سیاہ شام تھی پنجے میں شیر کے

اِک نوچراغ محفلِ شبّر تھا جلوہ گر ۲۹ روشن تھے جن کے چہرۂ انور سے دشت و در
تیرہ برس کا تھا ابھی وہ غیرتِ قمر تن تن کے جھومتا تھا مگر مثلِ شیرِ نر
جرأت نثار ہوتی تھی اُس سر فروش پر
شملہ چھٹا تھا سبز عمامے کا، دوش پر

تلوار تول تول کے دستِ حنائی میں ۳۰ کہتے تھے خوں بہائیں گے ہم، اِس لڑائی میں
حاصل تھا ہاتھ کو یدِ بیضا صفائی میں اختر کی ضو دکھاتا تھا کنگنا کلائی میں
ساعد فروغ دیتے تھے، تارِ نگاہ کو
دکھلاتی تھیں ہتھیلیاں، آئینہ ماہ کو

تھے پہلوئے حسینؑ میں زینبؑ کے دونوں لال ۳۱ گویا قرینِ بدر تھے، دو نجم بے مثال
کاندھوں پہ نیمچے، نظر آتے تھے، دو ہلال ظاہر تھا چتونوں سے یداللہ کا جلال
نو دس برس کا سن تھا، مگر کیا دلیر تھے
بچے بھی شیرِ حق کے گھرانے کے، شیر تھے

دونوں یتیم حضرتِ مُسلم تھے کیا عقیل ۳۲ حاضر تھے باادب، عقبِ سرورِ جلیل
آپس میں کہتے تھے کہ پدر تو ہوئے قتیل ہم کوفیوں کو ماریں گے، عمریں ہیں گو قلیل
گھر سے طلب کیا تھا اِسی اعتقاد پر
لعنت خدا کی مذہبِ ابنِ زیاد پر

مہماں سے یہ سلوک، مُسافر سے یہ دغا ۳۳ یہ ظلم اِک غریب پہ، بے کس پہ یہ جفا
لے جا کے بام پر، سرِ انور کیا جُدا خندق میں تن کو پھینک دیا، وامصیبتا
ایسی کبھی وکیل پہ، آفت پڑی نہیں
سُنتے ہیں ہم کہ لاش ابھی تک گڑی نہیں

اِس فوج میں یقیں ہے کہ ہووے وہ رُوسیاہ ۳۴ مارا ہمارے بھائیوں کو، جس نے بے گُناہ
رِقت پہ اُن غریبوں کے، مطلق نہ کی نگاہ سر چھوٹے چھوٹے کاٹ لیے سنگ دل نے آہ
پائیں ابھی تو کشتۂ تیغِ دو دم کریں
ہم نیمچوں سے ہاتھوں کو اُس کے قلم کریں

باتیں ابھی یہ کرتے تھے باہم وہ گُل عذار ۳۵ جو صدرِ زیں پہ صدرِ رحمت، ہوا سوار
چڑھ چڑھ کے مرکبوں پہ، چلے سب رفیق و یار آگے بڑھے علم لیے عباسؑ نام دار
پھولا ہوا چمن تھا امامِ اُمم کے ساتھ
تھا ہاشمی جوانوں کا غنچہ علم کے ساتھ

اللہ رے فیضِ جلوۂ ابنِ شہِ نجف ۳۶ رن کی زمیں کو حق نے دیا خلعتِ شرف
کس شان سے کھڑے تھے نمازی جائے صف بس یک بیک بجا دُہلِ جنگ اُس طرف
گیتی لرز گئی دلِ اوتاد ہِل گئے
تیرِ ستم کمانوں کے چِلّوں سے مِل گئے

لشکر سے تب بڑھا پسرِ سعد چند گام ۳۷ چِلّے میں رکھ کے تیر یہ سب سے کیا کلام
شاہد رہیں تمام دلیرانِ فوجِ شام میں پہلے پھینکتا ہوں یہ ناوک سُوئے امام
ہے شاق مجھ کو خلق میں جینا حُسینؑ کا
کیا شاد ہوں ہدف ہو جو سینہ حُسینؑ کا

لکھا ہے جب لگا کے وہ ناوک ہٹا شریر ۳۸ یک بار فوجِ شہ پہ چلے دس ہزار تیر
بے جان ہوئے پچاس رفیقانِ بے نظیر لاشوں پہ ان کے روئے امامِ فلک سریر
افتادہ خاک و خوں میں وہ اہلِ تمیز تھے
یاں کچھ رفیق باقی تھے اور کچھ عزیز تھے

جس وقت خاتمہ رفقا کا ہوا بہ خیر ۳۹ تھے پھر تو سب عزیز نہ تھا اِس میں کوئی غیر
روتے تھے حالِ فخرِ سلیماں پہ وحش و طیر کرنے لگے عزیز بھی مُلکِ عدم کی سیر
ماتم ہوا حرم میں امامِ جلیل کے
تیغوں سے ٹکڑے ہو گئے پوتے عقیل کے

راہی سُوئے عدم ہوئے جس دم وہ بے پدر ۴۰ نکلے وغا کو زینبؑ ذی جاہ کے پسر
مانندِ شیرِ حق کیے حملے اِدھر اُدھر کٹ کٹ کے نیچوں سے گرے سرکشوں کے سر
اُلٹیں صفیں جدھر وہ دمِ جنگ پھر پڑے
آخر زمیں پہ برچھیاں کھا کھا کے گر پڑے

ناگاہ گھر میں آن کے فضہ نے دی خبر ۴۱ لو کام آئے زینبؑ ناشاد کے پسر
رن میں گئے ہیں اکبرؑ و عباسؑ نام وَر روتے ہیں بھانجوں کے لیے شاہِ بحر و بر
رن سے بہن کے بیٹوں کو شبیرؑ لائیں گے
صفِ ماتمی بچھاؤ کہ لاشے اب آئیں گے

دوڑے حسینؑ، جانبِ مقتل بہ اشک و آہ ۴۲ آنکھوں کے سامنے ہوئے بے دم وہ رشکِ ماہ
مُردوں کو بھانجوں کے اُٹھا لائے گھر میں شاہ   سر پیٹے اہلِ بیت رسولِ فلک پناہ
زینبؑ مگر نہ روئی ادب سے امام کے
چُپ رہ گئی کلیجے کو ہاتھوں سے تھام کے

باہر امام لے گئے لاشے اُٹھا کے جب ۴۳ غیرت کا جوش آگیا قاسمؑ کی ماں کو تب
مَل مَل کے ہاتھ کہتی تھی دل سے کہ ہے غضب   ہم شکلِ مصطفٰےؐ کہیں مرنے نہ جائے اب
اولاد اپنی آج کے دن گر بچاؤں گی
میں فاطمہؑ کو حشر میں کیا مُنھ دکھاؤں گی

دل میں یہ سوچتی ہوئی اُٹھی، وہ خوش خصال ۴۴ قاسمؑ کو اپنے پاس بُلایا بہ صد ملال
رو کر کہا کہ اے حسنِ مجتبیٰؑ کے لال   کچھ اِس ضعیف ماں کی بھی عزت کا ہے خیال
جاری ہیں اشکِ خوں مرے چشمِ پُر آب سے
زینبؑ تے آگے جا نہیں سکتی حجاب سے

گھر لُٹ رہا ہے فاطمہؑ زہرا کا ہائے ہائے ۴۵ دشمن وہ دوست ہے جو نہ اِس دُکھ میں کام آئے
بچوں نے یاں حسینؑ کے قدموں پہ سر کٹائے   کیا قہر ہے کہ بھائی کا جایا نہ مرنے جائے
گھیرا ہے بے وطن کو عدو کی سپاہ نے
مُنھ دیکھنے کو کیا تمھیں پالا ہے شاہ نے

سب مر چکے امامِ دو عالم کے اقربا ۴۶ باقی ہے کون اکبرؑ و عباسؑ کے سوا
حضرت کے تن کی جان ہیں، وہ دونوں مہ لقا   سر اِن کے کٹ گئے تو قیامت ہوئی بپا
تم بھی خجل رہوگے سدا جد کے سامنے
شرمائیں گے حسنؑ بھی محمدؐ کے سامنے

جو مرد ہیں، وہ دیتے ہیں مردانگی کی داد ۴۷ کچھ اپنے باپ کی بھی وصیت ہے، تم کو یاد
جلدی دُلہن سے مل کے سدھار و پئے جہاد   قربان ہو چچا پہ، یہی ماں کی ہے مُراد
بیاہا تمھیں بر آئی ہر اک آرزو مری
اب وہ کرو کہ جس میں رہے آبرو مری

مادر کے مُنہ کو دیکھ کے بولا وہ گل عذار ۴۸ ایسے ہیں ہم کہ بیٹھ رہیں، وقت کارزار
جانیں ہزار ہوں تو چچا پر کریں نثار رخصت ہی وہ نہ دیں تو ہے کیا اپنا اختیار
رن میں چلے تھے، مرنے کو پہلے ہی سب سے ہم
روکا چچا نے کچھ نہ سکے کچھ ادب سے ہم

اب بھی اگر نہ دیں گے رضا سرورِ اُمم ۴۹ رکھ لیں گے تیغ کھینچ کے، اپنے گلے پہ ہم
اماں مزارِ کُشتۂ ستم، کی ہمیں قسم زیرِ قدم ہے اب کوئی دم میں رہِ عدم
کیا دخل ہم سے آگے جو وہ شہ سوار ہوں
عباسؑ ہوں کہ اکبرِؑ عالی وقار ہوں

یہ کہہ کے آئے سر کو جھکائے دُلہن کے پاس ۵۰ آنکھوں میں اشک، درد کلیجے میں، دل اُداس
فرمایا ہم کو ہائے یہ شادی نہ آئی راس سب مر گئے عزیز شہنشاہِ حق شناس
بستی تمام لُٹ گئی ویرانہ ہو گیا
شادی کا گھر جو تھا، وہ عزا خانہ ہو گیا

کس سے کہیں، جو حال دلِ دردناک ہے ۵۱ تلوار چل رہی ہے جگر چاک چاک ہے
اِس زندگی پہ حیف ہے، دُنیا پہ خاک ہے اب کوئی دم میں دلبرِ زہرا ہلاک ہے
آئی تباہی آلِ نبی کے جہاز پر
نرغہ ہے شامیوں کا امامِ حجاز پر

تم بھی کچھ اپنے باپ کی، اِس دم کرو مدد ۵۲ آفت میں آج ہے پسرِ منعمِ صمد
دُشمن کو بھی خدا نہ دکھائے یہ روزِ بد صدقے کرو ہمیں کہ بلا ان کی ہووے رد
راضی رضائے حق پہ بصد آرزو رہو
حیدر سے ہم، بتولؑ سے تم سرخرو رہو

واللہ قتل ہوں گے جو عباسؑ نامور ۵۳ صدمے سے ٹوٹ جائے گی شبیرؑ کی کمر
اکبرؑ خدانخواستہ مارے گئے اگر مر جائیں گے تڑپ کے شہنشاہِ بحر و بر
وہ مستعد ہیں حلق کٹانے کے واسطے
ہم کیا چلے ہیں لاش اُٹھانے کے واسطے

سوچو تمھیں، گلا نہ کٹائیں تو کیا کریں ۵۴ فریادِ فاطمہؑ کی صدائیں سُنا کریں
رخصت کرو تو فوجِ ستم سے وغا کریں کھولو جو لعلِ لب، تو گُہر ہم فدا کریں
صاحب ہمیں سپردِ عروسِ اجل کرو
مشکل کشا کی پوتی ہو، مشکل کو حل کرو

گھونگھٹ ہٹا کے ہم کو دکھاؤ تو رُخ کا نور ۵۵ پاس اب نہ آسکیں گے، کہ ہوتے ہیں تم سے دُور
آنکھوں پہ ہیں ہتھیلیاں، رقّت کا ہے وفور نرگس کے پھول ہاتھ سے مَلنا یہ کیا ضرور
جینے کی اس چمن میں خوشی دل سے فوت ہے
بلبل، جو گل کی شکل نہ دیکھے تو موت ہے

صاحب بھلا عدم کے مسافر سے، کیا حجاب ۵۶ ہم یوں ہیں جس طرح کہ سرِ آب ہو حباب
ایسی روا روی ہیں، ٹھہرنے کی کب ہے تاب کہتی ہے موت گور کی جانب چلو شتاب
رستہ ہے پُر خطر کہیں وقفہ ذرا نہ ہو
منزل بہت کڑی ہے یہ، جلدی روانہ ہو

اک دم کی بھی، ہمیں تو، جدائی ہے تم سے شاق ۵۷ کیا کیجیے نصیب میں تھا صدمۂ فراق
لائی اجل پکڑ کے گریباں سوئے عراق بولو زباں سے کچھ، کہ نہ رہ جائے اشتیاق
چپکی یوں ہی رہو گی تنِ پاش پاش پر
کیا بین بھی کرو گی نہ دولھا کی لاش پر

جب یہ سُنے کلام تو، جی سنسنا گیا ۵۸ دل پر چھُری چلی، کہ جگر تھرتھرا گیا
منہ پہ دُلھن کے صاف رنڈاپا سا چھا گیا جوشِ بکا میں کچھ نہ زباں سے کہا گیا
دُولھا کو اتنی بات سنا کر، اک آہ کی
صورت بتاتے جاؤ ہمارے نباہ کی

سمجھی کہ جیتے اب نہیں پھرنے کے رن سے تم ۵۹ پیاسا گلا کٹا کے ملو گے حسنؑ سے تم
سوؤ گے منہ چھپا کے لحد میں کفن سے تم اچھا سلوک کرتے ہو صاحب دُلھن سے تم
اک رات کی بنی پہ جفا یوں ہی، چاہیے
اے شمعِ بزمِ مہر و وفا، یوں ہی، چاہیے

فرماؤ کیا کریں، جو نہ روئیں بہ درد و یاس ۶۰ نہ باپ کی، نہ بھائیوں کی نہ چچا کی آس
مہمان ہیں جہاں میں کوئی دم وہ حق شناس سونپا تھا آپ کو، سو ہے آپ بھی نہ پاس
وارث ہے کون، پھر جو گلے سب کے کٹ گئے
تم کیا کرو! نصیب ہمارے الٹ گئے

میں کون ہوں، بھلا جو کہوں گی کہ تم نہ جاؤ ۶۱ راضی ہیں ماں تمہاری، تو جاؤ گلا کٹاؤ
گھر تو اُجاڑ ہو چکا، جنگل کو اب بساؤ رنہہ جائے گا، ہمارے رنڈاپے کا غم نہ کھاؤ
مسکن کریں گے، رن میں تنِ پاش پاش پر
ہم بھی فقیر ہوئیں گے، صاحب کی لاش پر

باتیں یہ سُن کے روتے تھے قاسم بہ حالِ زار ۶۲ ھَلْ مِنْ مُبَارِز کی صدا آئی ایک بار
ماں نے کیا اشارہ کہ، اے میرے گلعذار موقع نہیں ہے دیر کا اٹھو یہ ماں نثار
کیا جانے ہوگا قبر میں کیا حال، باپ کا
جی لگ گیا عروس کی باتوں میں آپ کا

فرما کے الوداع، اٹھا دلبرِ حسنؑ ۶۳ برہم ہوئی وہ بزم، وہ صحبت، وہ انجمن
غل پڑ گیا کہ لٹتی ہے اک رات کی دلھن اس وقت سب سے دولھا کی ماں کا تھا یہ سخن
جاتی ہے اب برات مرے نونہال کی
رخصت ہے بیبیو، زنِ بیوہ کے لال کی

جاتا ہے سر کٹانے کو رن میں یہ رشکِ ماہ ۶۴ لو میں نے دودھ بخش دیا سب ہیں گواہ
دنیا میں یادگار رہا، حشر تک یہ بیاہ دورانڈ میں ایک جا ہوں، یہ تھی مرضیِ الٰہ
سمجھے نہ اب کوئی کہ دلھن کی عزیز ہوں
کل تک کی ساس آج سے اس کی کنیز ہوں

جب خیمۂ حسینؑ سے نکلا حسنؑ کا لال ۶۵ دیکھا کہ در پہ روتے ہیں سرور بہ صد ملال
بس گر پڑا قدم پہ، یہ کہہ کر وہ خوش خصال مطلع ثانی دیجیے رضائے حرب مجھے، بہرِ ذوالجلال
چلّائی ماں کہ سبطِ پیمبر نہ روکیو
شبرؔ نے دی صدا کہ، برادر نہ روکیو

لپٹا کے اس کو چھاتی سے بولے شہِ اُمم ۶۶ پیارے تمہارا داغ بھی دل پر سہیں گے ہم
یہ پیش و پس ہے، منزلِ ہستی میں، کوئی دم تم آگے چند گام تو ہم پیچھے دو قدم
کچھ غم نہیں، جو راہ ہے خنجر کی دھار پر
ہر دم خدا کا فضل ہے، اس خاکسار پر

یہ کہہ کے دل قلق سے بھر آیا جو ایک بار ۶۷ روئے مثالِ ابر، شہِ آسماں وقار
تر آنسوؤں سے ہو گئی ریشِ خضاب دار تسلیم کر کے قاسمِ گل رُو ہوا سوار
دولھا کے نورِ رخ کی ضیا، چرخ تک گئی
جولاں کیا فرس کو تو بجلی چمک گئی

پہونچا جو رزم گاہ میں، وہ غیرتِ قمر ۶۸ نیزہ پکڑ کے گھوڑے کو پھیرا، اِدھر اُدھر
بولے عدو یہ کوئی فرشتہ ہے یا بشر خورشیدِ خاوری کی بھی، خیرہ ہے یاں نظر
اللہ ری چمک رُخِ پر آب و تاب کی
سہرہ بنا ہوا ہے کرن آفتاب کی

کیوں دعویٰ لعل لب میں حلاوت نہ پائے لب ۶۹ ہے مدح خواں کو قند مکرر ثنائے لب
شیریں [illegible] کے ہیں، لبِ شیریں فدائے لب دیکھے یہ لب تو یوسفِ مصری چبائے لب
ترکِ ادب ہے اِس کی ثنا اِس طریق پر
دھونا زباں کو چاہیے آبِ عقیق پر

دنداں [illegible] نور کے ہیں، گوہرِ خوش آب ۷۰ برّاق اِس قدر ہیں، کہ ہے برق کو حجاب
اِن سے مقابلہ کی نہیں، اختروں کو تاب بتیس موتیوں کی یہ ثمرن ہے انتخاب
حیراں ہے چشمِ حور، ظہور اِن کا دیکھ کر
داتا درود پڑھتے ہیں، نور اِن کا دیکھ کر

ناگاہ رجز پڑھنے لگے قاسمِ جری ۷۱ عالم میں کون ہے جو کرے ہم سے ہمسری
ہم حیدری ہیں، ہم میں ہے زورِ غضنفری ہم سے ہے اوجِ پایۂ اورنگِ صفدری
شہرہ ہے حرب و ضربِ شہِ خاص و عام کا
سکّہ ہے شش جہت میں ہمارے ہی نام کا

جد ہے مرا امیرِ عرب، شحنۂ نجف ۲ ضرغامِ دیں، معینِ رسولانِ ما سلف
دادی جنابِ فاطمہؑ زہرا سی ذی شرف عموؑ حسینؑ، صاحبِ لولاک کا خلف
میں پارۂ دلِ حسنؑ خوش خصال ہوں
ہیرے سے جو شہید ہوا اُس کا لال ہوں

اُس کا پسر ہوں اے سپہِ مصر و روم و شام ۳ گلزار فاطمہ کا ہے جو سرو سبز فام
واللہ اس کا لختِ جگر ہوں میں تشنہ کام تابوت جس کا تیروں سے چھلنی ہوا تمام
جان اس کی ہوں میں، جس کو نہ جاگیرِ جد ملی
پہلو میں مصطفےٰ کے نہ، جس کو لحد ملی

ناگاہ فوجِ شام سے تیرِ ستم چلے ۴ تیر و سنان و نیزۂ و خنجر بہم چلے
قاسمؑ بھی یاں سے کھینچ کے، تیغِ دودم چلے اعدا پہ چھیڑ کر، فرس خوش قدم چلے
پیدل تو اس قطار کے تھے، کس قطار میں
دو دو سوار کٹ گئے ایک ایک وار میں

ڈھالیں اٹھیں، کہ دن شبِ دیجور ہو گیا ۵ لامع جو برقِ تیغ ہوئی، نور ہو گیا
حیران ہر ایک، ظالمِ مقہور ہو گیا چہروں کا رنگ خوف سے کافور ہو گیا
آئی ہنسی اجل کو بھی، اس طرح مر گئے
گھوڑوں پہ تن چڑھے رہے، اور سر اُتر گئے

تھا ابنِ سعدِ شوم کو، اُس دم بہت ہراس ۶ غرقِ سلاح، ازرقِ شامی کھڑا تھا پاس
اُس سے کہا کہ فوج نہایت ہے بے حواس تو جا کے لڑ، تو قتل ہو شاید یہ حق شناس
رُکتا ہے برچھیوں سے نہ دامِ کمند سے
جلدی سناں پہ، اس کو اٹھا لے سمند سے

کہنے لگا بگڑ کے وہ با صد غرور و لاف ۷ تو آپ بے حواس ہے، تقصیر ہو معاف
یہ امر اے امیر، شجاعت کے ہے خلاف ہاں تب لڑوں، اگر علیؑ آئیں پئے مصاف
فرق آئے گا، نہ میری کبھی آن بان میں
لڑکے سے لڑ کے نام مٹا دوں جہان میں

ڈرتے ہیں سب جری، مری جنگ و جدال سے ۷۸ رستم کا زور، آگے مرے کم ہے زال سے
رکتی نہیں یہ تیغ، تہمتن کی ڈھال سے ناداں ہوں کیا، لڑوں میں جو اس خورد سال سے
بیٹوں کو میرے بھیج کے چاروں دلیر ہیں
جنگ آزما ہیں، سُور ہیں، صفدر ہیں شیر ہیں

لکھا ہے چار سے، پسرِ ازرقِ پلید ۷۹ دشمن تو آلِ پاک کے، شیطان کے مرید
بولا یہ ان کو دیکھ کے، وہ پیروِ یزید ہاں جا کے، اُس یتیم کو جلدی کرو شہید
رلواؤ قبر میں حسنؑ دل ملول کو
بیوہ بنا دو دخترِ سبطِ رسول کو

یہ چاند مجتبیٰؑ کا ہے، خوں میں اسے ڈباؤ ۸۰ تلواریں مارو، ذبح کرو، برچھیاں لگاؤ
انعام دوں، یہ جنگ اگر فتح کر کے، آؤ سہرے سمیت کاٹ کے دولھا کے سر کو لاؤ
خلعت ملیں گے جاؤ گے جس دم سلام کو
سر اس کا نذر دیجو تمھیں میرِ شام کو

نکلا یہ بات سنتے ہی، اُن میں سے ایک یل ۸۱ پیچھے چلی شریر کے ہنستی ہوئی اجل
نعرہ کیا یہ غیظ سے، موذی نے کھا کے، بل ہاں لے حسنؑ کے لال، خبردار ہو سنبھل
کام آئے کچھ تو نامِ شہِ ذوالفقار لے
پشتی پہ ہو کوئی تو مدد کو پکار لے

قاسم یہ نعرہ زن ہوئے چمکا کے راہوار ۸۲ امداد، وقتِ جنگ ہے، شیروں کو ناگوار
کافی ہے بس ہمیں، سپرِ حفظِ کردگار او خیرہ سر، اجل تری گردن پہ ہے سوار
دشمن کو اپنی ضرب طمانچہ قضا کا ہے
آ کوئی وار کر، جو ارادہ وغا کا ہے

یہ سنتے ہی کماں کو اٹھا کر، بڑھا شریر ۸۳ چلّے میں تین پھال کا، جوڑا شقی نے تیر
تھا بس کہ تیز دست، حسنؑ کا مہِ منیر بجلی سی آئی کوند کے، شمشیرِ بے نظیر
یوں قطع انگلیاں ہوئیں اس تیرہ بخت کی
جیسے کوئی قلم کرے شاخیں درخت کی

اک ہاتھ میں جو کٹ کے گرے دستِ نابکار ۸۴ بولے کمر میں رکھ کے، یہ شمشیر آبدار
اب دیکھ میرے تیر کا توڑ، او خطا شعار   پکڑا کماں کے قبضے کو یہ کہہ کے استوار
چلّہ جو کھینچنے لگے، سرکش کو تاک کے
رستم کی فوج چھپ گئی، تودے میں خاک کے

چٹکی سے چھوٹ کر، جو چلا تیرِ بے اماں ۸۵ قربان تیرے ہاتھ کے، چلائی یہ کماں
بچتی ہے کب خدنگِ اجل سے کسی کی جاں   نکلا وہ تیر توڑ کے سینہ کے استخواں
اک دم میں دی شکست، خطا کو ثواب نے
غل تھا قفس کی تیلیاں توڑیں عقاب نے

مرکب سے گر کے مر گیا جب وہ عدوئے دیں ۸۶ نکلا اُدھر سے تب پسرِ ثانیِ لعیں
نیزے کو تولتا ہوا مغرور و خشمگیں   ابرو پہ بل، نگاہ میں قہر، اور جبیں پہ چیں
ہمراہ اُس کے تیغ بکف سو سوار تھے
اور اس طرف مدد کو شہِ ذوالفقار تھے

نیزے کا وار کرنے لگا جب وہ خود پسند ۸۷ بجلی سا کوندنے لگا دولہا کا بھی سمند
نیزہ اُڑا کے نیزے سے، کی یہ صدا بلند   کیوں تو نے دیکھے نیزۂ مشکل کشا کے بند
یہ سُن کے اُس نے ڈھال کو چہرے پہ کر لیا
چھتی کو بے حیا کی، سناں میں پرو لیا

بے کار، کور ہو کے ہوا جب وہ خیرہ سر ۸۸ پٹکے میں ہاتھ ڈال کے پٹکا زمین پر
آواز دی زمیں نے، کہ فی النار والسقر   جا تو بھی، ہے برادرِ عینی ترا جدھر
جز موت، کچھ شقی کو، نہ اُس دم نظر پڑا
آنکھیں کھلیں تو قعرِ جہنم نظر پڑا

چھوٹا برادرِ سوم، اُس کا بہ کرّ و فر ۸۹ تانے ہوئے وہ گرزِ گراں سر کا الحذر
یاں بہرِ حفظ، دستِ یداللہ تھے سپر   تیغِ دو دم کو، شبر نے تولا بچا کے سر
یوں دو کیا، عمودِ سرِ نابکار کو
جس طرح تیغ تیز اُڑا دے چنار کو

مرتے ہی اُس کے فوج سے چوتھا پسر بڑھا ۹۰ قاسم پکارے، او بِل خود سر، کدھر بڑھا
سنتے ہی یہ، وہ تیغِ دودم، کھینچ کر بڑھا جھنجھلا کے، مجتبیٰ کا بھی لختِ جگر بڑھا
لڑتا وہ کیا کہ تیرِ اجل کا نشانہ تھا
اک ہاتھ میں نہ سر تھا، نہ بازو نہ شانہ تھا

بے جاں ہوئے نبرد میں، بیٹے جو اُس کے چار ۹۱ ازرق کا دل ہوا صفتِ لالہ داغدار
جوشِ غضب سے سرخ ہوئیں چشمِ نابکار مثلِ تنور منھ سے نکلنے لگا، بخار
جیبِ قبا کو، مثلِ کفن پھاڑتا ہوا
نکلا پرے سے دیو سا چنگھاڑتا ہوا

شانے پہ تھی شقی کے وہ دو ٹانک کی کماں ۹۲ ارجن بھی جس سے سہم کے گوشے میں ہو نہاں
چار آئینہ وہ پہنے تھا بر میں، کہ الاماں دب جائیں جس کے بوجھ سے رستم کے استخواں
کہتی تھی یہ زرہ، بدن بدخصال ہیں
جکڑا ہے پیلِ مست کو لوہے کے جال ہیں

آمد شقی کی دیکھ کے گھبرا گئے امام ۹۳ عباسِ نامور سے یہ رو کر کیا کلام
لو بھائی جنگ ہو چکی، قصہ ہوا تمام آیا سوئے یتیمِ حسنؑ، موت کا پیام
ہم شکلِ مجتبیٰ کو بلا لو پکار کے
مانگو دعا سروں سے عمامے اُتار کے

یہ کہہ کے قبلہ رُو ہوئے سلطانِ کائنات ۹۴ درگاہِ کبریا میں دعا کی، اٹھا کے ہات
اے خالقِ زمین و زماں، ربِّ کائنات ازرق کے ہاتھ سے مرے قاسم کو دے نجات
تو حافظِ جہاں ہے، کریم و رحیم ہے
یارب بچا اسے کہ یہ لڑکا یتیم ہے

فضہ پکاری، خیمے میں آکر بہ چشمِ تر ۹۵ لوگو تمھیں، یتیمِ حسنؑ کی بھی ہے خبر
آیا ہے لڑنے ازرقِ ملعون و خیرہ سر کھولو سروں کو، اے حرمِ شاہِ بحر و بر
عباس روتے ہیں، علی اکبرؑ اُداس ہیں
ایسا ہے کچھ کہ سبطِ نبی بے حواس ہیں

زینبؑ نے اُٹھ کے کھول دیے اپنے سر کے بال ۹۶ نکلا یہ سب کے منہ سے کہ ہے ہے حسنؑ کے لال
سینے میں ہل گیا دلِ بانوئے خوش خصال چلّائی ماں گذر گیا، کیا میرا نونہال
عابدؑ کا تپ میں گرم بدن سرد ہو گیا
قاسمؑ کے چھوٹے بھائی کا منہ زرد ہو گیا

چلّائی رو کے زوجۂ عباسؑ نوجواں ۹۷ یارب ہے تو یتیم حسنؑ کا نگاہباں
سُن کر یہ غُل دُلہن کے بھی آنسو ہوئے رواں لے کر بلائیں، ساس پکاری، کہ میری جاں
خالق کرے گا رحم، نہ آہ و بکا کرو
دولھا پہ آ بنی ہے، میں صدقے دعا کرو

اِس اضطراب میں جو سُنا، ساس کا سخن ۹۸ زانو سے سر اٹھا کے ہوئی قبلہ رُو دلھن
آہستہ کی عرض کہ، اے ربِّ ذوالمنن دشمن پہ فتح یاب ہو، لختِ دلِ حسنؑ
لڑنے گئے ہیں تشنہ دہن تیری راہ میں
رکھ میرے ابنِ عم کو، تو اپنی پناہ میں

یارب دُلھا بنے ہوئے گزری ہے ایک شب ۹۹ دولھا جو مر گیا تو مجھے کیا کہیں گے سب
اب تک تو شرم سے نہ ہلائے تھے میں نے لب پر کیا کروں کہ اب ہے مری رُوح پر تعب
شبّرؑ کے آفتاب کا وقتِ غروب ہے
دولھا سے پہلے مجھکو اٹھا لے تو خوب ہے

سہرے کے پھول بھی ابھی سوکھے نہیں ہیں آہ ۱۰۰ جو آگیا پیام، رنڈاپے کا یا اِلٰہ
یہ عقد تھا کہ موت تھی، ماتم تھا، یا کہ بیاہ بعد ان کے ہوگا خلق میں کیوں کر مرا نباہ
اُٹھوں جہاں سے دلبرِ شبّرؑ کے سامنے
عورت کی موت خوب ہے شوہر کے سامنے

فوجیں اِدھر دعا کی چلیں سوئے آسماں ۱۰۱ بل کھا کے اس طرف یہ پکارا وہ بد زباں
رستم بھی ہو تو کھینچ نہیں سکتی مری کماں جوشن کو توڑتا ہے مرا تیرِ بے اماں
ہے اُس کی فتح ساتھ ہوں میں جس زمیں کے
سُرمہ کیا ہے دیو کو، چٹکی میں پیس کے

قاسم نے دی صدا کہ بس اب کر زباں کو بند ۱۰۲ اللہ کو غـــرور و تجبّر ہے، ناپســند
حق نے فروتنی سے کیا، ہم کو سر بلند نیزے کا بند باندھ، کوئی چھیڑ کر سمند
دیکھیں بلند کون ہے اور پست کون ہے
کھُل جائے گا ابھی کہ زبردست کون ہے

کیا زور تیرا، اور تری ضرب، او ذلیل ۱۰۳ تعریف اپنی خود یہ سفاہت کی ہے دلیل
جوہر خود اُس کے کھُلتے ہیں جو تیغ ہے اصیل کاٹے ہماری تیغ نے بازوئے جبرئیل
جرأت میں ہم کسی کو، بھلا کیا سمجھتے ہیں
مضبوط جو ہیں، وہ تجھے بودا سمجھتے ہیں

یہ گرز میں راہ سقر ہے ترے لیے ۱۰۴ دستِ اجل ترا، یہ تبر ہے ترے لیے
برچھی کا پھل قضا کا ثمر ہے ترے لیے کالی بلا تری یہ سپر ہے ترے لیے
ضربت نہ چل سکے گی جو ماریں گے ہم تجھے
بے آبرو کرے گی، یہ تیغِ دو دم تجھے

کیا ہو سکے گا تجھ سے، بھلا وقتِ دار و گیر ۱۰۵ دستانے دونوں ہاتھوں کو پکڑے ہیں او شریر
حلقہ کہیں کماں کا، نہ کرلے تجھے اسیر دشمن ہیں سب ترے، جنھیں سمجھا ہوا ہے تیر
او تیرہ رُو، بھلا یہ سپر کیوں لگائے ہے
آغوش میں کہ تجھ کو سیاہی دبائے ہے

گو اسلحہ ہے زیورِ مرداں سرِ گذار ۱۰۶ سب حربے چل سکیں گے بھلا وقتِ گیر و دار
ہے دَم میں فیصلہ، جو کھنچے تیغ آب دار لادے ہوئے ہے تن پہ عبث ایک خر کا بار
چھپتے نہیں ہزار میں تیور دلیر کے
یہ تو نہیں ہے کلب ہے، برقع میں شیر کے

بیٹوں کے غم نے کر دیے مختل ترے حواس ۱۰۷ گھبرا نہ بھیجتے ہیں تجھے بھی، اُنھیں کے پاس
فاقہ ہے ہم پہ اور ہے سولہ پہر کی پیاس آنکھیں ملا کے دیکھ بھلا ہے کہیں ہراس
تم ہیں جو نورِ عین تو آنکھیں چُرائے ہے
ثابت ہوا، جھلم سے، کہ منہ کو چھپائے ہے

آگے ہمارے دعویٔ جرأت، خدا کی شان ۱۰۸ گردن سے کھینچ لوں، ابھی بڑھ کر تری زباں
مغرور اس پہ ہے کہ میں لڑکا ہوں تو، جواں لے میاں سے، کہ اس کا بھی ہو جائے امتحاں
ہیں شیر، شیر خوار، جنابِ امیرؑ کے
جھولے سے پھینک دیتے ہیں اژدر کو چیر کے

بارہ برس کے سن میں لڑے شاہِ ذوالفقار ۱۰۹ مرحب سا پہلواں نہ بچا وقتِ کارزار
ہے دیکھنے کا یہ تن و توش، اور زبوں شعار گینڈے کی ڈھال کاٹتی ہے تیغِ آبدار
لڑکوں سے فوجیں بھاگی ہیں، منہ پھیر پھیر کے
ہاتھی کو مار ڈالا ہے بچوں نے، شیر کے

قائل کیا جو مصحفِ ناطق کے لال نے ۱۱۰ تر کر دیا اُسے عرقِ انفعال نے
برچھا اٹھایا ہاتھ میں اُس بدخصال نے چھیڑا فرس کو قاسمِؑ یوسف جمال نے
تکنے لگے صفوں سے جواں سب لڑے ہوئے
عبّاس نامدار قریب، آ کھڑے ہوئے

قاسمؑ نے عرض کی کہ بہت دھوپ ہے حضور ۱۱۱ رہیے چچا کے پاس، یہ تکلیف کیا، ضرور
فرمایا صدقے میں تری ہمت کے، اے غیور دشمن کو پاس آنے نہ دو، ہم کھڑے ہیں دور
ہُشیار جانِ عم، کہ دمِ کارزار ہے
جاتا ہے اب کہاں، یہ تمھارا شکار ہے

کیوں تیغ تول تول کے بڑھتے ہو، بار بار ۱۱۲ بیٹا سپر تو ہاتھ میں لے لو، چچا نثار
صدقے ترے حواس کے، اے میرے شہسوار ہاں دونوں پاؤں رکھیو، رکابوں میں استوار
آنے دو اُس کو، تیغ ابھی، دم بھر تھمی رہے
گھوڑا نہ بدمزاج ہو، پٹڑی جمی رہے

فارس ہے تم سا کون تہِ چرخِ چنبری ۱۱۳ دکھلا رہے ہو صاحبِ دُلدُل کی بگدڑی
صدقے میں اے نہنگِ محیطِ دلاوری دکھلائے ضربِ تیغِ جہانگیرِ حیدری
ابرو پہ بل ہو، آنکھوں سے آنکھیں لڑی رہیں
بھاری زرہ، وہ پہنے ہے، چوٹیں کڑی رہیں

بیٹا تمھیں خدا نے دیا ہے، علی کا زور ۱۱۴ گو پیل ہے پہ ہم تو سمجھتے ہیں اس کو مور
بہرام کی طرح سے چلا اب میانِ گور دیکھو گے، دیکھنے کا، فقط ہے یہ زور شور
چتلے ہیں جتنے سانپ وہ ڈستے نہیں کبھی
گرجے ہیں جو بہت، وہ برستے نہیں کبھی

سُن کر صدائے شیر، پکارا وہ بُزدلا ۱۱۵ کیا ان کے ساتھ آپ بھی ہیں، عازمِ وغا
تیوری چڑھا کے حضرتِ عباس نے کہا بس ہے بجھے یہ طفل، مری احتیاج کیا
کچھ تجھ سے کم نبیرۂ خیبر شکن نہیں
دو، ایک سے لڑیں، یہ ہمارا چلن نہیں

نیزہ ہلا کے جانبِ قاسم بڑھا وہ یَل ۱۱۶ دولہا نے مسکرا کے صدا دی، سنبھل سنبھل
گھوڑا نہ گر پڑے ترے لنگر سے منہ کے بل تو ہے فرس پہ، اور تری گردن پہ ہے اجل
ضیغم ہیں، بیشۂ اسد ذو الجلال کے
کیجو سناں کے وار ذرا دیکھ بھال کے

یہ کہہ کے اپنے چھوٹے سے نیزے کو دی تکان ۱۱۷ چمکی اَنی تو برق پکاری کہ الاماں
اک بند باندھ کر جو فرس سے کہا کہ، ہاں ڈانڈ آئی ڈانڈ پر تو سناں سے لڑی سناں
یل کیا کرے کہ زورِ ہی موذی کا گھٹ گیا
غل تھا کہ اژدہے سے وہ افعی لپٹ گیا

قاسم نے زور سے جو اَنی پر رکھی اَنی ۱۱۸ بھاگا شقی کے جسم سے زورِ تہمتنی
بگڑا جو ڈھنگ جان پہ ظالم کے آ بنی تھی اس سناں کی نوک کہ ہیرے کی تھی اَنی
اُڑ کر گری زمیں پہ سناں اس تکان سے
گرتا ہے جیسے تیرِ شہاب آسمان سے

جھلا کے چوبِ نیزے کو لایا وہ فرق پر ۱۱۹ قاسم نے ڈانڈ ڈانڈ پہ، مارا بچا کے سر
دو انگلیوں میں نیزۂ دشمن کو تھام کر جھٹکا دیا کہ جھک گئی گھوڑے کی بھی کمر
نیزہ بھی دب کے ٹوٹ گیا، نابکار کا
دو انگلیوں سے کام لیا ذو الفقار کا

سنبھلا وہ بے شعور یہ جھٹکا اُٹھا کے جب ۱۲۰ قبضے میں لے کمان کیانی، بہ صد غضب
چلّے میں تیر جوڑ چکا جب وہ بے ادب تیوری چڑھائی قاسمِ نوشاہ نے بھی تب
تیرِ نگاہ سے، وہ خطا کار ڈر گیا
کانپے یہ دونوں ہاتھ کہ چلّہ اُتر گیا

بولا یہ مسکرا کے جگر گوشۂ حسن ۱۲۱ رُخ پھیر لو نہ او ستم ایجاد پیل تن
چلّائے بڑھ کے حضرتِ عباسؑ صف شکن کیا تجھ کو خوب یاد ہیں، تیر افگنی کے فن
دیکھا ہمارے شیر کی چتون کی شان کو
دعویٰ ہے کچھ ابھی تو چڑھا لے کمان کو

کند و گداز تیرِ نظر پر بھی کی، نظر ۱۲۲ ظالم عقابِ تیر کے بھی اُڑ گئے ہیں پر
شیروں کے کاٹ ڈالے ہیں، اژدروں کے سر ہاں اب بتا، صواب کدھر ہے، خطا کدھر
ترکش کو پھینک دے جو حمیّت کا جوش ہو
چٹکی سے لو کو تھام کے حلقہ بگوش ہو

دو سمت سے چلے جو ملامت کے اُس پہ تیر ۱۲۳ چلایا تیغ تیز قلم کر کے وہ شریر
ہاں اے حسنؑ کے لعلِ بدخشاں! بدہ، بگیر نکلی چمک کے یاں سے بھی، تیغ قضا نظیر
چمکا کے تیغ تیز، جو قاسم سنبھل گئے
سمجھا جو کچھ، فرس کے بھی تیور بدل گئے

مانندِ شیرِ غیظ میں آیا وہ پیل تن ۱۲۴ آنکھیں اُبل پڑیں صفتِ آہوئے ختن
مارے زمیں پہ ٹاپ کہ لرزا، تمام بَن چلّائے سب کہ گھوڑے پہ بھی لو چڑھا ہے رَن
میخیں زمیں کی اُس کی تگاپو سے ہل گئیں
دونوں کنوتیاں بھی کھڑی ہو کے مل گئیں

فر فر نفس کی آتی تھی نتھنوں سے، جب صدا ۱۲۵ کہتے تھے لوگ سب کہ ہے دُلدُل[15]، یہ بادپا
دشمن کو گھورتا ہے، دہاتا چبا چبا غل تھا کہ بس فرس ہو تو ایسا ہو باوفا
دشمن کو کیا نبرد میں بچنے کی آس ہو
لڑلے کتاریاں، یہ فرس جس کے پاس ہو

۱۲۶ صورت بنائی جست کی، سمٹا، جما، اڑا — چھل بل دکھائی فوج کو، دوڑا، تھما، اڑا
مثلِ سمندِ بادشہِ انس اڑا — دیکھی زمیں کبھی، کبھی سوئے سما، اڑا
جن تھا، پری تھا، سحر تھا، آہو شکار تھا
گویا ہوا کے گھوڑے پہ گھوڑا سوار تھا

۱۲۷ دو بجلیاں دکھانے لگیں ایک جا چمک — دونوں طرف سے چلنے لگے وار یک بہ یک
اک زلزلہ تھا اوجِ ثریا سے تا سمک — چھپنے لگے فلک کے دریچوں سے سب ملک
چہرہ پہ آفتاب کے مقتل کی گرد تھی
یہ خوف تھا کہ دھوپ کی رنگت بھی زرد تھی

۱۲۸ تھا حرب و ضرب میں وہ شقی بھی بلائے بد — ہر بار جانبین سے ہوتے تھے، وار رد
کہتا تھا بازوئے شہِ دیں، یا علیؑ مدد — جب بڑھ کے وار کرتا تھا وہ بانیِ حسد
یوں روکتے تھے ڈھال پہ تیغِ جہول کو
جس طرح روک لے کوئی شہ زور پھول کو

۱۲۹ جھپٹا مثالِ شیرِ درندہ، حسنؑ کا لال — لایا جو حرفِ سخت زباں پر، وہ بدخصال
اتنے بڑھے کہ لڑ گئی، اُس کی سپر سے ڈھال — گھوڑے سے بس ملا دیا گھوڑا بصد جلال
ادھر لگی کہ ہوش اُڑے خود پسند کے
گھوڑے نے پاؤں رکھ دیے سر پر سمند کے

۱۳۰ ہاں اب نہ جانے دیجیو، احسنت مرحبا — عباسؑ نامدار نے پہلو سے دی صدا
سنتے ہی یہ فرس سے فرس کو کیا جدا — دشمن کے مار ڈالنے کی بس یہی ہے جا
گھوڑا ابھی اس طرف کو ادھر ہو کے پھر پڑا
مارا کمر پہ ہاتھ کہ دو ہو کے گر پڑا

۱۳۱ بچے نے آج پست کیا مست پیل کو — غازی نے دی صدا کہ وہ مارا ذلیل کو
لوگو! سنو! گرا دیا، حرفِ ثقیل کو — کیا منہدم کیا، رہِ عصیاں کے میل کو
دو ہو گئی کمر نہیں، تسمہ لگا ہوا
دیکھو تو آ کے لاش کے ٹکڑے کا کیا ہوا

قاسمؑ سے پھر کہا کہ مبارک تمہیں ظفر ۱۲۲ تسلیم کی ادب سے چچا کو جھکا کے سر
اور عرض کی یہ دور سے، ہاتھوں کو جوڑ کر اقبال آپ کا تھا کہ مہم ہو گئی یہ سر
پشتی پہ آپ جب ہوں تو، پھر کیا ہراس ہو
کام آئے کیوں نہ راس، جو استاد پاس ہو

فرمایا جانِ عم یہ بشر تھا کہ دیو زاد ۱۲۳ ڈھایا ہے تم نے کفر کا گھر، خانۂ عناد
آؤ کہ تم پہ پھونک دیں پڑھ کر، وَاِنْ یَّکَادُ چلائی در سے ماں کہ بر آئی مری مراد
بیوہ کا لال بچ گیا صدقے حسینؑ پر
اسپند کوئی کر دے مرے نورِ عین پر

عباسؑ نامدار تو ہنستے چلے ادھر ۱۲۴ یعنی خوشی کی جا کے شہِ دیں کو دوں خبر
اس غم کدے میں دہر کے شادی کہاں مگر یاں غش بنے پہ ٹوٹ پڑے لاکھ اہلِ شر
لاکھوں سے لڑ کے، پیاس سے مجبور ہو گئے
حربے ہزار ہا جو چلے چور ہو گئے

کیوں کر تمام فوج سے اک تشنہ لب لڑے ۱۲۵ اک اک لڑا نہ آہ، بہم ہو کے سب لڑے
کھا کھا کے زخم، مثلِ امیرِ عرب لڑے جانبازیاں غضب کی دکھائیں غضب لڑے
جلوہ میانِ تشنہ دہانی دکھا دیا
بچپن میں لڑ کے زورِ جوانی دکھا دیا

للکارا جس نے بس وہیں گھوڑا ڈپٹ کے آئے ۱۲۶ یوں آئے جیسے شیرِ درندہ جھپٹ کے آئے
بجلی اُدھر گری یہ جدھر کو پلٹ کے آئے صف کو بچھا کے آئے پرے کو الٹ کے آئے
منہ سرخ تھا کھلے ہوئے تھے زخم سینے کے
بن کر لہو ٹپکتے تھے قطرے پسینے کے

کاٹے رسالے تیغ سے کارِ قلم لیا ۱۲۷ دستِ یمیں نے جنگ میں آرام کم لیا
پھر دستِ چپ میں تیغ و سپر کو بہم لیا تیورائے، سنبھلے، منہ سے لہو ڈالا، دم لیا
یاں بند ہو کے آنکھ کھلی جتنی دیر میں
سو تیر دل کو توڑ گئے، اتنی دیر میں

آخر گھرا سپاہ میں وہ چودھویں کا ماہ ۱۳۸ روکے تھی فوج تیروں سے اور برچھیوں سے راہ
لشکر کے ساتھ تھا، پسرِ سعد رُوسیاہ تلوار چل رہی تھی کہ، اللہ کی پناہ
غُل تھا کہ رَوند ڈالا ہے لشکر کے باغ کو
ہاں غازیو بُجھا دو حسن کے چراغ کو

تیغیں چڑھائی تھیں، جو لعینوں نے سان پر ۱۳۹ پڑتی تھیں وہ قریب سے اِس ناتوان پر
تیروں پہ تیر تھے، تو کمانیں کمان پر حملہ تمام فوج کا تھا، ایک جان پر
یوں برچھیاں تھیں، چار طرف اس جناب کے
جیسے کرن نکلتی ہے گردِ آفتاب کے

غش میں جُھکا فرس پہ، جو وہ غیرتِ قمر ۱۴۰ مارا کسی نے فرق پہ اِک گرزِ گاؤ سر
برچھی لگی جو سینے پہ، ٹکڑے ہوا جگر گرتے تھے اسپ سے، کہ کمر پہ لگا تبر
طارق کی تیغ کھا کے پُکارے امام کو
فریاد یا حسینؑ، بچاؤ غلام کو

سُنتے ہی استغاثۂ داماد کی صدا ۱۴۱ دوڑے حسینؑ جانبِ مقتل برہنہ پا
گھبرا کے بولے حضرتِ عباسؑ باوفا تلوار کس پہ چل گئی، ہے ہے ہوا یہ کیا
چِلّائی ماں، ارے مری بستی اُجڑ گئی
اے بھائی دوڑو، بن کے لڑائی بگڑ گئی

جھپٹے جو شاہ فوج پہ چمکا کے ذوالفقار ۱۴۲ بجلی گری یزید کے لشکر پہ ایک بار
اِس غیظ میں یمیں سے جو آئے سوئے یسار بھاگے پھرا کے گھوڑوں کی باگوں کو سب سوار
بھاگڑ میں خوں سے رَن کی زمیں لال ہو گئی
دولھا کی لاش گھوڑوں سے پامال ہو گئی

دیکھا امام نے کہ رگڑتے ہیں ایڑیاں ۱۴۳ سوکھے ہوئے لبوں پہ ہے اینٹھی ہوئی زباں
داماد سے لپٹ گئے حضرت بصد فغاں بے جاں ہوا حسینؑ کے آگے، وہ نیم جاں
جب لاش اُٹھائی شہ نے تو چُور اُستخواں تھے
سب چاند سے بدن پہ سموں کے نشان تھے

ڈیوڑھی پہ لاش لائے، جو سُلطانِ بحر و بر ۱۴۴ پردا اُٹھایا ڈیوڑھی کا فضہ نے دوڑ کر
لاشے کے پاؤں تھامے کوئی اور کوئی سر چادر کمر کی تھامے تھے، عباسِؑ نام ور
لٹکی تھیں دونوں خاک میں زُلفیں اَٹی ہوئی
رُخ پر پڑی تھیں سہرے کی لڑیاں کٹی ہوئی

لاشہ اِدھر سے لے کے چلے شاہِ کربلا ۱۴۵ دوڑے اِدھر سے پیٹتے ناموسِ مصطفٰےؐ
فضہ تھی آگے آگے، کُھلے سر برہنہ پا آئی جو صحن میں تو یہ رانڈوں کو دی صدا
چھپ جائے جس سے دُور کا ناتا ہے صاحبو!
دُولہا دُلہن کے لینے کو آتا ہے صاحبو!

بہنیں کدھر ہیں، ڈالنے آنچل بنے پہ آئیں ۱۴۶ اب دیر کیا ہے حُجرے سے باہر دُلہن کو لائیں
رخصت ہوں جلد، تاکہ براتی بھی چین پائیں جاگے ہیں ساری رات کے، اپنے گھروں کو جائیں
دل پر سہے فراق کی شمشیرِ تیز کو
ماں سے کہو دُلہن کے نکالے جہیز کو

ناگاہ لاش صحن تک آئی لہو میں تر ۱۴۷ بیٹھے جو سب، عروس کو بھی ہوگئی خبر
تھا سامنا کہ لاش پہ بھی جا پڑی نظر گھبرا کے تب سکینہ سے بولی وہ نوحہ گر
دُولہا کی لاش آئی ہے، سہرے کو توڑ دو
مسند اُلٹ دو، حُجرے کے پردے کو چھوڑ دو

یہ کہہ کے نوچنے لگی سہرا وہ سوگوار ۱۴۸ افشاں چُھڑا کے خاک مَلی مُنھ پہ چند بار
کہنے لگی لپٹ کے سکینہ جگر فگار ہے ہے بہن بڑھاؤ نہ سہرے کو میں نثار
وہ کہتی تھی کہ جاگ کے تقدیر سوگئی
بی بی نہ پکڑو ہاتھ کہ میں رانڈ ہوگئی

یہ کہہ کے غش ہوئی، جو قلق سے وہ نوحہ گر ۱۴۹ حُجرے سے دوڑی بالی سکینہ برہنہ سر
آکر قریبِ صحن پکاری بہ چشمِ تر اے بیبیو! کسی کو دُلہن کی بھی ہے خبر
کیسی گھڑی ہے ہائے یہ امّاں کدھر گئیں
دوڑو پھوپھی، جہان سے گبرا گذر گئیں

روکر بہن سے کہنے لگے شاہِ بحر و بر ۱۵۰ اِس بے نصیب رانڈ کو لے آؤ لاش پر
بیٹی لٹے گی، اِس کی ہمیں تھی نہ کچھ خبر — اب شرم کیا ہے، دیکھ لے دُولھا کو اِک نظر
زخمی بھی ہے، شہید بھی ہے، بے پدر بھی ہے
دُولھا بھی نام کو ہے، چچا کا پسر بھی ہے

حضرت یہ کہہ کے ہٹ گئے با چشمِ اشکبار ۱۵۱ پیٹی یہ سر، کہ غش ہوئی بانوئے دل فگار
چادر سپید اُڑھا کے دُلہن کو بہ حالِ زار — گودی میں لائے زینبؑ غمگین و سوگوار
چلّائی ماں، یہ بڑھ کے تنِ پاش پاش پر
قاسم بنے! اُٹھو دُلہن آئی ہے لاش پر

صدقے گئی چچی، کو نہ ہوئے کہیں ملال ۱۵۲ رکھو دُلہن کی پیٹھ پہ ہاتھ اے حسنؑ کے لال
واری بس اب اُٹھو کہ پریشاں ہے میرا حال — کیسا یہ خواب ہے کہ دُلہن کا نہیں خیال
کروٹ تو لو کہ ماں کے جگر کو قرار ہو
اِس بچپنے کی نیند پہ اماں نثار ہو

جس دم دُلہن نے لاش کے ٹکڑوں پہ کی نگاہ ۱۵۳ نکلی لہو میں ڈوبی ہوئی اِک جگر سے آہ
قدموں پہ سر جھکا کے پکاری وہ رشکِ ماہ — میرا قصور عفو ہے، اے میرے بادشاہ
بولی نہ تھی حجاب سے تقصیر وار ہوں
اب حکم ہو تو لاش پہ اُٹھ کر نثار ہوں

اے پارۂ دلِ حسنؑ، اے فدیۂ حسینؑ ۱۵۴ کل وہ خوشی تھی، آج یہ برپا ہے شور و شین
کیا کہہ کے روؤں، اُٹھ گیا اب تو جہاں سے چین — بیوہ کوئی سکھائے تو صاحب کروں میں بین
چھوڑا دُلہن کو لاش پہ رونے کے واسطے
دُولھا بنے تھے، قبر میں سونے کے واسطے

صاحب بتا تو دو، تمھیں رونے میں کیا کہوں ۱۵۵ بے بس کہوں، کہ فدیۂ راہِ خدا کہوں
پیاسا کہوں، شہید کہوں، یا بنا کہوں — دُولھا کہوں، کہ قاسمِ گلگوں قبا کہوں
ماتم بھی یوں تو ہوتا ہے، شادی بھی ہوتی ہے
اِک شب کی رانڈ دُولھا کو کیا کہہ کے روتی ہے

۱۵۶
کیوں رونے والو سنتے ہو آوازِ شور و شین — اس بزم پاک میں ہیں سیاں (کی) نوحہ گر حسین
منبر کے پاس فاطمہؑ روتی ہیں کر کے بین — ماتم کرو کہ مر گیا حضرت کا نورِ عین
شبر کو بھی قلق ہے شہِ بے وطن کو بھی
پرسا امامؑ کو بھی دو تم اور حسن کو بھی

۱۵۷
لکھے انیس خوب بہ سرعت یہ چند بند — لے جائے شوق سے جسے مضموں ہو جو پسند
بکجا ہے شیر و شکر و شہد و نبات و قند — اس کے کرم سے ہوگا یہ دریا کبھی نہ بند
نہریں رواں ہیں فیضِ شہِ مشرقین کی
پیاسو پیو سبیل ہے نذرِ حسین کی

مرثیہ (۱۳)

آمد ہے کربلا کے نیستاں میں شیر کی ۱ ڈیوڑھی سے چل چکی ہے، سواری دلیر کی
جاسوس کہہ رہے ہیں، نہیں راہ پھیر کی — غش آگیا ہے شہ کو، یہ ہے وجہ دیر کی
خوش بُو ہے دشت، بادِ بہاری قریب ہے
ہُشیار غافلو، کہ سواری قریب ہے

آتا ہے وہ جری جو ہزاروں میں فرد ہے ۲ شیروں کا شیر عازمِ دشتِ نبرد ہے
دہشت سے آفتاب کا چہرہ بھی زرد ہے — بڑھ کر پرے سے جو اسے روکے، وہ مرد ہے
سر بر کوئی ہوا نہیں اِس خاندان سے
گھر میں انھیں کے اُتری ہے تیغ آسمان سے

مشہور ہے جہاں میں، یہ صفدر وحیدِ دہر ۳ جبار کے غضب کا نمونہ ہے ان کا قہر
لڑنے میں آگئی جو شجاعت کی ان کو لہر — لاکھوں سے ایک وار میں یہ چھین لیں گے نہر
فرزند ہیں علیؑ سے شہِ کائنات کے
لاشوں کے پل بندھیں گے کنارے فرات کے

ہاں نورِ چشمِ فاتحِ خیبر قریب ہے ۴ لو وارثِ کشندۂ عنتر قریب ہے
لختِ دلِ درندۂ اژدر قریب ہے — جو تیغ کا دھنی ہے وہ صفدر قریب ہے
جوہر کبھی چھپے نہیں تیغِ اصیل کے
کاٹے انھیں کی تیغ نے پر جبرئیل کے

یکتائے روزگار ہے، وہ شیرِ حق کا لال ۵ اِک اِک جری ہے شیرِ درندہ، دمِ جدال
اِن سے مقابلے کی، بھلا ہے کسے مجال — جُرأت وہی ہے، غیظ وہی ہے، وہی جلال
دکھلائیں گے چلن، اسدِ کردگار کا
گھر گھاٹ، ان کی تیغ میں ہے، ذوالفقار کا

6

رشکِ چمن ہیں سب، پہ گلِ سرسبد یہ ہے — آفاق میں، نظیرِ ہزبرِ احدؐ یہ ہے
ذی مرتبت ہے، صاحبِ فہم و خرد یہ ہے — عباسؑ نام کیوں نہ ہو، کس کا اسد یہ ہے
دیکھا نہیں جہان میں، شیر اِس جلال کا
دُرِ نجف ہے، فاطمہ زہرا کے لال کا

7

اللہ رے آمدِ عباسِ صف شکن — لرزاں تھے کوہ، ہلتے تھے دل، کانپتا تھا تن
جنگل کے شیر بن گئے تھے خوف سے ہرن — اِک شور تھا کہ آج پڑے گا غضب کا رن
یہ شیر کم نہیں اسدِ قلعہ گیر سے
گویا مقابلہ ہے جنابِ امیر سے

8

تھا فوجِ قاہرہ میں تلاطم کہ الحذر — تھیں موج کی طرح سب اِدھر کی صفیں اُدھر
چکر میں تھی سپاہ کہ گردش میں تھا بھنور — پانی میں تھے نہنگ، اُبھرتے نہ تھے مگر
فوجیں فقط نہ بھاگی تھیں، منہ موڑ موڑ کے
دریا بھی ہٹ گیا تھا کنارے کو چھوڑ کے

9

چھایا تھا سب پہ رعبِ علمدارِ نوجواں — تسلیم کو جھکے ہوئے تھے فوج کے نشاں
گوشہ اماں کا ڈھونڈھ رہی تھی ہر اِک کماں — ترکش بھی تھے ہراس میں کھولے ہوئے دہاں
تیروں کا بے گماں تھا، ارادہ گریز کا
منہ کند ہو گیا تھا ہر اِک تیغ تیز کا

10

ہل چل یہ تھی کہ گردِ سواری عیاں ہوئی — گویا چمن میں، بادِ بہاری عیاں ہوئی
آمد خدا کے شیر کی، ساری عیاں ہوئی — آپ آئے کیا کہ، قدرتِ باری عیاں ہوئی
روشن تھا، شمعِ طور سے، پرتو حضور کا
خلعت ملا، زمینِ مقدس کو نور کا

11

اِک شور تھا کہ آج زمیں آسمان ہے — صحرائے کربلا نہیں، دنیا کی جان ہے
اُترا زمیں پہ چاند، یہ خالق کی شان ہے — رضواں نے دی صدا کہ، خدا مہربان ہے
پرتو ہے یہ، رخِ خلفِ بوتراب کا
دیکھو اُلٹ گیا ہے ورق، آفتاب کا

نقشِ سُمِ فرس کی ضیا پر کرو خیال ۱۲ اختر کہیں ہے، بدر کہیں ہے، کہیں ہلال
ہے دوپہر کے بعد، سدا شمس کو زوال یاں ہے وہی عروج، نہ ہے حشمت و جلال
پروانہ آفتاب ہے، چہرے کے نُور پر
گھوڑے پہ آپ ہیں کہ تجلی ہے طُور پر

آئینۂ جبیں سے صفا آشکار ہے ۱۳ ابروئے ماہ رُخ کی ضیا آشکار ہے
چشمِ گہر فشاں سے حیا، آشکار ہے رُخ سے جلالِ شیرِ خدا آشکار ہے
رستم بھی چڑھ سکے گا نہ منھ پر دلیر کے
چہرہ تو حُور کا ہے، پہ تیور ہیں شیر کے

نُورِ جبیں نے جلوۂ قُدرت دکھا دیا ۱۴ چہرے نے حُسنِ صبحِ صباحت، دکھا دیا
ابرو نے رنگ تیغِ شجاعت دکھا دیا قامت نے سب کو طورِ قیامت دکھا دیا
جنگل کو بوئے کوچۂ گیسو، بسا گئی
کپڑوں سے نکہتِ گُلِ فردوس آ گئی

ابرو نہیں ہے چشمِ مروت نہاد پر ۱۵ نوں لکھ دیا ہے صانعِ قُدرت نے صاد پر
دید اس کی فرضِ عین ہے خوش اعتقاد پر قُرباں ہے صبح و شام بیاض و سواد پر
سادہ نگیں حدید کا، دُرِ نجف میں ہے
پُتلی نہ جانیو، دُرِ مکنوں صدف میں ہے

اعجاز لب میں، چشم میں سحرِ حلال ہے ۱۶ پُتلی نہیں ہے، چہرۂ یوسف کا خال ہے
تعریف کیا کریں کہ دہن، بے مثال ہے تقسیمِ تجزیہ و لاتجزیٰ، محال ہے
ٹھہرا لیا ہے، نقطۂ فرضی، دہن نہیں
اسرار کردگار میں جائے سخن نہیں

شیریں لبوں کی مدح میں، اب ناطقہ ہے بند ۱۷ لائے گا ہر سخن میں، نمک یہ کہاں سے قند
پھیکی جو بات ہو، وہ زباں کو نہیں پسند عالم ہے اُن کے شورِ تکلم سے بہرہ مند
نے قند میں یہ لُطف، نہ شاخِ نبات میں
صانع نے بھر دیا ہے مزا، بات بات میں

بے مثل ہیں، خوشا دُرِ دنداں کی آب و تاب ۱۸ دُرِ عدن کو دیتے ہیں دنداں شکن جواب
یوسفؑ نے دیکھے تھے یہی اخترؔ میانِ خواب طالع چمک گئے، مہِ کنعاں ملا خطاب
باتوں میں لب جو ملتے ہیں، اس خوش خصال کے
ہیروں کی چوٹ پڑتی ہے ٹکڑوں پہ لال کے

قربان رونقِ خطِ رخسارِ سُرخ فام ۱۹ یہ صبح ہے حلب کی، تو گیسو ختن کی شام
واللیل، گردِ سورۂ والشمس، ہے تمام گویا جنابِ خضرؑ کا، ظلمات ہے، مقام
تفسیر خط کی، مصحفِ ایماں کے گرد ہے
دیکھو ہجومِ مور، سُلیماں کے گرد ہے

یہ خط نہیں ہے، دفترِ قُدرت نگار ہے ۲۰ عنبر فشانیٔ قلمِ مُشک بار ہے
لاریب فیہ، مصحفِ پروردگار ہے واضح یہ ہے کہ، جلد سے خط آشکار ہے
مُنھ دیکھے جس کو نُور کا سُورہ، نہ یاد ہو
تاریک شب میں پڑھ لے، جو روشن سواد ہو

روشن گرِ زمانہ ہے، صبحِ گلو کا نُور ۲۱ دیکھے اگر تو شرم سے گردن جھکائے حُور
نُورِ خدا کا، صاف گریباں سے ہے ظہور پروانہ شمعِ حُسن پہ، جس کے چراغِ طُور
بوسوں کو حُوریں رہ گئی ہیں، ہونٹ چاٹ کے
پریوں نے جان دی ہے، گلے کاٹ کاٹ کے

شانے سپہرِ حُسن کے دو آفتاب ہیں ۲۲ بازو مثالِ دستِ خدا، لاجواب ہیں
ساعد برائے تیغ و سپر انتخاب ہیں ہاتھوں سے بادشاہ و گدا، فیض یاب ہیں
اُلٹی ہے آستین، جو حیدرؑ کی شان سے
اُگلی ہوئی ہے تیغِ یداللہ، میان سے

ساعد میں زور وہ کہ، زبر دست زیر ہیں ۲۳ ایذا میں با حواس ہیں، فاقوں میں سیر ہیں
لاکھوں پہ حملہ کرتے ہیں، ایسے دلیر ہیں پنجے کا ان کے ذکر بھلا کیا کہ، شیر ہیں
زہرہ ہے ڈر سے آب، کیومرث و گیو کا
مُنھ پھر گیا ہے ان کے طمانچوں سے دیو کا

طاقت بھی اُن کے بازوؤں کا ایک نام ہے ۲۴ زور اُن کا خانہ زاد، تہور غلام ہے
اقبال اُن کے گھر کا، مدار المہام ہے اُن کے جلو میں، فتح و ظفر صبح و شام ہے
ہر دم قشونِ جاہ و حشم ساتھ رہتے ہیں
نصرت کو اُن کی، غاشیہ بردار کہتے ہیں

فوج اُن کی، شان و شوکت و اقبال و جاہ ہے ۲۵ مردانگی غلام، جلالت سپاہ ہے
ثابت قدم ہیں یہ، دمِ تیغ اُن کی راہ ہے جرأت ہے اُن کا خشم، شجاعت نگاہ ہے
فوجوں سے معرکے میں نشاں چھین لیتے ہیں
سیّد ہیں آن بان پہ، یہ جان دیتے ہیں

مرجائیں نامراد، یہ اُن کی مراد ہے ۲۶ ناشادیِ جہاں ہو تو دل اُن کا شاد ہے
کم اُن کے آگے، لشکرِ ابنِ زیاد ہے جویا ہیں کافروں کے، یہ شوقِ جہاد ہے
دنیا ہو اِک طرف، تو یہ کچھ جانتے نہیں
اللہ و پنجتن کے سوا، مانتے نہیں

رہتے ہیں سب جہاں کے زبردست، زیردست ۲۷ لشکر تباہ کر دیئے، فوجوں کو دی شکست
دیکھا ہے شیرِ حق کی، لڑائی کا بندوبست آنکھ اُن کی حق نُما ہے نظر اُن کی حق پرست
رُوح الامیںؑ پروں کو بچھاتے ہیں فرش پر
سر اُن کے خاک پر ہیں نماز اُن کی عرش پر

سینے کا آئینہ ہے، کدورت سے پاک صاف ۲۸ برعکس اُن سے جو، وہ خدا سے ہے برخلاف
جرأت کا اُن کی قاف سے شہرہ ہے تا بہ قاف سو سو صفوں کو صاف کیا ہے، دمِ مصاف
دعویٰ نہ ہو جسے، یہ اُسے لڑ کتے نہیں
تلوار جب چلی، تو سپر رُو کتے نہیں

اب کس طرح، ثباتِ قدم کو کروں رقم ۲۹ کاغذ پہ رُک گیا ہے، صدا دے کے یہ قلم
نعلینِ پائے حضرتِ عباسؑ کی قسم ٹل جائے کوہ، پر نہ ہٹیں گے جگہ سے ہم
ثابت ہوا کہ، قابلِ شرح و بیاں نہیں
خامے کا ذکر کیا ہے، سیاہی رواں نہیں

اے ذہن آج ہے، تری تیزی کا امتحاں ۳۰ وصفِ صلاحِ جنگ میں اب لڑ گئی ہے جاں
جوہر شناس بیٹھے ہیں اے تیغِ طبع، ہاں مضموں نئے تراش، تو اے خنجرِ زباں
منزل ابھی ہے دور، صفِ کارزار کی
رہ جائیو نہ، تجھ کو قسم ذوالفقار کی

سر پوشِ نور ہے، قدحِ آفتاب پر ۳۱ یہ خود آہنی نہیں، فرقِ جناب پر
یا تاجِ خسروی ہے، سرِ بوتراب پر ابر آگیا ہے، فرقِ رسالت مآبؐ پر
سایہ ہُمَیں آئے وہ، جو سعیدِ زمانہ ہے
اقبال کے ہُما کا، یہی آشیانہ ہے

حلقوں میں جس کے، حور کی پتلی کا نور ہے ۳۲ مردم کو اس زرہ کی زیارت ضرور ہے
داؤدؑ کہتے ہیں کہ، یہ جوشن زبور ہے موسیٰؑ کا ہے یہ قول، کہ قندیلِ طور ہے
کشافِ امرِ حق ہے، بیاں اس سعید کا
ہاں ترجمہ ہے، مصحفِ ربِّ مجید کا

الا عدوئے آلِ پیمبرؐ سے ہے عناد ۳۳ رکھتا نہیں کسی سے کدورت، یہ خوش نہاد
بس پنجتن کا نام سپر ہے دمِ جہاد چار آئینہ ہے، رحمت و انصاف و عدل و داد
بن جائے گا اماں کا حصار، آئینہ یہی
جوشن یہی، سپر یہی، چار آئینہ یہی

دوش آئینہ ہے، سینۂ مہ پیکر آئینہ ۳۴ پیشانی آئینہ، رُخِ جاں پرور آئینہ
ہر آئینہ سے بہتر و خوش تر، ہر آئینہ برّ میں دل آئینہ، جسدِ انور آئینہ
بے حد و بے حساب و شمار آئینے ہیں یاں
چار آئینہ کے بدلے، ہزار آئینے ہیں یاں

مُنہ میں کلائی شیر کے، یہ ہے انھیں کا کام ۳۵ دستانہ ہے کہ، تیغ یداللہ کا نیام
پنجے میں ہے جو تیغ تو، قبضے میں روم و شام قالب ظفر کا، فتح کا گھر، زور کا قیام
دُنیا میں کوئی اُن سے نہ افضل، نہ دین میں
قوّت خدا کے ہاتھ کی ہے آستین میں

بیشے میں شیرِ حق کے پلے وہ ہِژبر ہیں ٣٦ یہ شیر نیستانِ ولایت کے ببر ہیں
کڑکیں اگر تو برق ہیں، گرجیں تو ابر ہیں چپ جانیو نہ اِن کو یہ مختارِ صبر ہیں
ربِّ عُلا کا قہر انھیں کا جلال ہے
برق اُن کی تیغ ہے، تو گھٹا اُنکی ڈھال ہے

لرزاں ہیں مثلِ بیدِ جواں اُن کے سامنے ٣٧ روباہ دل ہے، شیرِ ژیاں اُن کے سامنے
کھلتی نہیں کسی کی زباں اُن کے سامنے پشّے سے کم ہیں پیلِ دماں اُن کے سامنے
تن پُرزے ہو کے خاک کے پیوند ہوتے ہیں
انساں تو کیا ہیں تیغوں کے دم بند ہوتے ہیں

قدرت خدا کی یہ ہے، اِدھر شب اُدھر سحر ٣٨ ہے دوش صبحِ عید، شبِ قدر ہے سپر
گویا دُلہن بنی ہوئی ہے لیلیِ ظفر اِک ماہِ نو تو چار ستارے ہیں جلوہ گر
جو خوبیاں کہ چاہئیں وہ سب حصول ہیں
معشوق سبزہ رنگ کے دامن میں پھول ہیں

لکنت کے حرف آتے ہیں، لب پر دمِ بیاں ٣٩ ہے وصفِ تیغ میں، سپر انداختہ زباں
پیدا صریرِ کلک سے ہے شورِ الاماں ں ہیں، مثلِ برقِ جہندہ، شرر فشاں
کیوں کر کوئی لکھے، جو مجالِ رقم نہ ہو
خامے کو خوف ہے کہ زباں پھر قلم نہ ہو

جوہر شناس ہے تو، اسے موتیوں سے تول ٤٠ قد کتنا خوش نما ہے، بدن کس قدر ہے گول
وہ تیغ ہے، خراجِ صفاہاں ہے جس کا مول مفتاحِ فتح ہے، درِ نصرت کو اس سے کھول
اشراف کا بناؤ، رئیسوں کی شان ہے
شاہوں کی آبرو ہے، سپاہی کی جان ہے

لشکر کش و شکست رساں و ظفر نواز ٤١ دل سوز، شعلہ خو، شرر انداز، جاں گداز
حاضر جواب، تیز طبیعت، زباں دراز خوں خوار و کج ادا و دل آزار و سر فراز
سچ اُس کی ہے پسند جہاں، گو سبھی نہ ہو
معشوق پھر نہیں ہے، جو اِتنی کجی نہ ہو

پشتہ وہ اُس کا، اور وہ باریکیِ خمیر ۴۲ کس بل میں بے مثال، اصالت میں بے نظیر
جنگ آزما، خراج ستائندہ، ملک گیر — گیتی نورد، بادیہ پیما، فلک مسیر
اُس کا جلال خلق میں کس پر جلی نہیں
کوچہ وہ کون سا ہے، جہاں پر چلی نہیں

چھوڑے اگر شعاع کی چلمن نہ آفتاب ۴۳ کیا تاب ہے کہ لا سکے، اس کی چمک کی تاب
آفت کا دم ہے، قہر کی تیزی غضب کی تاب — دشمن اسے جو رات کو دیکھے، میانِ خواب
بھاگے ہزار وہ، پہ نہ پا دے مفر کہیں
بستر پہ دھڑ کہیں ہو، دمِ صبح سر کہیں

ہے گرچہ علم تیر میں، قادر وہ ارجمند ۴۴ لیکن کماں نہ ساتھ ہے نے تیر نے کمند
تیغ و سپر ہے، یا علم شاہ سربلند — سب حربے دور کے ہیں، بہادر کو ناپسند
کیا خوف ان کو، نہر پہ گر روک ٹوک ہے
نیزہ نہیں جو پاس، اک اس میں بھی نوک ہے

صدقے علم کے، حضرتِ عباسؑ کے نثار ۴۵ طوبیٰ نشاں وہ، عرش تجلی فلک وقار
شمشادِ سبز پوش گلستانِ اقتدار — حمزہؑ کا اقتدار، تو جعفرؑ کا افتخار
جھکتا ہے جس سے عرش، یہ پایا اسی کا ہے
ظلِ خدا پہ دھوپ میں سایا اسی کا ہے

دریا خجل تھا سبز پھریرے میں تھی وہ لہر ۴۶ سبزہ بھی اس کے عشق میں کھائے ہوئے تھا زہر
دامن ہے، بادبانِ جہاز، امامِ دہر — موجیں دکھا رہی ہیں، بہشتِ بریں کی نہر
پنجے کا نور، سبز پھریرے کے ساتھ ہے
طوبیٰ کی شاخِ سبز پہ، مریم کا ہاتھ ہے

دامن وہ سبز اور وہ پنجے کا اس کے نور ۴۷ نکلا ہوا ہے قصرِ زمرد سے روئے حور
فرقِ جنابِ خضر پہ، روشن ہے شمعِ طور — بے شبہ، دو امام کے ہے نور کا ظہور
اُس کا علم یہ ہے، جو شبیہ مشرقین ہے
گویا حسنؑ کے دوش پہ دستِ حسینؑ ہے

لکھتا ہے اب کمیت قلم، سُرعتِ سمند ۴۸ آہو شکار، شیر طبیعت، وغا پسند
نازک مزاج، خوش قد و طناز و سربلند وہ پیش و پس، وہ سُم، وہ کنوتی، وہ جوڑ بند
اُتری تھی اِک پری، فرسِ تند خو نہ تھا
سُرعت بھری ہوئی تھی رگوں میں، لہو نہ تھا

تنہا ہیں اس شکوہ سے عباسؑ تشنہ لب ۴۹ اور واں پرے جمائے ہیں سفاک سب کے سب
تیغیں علم کئے ہیں، سپاہِ وغا طلب ڈھالوں سے اہلِ شام کی، دن ہو گیا تھا شب
سرہنگ رُوم ورے ہیں وغا پر تُلے ہوئے
ہیں دور تک نشانوں کے شقے کھلے ہوئے

کہتا تھا شمر آکے یہ ہر اک پرے کے پاس ۵۰ ہاں صفدرانِ شام، خبردار باحواس
مَردوں کو معرکے میں نہیں چاہیئے ہراس بڑھنے نہ پائے حضرتِ عباسؑ حق شناس
لاکھوں ہو تم، وہ ایک ہے پیاسے کو ٹوک لو
جائیں لڑا کے شیر کے حملے کو روک لو

ہے رستمی کا وقت، وغا کا مقام ہے ۵۱ مردانگی نبرد میں، مَردوں کا کام ہے
عالم میں، شورِ طنطنۂ فوجِ شام ہے حیدرؑ کے اس نشان کو مٹا دو تو نام ہے
ہاتھوں سے صبر کی بھی عناں چھوٹ جائے گی
مَر جائیں گے حسینؑ کمر ٹوٹ جائے گی

پہونچی جو گوشِ شاہ میں، یہ شمر کی صدا ۵۲ اٹھے تڑپ کے خاک سے حضرت برہنہ پا
چلائے آکے سامنے، اے فوجِ اشقیا کاٹو خدا کے واسطے، پہلے مرا گلا
بولا نہیں میں کچھ، جو بھرا گھر اُجڑ گیا
مرجاؤں گا ابھی جو یہ بھائی بچھڑ گیا

آفت میں مبتلا ہوں، اسیرِ محن بھی ہوں ۵۳ فاقہ بھی تین دن کا ہے، تشنہ دہن بھی ہوں
بیکس بھی ہوں، ضعیف بھی ہوں خستہ تن بھی ہوں سیّد بھی ہوں، غریب بھی ہوں، بے وطن بھی ہوں
ناحق بڑھے ہو تیر کمانوں میں جوڑ کے
کیا ہاتھ آئے گا مرے بازو کو توڑ کے

مشہور کائنات میں ہے بھائیوں کا پیار ۵۴ بچپن سے میں ہوں اس پہ فدا، مجھ پہ یہ نثار
پہلو میں دل نہ ہو تو، جگر کو کہاں قرار — مجھ سے جدا ہوا نہیں دم بھر، یہ نامدار
جب سے خدا کے شیر نے چھوڑا جہاں کو
پالا ہے میں نے گود میں اس نوجواں کو

بازو یہی ہے، ہاتھ یہی، تن کی جاں، یہی ۵۵ قوت یہی، عصا یہی، تاب و تواں، یہی
بھائی یہی، پسر یہی، راحت رساں، یہی — خادم یہی، شفیق یہی، مہرباں، یہی
پانی پلائے جب یہ بہشتی، تو پیتے ہیں
ہم تو اسی جواں کے سہارے (ز) سے جیتے ہیں

دل کی جو تقویت ہے، تو قوت جگر کی ہے ۵۶ سینے کا ہے سرور، ضیا چشم تر کی ہے
دولت کچھ ایک دن کی نہیں عمر بھر کی ہے — پیری کا آسرا ہے، نشانی پدر کی ہے
کیوں کر نہ روؤں، روح کا اور تن کا ساتھ ہے
طفلی کی الفتیں ہیں، لڑکپن کا ساتھ ہے

ہم دونوں میں سے، ایک پہ قربان ایک ہے ۵۷ جاں ایک ہے، دل ایک ہے، ایمان ایک ہے
جلدیں اگرچہ دو ہیں، پہ قرآن ایک ہے — قالب جدا جدا ہیں، مگر جان ایک ہے
جب روح کوچ کر گئی، پھر تن میں دم کہاں
بے جاں ہوا یہ جانِ برادر تو ہم کہاں

دنیا میں چھوٹے بھائی سے پیارا نہیں کوئی ۵۸ دل کا سرور، آنکھوں کا تارا نہیں کوئی
گر ہے تو یہ ہے، اور سہارا نہیں کوئی — کہنے کو یوں ہیں سب، پہ ہمارا نہیں کوئی
پوچھو اس سے بھائی سے، جس سے جدائی ہو
جب باپ ہو جہاں میں پیدا، تو بھائی ہو

رو کر جو مستغیث امام بحق ہوئے ۵۹ غم سے کلیجے بھائیوں والوں کے شق ہوئے
جو صاحبِ حیا تھے، وہ غرقِ عرق ہوئے — سن کر صدا حسینؑ کی عباسؑ فق ہوئے
برچھی لگی الم کی، دلِ دردناک پر
نزدیک تھا کہ گر پڑیں گھوڑے سے خاک پر

گھبرا کے معرکے سے، پھر آیا وہ خوش خرام ۶۰ دیکھا کھڑے ہیں ہاتھوں سے تھامے کمر امام
گھوڑے سے کود کر، یہ پکارا وہ نیک نام آپ آئے، کیا غضب یہ کیا، اے فلک مقام
سر پر عمامہ رکھئے، پیمبر کے واسطے
یہ اضطراب، بندۂ احقر کے واسطے

پھیلائے شہ نے ہاتھ کہ، آؤ گلے لگو ۶۱ سینہ مرے جگر سے لگاؤ، گلے لگو
بچھڑے ہیں دیر سے، نہ رُلاؤ گلے لگو تو تم بھی دست شوق بڑھاؤ، گلے لگو
آنکھوں سے آنکھیں منہ سے منہ اور لب سے لب ملیں
اب کی جدا ہوئے تو خدا جانے کب ملیں

دو ایک جا رہیں یہ فلک کو نہیں پسند ۶۲ دنیا میں ہجر کے کیے، پہنچے نہیں گزند
دیکھا نہیں کہ ہو کبھی رستہ اجل کا بند آتی ہے موت جب، تو بچھڑتے ہیں بھائی بند
روئے جو مدتوں، تو خوشی ایک دم رہے
تھوڑے دنوں نبیؐ و علیؑ بھی بہم رہے

وہ دل ہے داغدار جو، ہجراں نصیب ہے ۶۳ کوئی بعید یار سے، کوئی قریب ہے
اس باغ کا بھی رنگ عجیب و غریب ہے اکثر چمن میں پھول نہیں، عندلیب ہے
موسم کوئی نہیں، چمن روزگار میں
لاکھوں ہیں گل کہ لوٹ گئے ہیں بہار میں

فرما کے یہ، بہ شوقِ امامِ امم، بڑھے ۶۴ عباسؑ اس طرف کو جھکا کر علم، بڑھے
بس ڈبڈبائے آنکھوں کو، دو ہجرِ غم بڑھے یہ سوئے سینہ، اور وہ سوئے قدم بڑھے
دونوں پہ کوہ رنج و غم و یاس گر پڑے
گردن جھکا کے پاؤں، پہ عباسؑ گر پڑے

بولے گلے لگا کے شہنشاہِ نامدار ۶۵ اے میرے یادگارِ پدر، میں ترے نثار
پہ لپٹے رہو ابھی کہ، جگر کو نہیں قرار بھیا ملا دو چھاتی سے چھاتی پھر ایک بار
تم کیا چلے کہ، زخم جگر تازہ ہو گیا
پھر آج ہم کو داغ پدر تازہ ہو گیا

زیرِ بغل تھے، دستِ شہنشاہ بحر و بر ۶۶ چھاتی سے سر لگائے تھے، عباسؑ نامور
حضرت کا روئے پاک تھا، بھائی کے دوش پر ہچکی لگی تھی ان کو ادھر، اور انھیں اُدھر
تھمتی تھی رقّت ان کی، نہ زہراؑ کے جائے کی
تھی دو طرف بلند صدا ہائے ہائے کی

عباسؑ رو کے کہتے تھے، مولا نہ روئیے ۶۷ صدقے غلام، اے مِرے آقا نہ روئیے
صدمے سے بے قرار ہیں بابا، نہ روئیے سر پیٹتی ہیں فاطمہؑ زہرا نہ روئیے
پردے میں کچھ، نہ آلِ نبیؐ کے خلل پڑے
ایسا غضب نہ ہو کہ سکینہ نکل پڑے

دل تھا جوشہ کا، فرطِ محبّت سے بے قرار ۶۸ فرمایا ہم کو گرد تو پھر نے دو ایک بار
بولے یہ کانپ کانپ، عباسؑ باوقار بندے ہوں لاکھ مجھ سے، تو نعلین پر نثار
کیوں کر کہوں کہ قابلِ لطفِ امام ہوں
میں تو سکینہؑ جان کا ادنیٰ غلام ہوں

رو کر کہا حسینؑ نے، اے جانِ الوداع ۶۹ اچھا سدھار و اے مرے ذی شان، الوداع
بھائی تمھارے عزم کے قربان الوداع ہم بھی ہیں کوئی آن کے مہمان، الوداع
بابا سے میری پیاس کی فریاد کیجیو
کوثر پہ جائیو تو مجھے، یاد کیجیو

روتے ہوئے یہ کہہ کے چلے شاہِ دیں پناہ ۷۰ تا دیر اس طرف رہی عباسؑ کی نگاہ
ہم شکل مصطفیٰؐ کو پکارے، بہ آشک و آہ آنے دیا حضور کو یاں تم نے، واہ واہ
بولے اُسے جو کہہ کے ہم آئے تھے آپ سے
بیٹا چچا نثار، خبردار باپ سے

فرما کے یہ چڑھے فرسِ خوش خرام پر ۷۱ نعرہ تھا دم بہ دم، کہ تصدق امام پر
چمکا فرس کہ برق گری، ابرِ شام پر غصّے سے ہاتھ شیر نے ڈالا، حسام پر
بڑھ کر رجز پڑھا کہ پرے تھرتھرا گئے
خیبر کے سرکشوں کو، علیؑ یاد آ گئے

نعرہ یہ تھا کہ ہم دُرِ دریائے نُور ہیں ۲؎ دُنیا کے جتنے عیب ہیں سب ہم سے دُور ہیں
خیبر کُشا کے قلب و جگر کے سرور ہیں جرّار ہیں، سخی ہیں، ولی ہیں، غیور ہیں
اپنا چلن، کُھلا ہوا سب عاقلوں پہ ہے
اب تک ہماری ضرب کا سکّہ، دلوں پہ ہے

جب معرکے میں جم گئے ہیں پاؤں گاڑ کے ۳؎ دَم میں قدم اُکھاڑ دیے ہیں، پہاڑ کے
روکی ہے تیغ، کُفر کی بستی اُجاڑ کے پٹکا ہے گھر سے حق کے، بُتوں کو اُکھاڑ کے
پڑھ کر درود فوجِ مَلک، مدح خواں ہوئی
جب ہم گئے تو کعبے کے اندر اذاں ہوئی

درپے ہمیں رہے، رہِ حق کی تلاش کے ۴؎ ٹکڑے تلک جلا دیے، کافر کی لاش کے
چھوڑا نہ سر بدن پہ کسی بد معاش کے کاٹے ہمیں نے ہاتھ ہر اِک بُت تراش کے
ناقوس کو اُٹھا کے، زمیں پر پٹک دیا
آتش کدوں پہ تیغ کا پانی چھڑک دیا

جنگ آزما ہیں، صف شکن و قلعہ گیر ہیں ۵؎ صَولت میں، دبدبے میں، عدیم النظیر ہیں
دُنیا کے بادشاہ ہیں، گردوں سریر ہیں اس اَوج پر حُسین کے، در کے فقیر ہیں
رُتبے پہ فخر ہے، نہ شجاعت پہ ناز ہے
گر ہے تو بس غلامیِ حضرت پہ ناز ہے

کیا کیا لڑے ہیں، خیبر و بدر و تبوک میں ۶؎ یہ ہاتھ پیاس میں نہ رُکے ہیں نہ بُھوک میں
شہرہ ہے اپنی جود و سخا کا، مُلوک میں حاتم سے بھی سخی ہیں سوا، ہم سلوک میں
بگڑے ہیں جب تو خون کے دریا بہائے ہیں
سر دے دیا ہے بات پہ جس وقت آئے ہیں

تب شمر نے کہا کہ فصاحت سے کیا حصول ۷؎ بیعت اُنھیں، تو صلح ہمیں بھی نہیں قبول
غازی پکارا، او نحس و مرتد و جہول لیجو نہ مُنھ سے نام جگر گوشۂ رسولؐ
سمجھا ہے کیا امامِ عراق و حجاز کو
گُدّی سے کھینچ لوں گا زبانِ دراز کو

تُو کیا ہے اور کیا ہے ترادہ، امیرِ شام ۷۸ کرتے ہیں بادشاہ، کہیں بیعت غلام
تُو بھی نمک حرام ہے، وہ بھی نمک حرام اور بے ادب یزید کجا اور کجا امام
دوزخ سے دُور رہتے ہیں ساکن بہشت کے
کعبہ کبھی جھکا نہیں آگے کنشت کے

یہ کہہ کے لی دلیر نے تلوار میاں سے ۷۹ مسکن چھٹا، ہمائے سعادت نشاں سے
نکلی جو عندلیبِ ظفر، آشیاں سے چمکے شرارے، پھول جھڑے آسماں سے
دکھلائی شکل، قہرِ خدائے جلیل نے
آنکھوں پہ ڈر کے رکھ لیے پر جبرئیلؑ نے

حملہ دلیر کا، غضبِ کردگار تھا ۸۰ گر سامنے تھا شیر، تو وہ بھی شکار تھا
تلوار کوندتی تھی، فرس بے قرار تھا مقتل میں گرم، معرکہ کارزار تھا
بہتا تھا خوں بدن سے تو مُنھ زرد ہوتے تھے
تلوار کی ہوا سے بدن سرد ہوتے تھے

وہ تیغِ جاں گداز، جدھر چل کے رہ گئی ۸۱ گردن عدو کی، شمع صفت ڈھل کے رہ گئی
یہ غول بٹ گیا تو وہ صف جل کے رہ گئی بھاگا کوئی تو ہاتھ، اجل مل کے رہ گئی
کہتی تھی تیغ مجھ سے کہاں بچ کے جائے گا
ٹھنڈا کروں گی میں، تو جہنم جلائے گا

ہوش و حواسِ شمرِ سیہ رو، اُڑا دیے ۸۲ دو دو کے ایک ہاتھ میں بازو اُڑا دیے
راکب کے پاؤں گھوڑے کے زانو اُڑا دیے ڈالی کسی نے آنکھ، تو ابرو اُڑا دیے
تھا نُورِ چشمِ شیرِ الٰہی، جلال میں
پُتلی چھپی ہوئی تھی، سیاہی کی ڈھال میں

بجلی سی جس پرے کی طرف آ کے پھر گئی ۸۳ ناگن تھی اِک، کہ فوج پہ لہرا کے پھر گئی
دَم میں لہو زمین پہ، برسا کے پھر گئی اللہ رے مُنھ، صفیں کی صفیں کھا کے پھر گئی
کاٹے جگر تو اور دلیری ہوئی اُسے
سیروں لہو پیا پہ نہ سیری ہوئی اُسے

غصے تھا شیر، کانپتے تھے بزدلوں کے دل ۸۴ سینے میں ہو گئے تھے لہو قاتلوں کے دل
لوہے کو اُس کے مان گئے، جاہلوں کے دل — کیا چال تھی کہ لوٹتے تھے بسملوں کے دل
تھی ماہِ نو، پہ پھرتی تھی بجلی بنی ہوئی
چمکی تو زخمیوں کے لیے چاندنی ہوئی

لرزاں ہر ایک بانیِ بیداد و جور تھا ۸۵ لشکر تھا بے حواس، تباہی کا طور تھا
رُخ زرد تھے، سپاہ کا کچھ رنگ اور تھا — نیزوں کا تھا نہ اَوج، نہ ڈھالوں کا دَور تھا
کشتوں کے پشتے اور سروں کے پہاڑ تھے
فوجیں کٹی ہوئی تھیں، محلّے اُجاڑ تھے

گر اِس طرف بڑھا کسی بیدادگر کا ہاتھ ۸۶ بالائے تن رہا نہ اِدھر، نہ اُدھر کا ہاتھ
رُکتا نہ تھا علیِ ولی کے پسر کا ہاتھ — دو ہو کے گر پڑا، جسے مارا کمر کا ہاتھ
ہنستی تھی موت آنکھ جو پڑتی تھی زین پر
آدھا فرس پہ جسم تھا، آدھا زمین پر

تیغیں سپر کے ساتھ کٹیں، خود سر کے ساتھ ۸۷ سینہ کمر کے ساتھ کٹا، دل جگر کے ساتھ
ہل چل یہ تھی کہ باپ نہ ٹھہرا پسر کے ساتھ — اور معرکہ میں چھوٹ گئے، عمر بھر کے ساتھ
بھاگے شریر خلعت و منصب کو چھوڑ کر
رُوحیں روانہ ہو گئیں قالب کو چھوڑ کر

گرتی تھی برقِ تیغ جو ہر پل اِدھر اُدھر ۸۸ پھٹتے ہوئے تھے ڈھالوں کے بادل اِدھر اُدھر
شبدیز تھا کہ پھر رہی تھی کل، اِدھر اُدھر — بھاگڑ تھی قلبِ فوج میں، ہل چل اِدھر اُدھر
ہر جا تنوں کے ڈھیر سروں سے بلند تھے
بھاگیں کہاں گریز کے کُوچے تو بند تھے

سرہنگِ شام ٹھوکریں کھا کھا کے مر گئے ۸۹ جو بچ گئے اِدھر سے اُدھر جا کے مر گئے
کتنے جواں سُموں کے تلے آ کے مر گئے — پس پس کے سُرمہ ہو گئے ٹکرا کے مر گئے
ہل چل نے استخوانِ بدن چُور کر دیے
بیٹوں نے پاؤں باپ کی چھاتی پہ دھر دیے

بھڑکا دی آگ، صاعقۂ شعلہ ریز نے ۹۰ چُن کر صفوں کو صاف کیا، تیغِ تیز نے
کچلا انھیں سمند کی، ہر جست و خیز نے گیتی اُلٹ دی، ابنِ علیؑ کی ستیز نے
ترکش نہ تھے درست، نہ ثابت کمان تھی
تیغوں میں دم رہے تھے نہ لشکر میں جان تھی

تھرا رہا تھا خوف سے مینائے لاجورد ۹۱ ہلتے تھے کوہ، کانپتا تھا وادیِ نبرد
تھا دن بھی زرد، دھوپ بھی زرد، اور زمیں بھی زرد خورشید چھپ گیا، یہ اُٹھی کربلا میں گرد
اِک تیرگی غبار سے تھی چشمِ مہر میں
تاپُو پڑے ہوئے تھے، محیطِ سپہر میں

تھا الاماں کا شور، پریشاں تھے اہلِ شر ۹۲ تیغوں کے پیچھے ڈر کے چھپی تھی، ہر ایک سپر
ماتھے علم رگڑتے تھے جھک جھک کے خاک پر پرچم نے بال کھولے تھے، فریادیوں نے سر
دانتوں میں خس ہراس سے تھی ہر جوان کے
چادر ہلا رہے تھے پھریرے نشان کے

مصروف تھے جہاد میں، عباسِ باوفا ۹۳ ناگاہ آئی خیمے کی ڈیوڑھی سے یہ صدا
اب کیا سکینہ پیاسی ہی مرجائے اے چچا کب تک لڑو گے فوج سے، بس ہو چکی وغا
سوکھے ہوئے لبوں پہ مری جان آئی ہے
اے نُورِ چشمِ ساقیِ کوثر دُہائی ہے

جلدی خدا کے واسطے، دریا پہ جائیے ۹۴ قربان جاؤں، بھر کے مری مشک لائیے
پُھنکتا ہے سینہ، آگ جگر کی بجھائیے اچھے مرے چچا، مجھے پانی پلائیے
اب رحم کیجیے، مری دو دن کی پیاس پر
جیتی ہوں اب تک آپ کے آنے کی آس پر

اعدا کو بار بار نہ جھنجھلا کے، دیکھیے ۹۵ صدقے گئی فرات کو، اب جا کے دیکھیے
کانٹے مری [illegible]، اب آ کے دیکھیے رونے کو، شاہِ بیکس و تنہا کے دیکھیے
صدمہ فراق کا ہے دلِ دردناک پر
جلد آیئے حسینؑ تڑپتے ہیں خاک پر

عباسؑ نے سنی جو، یہ آوازِ ناگہاں ۹۶ بے اختیار آنکھوں سے آنسو ہوئے رواں
کاندھے پہ رکھ کے شیر نے شمشیرِ خوں چکاں رُخ جانبِ فرات کیا، پھیر کر عناں
دیکھی جو نہر دل نہ رہا اختیار میں
گھوڑا اڑا کے شیر سے آئے کچھار میں

گرمی میں تھے جو غرقِ عرق، سر سے تابہ پا ۹۷ سردی سے اس ترائی کے، جان آگئی، ذرا
دریا سے ٹھنڈی ٹھنڈی جو آنے لگی ہوا صدمہ ہوا کہ، دھوپ میں ہیں شاہِ کربلا
دل ہو گیا کباب، مصیبت پہ شاہ کی
عباسِؑ نامدار نے اک سرد آہ کی

دو دن سے بے زباں پہ جو تھا آب و دانہ بند ۹۸ دریا کو ہنہنا کے لگا، دیکھنے سمند
ہر بار کانپتا تھا، ہمنتا تھا، بند بند چمکارتے تھے، حضرتِ عباسِؑ ارجمند
تڑپاتا تھا جگر کو، جو شور آبشار کا
گردن پھرا کے دیکھتا تھا، مُنہ سوار کا

چمکارتے تھے حضرتِ عباسؑ نیک نام ۹۹ بس اتنا مضطرب نہ ہو اے اسپِ تیز گام
گر تو ہے تشنہ کام، تو ہم بھی ہیں تشنہ کام پیاسا ہے ذوالجناحِ شہنشاہِ خاص و عام
اٹھتا ہے شور گریہ محمدؐ کے آل سے
آگاہ کیا نہیں ہے سکینہؑ کے حال سے

عباسؑ نے کہا، جو یہ بچوں کا حالِ زار ۱۰۰ گردن ہلا کے رہ گیا، اسپِ وفا شعار
جب نہرِ علقمہ میں در آیا وہ نامدار پانی سے تھوتھنی کو اٹھاتا تھا بار بار
جاں بازی سمند پہ غازی نے رو دیا
غازی کے مُنہ کو دیکھ کے تازی نے رو دیا

دریا سے بھر چکا وہ سخیؑ جو مشکِ آب ۱۰۱ چلّایا فوج کو، عمرِ خانماں خراب
لو مشک لے چلا، جگر و جان بوترابؑ سادات پر بس اب نہ کبھی ہوں گے فتح یاب
گر مشک تا خیام شریک خو گئی
یہ جان لو کہ جان گئی، آبرو گئی

یہ شورسُن کے گھاٹ پہ اُمڈی سپاہِ شام ۱۰۲ پہلے سے بھی زیادہ ہوا، کچھ ہجوم عام
تولے تھے پہلواں، تبر و خنجر و حسام غل تھا کہ ہاں، نکلنے نہ پائے یہ تشنہ کام
اب پاس آبرو کا ہے، جانوں کا غم نہیں
عباسِ نامور نہیں، یا آج ہم نہیں

تیغِ دو دم کو تول کے، غازی نے دی صدا ۱۰۳ مجھ کو نہ دُور جانیو، اے لشکرِ جفا
پہلے نہ رُک سکے، تو بھلا اب رُکیں گے کیا یہ گھاٹ تیغ کا ہے، خبردار اک ذرا
دیکھیں تو ہاں پرے کو جمائے کھڑے رہو
روکو تو برچھیوں سے، ہم آئے کھڑے رہو

یہ سُن کے جوڑنے لگے حلقوں میں واں خدنگ ۱۰۴ یاں بادپا ترائی میں تھا، صورتِ نہنگ
لپکا جدھر زبانۂ شمشیرِ شعلہ رنگ پانی میں ڈوبنے لگے ناری کماں کی جنگ
حیرت تمام فوج کو تھی اُس کے کاٹ پر
برسا دی آگ تیغ کے پانی نے گھاٹ پر

تا غاضریہ نہر سے لڑتا گیا، دلیر ۱۰۵ تودے کہیں سروں کے کہیں تھے تنوں کے ڈھیر
تکتے تھے سُوئے خیمۂ شہ، مُنہ کو پھیر پھیر دَم لے لیا کہیں، کبھی جھپٹے مثالِ شیر
پھر پھر کے تیغ چلتی تھی اس دیں پناہ کی
پر ہائے کم نہ ہوتی تھی کثرت سپاہ کی

نزدیک سے نہ کرتا تھا حربہ کوئی شریر ۱۰۶ پہلو سے تیر چلتے تھے اور سامنے سے تیر
تھے ایک جان کے لیے دشمن جوان و پیر برچھے تھے گرد بیچ میں تھا وہ مہ منیر
منظور ظلم سخت تھا، ہر بد خصال کو
پتھر شقی لگاتے تھے، حیدر کے لال کو

اک تشنہ کام لاکھوں میں کس کس کو دے جواب ۱۰۷ شل ہو گیا تھا بازوئے فرزندِ بوتراب
کہتا تھا ہاتھ اُٹھنے کی مجھ میں نہیں ہے تاب لڑنے میں فکر تھی کہ نہ ضائع ہو مشکِ آب
پروا نہ تھی جو بازوؤں پر تیر کھاتے تھے
لیکن سپر سے مشکِ سکینہ بچاتے تھے

اِک شیر سے اِدھر کبھی جھپٹے اُدھر کبھی ۱۰۸ برچھی سے چھد گیا کبھی دل اور جگر کبھی
سینہ کبھی تھا مشک کے اُوپر، سپر کبھی چھاتی تلے تھی مشک کبھی، دوش پر کبھی
رہوار پر سنبھلتے تھے جب جھوم جھوم کے
روتے تھے بازوؤں کو علیؑ چوم چوم کے

ہونٹوں پہ پھیر لیتے تھے سُوکھی زباں کبھی ۱۰۹ تکتے تھے مسکرا کے سُوئے آسماں کبھی
جھکتے تھے خود فرس سے کبھی اور نشاں کبھی لگتا تھا تن پہ تیر کبھی، اور سناں کبھی
گھوڑے کو جب بڑھاتے تھے رانوں میں داب کے
قدموں سے نکلے جاتے تھے حلقے رکاب کے

دامن سے پونچھتے تھے، علم دار نامور ۱۱۰ چھینٹیں لہو کی اُڑ کے جو پڑتی تھیں مشک پر
شق ہو مگر علم کا نہ ہو سے لہو سے تر یہ پاس تھا کہ تیغوں سے ٹکڑے ہو سراسر
اقبالِ بادشاہِ زمین و زماں رہے
دُنیا میں میں رہوں نہ رہوں، یہ نشاں رہے

جھکتے تھے بار بار، سنبھلتے تھے بار بار ۱۱۱ واحیف وادریغ، تمنائے جاں نثار
ماری شقی نے دوش پہ اِک تیغِ آبدار اور یاں کمیں میں تھا بن و رقائے نابکار
آفت پڑی نصیبِ سکینہ اُلٹ گیا
اُٹھتے تھے جس سے ہاتے وہی ہاتھ کٹ گیا

بہتا تھا خون، ضعف بھی بڑھتا تھا دم بہ دم ۱۱۲ اِک ہاتھ سے سنبھالے تھا، مشکیزہ و علم
فریاد، الغیاث، ستم پر ہوا ستم گھوڑے پہ سیدھے ہوتے تھے گاہے تو گاہ خم
تیغا کسی کا، شیر کے شانے پہ پھر پڑا
وہ ہاتھ بھی، بدن سے جُدا ہو کے گر پڑا

تلوار اُدھر لٹک رہی تھی، اور ہاتھ اِدھر ۱۱۳ کٹ کے گرا تھا بازوئے غازی جو زین پر
قبضہ نہ چھوڑتا تھا کٹے ہاتھ کو مگر بے دیں یہ چاہتے تھے کہ لیں تیغِ شعلہ ور
صدقے جو اُس ابنِ شہِ ذوالفقار کے
چھیدے علم کی نوک سے دل پانچ چار کے

بے دست یاں ہوا جو وہ سروِ حسینؑ کا ۱۱۴ واں تھرتھرا کے رہ گیا بازو حسینؑ کا
غل تھا کہ خالی اب ہوا پہلو حسینؑ کا — گھائل ہوا برادرِ خوش رو حسینؑ کا
ہاں نوبتیں بجاؤ، ظفریاب ہم ہوئے
گویا علیؑ کے دستِ مبارک قلم ہوئے

گو ہاتھ کٹ گئے تھے مگر کچھ نہ تھا ہراس ۱۱۵ دانتوں سے جھک کے مشک کو پکڑا بہ دردِ یاس
غم تھا کہ گر پڑا، علمِ شاہِ حق شناس — یہ رعب تھا کہ ڈر سے نہ آتا تھا کوئی پاس
آنکھیں لہو تھیں رخ سے جلال آشکار تھا
مشکیزہ تھا کہ، شیر کے منھ میں شکار تھا

ٹھکرا کے راہوار کو بڑھتے تھے واں سے جب ۱۱۶ چھاتی پہ نیزے رکھ کے انھیں روکتے تھے سب
اس پر بھی بڑھ چلا تھا وہ بے دست و تشنہ لب — مارا کسی نے فرق پہ اک گرز ہے غضب
صدمے سے زرد چہرۂ پُر نور ہو گیا
ضربت لگی کہ کاسۂ سر چور ہو گیا

ہر چند سپٹ گیا تھا، سرِ دلبرِ علیؑ ۱۱۷ تسمہ نہ چھوڑا مشک کا دانتوں سے اس پہ بھی
اپنا نہ کچھ خیال تھا پیاسوں کی فکر تھی — ہرنے پہ سر پٹک دیا جب مشک چھد گئی
آنکھوں سے بہہ کے اشک بصد یاس گر پڑے
پانی گرا تو گھوڑے سے عباسؑ گر پڑے

آئی صدا کہ شیرِ الٰہی یہ ایک بار ۱۱۸ شبیرؑ آ نثار ہوا، تجھ پہ جاں نثار
ہے یہ ترے لیے مری گودی میں بے قرار — عاشق کو ہے ترے ترے آنے کا انتظار
ہونٹوں پہ دم بہ دم ہے صدا یا حسینؑ کی
آنکھیں تری طرف ہیں مرے نور عین کی

جس دم سنا حسینؑ نے یہ نوحہ پدر ۱۱۹ ٹپکا عمامہ سرِ اقدس کو خاک پر
گر کر اٹھے، سنبھل کے گرے، شاہِ بحر و بر — چلائے ہاتھ اکبرِ مہرو کا، تھام کر
وا حسرتا، جوان برادر بچھڑ گیا
تھامو ہمیں کہ، بند کمر کا اکھڑ گیا

۱۲۰
زینب نے دی صدا کہ، میں قربان کیا ہوا　　چلاّئے اے بہن، مرا عاشق جدا ہوا
ہے ہے کا شور اہلِ حرم میں بپا ہوا　　زہرا نے دی صدا کہ، بڑا حادثہ ہوا
گھبرا کے بنتِ شاہِ مدینہ نکل پڑی
حضرت بڑھے نہ تھے کہ سکینہ نکل پڑی

۱۲۱
دریا پہ سر برہنہ شہِ بحر و بر چلے　　صدمہ یہ تھا کہ، ہاتھوں سے تھامے کمر چلے
اکبر سنبھالے باپ کو، با چشمِ تر چلے　　یہ بھی چلے اُدھر، شہِ والا جدھر چلے
صدمہ ہے ضربِ غم سے دلِ پاش پاش پر
رونے کو بھائی جاتا ہے بھائی کی لاش پر

۱۲۲
صورت یہ شاہ کی ہے کہ زلفوں پہ خاک ہے　　آلودۂ غبارِ الم روئے پاک ہے
سوکھے لبوں پہ نالہ، روحی فداک ہے　　اور تا کمر، قبا کا گریباں چاک ہے
دستِ یسار بیٹے کی گردن میں ڈالے ہیں
شہ کو جھکے ہوئے، علی اکبر سنبھالے ہیں

۱۲۳
جب پاؤں کانپتے تھے، تو کہتے تھے رو کے شاہ　　طاقت بدن کی لے گئے، عباس آہ آہ
دریا نہ اِتنا دُور تھا، اے میرے رشکِ ماہ　　رستہ غلط کیا ہے کہ کچھ بڑھ گئی ہے راہ
ہے دُور یاں سے، یا مرا بھائی قریب ہے
کہتے ہیں وہ حضور، ترائی قریب ہے

۱۲۴
القصہ لائے باپ کو اکبر ترائی میں　　زخمی ملا وہ شیرِ دلاور، ترائی میں
پائی جو بوئے خونِ برادر ترائی میں　　لاشے کے پاس گر پڑے سرور، ترائی میں
گذری تھی عمر ہاتھ جسے جوڑتے ہوئے
دیکھا اُسی کو خاک پہ دم توڑتے ہوئے

۱۲۵
مُنہ رکھ کے مُنہ پہ بھائی کے بھائی نے دی صدا　　اے شیر، اے دلیر، یہ بے کس ترے فدا
کیوں پُتلیاں پھراتے ہو، بھائی یہ کیا یہ کیا　　عباس میں حسین ہوں، دیکھو مجھے ذرا
میرا بھی حلقِ خشک ہے خنجر کے واسطے
بھائی کو چھوڑے جاتے ہو، دم بھر کے واسطے

شبِّرؑ عنان توسنِ عمرِ رواں نہ لو ۱۲۶ ساتھی تھکا ہوا ہے رہِ کارواں نہ لو
کروٹ کراہ کر مرے آرامِ جاں نہ لو لگتی ہے چوٹ دل پہ مرے ہچکیاں نہ لو
مر جاؤں گا میں ساتھ اگر چھوٹ جائے گا
بھائی مرا تو رشتۂ جاں ٹوٹ جائے گا

بولے یہ آنکھ کھول کے عباسؑ نام دار ۱۲۷ آقا ہزار جانِ گرامی ترے نثار
یہ موت زندگی ہے زہے فخر و افتخار نکلے جو گُل کے سامنے بلبل کی جانِ زار
دیدار دیکھنے میں نہ آتا تو موت تھی
پروانہ شمع کو جو نہ پاتا تو موت تھی

زانوئے پاک نورِ خدا اور سرِ حقیر ۱۲۸ عالم کا بادشاہ کجا اور کجا فقیر
ذرّے کو مہر کر دیا اے آسماں سریر تکیہ کسی کو بھی یہ ملا ہے دمِ اخیر
پایا یہ اوج ماں کی نہ بابا کی گود میں
معراج مل گئی شہِ والا کی گود میں

رحمت نے رُخ کیا مری جانب حضور آئے ۱۲۹ لے کر رسولؐ جام شرابِ طہور آئے
روشن ہو کیوں نہ چشم جو خالق کا نور آئے ایسا نہ ہو سرور جو بالیں پہ حور آئے
عشاق مر بھی جاتے ہیں زخمی بھی ہوتے ہیں
میں اب تو تندرست ہوں کیوں آپ روتے ہیں

مولا کھڑے ہیں سامنے محبوبِ ذوالجلال ۱۳۰ یہ رو رہے ہیں شیرِ الٰہی بصد ملال
استادہ ہیں یہ حضرتِ شبّرؑ نکو خصال یہ فاطمہؑ ہیں پہلو میں بکھرائے سر کے بال
تنہا نہیں حضور بھلا کیوں اُداس ہیں
جن کا غلام میں ہوں وہ سب میرے پاس ہیں

سن نے کہا کہ لینے کو آئے ہیں تم کو سب ۱۳۱ عباسؑ چھوڑ جاؤ گے اب ہم کو ہے غضب
سر خاک پہ ٹیک کے یہ بولا وہ جاں بہ لب اے جانِ فاطمہؑ جگرِ سیدِ عرب
کس کس کو رو دیکھیے گا کہ اعدا کے ریلے ہیں
صدمہ بڑا یہی ہے کہ حضرت اکیلے ہیں

راحت کی راہ ہے سفرِ گلشنِ ارم ۱۳۲ صدمہ مگر ہے رُوح پہ، اے قبلۂ اُمم
اب تک تو کب کے مر گئے ہوتے تڑپ کے ہم   اُلفت یہ آپ کی ہے کہ اٹکا ہوا ہے دم
دُنیا سے کُوچ کرنے کو، جی چاہتا نہیں
اے بھائی جان مرنے کو جی چاہتا نہیں

یہ کہہ کے چپ ہوئے تھے کہ اُٹھا جگر میں درد ۱۳۳ رخسار سُرخ سُرخ جو تھے ہو گئے، وہ زرد
لیں کروٹیں تو بھر گئی زخموں میں، رن کی گرد   مُنھ رکھ کے شہ کے پاؤں پہ کھینچی، اِک آہِ سرد
دُنیا سے انتقال علمدار ہو گیا
سردارِ فوج، بیکس و ناچار ہو گیا

بھائی کے آگے، بھائی تڑپ کر جو مر گیا ۱۳۴ صدمہ غضب کا سبطِ نبیؐ پر گزر گیا
خنجرِ الم کا دل سے جگر تک، اُتر گیا   چلّاتے تھے کہ شیر ہمارا، کدھر گیا
لیتے تھے بوسے جھک کے تنِ پاش پاش کے
اُٹھ اُٹھ کے گرد پھرتے تھے بھائی کی لاش کے

جھک کر پکارتے تھے کہ، بھیّا صدا سُناؤ ۱۳۵ سر رکھ لو میرے زانو پہ، گردن ذرا اُٹھاؤ
زینبؑ تمھیں بُلاتی ہیں، خیمے کے در پہ جاؤ   کب سے بِلک رہی سکینہؑ کو دیکھ آؤ
باتوں میں پیار کی کہیں تم سے گلہ نہ ہو
دریا پہ سو گئے ہو، سکینہؑ خفا نہ ہو

دُکھ
کیا ہے، جو آنکھ بند کیے ہو حیا سے تم ۱۳۶ کیا کچھ خفا ہو، سبطِ رسولؐ خدا سے تم
اکثر ہمیں بچاتے تھے لُوں سے ہوا سے تم   ہم اَٹ گئے ہیں گرد تو جھاڑو قبا سے تم
ہے دوپہر کا وقت، برادر یہ دھوپ ہے
سایہ کرو علم کا، مرے سر پہ دھوپ ہے

اکبرؑ نے رو کے عرض یہ کی اے شہِ زماں ۱۳۷ رونے سے اب ملیں گے نہ حضرت کے بھائی جاں
لے چلیے گھر میں لاشِ علمدارِ نوجواں   ایسا نہ ہو نکل پڑیں خیمہ سے بیبیاں
دریا پہ ننگے سر کہیں بنتِ علیؑ نہ آئے
فضہ کو ساتھ لے کے سکینہؑ چلی نہ آئے

سینے سے کی حسینؑ نے اک آہِ دل خراش ۱۳۸ فرمایا ان کے بدلے ہمیں موت آتی کاش
اچھا بتاؤ تم کہ میں کیونکر اُٹھاؤں لاش سر چار پارہ، ہاتھ جُدا، جسم پاش پاش
کیوں کر کہوں کہ لاشۂ غم گھر میں لے چلو
میت کے بدلے مشک و علم گھر میں لے چلو

اکبرؑ نے جب علم کو اُٹھایا بہ درد و آہ ۱۳۹ رونے لگے پکار کے حالت ہوئی تباہ
ہاتھوں سے سر کو پیٹ کے کہنے لگے یہ شاہ باندھو علم میں مشک بھی اے میرے رشکِ ماہ
ہے جس طرح زمانے میں اندوہ و غم کا ساتھ
اب حشر تک رہا یوں ہی مشک و علم کا ساتھ

اکبرؑ نے عرض کی کہ چلیں اب شہِ زماں ۱۴۰ رو کر امام دیں نے کہا، جائیں اب کہاں
واں بھی مرے لیے وہی رونا ہے، جو یہاں اپنا بھی گھر ہے اب وہی بھائی رہے جہاں
اُٹھتے نہ تھے حسینؑ، برادر کو چھوڑ کر
رکھا پسر نے پاؤں پہ سر، ہاتھ جوڑ کر

ناچار اُٹھ کے واں سے امامِ اُمم چلے ۱۴۱ فرمایا لو کریم نگہبان، ہم چلے
اکبرؑ تو آگے لے کے وہ مشک و علم چلے سر ننگے پیچھے سرورِ عالی ہمم چلے
جنگل میں شورِ نالہ و فریاد و آہ تھا
حضرت کے پیچھے اسپِ علم دارِ شاہ تھا

فضہ کھڑی تھی خیمے کے باہر جو بے خبر ۱۴۲ حضرت کو اُس نے دُور سے دیکھا برہنہ سر
پردہ اُلٹ کے خیمے کا، بولی وہ نوحہ گر سیدانیو اُٹھو، علم آتا ہے خوں میں تر
اکبرؑ علم لیے ہیں، علیؑ کا نشاں نہیں
کوتل فرس تو آتا ہے، وہ نوجواں نہیں

ناگاہ سب کو دُور سے آیا نظر نشاں ۱۴۳ تھا خاک سے بھرا ہوا وہ جلوہ گر نشاں
گویا کہ تھا شبیہِ اَلم، سر بہ سر نشاں ڈوبا تھا خوں سے پنجۂ پُر نورِ دُر فشاں
چھپ جاتا تھا پھریرے میں یوں کانپ کانپ کے
روتا ہے جس طرح کوئی مُنھ ڈھانپ ڈھانپ کے

سمجھے یہ سب کہ بازوئے عباسؑ کٹ گئے ۱۴۴ سیدانیوں کے غم سے لہو، اور گھٹ گئے
بچوں کے ننھے ننھے جگر، غم سے پھٹ گئے   رنگ اُڑ گئے رُخوں سے، کلیجے اُلٹ گئے
ہر دل پہ برقِ رنج و غم و یاس گر پڑی
بچوں سمیت، زوجۂ عباسؑ گر پڑی

اکبرؑ علَم کو خیمے کے اندر جھکا کے، لائے ۱۴۵ سر اپنا پیٹتے ہوئے گھر میں حسینؑ آئے
چلّاتے تھے کہ بھائی کو بھائی کہاں سے پائے   عاشق نے ساتھ چھوڑ دیا ہائے ہائے ہائے
چھینا اجل نے ہم سے، ہمارے دلیر کو
لو بیبیو ترائی میں رو آئے شیر کو

لپٹی تو تھی علَم سے سکینہؑ جگر فگار ۱۴۶ ہے ہے علیؑ کے لال کی، رانڈوں میں تھی پکار
پرچم پہ یوں لچکتا تھا، پنجہ وہ بار بار   سر پیٹے جس طرح کوئی مظلوم سوگوار
تصویرِ حسرت و الم و یاس بن گیا
رایت بھی، نخلِ ماتمِ عباسؑ بن گیا

زیرِ علَم تھا زوجۂ عباسؑ کا یہ حال ۱۴۷ ماتھا بھرا تھا خاک سے بکھرے ہوئے تھے بال
چلّاتی تھی کہ اے اسدِ کبریا کے لال   میں سر کو پیٹتی ہوں، تمھیں کچھ نہیں خیال
جاتا ہے یوں جہاں سے کوئی آنکھ موڑ کے
مسکن کیا ترائی میں، لونڈی کو چھوڑ کے

مر جائے گی کنیز جو صاحب جدا رہے ۱۴۸ وہ کیجیے کہ خلق میں ذکرِ وفا رہے
ہیں آپ جس جگہ وہیں لونڈی بھی آ رہے   تھوڑی سی جا مرے لیے پائینِ پا رہے
بیٹوں کا قرب چاہتی ہوں، نہ عزیز کا
صاحب کی پائنتی ہو سرہانا کنیز کا

دریا کی ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا تم کو بھا گئی ۱۴۹ جاگے تمام رات کے تھے، نیند آ گئی
صورت تمھیں عروسِ شہادت دکھا گئی   کیا خوش نصیب تھی کہ اجل تم کو پا گئی
ہم تیرہ بخت، ہجر کی راتوں میں روئیں گے
جاگے نصیب قبر کے، آپ اُس میں سوئیں گے

صاحب پکارتی ہے یہ لونڈی، اِدھر تو آؤ ۱۵۰ دامن قبا کا رکھ کے کمر میں عَلم اُٹھاؤ
صورت کوئی نباہ کی میرے بتا کے جاؤ دُنیا تو اب اُجڑ گئی، والی مجھے بلاؤ
جب تم نہ ہو تو، موت ہمارا علاج ہے
صاحب کے ہاتھ، ہاتھ پکڑنے کی لاج ہے

اللہ تھا یہ آج کی شب تک، ہمارا پیار ۱۵۱ اُٹھ اُٹھ کے دیکھتے تھے، مرے مُنھ کو بار بار
میں کہتی تھی کہ سو رہو، اِک آن میں نثار کہتے تھے رو کے، اب یہی صحبت ہے یادگار
فُرقت میں وصل کی سحر و شام پھر کہاں
سونا تو حشر تک ہے، یہ آرام پھر کہاں

میں دل میں کہتی تھی کہ خوشامد کا کیا سبب ۱۵۲ کیا تھی خبر کہ صبح کو بچھڑو گے ہے غضب
صاحب میں دونوں ہاتھوں کو لو، جوڑتی ہوں اب تم جس جگہ گئے ہو مجھے بھی کرو طلب
چھوڑو نہ اِس کو جس کا کوئی آسرا نہیں
صاحب کے سِلسلہ میں کوئی بے وفا نہیں

یہ کہہ کے پیٹنے جو لگی وہ جگر فگار ۱۵۳ زینبؑ نے شاہِ دیں سے کہا رو کے زار زار
وارث کے غم میں ہوتا ہے یہ حال، میں نثار لے جایئے عَلم کو اب اے شاہِ نامدار
ماتم میں اور کوئی مصیبت گزر نہ جائے
ڈر ہے مجھے کہ زوجۂ عباسؑ مر نہ جائے

زینب سے رو کے کہنے لگے سرورِ زمن ۱۵۴ لے کر نشاں کو جائے کہاں، اب یہ بے وطن
اب تو نہ فوج ہے، نہ علم دارِ صف شکن گھر لٹ گیا، علم کو بڑھاؤ، بس اے بہن
لو یہ نشانِ شہِ دُلدُل سوار، لو
پٹکا علم سے کھول لو، پنجہ اُتار لو

جس دم سُنا علم کے بڑھانے کا سب نے نام ۱۵۵ سر اُٹھ کے پیٹنے لگیں سیدانیاں تمام
رایت لِٹا کے خاک پہ، کہنے لگے امام بس الوداع اے علمِ سیدانام
پیاسے گلے کو خنجرِ خوں خوار چاہیے
بس اب مجھے علم، نہ علم دار چاہیے

۱۵۶ پُرخوں علم کے پاس تھے عباسؑ کے پسر تکمے کُھلے تھے کُرتوں کے، تھرّاتے تھے جگر
ماں نے جو طوق اُتارے تھے، اور کان کے گُہر سہما ہوا تھا ایک، تو اک پیٹتا تھا سر
زُلفوں پہ گرد تھی تو رُخوں پر غبار تھا
چہروں سے دردِ بے پدری آشکار تھا

۱۵۷ چھوٹا یہ شہ سے کہتا تھا آنسو بہا بہا بابا ہمارے گھر میں کب آئیں گے، اے چچا
آیا علم پہ اُن کے نہ آنے کی وجہ کیا چھوٹے سے رو کے تب یہ بڑے بھائی نے کہا
امّاں کی مانگ اُجڑ گئی صدمے گُذر گئے
بھیّا تمھیں خبر نہیں بابا تو مر گئے

۱۵۸ دَوڑا یہ سُن کے نہر کی جانب وہ بے پدر روکے پکارے شاہ کہ، بیٹا چلے کدھر
ننھے سے ہاتھ جوڑ کے بولا وہ نوحہ گر بابا کی لاش اُٹھانے کو جاتے ہیں نہر پر
میّت نہ اُٹھ سکے گی تو خالی نہ آئیں گے
دامن میں ہم کٹے ہوئے ہاتھوں کو لائیں گے

۱۵۹ بس اے انیسؔ بس کہ دعا کا ہے یہ مقام ہو مغفرت خلیق کی یاربِ ذوالکرام
مدّاحِ آلِ پاکِ نبیؐ تھا وہ خوش کلام یارب اسی بزرگ کا یہ فیض ہے تمام
بندہ وہ کون سا ہے کہ جو بے قصور ہے
گر بخش دے تو کیا تری رحمت سے دُور ہے

مرثیہ (۱۴)

جاتا ہے شیر بیشۂ حیدر فرات پر ۱ طاری ہے مرگِ خوف ہر اک ذی حیات پر
صدمہ عجب ہے بادشہِ کائنات پر آنکھوں سے اشک بہہ رہے ہیں بات بات پر
بجھتا ہے وہ جو قبرِ علیؑ کا چراغ ہے
جو حال ہو بجا ہے کہ بھائی کا داغ ہے

صابر کا ہے یہ حال کہ مشکل ہے ضبطِ آہ ۲ فرماتے ہیں کہ تھام کے بندے کو یا الٰہ
کیا مرحلہ ہے سخت (الف) یہ کیوں کر کٹے گی راہ بھائی مرا یہی، یہی لشکر، یہی سپاہ
آخر بشر ہوں میں جو نہ روؤں تو کیا کروں
تیغِ علی کو ہاتھ سے کھوؤں تو کیا کروں

دوری کا غم ہے کیوں نہ بہیں اشک متصل ۳ پالا ہے بر میں آہ تجھے کس طرح سے دل
اعضا کو توڑے دیتا ہے یہ دردِ جاں گسل اے موت آ کہ روحِ علیؑ سے نہ ہوں خجل
رخصت کا حرف لب پہ بھی لایا نہ جائے گا
مجھ سے تو یہ پہاڑ اُٹھایا نہ جائے گا

یہ نوجواں بضاعتِ حیدر ہے یا کریم ۴ حمزہؑ مرا یہی، یہی جعفرؑ ہے، یا کریم
پیارا پسر سے بھی یہ برادر ہے یا کریم یوں سب ہیں پر اسی سے مرا گھر ہے یا کریم
بازو یہی ہے ہاتھ مرے اس کے ہاتھ ہیں
میں جانتا ہوں شیرِ خدا میرے ساتھ ہیں

زینبؑ کے لال مر گئے لشکر بچھڑ گیا ۵ سہرا دکھا کے قاسمِ بے پر بچھڑ گیا
وہ کیا شہید ہو گئے سب گھر بچھڑ گیا پھر میں نہیں اگر یہ برادر بچھڑ گیا
اِس معرکہ میں ذبح ہوں پہلے تو عید ہو
سبطِ نبیؐ کے بعد یہ بھائی شہید ہو

حضرت اِدھر تڑپتے ہیں تھامے ہوئے کمر ۶ عباسؑ بیبیوں سے ہیں رخصت طلب اُدھر
لائی ہے سوکھی مشک سکینہ بہ چشمِ تر فرماتے ہیں بھتیجی کا منھ چُوم چُوم کر
پہلے تھا ذکرِ آب تسلی کے واسطے
اب جاکے پانی لاتے ہیں بی بی کے واسطے

کہتی ہے خشک ہونٹ دکھاکر وہ لالہ فام ۷ اب عموجان مجھ میں نہیں طاقتِ کلام
اصغرؑ کو لے کے ہاتھوں پہ بانوئے نیک نام فرماتی ہیں کہ مرتا ہے، ہے ہے یہ تشنہ کام
دکھلاؤ اس کا حال شہِ نامدار کو
ہچکی لگی ہوئی ہے مرے شیرخوار کو

کرتے ہیں عرض حضرتِ عباسِ نامدار ۸ بچوں پہ جان دینے کو حاضر ہے جاں نثار
پر کیا کروں رضا جو نہ دیں شاہِ ذی وقار چلئے پسر کو لے کے وہاں بہرِ کردگار
رخصت میں سعی کیجیے کہ ہو نام آپ کا
وہ کام ہے غلام کا، یہ کام آپ کا

کچھ سوچ کر یہ کہنے لگی وہ شکستہ حال ۹ کیا کہتے ہو نہ بھائی یہ میری نہیں مجال
جیتا ہے تم کو دیکھ کے خیرالنسأؑ کا لال نیکی بدی ہو کچھ تو کہیں شاہِ خوش خصال
بانو نے مرتضٰیؑ کی کمائی کو کھو دیا
بچوں کے واسطے مرے بھائی کو کھو دیا

زینبؑ یہ بولیں آپ کا وسواس ہے بجا ۱۰ کیوں کر دلادے بھائی سے ان کو کوئی رضا
پانی بھی مل رہے گا صغیروں کا ہے خدا تنہا نہ ہوں جہاں میں شہنشاہِ کربلا
موقع نہ سعی کا ہے نہ مشکل کشائی کا
یہ چل بسے تو کون ہے پھر میرے بھائی کا

کہنے لگی یہ زوجۂ عباسؑ خوش صفات ۱۱ بی بی بھلا یہ کون سے وسواس کی ہے بات
مشکیزہ لے کے گر یہ نہ جائیں سوئے فرات پھر ننھے ننھے بچوں کی کس طرح ہو حیات
ہر وقت کبریا سے طلب گارِ خیر ہوں
آگے جو کچھ سبھوں کی رضا ہیں تو غیر ہوں

جس جا حسین بیٹھے تھے عریاں سر کئے ۱۲ واں خود گئے بھتیجی کو آغوش میں لئے
کی عرض تا کجا کوئی خونِ جگر پئے پانی کہیںؑ سے آئے تو یہ جاں بہ لب جئے
ہچکی لگی ہے اصغرِ ناشاد کام کو
مولا بس اب نہ روکئے اپنے غلام کو

فرمایا میری مرگ گوارا کرو تو جاؤ ۱۳ مشکیزہ بھر کے چاند سی چھاتی پہ زخم کھاؤ
اچھا سکینہ جس میں خوشی تم ہمیں رُلاؤ یہ کیا سکھا کے لائی ہو بی بی اِدھر تو آؤ
ثابت ہوا کہ ہاتھ سے عمو کو کھوؤ گی
پانی کو اب تو روتی ہو پھر ان کو روؤ گی

انجام کی خبر نہیں کچھ تم کو ہائے ہائے ۱۴ یہ اُودے اُودے ہونٹ انھیں تم نے کیوں دکھائے
خیر اب دُعا کرو کہ یہ اعدا پہ فتح پائے دولت ولیِ حق کی مرے ہاتھ سے نہ جائے
جب مشک بھر کے دوش پہ یہ نیک خو رکھے
دریا کا معرکہ ہے، خدا آبرو رکھے

گردن جُھکا کے شرم سے بولی وہ مہ جبیں ۱۵ پوچھیں حضور میں نے کچھ ان سے کہا نہیں
اصغر کو لائیں گود میں جب بانوؑئے حزیں ہاں مشک دی قصور یہ ہے یا امامِ دیں
مجرم جو لب پہ حرفِ شکایت بھی آئے ہوں
لیجیے قسم زباں کے جو کانٹے دکھائے ہوں

یہ سن کے گود میں لیا اُس تشنہ کام کو ۱۶ عباسؑ خم ہوئے شہِ دیں کے سلام کو
باقی رہی نہ ضبط کی طاقت امام کو لپٹا لیا برادرِ عالی مقام کو
حالت جو غیر ہوگئی زہراؑ کے جائے کی
قبرِ علیؑ سے آئی صدا ہائے ہائے کی

بوسہ قدم پہ دے کے وہ شیرِ ژیاں چلا ۱۷ غُل پڑ گیا کہ یاورِ شاہِ زماں چلا
چلّائے اہلِ بیت کہ راحت رساں چلا لو فاطمہؑ کے گھر سے علیؑ کا نشاں چلا
سادات کس بلا میں گرفتار ہوگئے
ہے ہے حسینؑ بے کس و بے یار ہوگئے

اللہ رے رعب آمدِ عباسؑ عرش قدر ۱۸ سینوں میں دل چھپے ہوئے تھے جوشنوں میں صدر
غل ہے قریب تر ہے سپہرِ وغا کا بدر زہرے ہلے آب گھاٹ سے بھاگے ہیں اہلِ غدر
آتا ہے ابنِ ضیغمِ یزداں لڑائی کو
شیروں نے ڈر کے چھوڑ دیا ہے ترائی کو

لشکر میں ایک ایک کو ہے زندگی سے یاس ۱۹ ڈر سے کسی کے ہوش ٹھکانے ہیں نہ حواس
وہ دُور دُور سب ہیں، صفیں تھیں جو پاس پاس آمد میں شیر کی بھی یہ ہوتا نہیں ہراس
غل چار سو یہ ہے کہ قدم سرکے جاتے ہیں
گھوڑے بھگاؤ حضرتِ عباسؑ آتے ہیں

وہ عازمِ وغا ہے جو شیروں کا شیر ہے ۲۰ روتا ہے دل کے بھائی سے بھائی، یہ دیر ہے
زور آوری سے اس کی تہمتن بھی زیر ہے جرار ہے، شجاعِ جہاں ہے، دلیر ہے
لرزہ ہے ان کے تن میں جو مردِ نبرد ہیں
شیروں کے ہاتھ پاؤں ترائی میں سرد ہیں

رَن سے قدم اُٹھائے ہوئے ہیں سرانِ فوج ۲۱ مانندِ پیر کانپ رہے ہیں جوانِ فوج
دہشت سے منہ چھپائے ہیں تیغیں میانِ فوج دامن لپٹتے ہیں کمر سے نشانِ فوج
رایت تمام خوف سے تھرّائے جاتے ہیں
لشکر کے بھاگنے کے نشاں پائے جاتے ہیں

نِکلا حرم سرا سے جو وہ آسماں حشم ۲۲ نصرت نے گرد پھر کے لئے بوسۂ قدم
شوکت وہ اس جناب کی وہ رفعتِ علم پنجے کی ضَو سے برق چمکتی تھی دم بہ دم
ذرّوں سے شرمگیں تھے گہر لعل سنگ سے
صحرا زمرّدی تھا پھریرے کے رنگ سے

وہ ضَو علم کی وہ رُخِ عباسؑ نامور ۲۳ رکھے تھا ہاتھ چہرے پہ خورشیدِ خیرہ سر
پنجہ ادھر علم کا رُخِ پُرضیا ادھر دو نورِ سرمدی تہ و بالا تھے جلوہ گر
یکتا وہ زرق برق میں یہ آب و تاب میں
تھا فرق ایک نیزے کا دو آفتاب میں

پنجے سے نورِ پنجتنی آشکار ہے ۲۴ پرچم پہ طرّۂ سرِ حوّرا نثار ہے
دامن بھی ابرِ رحمتِ پروردگار ہے پہونچا جو اس کے سائے میں وہ رستگار ہے
کشتی کا بادباں ہو تو کوثر پہ جا لگے
طوبیٰ نہال ہو اگر اُس کی ہوا لگے

ناگاہ غل ہوا فرسِ تیز گام لاؤ ۲۵ آیا علیؑ کا سروِ رواں خوش خرام لاؤ
ہاں رخشِ تیز رَو کو بہ صد اہتمام لاؤ اسپِ گراں رکاب و مرصع لجام لاؤ
ہے انتظار ابرشِ آہو شکار کا
بیٹا سوار ہوئے گا دُلدل سوار کا

آیا فرس سجا ہوا کس ترک و تاز سے ۲۶ سُرعت کا قافلہ نکل آیا حجاز سے
رکھتا تھا پاؤں خاک پہ اس امتیاز سے جیسے پری چمن میں خراماں ہو ناز سے
فوق اس کو تھا ہمائے سعادت نشان پر
سُم تھے زمین پر تو دماغ آسمان پر

وہ تھوتھنی کہ غنچۂ سوسن سے تنگ تر ۲۷ وہ انکھڑیاں خجل ہوں ہرن جن کو دیکھ کر
کیلیں نجومِ نعل ہلال اور سُم قمر باریک جلد سینہ کشادہ بلند سر
کھاتی تھی ہر پری بھی قسم اس کی جان کی
غصہ تھا یہ کہ تنگ ہے وسعت جہان کی

دُلدل نژاد، برق تجلی، براق سیر ۲۸ دریا میں موج، دشت میں آہو، ہوا میں طیر
اَسوار دم دلاسے سے، گر پھیر لے تو خیر گر سانس لی تو دم بھی نہ لے پھر فلک بغیر
سرعت غضب ہے گرکہ وہ بے آب و دانہ ہے
اس کو تو نبض کی حرکت تازیانہ ہے

سایہ کا اس کے دھوپ میں سرعت سے تھا یہ حال ۲۹ وحشت میں جس طرح سے بھرے چوکڑی غزال
گہ بر میں، گاہ بحر میں، گاہے سوئے جبال گم کردہ آشیاں تھا عقابِ کشادہ بال
سایہ نہ تھا ہمائے سعادت پناہ تھا
گویا ہوا کے زور میں شاہیں تباہ تھا

وہ شوخیاں فرس کی وہ سرعت وہ آؤ جاؤ ۴۰ سو حسن تھا فقط جسے ہیکل کا اک بناؤ
جب چاہو سیر عالمِ امکاں کی کر آؤ تازی ہو روح پاؤ قدم میں وہ لطف پاؤ
رفعت میں پست حوصلہ کبکِ دری کا تھا
چھل بل ہرن کی تھی تو جھمکڑا پری کا تھا

لو اب سوار ہوتے ہیں عباسِ نام ور ۴۱ لو دامنِ قبا نے لیا بوسۂ کمر
لو ہٹ کے ہاتھ آپ نے رکھا ایال پر لو آفتاب خانۂ زیں پر ہے جلوہ گر
برچھا لیا سمند کو زانو میں داب کے
لو دو ہلال بن گئے حلقے رکاب کے

بڑھنے میں حرفِ ہاں جو دہن سے نکل گیا ۴۲ وحشی غزال دشتِ ختن سے نکل گیا
لشکر گلوں کی بو کا چمن سے نکل گیا جھونکا نسیم کا تھا کہ سن سے نکل گیا
طاؤس کیا کہ برق بھی شرما کے رہ گئی
پچھلے سموں کی گرد نظر آ کے رہ گئی

گھوڑا اُڑا کہ ہو گئی سرعت ہوا کی گرد ۴۳ بوئے چمن تھی یا قدمِ بادِ پا کی گرد
جا پہونچی تا بہ فرقِ ثریا ترائے کی گرد اُڑ کر سرِ فلک پہ گئی کربلا کی گرد
خورشید کی ضیا تھی سموں کے نشان پر
نخوت سے تھا زمیں کا دماغ آسمان پر

شوکت وہ اس فرس کی وہ عباسؑ کی نمود ۴۴ پڑھتا تھا کوئی شخص تبارک، کوئی درود
غل تھا کہ ہر ثنا ہے پئے واجب الوجود کیا ان کے سامنے کسی انساں کی ہست و بود
سب کے گلوں میں ان کی غلامی کا طوق ہے
یہ وہ بشر ہیں جن کو ملائک پہ فوق ہے

پیدا تھا مثلِ حیدرِ کرار رعبِ حق ۴۵ چمکا جو نورِ عرش بنا خاک کا طبق
رخسار تھے کہ سورۂ والشمس کے ورق از بر تھا خط کو آیۂ واللیل کا سبق
موتی کی آگے دانتوں کے کچھ آبرو نہ تھی
سورہ تھا نور کا وہ بیاضِ گلو نہ تھی

۳۶ ساعد تھے صاف ساعدِ پُرنورِ شیرِ رب — وہ ہاتھ کارِ خیر رہا، جن سے روز و شب
شانے وہ جن میں شانِ نشانِ شہِ عرب — بازو وہ جن میں قوتِ دستِ خدا تھی سب
پہلو میں قلب وہ جو ہمیشہ کھڑا رہا
سینہ وہ صدر تھا جو وفا سے بھرا رہا

۳۷ اسلام و دین و ملت و ایمان و اعتقاد — شان و شکوہ و صولت و عدل و نہیب و داد
خوف و رجا و آرزو و مطلب و مراد — اشفاق و رحم و دوستی و خلّت و وداد
اندوہ و درد و رنج و مطیعانِ نو میں تھے
سب غاشیہ" بدوش فرس کی جلو میں تھے

۳۸ کہتی تھی فتح خاکِ درِ بوتراب ہوں — شوکت کا قول تھا کہ مطیعِ جناب ہوں
دعویٰ تھا قہر کو کہ علیؑ کا عتاب ہوں — نصرت کا ادّعا تھا کہ میں کامیاب ہوں
فلقے سے تھے پہ صبر بھی مُنھ موڑتا نہ تھا
ہر گام پر ثبات قدم چھوڑتا نہ تھا

۳۹ تھی کہکشاں کمندِ عدو بندِ شیرِ نر — تلوار وہ ہلال کٹے جس کو دیکھ کر
خُود آفتاب تھا تو جبینِ مبیں قمر — مہتاب آسمانِ ظفر، آہنی سپر
رُخ کے عرق سے نُور کے قطرے ٹپکتے تھے
حلقے نہ تھے زرہ میں ستارے چمکتے تھے

۴۰ سینہ ہے آسماں کا اسی دن سے نیلگوں — نیزے کی نوک سے جگرِ آفتاب خوں
تھا ماہِ نو بھی جس کے چم و خم سے سرنگوں — ابروئے حور فتح و ظفر تھا کماں کا نوں
دہشت سے گوشہ گیر رئیسانِ شام تھے
ترکش کے سارے تیر اجل کے پیام تھے

۴۱ چہروں سے رنگ اُڑ گئے تھرا گئے جگر — نیزہ زمیں میں گاڑ کے گونجا جو شیرِ نر
جس کے جواب میں فُصَحا نے جھکائے سر — نکلے رجز میں خشک زباں سے وہ شعرِ تر
غل تھا زبانِ ناطقہ، الکن[12] ہی لال[13] ہے
لاریب[14] فیہ مصحفِ ناطق کا لال ہے

نعرہ یہ تھا کہ گوہرِ بُرجِ شرف ہوں میں ۴۲ فرزندِ صاحبِ شرفِ مَن عرف ہوں میں
فخرِ سلف جو شاہ ہے اس کا خلف ہوں میں اللہ و پنجتن ہیں جدھر اس طرف ہوں میں

رایت سے پیش رو ہوں خدا کی سپاہ کا
پَیرَو ہوں بادشاہِ ہدایت پناہ کا

حیدرؑ کی ذوالفقار سے لاکھوں کے سَر کٹے ۴۳ جوشن میں سینے، سینوں کے اندر جگر کٹے
خیبر میں جبرئیل کے بھی تین پَر کٹے پَریوں کٹے کہ تیغ سے جیسے سِپر کٹے

ضربت کا حال، عمرو دلاور سے پوچھیے
حیدرؑ کا زور مرحب وعنتر سے پوچھیے

بچوں کا ایلچی بھی ہوں اور تشنہ کام ہوں ۴۴ سقائے اہلِ بیتِ رسولِؐ انام ہوں
شبّیرؑ کی سِپر ہوں علیؑ کی حسام ہوں شاہوں کا شاہ ہوں شہِ دیں کا غلام ہوں

سینے پہ تیر کھاؤں گا تلواریں کھاؤں گا
یہ مشک آب نہر سے میں لے کے جاؤں گا

یوں تو ہیں تین روز سے بے آب و دانہ سب ۴۵ لیکن قریبِ مرگ ہیں دو طفل تشنہ لب
کیوں آل کو ستاتے ہو بے جرم و بے سبب کچھ مصطفےٰؐ کا پاس نہیں تم کو ہے غضب

دو دن تو بیکسوں پہ عطش میں گذر گئے
کس پر یہ خون ہوگا جو معصوم مر گئے

ہم اپنا سر کٹانے کو حاضر ہیں ظالمو ۴۶ تیغوں میں بھوک پیاس میں صابر ہیں ظالمو
بچے بھی میہماں کے مسافر ہیں ظالمو آثارِ مرگ چہروں پہ ظاہر ہیں ظالمو

گر ہم تمھارے زعم میں تقصیر وار ہیں
پر ان کا کیا قصور ہے جو شیر خوار ہیں

دھوپ یہ خیام کا جلنا یہ گرم بن ۴۷ مُرجھا گیا ہے احمدِ مختار کا چمن
مانندِ غنچہ پیاس سے کھولے ہیں سب دہن پانی بغیر اب نہ جئیں گے وہ گل بدن

گرمی سے ہاتھ پاؤں غریبوں کے سرد ہیں
نیلے ہیں ہونٹ پھول سے رُخسار زرد ہیں

چلّایا شمر تب کہ عبث ہے سوالِ آب ۴۸ دیں گے زبانِ تیغ سے ہم آپ کو جواب
بچّوں کی پیاس سے ہے جو حضرت کو اضطراب پھر کس لئے ہے بیعتِ حاکم سے اجتناب
خیمے سے گھٹنیوں اگر اصغرؑ بھی آئے گا
جُز آبِ تیر پانی کا قطرہ نہ پائے گا

ایسا سخن کبھی جو سُنا تھا نہ کان سے ۴۹ برچھی لگی مگر نہ کہا کچھ زبان سے
جھوما فرس پہ جب شہِ مرداں کی شان سے بس خود بخود اُگلنے لگی تیغ میان سے
نعرہ کیا کہ او سگِ ناپاک دُور ہو
یہ کیا سخن ہے منھ میں ترے خاک دُور ہو

حجت تمام کرنے کی خاطر تھے یہ کلام ۵۰ ظالم شراب خوار کی بیعت کرے امام
سُوکھی ہوئی زباں جو ہلا دے وہ تشنہ کام حاضر ابھی ہوں چشمۂ کوثر کے لاکھ جام
قدرت ہے سب طرح کی امامِ جلیل کو
چاہیں تو وہ سبیل کریں سلسبیل کو

کیا جانے مرتبہ پسرِ فاطمہؑ کا تو ۵۱ عزت بہشت کی ہیں تو کوثر کی آبرو
سردار، بُردبار، نکوکار، نیک خو ان کا عدو خدا و پیمبرؐ کا ہے عدو
جاری ہے فیض فاطمہؑ کے نورِ عین کا
غاصب ہے تو، یہ نہر بھی ہے حق حسینؑ کا

یہ کہہ کے لی نیام سے تیغِ شرر فشاں ۵۲ آواز دی زمیں نے کہ یا حافظِ زماں
شعلے نے الحذر کہا، بجلی نے الاماں دہشت سے تھرتھرا گیا مریخِ آسماں
ثابت ہوا کہ چہرۂ خورشید کٹ گیا
غُل تھا کہ فوجِ شام کا دفتر اُلٹ گیا

بجلی چمک کے ہوتی تھی جب آسماں کے پار ۵۳ پڑھتا تھا عرش آیۂ کرسی کو بار بار
زیرِ زمیں تو گاؤ زمیں کو نہ تھا قرار تھرا رہا تھا [illegible] گیر و دار
غُل تھا علیؑ کی تیغ کا سب رنگ ڈھنگ ہے
جبریلؑ کانپتے تھے کہ خیبر کی جنگ ہے

اقبال و تندرستی و آسائش و قرار ۵۴ امن و امان و صبر و توانائی و وقار
حِلم و سکون راحت و آرام و اختیار　　رعب و ثبات و سرکشی و قدر و اقتدار
آتا ہے قہرِ حق انھیں معلوم ہو گئے
سب تیغ کے چمکتے ہی معدوم ہو گئے

غل تھا چمکتی آتی ہے تیغ اجل چلو ۵۵ ڈر کر کہا اماں نے کہ قبل از جدل چلو
دَب کر صدا غرور نے دی سر کے بل چلو　　بولی سلامتی کہ سلامت نکل چلو
دریا بہے گا خوں کے کنارے فرات کے
دم بھر میں بند ہوئیں گے کوچے نجات کے

ڈھالوں سے شامیوں کے ادھر چھا گئی گھٹا ۵۶ دریا پہ جھوم جھوم کے سب آ گئی گھٹا
ایسا بڑھا یہ ابر کہ شرما گئی گھٹا　　بارانِ تیر دشت میں برسا گئی گھٹا
کُشتوں کو اپنے فوجِ عدو روندنے لگی
جنگل میں برقِ قہرِ خدا کوندنے لگی

چمکی جو تیغ آمدِ قہرِ خدا ہوئی ۵۷ سر پر جو آ گئی تو قیامت بپا ہوئی
سینے سے رُوح جسم سے گردن جُدا ہوئی　　خون میں ڈوب چکی تو نہ پھر آشنا ہوئی
باڑھ اس غضب کی وار وہ اس زور شور کا
دشمن کو اس کا گھاٹ کنارہ تھا گور کا

ہر دم تھی معرکے میں اجل اس کے دم کے ساتھ ۵۸ گرتا تھا خُود کٹ کے برابر علم کے ساتھ
رہتی تھی اس طرح ظفر و فتح خم کے ساتھ　　جیسے ہمیشہ رہتا ہے سکہ دِرم کے ساتھ
ہر دل پہ اس کی شان و جلالت کا نقش تھا
تمغہ نہ کہیے آیہ نصرت کا نقش تھا

بسم اللہ صحیفۂ نصرت تھی اس کی ناب[۱] ۵۹ مانند ذوالفقار گراں قدر انتخاب[۲]
جوہر میں آبرو میں اصالت میں، لاجواب　　وہ قدر وہ خم وہ منھ کی صفائی وہ آب و تاب
اُترے جگر سے جس کے اسی کو خبر نہ ہو
کاٹے گلے ہزار کے اور خوں میں تر نہ ہو

پایا تھا باغیوں نے ثمر یہ دمِ جدل ۶۰ ڈھالوں سے پھول اُگ گئے تھے برچھیوں سے پھل
شاخیں کماں کی توڑتا تھا پنجۂ اجل گرتے تھے سہم کر قدر انداز منھ کے بل
گوشوں کو ڈھونڈتے تھے کماں کش بٹے ہوئے
رتی پہ نخلِ تیر پڑے تھے کٹے ہوئے

گوپالؔ و تیغ و خنجر و گرز و سنان و تیر ۶۱ دو دو تھے پیشِ آئینۂ تیغِ بے نظیر
دم میں یہ صف تمام، اُدھر کا پرا اخیر آفت کا معرکہ تھا قیامت کی دار و گیر
اُڑ کر بھی مرغِ روح کا بچنا محال تھا
جوہر حسام میں تھے کہ لوہے کا جال تھا

یوں مورچوں کو چاٹ گئی تیغِ شعلہ رنگ ۶۲ لوہے کو خاک شور میں کھا جائے جیسے زنگ
کمروں سے کھنچ نہ سکتے تھے خنجر میانِ جنگ جوشن جو کٹ گئے تھے تو چار آئینہ تھے دنگ
تلواریں منھ چھپائے تھیں ضربِ درشت سے
ڈھالیں لپٹ گئی تھیں سواروں کی پشت سے

گرتی تھی کوند کر جو وہ تیغِ شرارہ ریز ۶۳ دوزخ کھلا تھا بند تھے سب کوچۂ گریز
چلنے میں تیغ تیز، فرس تیز، ہاتھ تیز رہ رہ کے گرم ہوتا تھا ہنگامۂ ستیز
کشتہ تھے ایک ضرب میں دو ہوں کہ چار ہوں
ششدر تھے سب کہ موت سے کیونکر دوچار ہوں

کاٹی سپر تو کاسۂ سر تک پہونچ گئی ۶۴ سر پر پڑی تو پیکر کے بر تک پہونچ گئی
بر سے مثالِ برق، جگر تک پہونچ گئی پی کر لہو جگر کا کمر تک پہونچ گئی
بڑھ کر کمر سے زین پر آئی سُرنگ کے
ٹکڑے گرے نہ تھے کہ یہ نیچے تھی تنگ کے

ان کے قدم بھی اُٹھ گئے جو سرگذار تھے ۶۵ ممکن نہ تھا قرار کہ دل بے قرار تھے
بھڑکی تھی آگ نعل در آتش سوار تھے ٹاپیں فرس کی تھیں کہ سروہی کے وار تھے
جاتا تھا یوں غضب میں صفِ اہلِ کید پر
شیرِ ژیاں جھپٹتا ہے جس طرح صید پر

تیغ دو دم سروں سے گذرتی تھی دم بہ دم ۶۶ دوزخ میں فوج شام کی بھرتی تھی دم بہ دم
بڑھتی تھی دم بہ دم تو ٹھہرتی تھی دم بہ دم ندی لہو کی چڑھ کے اُترتی تھی دم بہ دم
ڈر سے جگر بھی آب تھے، زہرے بھی آب تھے
موجیں تھیں دست و پا کی سروں کے حباب تھے

نکلا اُدھر سے جو وہ اجل کا شکار تھا ۶۷ پیدل ہو یا سوار وہ دو تھا یہ چار تھا
کوسوں لہو سے دشتِ ستم لالہ زار تھا بجلی چمک رہی تھی فرس بے قرار تھا
کیا ہو زرہ سے ضرب جب ایسی کڑی لگے
سر یوں برس رہے تھے کہ جیسے جھڑی لگے

رہوار نے وغا میں کہاں رستمی نہ کی ۶۸ شمشیرِ جاں ستاں نے کہاں برہمی نہ کی
مالک سے بے کسی میں کہاں ہمدمی نہ کی سو مرتبہ چلی پہ بُرِش نے کمی نہ کی
دم سے تھا بحرِ خوں کا کنارہ لگا ہوا
جانوں کا گھاٹ پر تھا اتارا لگا ہوا

جس سمت گر کے تیغ کا سایہ گذر گیا ۶۹ پہونچوں سے دونوں ہاتھ اُڑے تن سے سر گیا
خالی ہوئی یہ صف وہ پرا خوں میں بھر گیا گھوڑے سمیت گر کے یہ تڑپا وہ مر گیا
گرتا تھا خود جری پہ جری ماجرا یہ تھا
بسمل بھی لوٹتے تھے برابر مزا یہ تھا

فتح و ظفر تھی غاشیہ گیر و رکابدار ۷۰ دکھلا رہی تھی راہِ عدم تیغِ تابدار
جوہر تھے یا کہ سلسلۂ زلفِ تابدار تلوار بھی ملی تھی بہشتی کو آبدار
اِک شور تھا کہ زیست کا عرصہ قلیل ہے
پیاسو! پیو کہ تیغ کا پانی سبیل ہے

دشمن جو گھاٹ پر تھے وہ دھوئے تھے جاں سے ہاتھ ۷۱ سر اُڑ گئے تنوں سے جدا تھے عناں سے ہاتھ
تڑپا کبھی جگر کبھی چھیدا سناں سے ہاتھ جب کٹ کے گر پڑیں تو پھر آئیں کہاں سے ہاتھ
اب ہاتھ دستیاب نہیں منہ چھپانے کو
ہاں پاؤں رہ گئے ہیں فقط بھاگ جانے کو

سر ہر قدم پہ تھے تنِ کفار سے جُدا ۷۲ قبضہ کماں کا دستِ کماندار سے جُدا
چلّے تھے سر بہ سر لبِ سوفار سے جُدا ڈر سے جُدا ہلاک تھے تلوار سے جُدا
رہگیر کیا کرے جو نہ ترکش میں تیر ہو
چلّاتے تھے کہ چل کے کہیں گوشہ گیر ہو

یوں تھرتھرا رہے تھے ہر اک پہلواں کے پاؤں ۷۳ چلنے میں جیسے کانپتے ہیں ناتواں کے پاؤں
اُٹھ اُٹھ گئے سپاہِ ضلالت نشاں کے پاؤں رن میں جمے رہے تو اسی نوجواں کے پاؤں
ہٹتا بھی ہے جہاد میں حق کا ولی کہیں
عباسؑ بھی ہٹیں جو ہٹے ہوں علیؑ کہیں

جب شیر سے ترائی کی جانب جھپٹ گئے ۷۴ صف آئی صف پہ گھوڑے پہ گھوڑے اُلٹ گئے
اب کیا بڑھیں کہ ڈر سے لہو تن کے گھٹ گئے جن کے قدم جمے رہے سر اُن کے کٹ گئے
حملوں کے بعد تنتے تھے یوں نعرے مار کے
انگڑائی شیر لیتا ہے جیسے ڈکار کے

ہر شے تھی خوفِ ضربتِ شمشیر سے جُدا ۷۵ ناوک کماں سے دُور، کماں تیر سے جُدا
پیرِ حزیں جواں سے، جواں پیر سے جُدا چلّے سمٹ کے ہوتے تھے زہگیر سے جُدا
سارے عقاب، تیر غمِ بے پری میں تھے
پیکاں میں نے سری تھی، نہ پیکاں سری میں تھے

نیزے کو توڑتا ہوا گر کوئی بل بڑھا ۷۶ دریائے قہرِ حق کی طرف پر دغل[18] بڑھا
کچھ ہاتھ کچھ حسام دو دستی کا پھل بڑھا تلوار سر پہ آئی کہ دستِ اجل بڑھا
دو ٹکڑے طول میں جو دمِ امتحاں ہوئے
غل تھا کہ معنیِ یدِ طولیٰ عیاں ہوئے

رُکتی تھی خود پہ، نہ جھلم پہ، نہ ڈھال پر ۷۷ حیرت تھی فوجِ شام کو اس چال ڈھال پر
بالا تھا راستی میں قد اس کا ہلال پر جوہر فروتنی کے بھی تھے اس کمال پر
چشمک یہ دمبدم تھی کہ سرکش ذلیل ہیں
چلتے ہیں جھک کے وہ جو نجیب و اصیل ہیں

گھوڑوں کے دوڑنے سے اُڑی دشت میں جو گرد ۷۸ مقتل بھی زرد تھا فلکِ نیلگوں بھی زرد
جتنے جواں تھے دفترِ مردانگی میں فرد چہرے کٹے ہوئے تھے انھیں کے دمِ نبرد
تصحیح[19] کیسا ہوش میں اک خود غلط نہ تھا
زخمی تھے منھ کہیں اثرِ خال و خط نہ تھا

ہر سمت تھا مقدمہ جانوں کا روبکار ۷۹ آئی تھی موت جائزہ لینے کو بار بار
اسوار بر طرف، تو ندارد رسالہ دار طبلق[20] لئے تھے منشیٔ فوجِ ستم شعار
کیا ابتری سپاہِ ضلالت اثر میں ہے
غل تھا چلو کہ فوج کی بھرتی سقر میں ہے

تسلیم کو جھکے ہوئے تھے باادب نشاں ۸۰ لشکر میں برہمی تھی سلامی تھے سب نشاں
اُٹھتا تھا شور ہاتھ سے گرتے تھے جب نشاں نوبت یہ ہے تو فوج کا مِٹتا ہے اب نشاں
آفت بپا ہے پاؤں تھمے کیا سپاہ کا
سِکّہ پڑا ہے ضربِ علمدارِ شاہ کا

جب اُٹھ کے تیغِ صفدرِ قدسی شرف گِری ۸۱ گویا کہ برقِ سطوتِ شاہِ نجف گِری
آیا اُدھر خدا کا غضب جس طرف گِری کٹ کر گرا پرے پہ پرا صف پہ صف گِری
سیفی چلی کہ سیف صف کارزار پر
گھوڑے گرے پیادہ[21] پہ پیدل سوار پر

آئے جو سوئے نہر صفیں موڑ موڑ کے ۸۲ بھاگے کماں میں تیر عدو جوڑ جوڑ کے
تلواریں پٹکیں خاک پہ دم توڑ توڑ کے بھاگے وفائیں گھاٹ کو سب چھوڑ چھوڑ کے
وہ برچھیاں نہ پھر نہ وہ فتورِ مصاف تھا
جس مورچے پہ تیغ اُٹھائی وہ صاف تھا

وہ رہ گئے کہ زخموں سے جو چور چور تھے ۸۳ جو تھے قریبِ نہر وہ سب دُور دُور تھے
غازی تھے صف شکن تھے جری تھے غیور تھے دریا پہ کوئی اور نہ تھا بس حضور تھے
غل تھا کہ اب بچیں گے نہ ہم اس لڑائی میں
بھاگو کہ شیر گونج رہا ہے ترائی میں

اترا کنارِ نہر جو پہونچا وہ شہسوار ۸۴ خوں پونچھ کر رکھی تہِ راں تیغ آبدار
آئی صدائے حضرتِ الیاسِ باوقار اے نورِ عین ساقیِ کوثر ترے نثار
سر بر ہو کون تیغ پکڑ کر جو تو بڑھے
دھو ہاتھ منھ کہ نہر کی بھی آبرو بڑھے

سقائے اہلِ بیت پکارا بہ چشمِ تر ۸۵ میں ہاتھ دھو کے جان سے آیا ہوں نہر پر
پیاسا ہے تین روز سے مختارِ خشک و تر بچے تڑپ رہے ہیں لہو ہے مرا جگر
طوفاں کا دھیان صاحبِ کشتی کو چاہیئے
بچوں کی پہلے فکر بہشتی کو چاہیئے

ڈالا میانِ نہر جو اسپِ صبا شتاب ۸۶ آنکھیں قدم سے ملنے لگے دوڑ کر حباب
موجیں بڑھیں برائے قدم بوسیِ جناب اچھلیں علم کے چومنے کو ماہیانِ آب
لہروں کی بجلیاں جو برابر چمکتی تھیں
کھلتی تھیں اور حبابوں کی آنکھیں جھپکتی تھیں

پانی سے منھ اٹھائے جو تھا اسپِ سربلند ۸۷ ڈھیلا کیا دلیر نے خود جھک کے زیرِ بند
بولا ہلا کے سر کو سمندِ وفا پسند پیاسا ہے ذوالجناحِ شہنشاہِ ارجمند
حیواں تو ہوں حضور پہ خوش اعتقاد ہوں
میں بھی تو ابنِ فاطمہؑ کا خانہ زاد ہوں

فرمایا آپ نے مرے غم خوار مرحبا ۸۸ ڈگتا نہیں کبھی قدمِ صاحبِ وفا
تو اپنی خانہ زادی کا حق کر چکا ادا بیشک خدا بزرگ ہے صابر کا مرتبا
پانی سے اے فرس تجھے جب اجتناب ہو
سیراب کس طرح پسرِ بوتراب ہو

دریا سے مشک بھر کے جو نکلا وہ تشنہ کام ۸۹ پھر گھاٹ پر گھٹا کی طرح چھائی فوجِ شام
تنہا پہ بے وطن پہ ہوا پھر ہجومِ عام پھر ہر طرف سے چلنے لگے نیزہ و حسام
اک شور تھا کہ بڑھنے نہ دو اس دلیر کو
کشتہ کرو ترائی میں حیدر کے شیر کو

گھوڑا کہیں پھرا کہیں اُڑکر نکل گیا ۹۰ جو ڈر کے گر پڑا وہ سُموں سے کچل گیا
نعروں سے مر گیا کوئی، کوئی دہل گیا صف پھر گئی اُدھر کی جدھر وہ اُچھل گیا
مشکیزہ لے کے لاکھوں سے کبتک وغا کریں
کیوں اے بہادرو کہو عباسؑ کیا کریں

برسے جو دس ہزار کمانوں سے تیر کیں ۹۱ غربال ہو گیا تنِ عباسؑ مہ جبیں
وار اپنا کر گیا جو برابر سے اک لعیں بالائے خاک کٹ کے گرا بازوئے یمیں
مُڑ کر نگاہ کی کہ الٰہی یہ کیا ہوا
اک ہاتھ رہ گیا تھا سو وہ بھی جُدا ہوا

ٹھنڈا جو ہو گیا علمِ شاہِ دیں پناہ ۹۲ عباسِ نامور نے بھری دل سے ایک آہ
دانتوں سے پکڑی مشک کہ محنت نہ ہو تباہ مشکیزے پر بھی تیر لگا وامصیبتاہ
گھوڑے سے ڈگمگا کے بصد یاس گر پڑے
پانی کے ساتھ حضرتِ عباس گر پڑے

اُٹھ بیٹھے گر کے حضرتِ عباسؑ ذی حشم ۹۳ گھٹنے کے نیچے مشک تھی زانو پہ تھا عَلَم
جُھک کر زمیں پہ غش میں جو سنبھلا وہ باکرم گرزِ گراں عقب سے پڑا سر پہ بے ستم
ٹکڑے ہوا جگر اسدِ ذوالجلال کا
سر پاش پاش ہو گیا حیدر کے لال کا

مُڑ کر جو فرطِ غیظ سے قاتل پہ کی نظر ۹۴ مارا کسی نے تیر دلاور کی چشم پر
جھپکی نہ آنکھ واہ رے دل واہ رے جگر تیور جو آئے جھوم کے سنبھلا وہ شیرِ نر
جوشِ غضب میں خاک پہ بیٹھے تھے شیر سے
گویا لہو ٹپکتا تھا چشمِ دلیر سے

شانوں سے سارے جسم کا جب بہہ گیا لہو ۹۵ ریتی پہ تھرتھرا کے جھکے آپ قبلہ رُو
آواز دی کہ آئیے یا شاہِ نیک خو سر تن سے کاٹ لینے کے درپے ہیں کینہ جو
خوں میں تڑپ کے یہ غمخوار رہ نہ جائے
صدمہ یہ ہے کہ حسرتِ دیدار رہ نہ جائے

نکلا حرم سرا سے علمدار کا پسر ۹۶ گورے گلے میں ہنسلیاں تھیں کان میں گہر
چہرے کا رنگ اُڑا ہوا کرتا عرق میں تر کی عرض شہ سے ننھے سے ہاتھوں کو جوڑ کر
شاید خبر نہیں ہے امامِ غیور کو
آقا پدر پکار رہے ہیں حضور کو

ڈیوڑھی سے بلبلا کے سکینہؑ نے یہ کہا ۹۷ ہاں ہاں سُنی تھی میں نے بھی عباسؑ کی صدا
جلدی کسی کو بھیجیے یا شاہِ کربلا اب گھر سے میں نکلتی ہوں ہے (کہتے) مرے چچا
مر جاؤں گی اگر انھیں جیتا نہ پاؤنگی
کیوں کر چچی کو ہائے یہ صورت دکھاؤنگی

حضرت نے آہ کی کہ لرزنے لگی زمیں ۹۸ ناگاہ واں سے بڑھ کے پکارے کئی لعیں
اب جلد سر کٹانے کو آئیں امامِ دیں کہہ دے کوئی کہ مرگئے عباسؑ مہ جبیں
بڑھنے دیا نہ گھاٹ سے آگے دلیر کو
کیا گھیر کر کچھار میں مارا ہے شیر کو

تیروں سے جسم چھن گیا بازو ہوئے قلم ۹۹ اُفتادہ ہے وہ خاک پہ ٹوٹا ہوا عَلَم
آئے ہیں یاں پھریرے کے پُرزے اُڑا کے ہم پانی نہ مشک میں ہے نہ عباسؑ میں ہے دَم
دنیا سے آج اُٹھ گیا حامل نشان کا
کٹتا ہے سر ترائی میں کڑیل جوان کا

سُنتے ہی اِس صدا کے شکستہ ہوئی کمر ۱۰۰ تڑپے، اُٹھے، گرے، نہ سنبھالا گیا جگر
کانپے جو پاؤں تھام لیا بازوئے پسر چلّاتے تھے کہو علی اکبرؑ چلیں کدھر
خورشید کیوں چھپا ہے یہ کیا واردات ہے
کچھ سُوجھتا نہیں ہمیں دن ہے کہ رات ہے

عباسؑ کے پسر سے تو کہہ دو کہ گھر میں جائے ۱۰۱ دیکھو حرم سرا سے سکینہ نکل نہ آئے
نضہ ابھی خبر نہ کسی رانڈ کو سُنائے اکبر اُجڑ گیا مرا گھر ہائے ہائے ہائے
پُرسا تو دوں نجف کی طرف مجھکو موڑ دو
سر پیٹتا چلوں گا مرے ہاتھ چھوڑ دو

یہ روزِ قتلِ حمزہؑ و جعفرؑ ہے اے پسر ۱۰۲ یومِ وفاتِ حضرتِ شبّرؑ ہے اے پسر
یہ ماتمِ شہادتِ حیدرؑ ہے اے پسر صبر اب کہاں یہ داغِ برادر ہے اے پسر
میرا اَلم بتولؑ کی جائی سے پوچھیے
صدمہ جوان بھائی کا بھائی سے پوچھیے

غربت میں لُٹ گیا مرا گھر ہائے ہائے ہائے ۱۰۳ سیدھی نہ ہوگی اب یہ کمر ہائے ہائے ہائے
تازہ ہے آج داغِ پدر ہائے ہائے ہائے کاٹا گیا چھری سے جگر ہائے ہائے ہائے
عباسؑ کیا جہاں سے گئے ہم گزر گئے
محسن ہوا شہید حسنؑ آج مر گئے

کرتا تھا عرض باپ کو تھامے ہوئے پسر ۱۰۴ دل کو ذرا سنبھالیے یا شاہِ بحر و بر
زندہ ابھی ہیں حضرتِ عباسؑ نامور گھبرائیے نہ اب ہے ترائی قریب تر
خادم اُٹھائے گا جسدِ پاش پاش کو
چلیے حرم میں لے کے بہشتی کی لاش کو

جس دم قریب لاش کے لائے حسینؑ کو ۱۰۵ عباسؑ جاں بلب نظر آئے حسینؑ کو
تڑپا وہ شیر سُن کے صدائے حسینؑ کو اکبرؑ نے ہاتھ اُٹھا کے دکھائے حسینؑ کو
دو کوہ غم کے دل پہ جو اک بار گر پڑے
پہلو میں لاش کے شہِ ابرار گر پڑے

بھائی کی لاش بھائی نے دیکھی جو خوں میں تر ۱۰۶ اُمڈا یہ دل کہ منہ کے قریب آگیا جگر
بولے یہ آنکھ کھول کے عباسؑ نامور اکبرؑ سنبھالو قبلۂ عالم کو بیٹھ کر
صدقے ہزار جان امامِ غیور کے
مجھکو اُٹھا کے گرد پھراؤ حضور کے

منہ رکھ کے منہ پہ کہنے لگے شاہِ خوش خصال ۱۰۷ عباسؑ تم کو نزع میں بھی ہے مرا خیال
اے میرے بھائی جان کہو اپنے دل کا حال صفدر نے مسکرا کے کہا شکرِ ذوالجلال
آرام آگیا تپشِ روح و دل گئی
آپ آئے کیا کہ دولتِ کونین مل گئی

مولا نزولِ رحمتِ پروردگار ہے ۱۰۸ اب آمد آمدِ شہِ دُلدل سوار ہے
شبّر کھڑے ہیں راہ میں چشم اشکبار ہے شاید جنابِ فاطمہؑ کا انتظار ہے
قدسی قطار باندھے ہیں ناقوں پہ نور کے
آتے ہیں باغِ خُلد سے نانا حضور کے

کیا بندہ پروری ہے زہے عزّ و افتخار ۱۰۹ لاکھوں برس کی زیست ہے اس موت کے نثار
تھم تھم کے جسم سے جو نکلتی ہے جانِ زار دُشوار ہے مفارقتِ شاہِ نامدار
کیوں کر نہ ایسی مرگ پہ نازاں غلام ہو
ہنگامِ نزع، جس کے سرہانے امام ہو

رونے لگے یہ کہہ کے جو عباسؑ ذی وقار ۱۱۰ فرمایا شہ نے روتے ہو کیوں تم پہ میں نثار
کی عرض اب بدن سے نکلتی ہے جانِ زار غم ہے کہ آپ اکیلے ہیں یا شاہِ نامدار
تلوار کھینچ کھینچ کے لشکر جو آئے گا
اب کون ہے جو قبلۂ دیں کو بچائے گا

کیا بے بسی ہے موت سے لے قبلۂ انام ۱۱۱ باتیں تو تھیں بہت پہ نہیں طاقتِ کلام
بگڑا ہے دم کی آمد و شد کا بھی انتظام کچھ ایسی آبنی ہے کہ مجبور ہے غلام
پاؤں گا اب کہاں میں امامِ غیور کو
جی چاہتا ہے یہ کہ نہ چھوڑوں حضور کو

گھبرا کے نزع میں علی اکبرؑ سے یہ کہا ۱۱۲ اے شاہزادۂ دو جہاں میں ترے فدا
میرا تو کوچ ہے طرفِ گلشنِ بقا فرزندِ فاطمہؑ سے خبردار اک ذرا
گر منع بھی کریں تو اکیلا نہ چھوڑیو
تم تو نثار باپ کو تنہا نہ چھوڑیو

یہ کہہ کے پائے شاہ کی جانب بڑھایا سر ۱۱۳ کانپے لہو بھری ہوئی آنکھوں کو کھول کر
ٹپکے مژہ سے خون کے قطرے اِدھر اُدھر کس یاس سے حسینؑ پہ کی آخری نظر
منکا جری کا ڈھل گیا بھائی کی گود میں
بھائی کا دم نکل گیا بھائی کی گود میں

چلّائے سر کو پیٹ کے سلطانِ بحر و بر ۱۱۴ فریاد ہے کہ مر گئے عباسؑ نامور
بے کس ہوا حسینؑ لُٹی دولتِ پدر آئی صدا علیؑ کی کہ شبیرؑ صبر کر!
فرزند تھا مرا یہ تمھارا غلام تھا
جو حال ہو بجا ہے کہ پیارا غلام تھا

یہ سب شرف ہے تیری غلامی کا اے پسر ۱۱۵ زہراؑ سرہانے لاش کے روتی ہے ننگے سر
جعفرؑ بھی ہیں عقیلؑ و حسنؑ بھی ہیں نوحہ گر ناناؑ تمھارے روتے ہیں تھامے ہوئے جگر
پُرسا تمھیں شہید کا دینے کو آئے ہیں
یہ سب تمھارے بھائی کے لینے کو آئے ہیں

اُٹھ کر پکارے حضرتِ شبیرؑ نامدار ۱۱۶ میں لُٹ گیا دُہائی ہے یا شیرِ کردگار
ہے ہے مرا شفیق مرا یار و غم گسار خدمت گزار عاشقِ صادق وفا شعار
بھائی کا کیا سفر ہوا میں آپ مر گیا
بچے مرے یتیم ہوئے باپ مر گیا

بازو شکستہ ہو گیا ٹوٹی کمر مری ۱۱۷ آنکھیں اُدھر تھیں اس کی جدھر تھی نظر مری
اب بے خبر ہیں کون رکھے گا خبر مری واحسرتا کہ زرہ مری ہے ہے سپر مری
کیوں مجھ سے منھ پھرا لیا تقصیر کیا ہوئی
سب جس سے کانپتے تھے وہ شمشیر کیا ہوئی

یہ کہہ کے گر پڑے شہِ والا بروئے خاک ۱۱۸ تر ہو گئی شہید کے خوں سے قبائے پاک
بیٹا تڑپ گیا کہ پدر ہو گئے ہلاک کر ڈالا دستِ غم سے گریبان چاک چاک
تیور جو آئے گر کے سرِ مشرقین کو
چلّائی فاطمہؑ کہ سنبھالو حسینؑ کو

جلدی عبا اُڑھا کے دلاور کی لاش پر ۱۱۹ اکبرؑ نے عرض شاہ سے کی ہاتھ جوڑ کر
خیمے سے نکلی آتی ہیں رانڈیں برہنہ سر تنہا کھڑا ہے راہ میں عباسؑ کا پسر
آیا وہ گر تو ساتھ سکینہ بھی آئے گی
دیکھی چچا کی لاش تو جیتی نہ جائے گی

فرمایا شہ نے آپ کا مطلب ہے اس سے کیا ۱۲۰ روئے شہ پیاسے بھائی کو مظلومِ کربلا
مجھ سے ابھی تو بچھڑے ہیں عباسؑ باوفا راحت ہو شمر آکے جو کاٹے مرا گلا
ہے ہے ابھی سے رشتۂ اُلفت کو توڑ دوں
کس پر میں ان کی لاش کو جنگل میں چھوڑ دوں

آواز پھر علیؑ کی یہ آئی کہ اے پسر ۱۲۱ تو جا کہ میں تو ہوں ترے بھائی کی لاش پر
ڈیوڑھی پہ غش ہے زوجۂ عباسؑ نامور دونوں غلام زادے تمہارے ہیں نوحہ گر
صدمے جہاں میں بے پدری کے عظیم ہیں
اک سوگوار رانڈ ہے اور دو یتیم ہیں

ناچار لاش چھوڑ کے اُٹھے امامِ دیں ۱۲۲ مشک و علم کو لے کے چلے اکبرِ حزیں
کوتل تھا ساتھ اسپِ علمدارِ مہ جبیں باگیں کٹی تھیں تیغوں سے ڈھلکا ہوا تھا زیں
لٹکی ہوئی تھی تیغ و سپر بھی دلیر کی
پُرخوں زرہ سمند پہ رکھی تھی شیر کی

ماتھا لہو سے ڈوبا ہوا، تھوتھنی فگار ۱۲۳ سینہ بھی سب چھنا ہوا گردن بھی زخمدار
گردن جھکا کے تکتا تھا دریا کو بار بار یعنی پڑا ہے دشت میں تنہا مرا سوار
خادم برہنہ سر لئے آتا ہے اس طرح
دُلدُل کو لوگ لاتے ہیں مجلس میں جس طرح

صدمے سے تھی علم کی بھی ٹوٹی ہوئی کمر ۱۲۴ چھینٹیں تھیں خوں کی سبز پھریرے پہ سر بسر
پرچم پہ یوں جھکا ہوا پنجہ تھا خوں میں تر جس طرح پیٹتا ہے کوئی سوگوار سر
پیدا تھی ہر قدم کی علامت نشان سے
پیٹو کہ اُٹھ گیا مرا مالک جہان سے

پہونچے حسینؑ خیمۂ اقدس کے جب قریں ۱۲۵ آگے بڑھے جھکا کے علم اکبرِ حزیں
دوڑا تڑپ کے دلبرِ عباسؑ مہ جبیں چلّایا کیا غضب یہ ہوا یا امامِ دیں
کوتل ہے کیوں فرس مرے بابا کدھر گئے
سر پیٹ کر حسینؑ پکارے کہ مر گئے

آیا حرم میں مضطر و نالان و بے قرار ۱۲۶ یہ سُن کے ننگے پاؤں پھرا وہ جگر فگار
چلّایا چاک کر کے گریباں وہ سوگوار   مادر پکاری خیر تو ہے تم پہ میں نثار
پانی کو جو سدھارے تھے وہ خوں میں تر ہوئے
اماں اُڑاؤ خاک کہ ہم بے پدر ہوئے

اے پردے والو ڈیوڑھی سے ہٹ جاؤ اک ذرا ۱۲۷ پردہ اُلٹ کے خیمہ کا فضہ نے دی صدا
مارے گئے جہاد میں عباس باوفا   لاتے ہیں گھر میں مشک و علم شاہِ کربلا
موت آئی ان کو پیاسوں کی تقدیر سو گئی
ہے ہے علیؑ کی چھوٹی بہو رانڈ ہو گئی

رانڈوں کے دل اُلٹ گئے تھرّا گئے جگر ۱۲۸ خیمے میں حشر ہو گیا سنتے ہی یہ خبر
غش کھا کے گر پڑی کوئی کھولا کسی نے سر   ماتم کی صف پہ بیٹھ گئی کوئی نوحہ گر
ہے ہے کا غل ہوا کہ سکینہ اچھل پڑی
حجلے سے بال کھولے دُلہن بھی نکل پڑی

کھولے سروں کو زیرِ علم آئے سب حرم ۱۲۹ اکبر نے آ کے گاڑ دیا صحن میں علم
لو زینبؑ اپنے بھائی کو رو آئے رن میں ہم   حضرت پکارے پیٹ کے زانو بہ دردِ غم
جیتے رہے تھے اس الم و یاس کے لئے
رنڈ سالہ لاؤ زوجۂ عباسؑ کے لئے

بکھرا دئے حسینؑ کی بہنوں نے سر کے بال ۱۳۰ برپا ہوا یہ حشر کہ ہے ہے علیؑ کے لال
مٹی پہ لوٹنے لگے اطفالِ خرد سال   بیٹی پچھاڑیں کھا کے جو بانوئے خوش خصال
فق ہو گیا سکینہؑ کا منہ سانس اُلٹ گئی
پھیلا کے ننھے ہاتھ علم سے لپٹ گئی

چلاتی تھی کدھر گئے ہے ہے مرے چچا ۱۳۱ منہ دامنِ علم سے چھپائے بصد بکا
مشکیزہ کیوں دیا تھا یہ سب ہے مری خطا   اس خوں بھرے علم کے میں قربان میں فدا
بابا اکیلے ہو گئے آفت گذر گئی
ہے ہے یہ پانی مانگنے والی نہ مر گئی

اللہ رے دل خراشی علیؑ کی بہو کے بین ۱۳۲ سکانِ آسمان و زمین کو بھی تھا نہ چین
چادر پڑی تھی منھ پہ کہ تھے سامنے حسینؑ تھامے تھی ہاتھ خواہرِ سلطانِ مشرقین
ٹکڑے تھے تیغِ غم سے دلِ سوگوار کے
حکمِ حیا یہ تھا کہ نہ رونا پکار کے

کچھ سوچ کر جو ہٹ گئے واں سے امامِ دیں ۱۳۳ اس وقت ہاتھ اُٹھا کے علم کی بلائیں لیں
منھ کر کے سوئے نہر پکاری وہ دل حزیں صاحب حسینؑ روتے ہیں تم کو خبر نہیں
جنگل بسا دیا شہِ والا کو چھوڑ کے
صاحب کدھر چلے گئے آقا کو چھوڑ کے

صاحب سکینہ جان بلکتی ہیں آئیے ۱۳۴ کانٹے زباں کے دیکھ کے آنسو بہائیے
صدقے گئی بھتیجی کو پانی پلائیے قربان جاؤں مشک بھری ہو تو لائیے
اُلفت کے دلدہی کے منافی نہ چاہیئے
صادق ہیں آپ وعدہ خلافی نہ چاہیئے

کل تھی سہاگن آج تو میں سوگوار ہوں ۱۳۵ بیوہ ہوں جاں بلب ہوں غریب الدیار ہوں
جانِ علیؑ ہیں آپ تو میں جاں نثار ہوں ہاں ناز ہے تو یہ ہے کہ خدمت گزار ہوں
جنگل میں چھوڑیئے نہ مجھے ہاتھ تھام کے
بیٹے ہیں آپ امام کے بھائی امام کے

والی کہاں یہ رانڈ یتیموں کو لے کے جائے ۱۳۶ اس کربلا نے لوٹ لیا مجھ کو ہائے ہائے
اب گھر سے کام کیا جو رضا سوگوار پائے سر پیٹتی ہوئی لبِ دریا کنیز آئے
کیا اس کی زندگی جسے وارث سے یاس ہو
میری بھی قبر آپ کی تربت کے پاس ہو

ہے ہے علم کے ملنے کی شادی کہوں میں کیا ۱۳۷ خھر ان کو مل گئے علمِ سبز کیا بلا
باہر سے پہلے آکے مرے پاس یہ کہا تھی جس کی آرزو ہمیں عہدہ وہی ملا
صدقے سے شہ کے جعفرِ طیار ہم ہوئے
صاحب تمھیں خبر ہے علمدار ہم ہوئے

میں نے بلائیں لے کے پس از تہنیت کہا ۱۳۸ آقا کو اور تم کو سلامت رکھے خدا
سردار فیض بخش، علمدار باوفا بولے یہ سب حسینؑ کی ہے شفقت و عطا
کیا کیا نوازشیں ہیں امامِ غیور کی
لے آؤ تم بھی جا کے بلائیں حضور کی

کہتے تھے شب کو بھر کے دمِ سرد دمبدم ۱۳۹ تم ہم کو چاہتی ہو تمھیں چاہتے ہیں ہم
سو سر خدا جو دے تو نثارِ شہِ اُمم گر ہے تو بس تمھاری جُدائی کا ہے الم
کل ہم ہیں اور خنجر و شمشیر و تیر ہیں
اس کا بھی غم بڑا ہے کہ بچے صغیر ہیں

کیسی یہ غفلت آج ہے اے شیرِ حق کے لال ۱۴۰ بچوں کو اب نہ فکر نہ لونڈی کا ہے خیال
بھاتی تھی جس کے بالوں کی بُو آپ کو کمال اس نے تمھارے سوگ میں کھولے ہیں سر کے بال
اب وصل کے نہ دن نہ شبیں اشتیاق کی
کیونکر کٹیں گی دشت میں راتیں فراق کی

صاحب تمھیں تو سونے کو ہاتھ آئی خوب جا ۱۴۱ دریا کا قُرب سرد ترائی خُنک ہوا
میں اور آپ آج کی شب تک نہ تھے جُدا بستر کو خالی دیکھ کے گذرے گی مجھ پہ کیا
تڑپوں نہ کس طرح کہ نئی واردات ہے
صدقے گئی فراق کی یہ پہلی رات ہے

ہے ہے مرے نصیب کہ تم سے بچھڑ گئی ۱۴۲ غم ہے کہ کیوں نہ میں دمِ رخصت بگڑ گئی
کن ماحتوں میں تھی کہ مصیبت یہ پڑ گئی والی مجھے بلاؤ کہ دنیا اُجڑ گئی
کیا راہ و رسم ہے یہی دنیائے زشت میں
لونڈی تو قید خانہ میں صاحب بہشت میں

کیوں کر کہوں کہ آپ میں مہر و وفا نہ تھی ۱۴۳ میری ہی خاک قابلِ خاکِ شفا نہ تھی
اتنا گلہ ہے بس کہ یہ غفلت روا نہ تھی کیا پائنتی بھی اک مری تُربت کی جا نہ تھی
بے وجہ خیر خواہ سے منھ موڑتے نہیں
ساتھی بُرا بھی ہو تو اسے چھوڑتے نہیں

یوں منھ کو موڑنا تو طریقِ وفا نہیں ۱۴۴ صدقے گئی مِرا تو کوئی آسرا نہیں
کیوں کر تھمے جہاز موافق ہوا نہیں منجدھار میں تو ناؤ ہے اور نا خدا نہیں
دیتی ہوں واسطہ میں شہِ مشرقین کا
والی مجھے نبا ہیے صدقہ حسینؑ کا

صاحب تمھیں سکینۂ ناشاد کی قسم ۱۴۵ صاحب تمھیں مصیبتِ سجّاد کی قسم
تم کو حسین کشتۂ بے داد کی قسم تم کو ہمارے نالۂ و فریاد کی قسم
جب تم نہ ہو تو خاک ہے دنیائے زشت میں
مجھ کو بھی اپنے پاس بلالو بہشت میں

یہ کہہ کے پیٹنے جو لگی سر وہ سوگوار ۱۴۶ ڈیوڑھی پہ آئے روتے ہوئے شاہ نامدار
بھاوج کے ہاتھ تھام کے بولے بحالِ زار بس بس خدا کو یاد کر اب اے جگر فگار
انجام کار سب کے لیے مرگ و گور ہے
بی بی خدا سے کیا کسی بندہ کا زور ہے

بس اے انیس طول کی آگے نہیں ہے تاب ۱۴۷ طاری ہے ضعف دیتی ہے طاقت بھی اب جواب
بلواؤ خاکسار کو یا ابن بو تراب ڈر ہے کہ ہند میں مری مٹی نہ ہو خراب
جلوہ رہے مزار پہ مولا کے نور کا
خاکِ شفا میں قبر ہو صدقہ حضور کا

مرثیہ (۱۵)

جب آبِ رواں بند ہوا فوجِ خدا پر ۱ فاقے کئی گذرے شہِ دیں کے رفقا پر
زغہ ہوا دسویں کو امامِ دوسرا پر پیاسوں کا لہو بہنے لگا خاکِ شفا پر
پھولا تھا چمن دشت میں اولادِ علیؑ کا
باجوں کا اُدھر غل تھا، اِدھر نادِ علیؑ کا

خاروں کی طرح گرد کھڑی تھی سپہِ شام ۲ کس شان سے تھا بیچ میں گُل دستۂ اسلام
تھا شور کہ پیاسوں کو نہ پانی کا ملے جام سب تشنہ دہن قتل ہوں، زہراؑ کے گُل اندام
سادات کو ہاں نیزۂ و شمشیر سے مارو
بچہ بھی جو آئے تو اُسے تیر سے مارو

یہ شیر ہیں آغوشِ یداللہ کے پالے ۳ جو سب سے زبردست ہو، ہاتھ اُن پہ وہ ڈالے
گھیرے رہیں، پیاسوں کو سواروں کے رسالے نزدیک سے تلواریں، چلیں دُور سے بھالے
ہاتھ آئے گا اس خوں کا صلہ تیغ زنوں کو
دم لینے کی مُہلت نہ ملے بے وطنوں کو

دریا کو جو دیکھے کوئی پیاسا تو، چلیں تیر ۴ ہیں اُن کے گلے قابلِ آبِ دمِ شمشیر
نازاں ہے بہت اپنے علمدار پہ شبیرؑ دنیا سے مٹادو اسداللہ کی تصویر
ایک عشق ہے ہم شکلِ رسولِ مدنیؐ سے
چھید و جگر اس چاند کا برچھی کی انی سے

قاسمؑ کو سمجھتے ہیں برادر کی نشانی ۵ ہاں بھائیو برباد کرو اس کی جوانی
فرزندوں کو زینبؑ کے نہ دینا کہیں پانی یہ شیر ہیں کونین میں ان کا نہیں ثانی
تیغ ان کے بزرگوں کی ہزاروں پہ چلی ہے
اک جعفرِ طیار ہے اور ایک علیؑ ہے

کس شان سے ہیں نیمچے ہاتھوں میں سنبھالے ۶ بگڑیں تو بہا دیں یہ ابھی خون کے نالے
کاندھوں پہ بھلے لگتے ہیں کیا چھوٹے سے بھالے زخمی ہوں کسی پیچ سے یہ گیسوؤں والے
تلواروں سے پھر بچ کے کدھر جائیں گے شبیرؑ
زینبؑ نکل آئے گی تو مر جائیں گے شبیرؑ

واں ظلم پہ باندھے تھا کمر لشکرِ کفار ۷ تھوڑے سے جواں یاں کے بھی تھے مرنے پہ تیار
ذی قدر جواں مرد خوش اطوار وفادار خاصانِ خدا متقی و زاہد و ابرار
آغوشِ محمدؐ کا مکیں اُن کی طرف تھا
دنیا تو اُدھر جمع تھی دیں ان کی طرف تھا

تھا فتح کے سورہ کا مفسر کوئی ذی جاہ ۸ پڑھتا تھا کوئی آیۂ نصرت طرفِ شاہؑ
کہتا تھا کوئی ہنس کے توکّلتُ علی اللہ بولا کوئی اب جلد کٹی جاتی ہے یہ راہ
گو رحم نہ یہ لشکرِ نا اہل کرے گا
اِس پیاس کی سختی کو خدا سہل کرے گا

تھا سورۂ کوثر کسی پیاسے کی زباں پر ۹ مائل تھا کوئی سیرِ گلستانِ جناں پر
صدقے کوئی ہوتا تھا امامِ دوجہاں پر لڑکے بھی کھڑے تھے کئی کھیلے ہوئے جاں پر
تسبیحِ امامت کو عجب دانے ملے تھے
یا فاطمہؑ کی شمع کو پروانے ملے تھے

عاشق شہِ والا کے، مطیعِ اسداللہ ۱۰ سر دینے کو سب ہادیِ کونین کے ہمراہ
مستغنی و حق بین و حق آئین و حق آگاہ دنیا کو وہ دیں دار سمجھتے تھے گذرگاہ
فاقوں میں توکّل تھا، جنابِ احدی پر
پڑتی تھی نظر اُن کی، نعیمِ ابدی پر

خشکیدہ زبانوں پہ سخن شکر (اللہ) کا جاری ۱۱ معشوقِ امامِ دوجہاں عاشقِ باری
کوئی تو محدث، کوئی حافظ، کوئی قاری ہم رتبۂ سلمانؑ و ابا ذرِ غفاری
سمجھے ہوئے تھے تلخ وہ لذاتِ جہاں کو
تھا چاشنیِ فقر سے کام اُن کی زباں کو

گو فاقوں سے تحلیل تھے وہ صاحبِ توقیر ۱۲ موقوف نہ ہوتے تھے مگر نعرۂ تکبیر
دانائے جہاں، سیف زباں، صاحبِ شمشیر طینت میں وفاداروں کے تھی اُلفتِ شبیرؑ
دل تیروں سے زخمی ہوئے چھد چھد گئے سینے
سر رشتۂ تسبیح کو توڑا نہ کسی نے

ایک ایک مئے وحدت اللہ سے سرمست ۱۳ ثابت قدم و صفدر و جاں باز و زبردست
سرکائیں نہ سینوں کو، جو سو تیر ہوں پیوست سمجھا کیے دنیا کی بلندی کو سدا پست
نے گھر کا، نہ اولاد کا، نہ مال کا غم تھا
غم تھا تو فقط فاطمہؑ کے لال کا غم تھا

کس شوق سے تلواروں کے پھل بھوک میں کھائے ۱۴ پانی کا مگر نام زبانوں پہ نہ لائے
آقا کی محبت میں، وطن چھوڑ کے آئے ایسے بھی نمک خوار کسی نے نہیں پائے
زرہیں تنِ پُر نور میں، شیروں کے پڑے تھیں
آنکھیں پسرِ شام کی تیغوں سے لڑی تھیں

پہلو میں کوئی اور کوئی پیشِ شہِ خوش خو ۱۵ کوئی سپرِ حفظ، کوئی جوشنِ بازو
رُخ چاند سے روشن، تو بدن پھولوں سے خوشبو رُخساروں پہ سنبل سے لٹکتے ہوئے گیسو
تیروں سے نہ تلواروں سے منھ پھرتا تھا اُن کا
حضرت کے پسینے پہ لہو گرتا تھا اُن کا

کیا شانِ حبیب ابنِ مظاہر کا لکھوں حال ۱۶ وہ پیاس کا صدمہ، وہ ضعیفی، وہ سن و سال
کیا رُتبۂ اعلیٰ تھا زہے حشمت و اقبال فرماتا تھا بھائی، جسے خود فاطمہؑ کا لال
جو عشق تھا سلمانؓ و اباذرؓ کو نبیؐ سے
ان کو وہی اُلفت تھی حسینؑ ابن علیؑ سے

انداز جوانوں کا بھی، پیرانہ سری بھی ۱۷ پروانۂ جاں باز بھی، شمع سحری بھی
ابرار بھی، دیں دار بھی، عصیاں سے بری بھی زاہد بھی، مجاہد بھی، نمازی بھی، جری بھی
طفلی سے یہ فوجِ شہِ نامی میں رہے تھے
ترسٹھ برس آقا کی غلامی میں رہے تھے

تھا وہ قدِ خم گشتہ شجاعت سے نہ خالی ۱۸ مرنے کو چلے کیا کہ چلی تیغِ ہلالی
پسپا تھی وہ صف، جس پہ نظر شیر نے ڈالی نعرہ تھا یہ ہر دم کہ نثارِ شہِ عالی
صدقے ہوئے یوں لختِ دلِ ختمِ رسل پر
بلبل کبھی جس طرح فدا ہوتی ہے گل پر

وہ مومنِ کامل جو زمانے سے سدھارا ۱۹ حضرت کا جگر ہو گیا سینے میں دو پارا
فرماتے تھے رو رو کہ نہیں صبر کا یارا افسوس کہ بچپن کا چھٹا، دوست ہمارا
یوں روئے جدا ہونے پہ اُس تشنہ دہن کے
جس طرح سے روئے تھے جنازے پہ حسنؑ کے

مٹی میں ملایا وہ مرقع جو قضا نے ۲۰ سر دینے پہ تیار ہوئے شہ کے یگانے
دیکھا سوئے افلاک، امامِ دوسرا نے تسبیحِ امامت کے بکھرنے لگے دانے
کیا قہر ہے، تیر ان پہ چلے، فوجِ شقی کے
رشتے میں جو تھے احمدؐ و زہراؑ و علیؑ کے

مقتل سے یہ خیمے میں خبر جاتی تھی ہر بار ۲۱ بے جاں ہوئے مسلمؑ کے یتیمانِ وفادار
آخر ہوئی، اولادِ عقیلؑ جگر افگار پامال ہوا لو چمنِ جعفرِؑ طیار
لشکر میں تلاطم ہے امامِ ازلی کے
اب چلتی ہے تلوار نواسوں پہ علیؑ کے

تھی شکر کے سجدے میں ید اللہ کی جائی ۲۲ فضہ نے یکایک یہ خبر آ کے سنائی
سیدانیوں! لُوٹی گئی زینبؑ کی کمائی دم توڑتے ہیں خاک پہ معصوم دُہائی
مرتے ہیں زبانوں کو نکالے ہوئے بچے
ہے ہے مری آغوش کے پالے ہوئے بچے

سجدے سے جو سر حضرتِ زینبؑ نے اُٹھایا ۲۳ ہر بی بی کو خیمے میں تڑپتے ہوئے پایا
گھبرا کے کہا، کیا ہوا، کیوں شور مچایا جلدی کہو، کیا زخم کوئی بھائی نے کھایا
کیوں پیٹتے ہو حال مرا غیر ہے لوگو
اکبرؑ مرے فرزند کی تو خیر ہے لوگو

سب نے کہا دنیا سے گئے آپ کے پیارے ۲۴ فرمایا کہ ہاں دونوں نے سر ماموں پہ وارے
صادق تھے وہ حق ماں کا ادا کر گئے بارے شادی ہوئی، پروان چڑھے لال ہمارے
تھا آج کے دن کے لئے پالا انھیں میں نے
شاہد رہیں سب، دودھ بھی بخشا انھیں میں نے

یہ سن کے ادھر بیبیاں سب پیٹتی تھیں سر ۲۵ واں تیغوں سے ہوتا تھا قلم گلشنِ حیدر
مارے گئے عباسؑ کے بھتیجے جو برادر لاکھوں سے لڑا لختِ دلِ حضرتِ شبرؑ
تلواریں کلیجے پہ چلیں شاہِ زمن کے
ٹکڑے نہ ملے لاشۂ فرزندِ حسنؑ کے

بھاوج کے جو پرسے کو چلے سیدِ ابرار ۲۶ آگے گئے روتے ہوئے عباسؑ علمدار
پردے سے لگی رو رہی تھی زینبؑ ناچار ہمشیر کے قدموں پہ گرے دوڑ کے اک بار
فرمایا کہ اٹھو تو مری جانِ برادر
کیا کہنے کو آئے ہو میں قربان برادر

کی عرض کہ اے وارثِ ذریتِ حیدرؑ ۲۷ دنیا سے سفر کر گیا، سب شاہ کا لشکر
باقی ہوں غلاموں میں تو میں، بیٹوں میں اکبرؑ دیکھوں کسے دیتے ہیں رضا سبطِ پیمبرؐ
بڑھتا ہوں میں جس دم تو جھکا لیتے ہیں سر کو
دیکھا ہے کن انکھیوں سے کئی بار پسر کو

میداں میں بڑے بھائی کا پیارا ہوا بے دم ۲۸ یہ ایک ندامت ہے مرے واسطے کیا کم
کیا جانیے کیا سوچتے ہیں قبلۂ عالم اکبرؑ بھی سدھارے تو کہیں کے نہ رہے ہم
ہوگا وہی جس امر میں کد آپ کریں گی
رہ جائے گی عزت، جو مدد آپ کریں گی

خود عرض کروں شہ سے یہ مجھ کو نہیں یارا ۲۹ ہوگا نہ کسی اور سے اس درد کا چارا
ہاں آپ ذرا شاہ سے کر دیں جو اشارا پھر کیا ہے، سنور جائے ابھی کام ہمارا
حامی ہو تو دیر ایک دم، اک پل نہیں ہوتی
مشکل کوئی، بے عقدہ کشا حل نہیں ہوتی

سُن کر یہ سخن کہنے لگی زینبؑ ذی جاہ ۳۰ دلوادے بہن، بھائی کو مرنے کی رضا، آہ
اچھا میں کہوں گی پہ نہ مانیں گے کبھی شاہ بھائی سے نہ اُٹھے گا یہ کوہِ غمِ جاں کاہ
مشکل ہے بہت گود کے پالے کی جُدائی
آسان نہیں چاہنے والے کی جُدائی

ہاں رُخصتِ اکبرؑ ہو تو ہو ان کو گوارا ۳۱ فرزند انھیں، تم سے زیادہ نہیں پیارا
اِک دم بھی جُدا ہونے کا جن کو نہیں یارا کیونکر کہوں وہ داغ اُٹھائیں گے تمھارا
اوّل تو یقیں ہے کہ نہ اقبال کریں گے
مانا بھی تو کیا جانیے، کیا حال کریں گے

یہ ذکر تھا جو شاہِ اُمم خیمے میں آئے ۳۲ روتے ہوئے ڈیوڑھی سے حرم خیمے میں آئے
اکبرؑ بھی بصد رنج والم خیمے میں آئے عباسؑ بھی گردن کیے خم، خیمے میں آئے
روئے جو حرم دیکھ کے اس خاصۂ رب کو
شبیرؑ نے ایک ایک کا پُرسا دیا سب کو

جن جن کے پسر ہوگئے تھے دشت میں بے جاں ۳۳ ان سوگ نشینوں سے، یہ بولے شہِ ذی شاں
اے بیبیو! تم سب کے ہیں شبیرؑ پہ احساں سب بولیں کہ اے محسنِ عالم ترے قرباں
اولاد کے مرجانے کا کچھ غم نہیں ہم کو
اللہ زمانے میں رکھے آپ کے دم کو

رو کر شہِ بے کس نے کہا یہ نہ کہو آہ ۳۴ مشتاقِ اجل ہوں، مجھے جینے کی نہیں چاہ
سب قافلے والوں نے تو فردوس کی لی راہ جو بچھڑے ہیں جلد اُن سے مِلائے مجھے اللہ
اب ہم نہ کوئی داغِ غم و یاس اُٹھائیں
لاشے کو مرے اکبرؑ و عباسؑ اُٹھائیں

اکبرؑ نے کہا پہلے خدا ہم کو اُٹھائے ۳۵ فرزند تو زندہ ہو، پدر خوں میں نہائے
عباسؑ یہ بولے، وہ گھڑی حق نہ دکھائے آقا پہ جو آنچ آئی ہو، بلا ہم پہ وہ آئے
حضرت ہی ہمارا تنِ صد پاش اُٹھائیں
خاک ایسی جوانی پہ، کہ ہم لاش اُٹھائیں

عباسؑ کا منہ ہنس کے لگے دیکھنے شبیرؑ ٣٦ فرمایا کہ جوش آگیا اے صاحبِ شمشیر
عباسِ علیؑ رونے لگے سُن کے یہ تقریر شہ نے کہا سمجھاؤ ذرا بھائی کو ہمشیر
آنسو نہ بہائیں کہ لہو گھٹتا ہے میرا
کیوں روتے ہیں یہ کیا ابھی سر کٹتا ہے میرا

زینبؑ نے کہا ان کا تو مطلب ہی جُدا ہے ٣٧ شہ نے کہا فرمائیے ہمشیر، وہ کیا ہے
کی عرض کہ ان کو طلبِ اذنِ وغا ہے حضرت نے کہا خیر، مناسب ہے، بجا ہے
اکبر سے بھی پہلے سفرِ خلد کریں گے
جلدی انھیں کاہے کی ہے، کیا ہم نہ مریں گے

کل تک تو مرے عشق کا دم بھرتے تھے ہر بار ٣٨ رخصت کے لئے آج یہ رقت ہے یہ اصرار
ہاں بھول گئے شوقِ شہادت میں مرا پیار پوچھو تمھیں، تھا ہم سے اور اُن سے یہی قرار
بھائی نہیں جینے کا، جو پہلو سے ہٹیں گے
یہ کس نے کہا تھا کہ گلے ساتھ کٹیں گے

زینبؑ نے کہا آپ انھیں آزردہ نہ کیجئے ٣٩ ان کی یہی دُھن ہے کہ رضا پہلے ہی لیجئے
یہ غیظ میں ہیں جب سے ہوئے قتل بھتیجے اب تو مری خاطر سے اجازت انھیں دیجئے
جاں باز ہیں، غازی ہیں، بہادر ہیں، جری ہیں
ناز ان کے اُٹھا لیجیے کہ اب یہ سفری ہیں

یہ سُنتے ہی سر شہ کا جھکا زانوئے غم پر ٤٠ عباسؑ گرے دوڑ کے بھائی کے قدم پر
سر پاؤں پہ تھا شاہ کے اور ہاتھ علَم پر حضرت نے کہا رحم نہ آیا تمھیں ہم پر
چھوڑا ہمیں کیوں اے مرے محبوب برادر
تم جس میں خوشی خیر بہت خوب برادر

خیمے میں ہوا غل کہ چلے حضرتِ عباسؑ ٤١ سب بولے کہ لو اور بھی سرور ہوئے بے آس
گھبرا کے سکینہؑ نے کہا تب یہ بصد یاس کیا کہتے ہو تم، مجھ کو تو جانے دو چچا پاس
منھ شہ سے وہ موڑیں گے، نہ مانوں گی کبھی میں
عمو مجھے چھوڑیں گے، نہ مانوں گی کبھو میں

میں جیتی ہوں، کیا ایسا چلا جاتا ہے آساں ۴۲ دامن جو چھوڑ دیں تو کروں چاک گریباں
عباسؑ کی زوجہ نے کہا، سچ ہے میں قرباں جائیں کبھی ایسے نہیں بی بی کے چچا جاں
کیا جانیے واں مشورے کیا ہوتے ہیں بی بی
پر کچھ نہ کچھ ایسا ہے کہ سب روتے ہیں بی بی

یہ سنتے ہی گھبرا کے چلی، شاہ کی جائی ۴۳ رستے میں کہیں گر پڑی ٹھوکر کہیں کھائی
سرکاتی ہوئی بھیڑ کو اس وقت وہ آئی جس وقت کہ ملتا تھا گلے بھائی کے بھائی
چلائی کہ سمجھی میں، جہاں چھپ کے چلے تھے
آتی ہوں بھلا مجھ سے کہاں چھپ کے چلے تھے

بتلائیے جاتی ہے کدھر آج سواری ۴۴ اس پیاس میں لی واہ خبر خوب ہماری
دم گھٹتا ہے بولو تو چچا جان میں واری کیوں تم سے گلے مل کے پدر کرتے ہیں زاری
بر میں ہے زرہ تیغ لگائی ہے کمر سے
ہوتے ہو جدا کیا مرے مظلوم پدر سے

عباسؑ پکارے میں اس آواز کے قرباں ۴۵ ہم جاتے ہیں پانی کے لئے آؤ مری جاں
دامن سے لپٹ کر یہ لگی کہنے وہ ناداں میں گھر سے تمھیں جانے نہ دوں گی کسی عنواں
بابا کا مرے کوئی مددگار نہیں ہے
صدقے گئی پانی مجھے درکار نہیں ہے

پانی کے لئے واہ تمھیں ہاتھ سے کھوؤں ۴۶ میں قبلۂ کونین کی دولت کو ڈبوؤں
شب ہووے تو پھر کس کی بھلا چھاتی پہ سوؤں اب روتی ہوں پانی کے لئے پھر تمھیں روؤں
ہے ہے شہِ بیکس کا رلانا نہیں اچھا
پیاس ابھی ہے، پر آپ کا جانا نہیں اچھا

عباسؑ نے فرمایا کہ تم مشک تو لاؤ ۴۷ بولیں گے نہ پھر ہم، یہ نہ کہنا کہ نہ جاؤ
قرباں میں کیوں پیاس کی تکلیف اٹھاؤ تم بھی پیو، اصغر کو بھی چلو سے پلاؤ
نیلے ہیں یہ لب، رنگ نہ کیوں زرد ہو میرا
تم پیاس بجھالو تو جگر سرد ہو میرا

کہنے لگی منہ دیکھ کے بابا کا، وہ دل گیر ۴۸ کیا کہتے ہیں سُنیئے تو چچا جان کی تقریر
حضرت نے کہا یہ نہ رُکیں گی کسی تدبیر اب مشک بھی لادو انھیں، جو خواہشِ تقدیر
روکو نہ کہ درپیش عجب راہ ہے اُن کو
سقائی کی خدمت کی بڑی چاہ ہے اُن کو

دی مشک جو مُحکم پسرِ شاہِ نجف سے ۴۹ رُخصت ہوئے عباسؑ محمدؐ کے خلف سے
غل خیمے میں رونے کا اُٹھا چار طرف سے طالع ہوا خورشیدِ زمیں، برجِ شرف سے
کھولا علمِ دیں کو جو اس بحرِ کرم نے
نعلین پہ سر رکھ دیا اقبال و حشم نے

گھوڑے پہ چڑھے آپ جو گردان کے دامن ۵۰ قدموں سے رکابوں کی بھی آنکھیں ہوئیں روشن
تیار تھا اُڑنے پہ اُٹھائے ہوئے گردن اقبالِ سلیماں سے، پری بن گیا توسن
فتراک کو تھا فوق کہیں بالِ ہما پر
زین اس پہ نہ تھا تختِ سلیماں تھا ہوا پر

آمد سے بہادر کی تزلزل ہوا رن میں ۵۱ غارت صفِ اعدا کا، تحمّل ہوا رن میں
لشکر کی ترقی کا، تنزّل ہوا رن میں شیر آتا ہے، یہ چار طرف غل ہوا رن میں
سب زیر و زبر مجمعِ مردم نظر آیا
دریا بھی ہٹا کچھ یہ تلاطم نظر آیا

شیروں کے نیستاں میں جگر خوف سے کانپے ۵۲ تھرّانے لگے کوہ، شجر خوف سے کانپے
حور و ملک و جن و بشر خوف سے کانپے پریوں کے پرے دُور تھے، پر خوف سے کانپے
چلّا کے بنی جان تو، پنہاں ہوئے در میں
سرقاف چھپانے لگا نقطوں کے سپر میں

ہل چل تھی کہ شیروں کے قدم رن میں نہ ٹھہرے ۵۳ وحشت ہوئی ایسی کہ ہرن بن میں نہ ٹھہرے
صحرا کے پرندے بھی، نشیمن میں نہ ٹھہرے برسوں سے جو ساکن تھے وہ مسکن میں نہ ٹھہرے
غل تھا کہ یہ فوج اب غضبِ حق میں گھرے گی
بھاگو نہیں بجلی کوئی ساعت میں گرے گی

ناگاہ بیابانِ بلا نُور سے چمکا ۵۴ جوں پنجۂ خورشید، علَم دُور سے چمکا
عکس اس کا فزوں حُسنِ رُخِ حور سے چمکا تھا نُور کا شعلہ کہ سرِ طُور سے چمکا
کرتا تھا اشارہ کہ نہ کیوں نُور فشاں ہوں
میں پنجتنِ پاک کے لشکر کا نشاں ہوں

تھی شانِ علیؑ چہرۂ انور پہ جری کے ۵۵ کلغی تھی عجب حُسن سے مِغفر پہ جری کے
لہراتا تھا دامانِ علَم، سَر پہ جری کے پھرتا تھا ہُما فرقِ مطہر پہ جری کے
شانے پہ کماں، بر میں زرہ، تیغ کمر میں
دو لاکھ کا لشکر نہ سماتا تھا نظر میں

غل تھا کہ علمدارِ شہنشاہ کو دیکھو ۵۶ لو ماہِ بنی ہاشمِ ذی جاہ کو دیکھو
ہم صورت و ہم شانِ یداللہ کو دیکھو حیدرؑ کو نہ دیکھا ہو تو اس ماہ کو دیکھو
دستانے پہننے کا بھی دستور یہی تھا
نقشہ تھا یہی، حُسن یہی، نور یہی تھا

جب رن کو چلے حضرتِ عباسؑ علمدار مطلعِ دوم دی پیکؑ نے جا کر یہ خبر شمر کو اک بار
وہ شیر کہ اُتری ہے جسے عرش سے تلوار ۵۷ اس کا پسر آتا ہے خبردار خبردار
اب چمکے گی تلوار شجاعِ ازلی کی
آمد ہے بڑی دھوم سے عباسؑ علیؑ کی

تشریف اُحد میں، یونہی لائے تھے یداللہ ۵۸ خیبر میں، اسی شان سے آئے تھے یداللہ
ہتھیار اسی وضع سے لگائے تھے یداللہ لاکھوں سے یونہیں آنکھ ملائے تھے یداللہ
قبضے میں یونہیں، قبضۂ شمشیرِ دودم تھا
کاندھے پہ اسی طرح محمدؐ کا علَم تھا

تحریر سراپا پہ جو مائل ہوئی خاطر ۵۹ حُورانِ مضامیں کی صدا آئی کہ حاضر
پر جس کی طرف دیدۂ حق بیں ہوئے ناظر ٹھہری کوئی شے قابلِ تشبیہ نہ آخر
دل نے کہا کیوں امرِ فضولی میں یہ کد ہے
دی عقلِ رسا نے یہ گواہی کہ سند ہے

کیا لکھے گا تو شاہ کے شیدا کا سراپا ۶۰ ادنیٰ سے مشابہ نہیں، اعلیٰ کا سراپا
دشوار ہے عباسؑ سے آقا کا سراپا آسان ہے کچھ حُسن کے دریا کا سراپا
بہتر کوئی شے اور ہے نورِ ازلی سے
تشبیہ جب اس شیر کو دیجے تو علیؑ سے

جس امر سے ہو خاص کو رغبت وہ کرے کام ۶۱ خوش ہو کے عوام اُٹھیں تو پھر اس میں ہے کیا نام
دانا کو یہ لازم ہے کہ عائد نہ ہو الزام کیا لطف جو آغاز کا بہتر نہ ہو انجام
جلسہ نہیں مظلوم کی یہ بزمِ عزا ہے
یاں رونے کی لذت ہے رُلانے کا مزا ہے

واقف نہ حقیقت سے ہوئے نورِ خدا کی ۶۲ پیشانی کو خورشید کہا، خوب ثنا کی
نافہم اُچھلنے لگے، چُپ ہو گئے باکئ اشکوں نے بھی رُک کر کہا یہ عین خطا کی
ہمسر کیا ذرّے کو رُخِ بازوئے شہ کے
کھوئے دُرِ شہوار بھی پنجے سے مژہ کے

ابرو کو کماں کہتے ہیں اس فہم کے قرباں ۶۳ ابرو بھی جگر گوشۂ حیدرؑ کے ہیں ذیشاں
مدوح کے رتبے کا بھی لازم ہے ذرا دھیاں یہ اس کے نواسے کے تنِ پاک کی ہے جاں
جو شاہ ہے تو سینِ مکاں ارض و سما میں
فرقِ دو کماں جس میں رہا اور خدا میں

کہتا ہے کوئی چشم کو نرگس کوئی آہو ۶۴ اس کی تو بصارت نہیں اس کی نہیں ابرو
چہرے کو کہا گر گلِ مہتاب ہے یہ رُو اس میں نہ یہ سبزہ نہ یہ سُرخی نہ یہ خوش بو
بے بو ہے وہ اک پھول یہاں باغ لگا ہے
ہر چیز میں بس ایک نہ اِک داغ لگا ہے

مضمونِ دہن کے شعرا رہتے ہیں جویا ۶۵ پوچھے کوئی کوثر سے زباں کو بھی ہے دھویا
غنچہ جو کہا لطفِ سخن اور بھی کھویا اسرارِ الٰہی سے بھی واقف ہوئے گویا
ہیں عقدہ کشا، منہ سے جو بولیں تو کھلے گا
اس عقدہ کو یہ آپ ہی کھولیں تو کھلے گا

دانتوں کو گہر مرثیہ گو کہتے ہیں سارے ۶۶ بتلاؤ گہر خوب ہیں یا عرش کے تارے
یہ دُرِّ نجف وہ ہیں علیؑ کو جو ہیں پیارے تاروں کو بھی صدقے فلک اُن پر سے اُتارے
کیا وصف کریں اُن کا سوا صلِّ علیٰ کے
گوہر نہیں قطرے ہیں یہ سب نورِ خدا کے

لب کو جو کہا لعل، یہ مضمون ہے بے رنگ ۶۷ اس مدح کے قابل نہیں ہے یہ دہنِ تنگ
بولو لبِ جاں بخش کا ہوتا ہے یہی ڈھنگ اعجازِ مسیحا کا دکھائے تو کوئی سنگ
قدرت نہیں ان ہونٹوں کی اوصاف کی ہم میں
یہ وہ ہیں کہ مُردوں کو جِلا دیتے ہیں دم میں

قامت کو کہا سرو، تو چال اس میں کہاں ہے ۶۸ یہ سیبِ ذقن، یہ خط و خال اس میں کہاں ہے
یہ حسن، یہ صورت، یہ جمال، اس میں کہاں ہے یہ رعب، یہ شوکت، یہ جلال اس میں کہاں ہے
گُل ہو کہ ثمر، بو نہیں یا بدمزگی ہے
ہر شے میں غرض ایک نہ ایک شاخ لگی ہے

جو بات کہ مہمل ہو، وہاں چاہئے اہمال ۶۹ زیبا غزل و شعر میں ہے وصفِ خط و خال
ہاں دیکھ کیت قلم، اچھی نہیں یہ چال اب بڑھتے ہیں عباسؑ صفیں ہوتی ہیں پامال
ہے جوشِ وغا ضیغمِ یزداں کے پسر کو
تلوار کو تولا ہے سنبھالا ہے سپر کو

اعدا بھی ادھر مستعدِ جنگ و جدل ہیں ۷۰ کوفے کے نشاں، رے کے پرے، شام کے دل ہیں
صف باندھے ہوئے ترک کے اور روم کے یل ہیں سب دشت میں نیزوں کے شجر تیغوں کے پھل ہیں
اونچا ہے ہر اک ہاتھ پہ سر سے اُٹھی ہے
گھنگور گھٹا شام کے لشکر سے اُٹھی ہے

کالے وہ علم فوجِ سیہ رُو کی نشانی ۷۱ غل طبل کا قرنا کی وہ آواز ڈرانی
شیروں کے کلیجے بھی ہوئے جاتے تھے پانی تھی صاف صدا ہائے بہادر کی جوانی
بے کس شہ دیں ہوتے تھے فریاد بجا تھی
شہنا میں بھی مظلوم حسینؑ کی صدا تھی

یاں تیغِ جگر بندِ علیؑ میان سے نکلی ؎۲ کس زرق سے کس برق سے کس شان سے نکلی
فریادِ دلِ قوم بنی جان سے نکلی اِک تازہ پری تھی کہ پرستان سے نکلی
غل تھا کہ یہ کس چیز کا پرتو نظر آیا
حیرت ہے کہ دسویں کو مہِ نو نظر آیا

نعرہ جو کیا شیر نے دل ہل گئے سب کے ؎۳ تھرّانے لگے کوہ، اراضیِ عرب کے
آثار نمایاں ہوئے خالق کے غضب کے ماہی سے ادھر گاؤ زمیں ہل گئی دب کے
تھرائے صدا سُن کے شجاعِ ازلی کی
جبریلؑ کو یاد آگئی آواز علیؑ کی

شبدیز کو رانوں میں، دلاور نے جو دابا ؎۴ پھر آگیا برچھوں ہی وہ گھوڑا، دو رکابا
تنگی سے قفس تھا، اسے دنیا کا خرابا اُترا تو دہانے کو عجب غیظ سے چابا
نے جست نظر آئی، نہ کاوا نظر آیا
پھرتا ہوا لشکر میں چھلاوا نظر آیا

پامال عدو وقتِ تگ و دو نظر آئے ؎۵ جس غول میں دو سو تھے، وہاں سو نظر آئے
تارے دمِ شوخی و رواروَ نظر آئے جب جم کے اُڑا، چار مہِ نو نظر آئے
بجلی تو بلندی پہ، شرارے تھے زمیں پر
خورشید تو زیں پر تھا، ستارے تھے زمیں پر

سیدھی جو چلی تیغ، صفوں کا ورق اُلٹا ؎۶ اُستادِ شجاعت نے پڑھایا، سبق اُلٹا
پہرے جو کٹے، دفترِ نظم و نسق اُلٹا جبریلؑ پکارے کہ زمیں کا طبق اُلٹا
رُکنے کا نہیں ہاتھ، شجاعِ ازلی کا
دیکھو کہ نمونہ ہے یہی ضربِ علیؑ کا

وہ معرکۂ غزوۂ خیبر نہیں بھولا ؎۷ کفار پہ وہ حملۂ حیدرؑ نہیں بھولا
عرصہ ہوا پر صدمۂ شہپر نہیں بھولا اب تک مجھے اِس ضرب کا لنگر نہیں بھولا
بہتا ہے لہو، آگ بھڑکتی ہے زمیں پر
پھر آج وہی برق چمکتی ہے زمیں پر

بڑھ کر صفِ ثانی پہ چلی تیغ جو سن سے ۷۸ صاف آئی صدا یہ کہ نہ غافل ہو کفن سے
راہی ہوئیں روحیں تو رہا ہو کے بدن سے سر طائرِ وحشی کی طرح اُڑ گئے تن سے
کب چھٹتے ہیں شہبازِ اجل کے ہوں جو بس میں
مالک نے کیا بند جہنم کے قفس میں

ملتے تھے قیامت کے، لڑائی تھی غضب کی ۷۹ خوں پی گئے، برش تیغ نے پائی تھی غضب کی
ہوتی تھیں صفیں صاف، لڑائی تھی غضب کی اس منہ کی صفائی پہ، رکھائی تھی غضب کی
چلنے میں مزا، قامتِ معشوقِ حسیں کا
انداز ہر اک ناب میں تھا چیں بہ جبیں کا

کیا قہر تھا شمشیر کی ابرو کا اشارا ۸۰ اک چشم زدن میں اُسے مارا اسے مارا
نے بھاگنے کی تاب تھی، نہ جنگ کا یارا ہر ضرب میں تھے جان سے عاری ستم آرا
گر بچ گیا یہ اس کی بلا ٹل گئی اُس پر
منہ دیکھ لیا جس نے چھری چل گئی اُس پر

کج ہو کے وہ چلنا، وہ ٹھہرنا، وہ لچکنا ۸۱ شعلہ تھا خجل گرد تھا بجلی کا چمکنا
وہ دیدۂ جوہر سے، جفا کاروں کا تکنا گویا تھا تماشہ اسے کشتوں کا پھڑکنا
ندی کے قریں خون کا دریا سا بہا تھا
کیا چال غضب تھی کہ ہر اک لوٹ رہا تھا

بجلی کا چلن، شعلے کی خو، سرکش و بیباک ۸۲ صرصر سے سُبک دست، گراں قیمت و چالاک
خوں خوار، جفا کار و ستم پیشہ و سفاک کج باز، سر انداز، ترش رو و غضبناک
خود آب مگر آگ لگا دینے کو آندھی
ہستی کے چراغوں کو بجھا دینے کو آندھی

بسمل ہوا جس کو لپک اس کی نظر آئی ۸۳ بجلی سی جو تڑپی تو کلیجوں میں در آئی
چو رنگ کیا اِس کو، اُسے آٹھ کر آئی اٹکھیلیاں کرتی اِدھر آئی اُدھر آئی
حوروں میں یہ گرمی، نہ لگاوٹ یہ پری میں
بے دم کیا لاکھوں کو اسی عشوہ گری میں

فولاد کی ڈھالوں پہ وہ تلوار نہ ٹھہری ۸۴ اک دم بھی میانِ صفِ کفار نہ ٹھہری
سر سیکڑوں کاٹے، کہیں زنہار نہ ٹھہری خوں اتنے کیے، اور گنہگار نہ ٹھہری
مجرم رہی، سرکش رہی، بیباک رہی وہ
دھبہ نہ لگا، خون سے بھی پاک رہی وہ

کاٹی جو سپر، مغفرِ سنگیں پہ نہ ٹھہری ۸۵ سر سے جو بڑھی، گردنِ بے دیں پہ نہ ٹھہری
چار آئینۂ ظالمِ خود بیں پہ نہ ٹھہری اسوار تو دو ہو گیا، یہ زیں پہ نہ ٹھہری
پایا جو نہ اِس دم پر جبریلِ امیں کو
گھوڑے سے اُترتے ہی کیا چاک زمیں کو

لپٹے ہوئے کشتوں کے پس و پیش چپ و راس ۸۶ پیتی تھی لہو دم بہ دم اور بجھتی نہ تھی پیاس
جب خوں میں بھر جاتی تھی، وہ پرچۂ الماس خود اس کا لہو پونچھتے تھے حضرتِ عباسؑ
بے وجہ نہ شمشیر کا منھ لال ہوا تھا
عباسؑ کی سرکار سے رومال ہوا تھا

ناگاہ بہادر کو نظر آنے لگی نہر ۸۷ پانی کی چمک دُور سے دکھلانے لگی نہر
غازی کی قدم بوسی کو لہرانے لگی نہر بڑھ کر خس و خاشاک کو سرکانے لگی نہر
دریا کے حبابوں نے صدا دی یہ اُبھر کے
آنکھوں پہ قدم ساقیٔ کوثر کے پسر کے

ہر موج، زیارت کے لئے ہو گئی بے تاب ۸۸ میں پہلے پھروں گرد، یہ تھی خواہشِ گرداب
تھا مچھلیوں میں شور کہ نکلو پئے آداب آتا ہے ادھر بحرِ شرف کا دُرِ نایاب
آمد جو سُنی تھی، خلفِ شاہِ نجف کی
گوہر تھے پئے نذر ہتھیلی پہ صدف کی

جب گھوڑے کو دریا میں علم دار نے ڈالا ۸۹ لہرانے سے موجوں کے ہوا دل تہ و بالا
یاد آ گئی بس تشنگیٔ سیدِ والا رقت بہت آئی تھی مگر دل کو سنبھالا
صدمے سے بھر آیا دل سقائے سکینہؑ
اشک آنکھوں سے ٹپکا کے کہا ہائے سکینہؑ

دریا کی طرف دیکھ کے فرمایا کہ، اے نہر ۹۰ سب آبِ نمک خلق کا ہے، فاطمہؑ کا مہر
انصاف کر انصاف یہ کیا ظلم ہے کیا قہر شبیرؑ تو پیاسے رہیں، سیراب ہو سب شہر

اس پیاس کا جب ذکر پیمبرؐ سے کریں گے
شکوہ ترا ہم ساقیٔ کوثر سے کریں گے

اے آب، محمدؐ کا پسر تشنہ دہن ہے ۹۱ اے آب، شہِ جنّ و بشر تشنہ دہن ہے
گلزارِ نبی کا گلِ تر، تشنہ دہن ہے دو روز سے سب شاہ کا گھر تشنہ دہن ہے

گرمی میں اگر آج بھی پانی نہ پئیں گے
میں جن کا بہشتی ہوں وہ پیاسے نہ جئیں گے

دریا سے یہ فرما کے بہادر نے بھری مشک ۹۲ بالیدہ ہوئی دیکھ کے پانی کی تری مشک
تسمے سے دہن باندھ کے ہرنے پہ دھری مشک غل پڑ گیا دیکھو لیے جاتا ہے جری، مشک

دیکھا جو مہیائے ستم، بے ادبوں کو
دریا بھی لگا کاٹنے غصے سے، لبوں کو

گرداب سے اک حلقۂ ماتم تھا نمودار ۹۳ پانی کے لئے لہر، ہر اک بن گئی تلوار
سب مچھلیاں اُبھری ہوئی کہتی تھیں یہ ہر بار لو ڈوبتا ہے خوں میں، علیؑ کا دُرِ شہوار

دو چار قدم بھی نہ بڑھے تھے لبِ جو سے
پھر تیروں کا مینھ پڑنے لگا فوجِ عدو سے

دریا تو اِدھر اور اُدھر لشکرِ قہّار ۹۴ مشکیزہ لیے بیچ میں تنہا، وہ علمدار
تلواروں کی تھیں بجلیاں، اور تیروں کی بوچھار جا سکتے تھے آفت میں، نہ اِس پار نہ اُس پار

طوفاں تھا، تلاطم تھا، مصیبت کی گھڑی تھی
کیا پیاسوں کی کشتی بھی، تباہی میں پڑی تھی

ہوتا تھا اُدھر خاتمۂ جنگِ علم دار ۹۵ بسمل سے تڑپتے تھے اِدھر، سیّدِ ابرار
اُٹھ کر کبھی تکتے تھے، سوئے فوجِ ستمگار گر کر کبھی چلّاتے تھے، ہے ہے مرے غمخوار

بھائی کی صدا سن کے تڑپ جاتی تھی زینبؑ
جب روتے تھے حضرت، تو نکل آتی تھی زینبؑ

کہتی تھی کبھو، صدقے گئی، کچھ خبر آئی ۹۶ شہ کہتے تھے ہمشیر! جدا ہوتا ہے بھائی
دریا سے وہ نکلا تھا مگر راہ نہ پائی مشکیزے کے لے آنے پہ ہوتی ہے لڑائی
خوں خواروں میں وہ صاحبِ شمشیر گھرا ہے
دریا کی ترائی میں مرا شیر گھرا ہے

کہتی تھی یہ گھبرائی ہوئی زوجۂ عباسؑ ۹۷ کیوں بیبیو! بچے مرے کیا ہو گئے بے آس
کیا کہتے ہیں شاہِ شہدا، کس سے ہوئی یاس اے وائے مقدر، نہ سکینہؑ کی بجھی پیاس
کیسی خبر آئی ہے کہ جی کھوتے ہو، لوگو
تم سب مرا منھ دیکھ کے کیوں روتے ہو، لوگو

عباسؑ سلامت ہیں، تو آنسو نہ بہاؤ ۹۸ آجائے گا پھر غش، نہ سکینہؑ کو رلاؤ
ثابت ہے جو مرنا، مجھے رنڈ سالہ پہناؤ ڈیوڑھی سے چلو، ماتمی صف گھر میں بچھاؤ
خود کہہ کے گئے تھے کہ سلامت نہ پھریں گے
عباسؑ بس اب تا بہ قیامت نہ پھریں گے

ماتم تھا ادھر گھر میں ادھر روتے تھے شبیرؑ ۹۹ واں چلتے تھے عباسِ علیؑ پر تبر و تیر
دریا سے بڑھے آتے تھے تولے ہوئے شمشیر ہر سمت سے امڈا ہوا تھا، لشکرِ بے پیر
ساحل پہ قیامت کی صف آرائی ہوئی تھی
لشکر تھا کہ دریا پہ گھٹا چھائی ہوئی تھی

کس کس سے لڑے تشنہ دہانی میں وہ بے آس ۱۰۰ ہمدرد نہ کوئی، نہ مددگار کوئی پاس
وہ فوج کا نرغہ، وہ ہجومِ الم و یاس ان سب پہ سوا مشک کے چھد جانے کا وسواس
بڑھتے تھے کمانداز، تو رک جاتے تھے عباسؑ
تیر آتا تھا جب مشک پہ، جھک جاتے تھے عباسؑ

فریاد کہ تھے لاکھ لعیں روکے ہوئے راہ ۱۰۱ شمشیر بکف بیچ میں، ابنِ اسد اللہ
پیچھے سے پڑی تیغِ ستم دوش پہ ناگاہ شاخِ شجرِ باغِ علیؑ، قطع ہوئی آہ
ایک ہاتھ تو ہمراہ گرا تیغِ دو دم کے
اک ہاتھ تھا باقی، وہ چلا ساتھ علم کے

گرنے لگا، جس دم علمِ سیّد والا ۱۰۲ عباسؑ نے جھک کر اُسے گردن سے سنبھالا
اک تیر لگا چشم پہ، اور سینے پہ بھالا بند آنکھیں ہوئیں، منھ سے لہو شیر نے ڈالا
خم تھے کہ، پڑا فرق پہ گرز ایک شقی کا
شق ہو گیا سر حضرتِ عباس علیؑ کا

پھر گرزِ گراں بار کا، صدمہ نہیں چھوڑا ۱۰۳ سر پھٹ گیا، پر مشک کو دانتوں سے نہ چھوڑا
زیں سے جو گرے آپ کھڑا ہو گیا گھوڑا پھر تیر نے، مشکیزے کو اور سینے کو توڑا
پانی جو بہا، عید ہوئی فوجِ عدو میں
مچھلی سے تڑپنے لگے عباسؑ لہو میں

ناگاہ یہ آوازِ علیؑ دشت سے آئی ۱۰۴ شبیرؑ خبر لے کہ تصدق ہوا بھائی
چلائی یہ زینبؑ کہ دہائی ہے دہائی حضرت نے کہا لٹ گئی بابا کی کمائی
تشریف شہِ ہر دوسرا لائے ہیں زینبؑ
عباسؑ کے لاشے پہ علیؑ آئے ہیں زینبؑ

جب کٹ گئے دریا پہ علم دار کے بازو ۱۰۵ شانوں سے جدا ہو گئے جرّار کے بازو
ریتی پہ گرے شاہ کے غم خوار کے، بازو مطلع سوکا تھرّانے لگے سیّدِ ابرار کے بازو
رنگ اُڑ گیا تصویرِ الم ہو گئے شبیرؑ
ہاتھوں سے جگر تھام کے خم ہو گئے شبیرؑ

اکبرؑ سے کہا، کرو گریباں مرا پارا ۱۰۶ ہم سوگ میں ہیں، قتل ہوا شیر ہمارا
عاشق مرے بچوں کا زمانے سے سدھارا فرما کے یہ حضرت نے عمامے کو اُتارا
آفت میں پھنسی، پانی کی محتاج سکینہؑ
بس ہو گئی دنیا میں یتیم، آج سکینہؑ

فرما کے یہ گرتے ہوئے دوڑے شہِ والا ۱۰۷ سنبھلے کبھی خود، اور کبھی اکبرؑ نے سنبھالا
تھا سینۂ اقدس میں کلیجہ تہ و بالا چلاتے تھے ہے ہے مری آغوش کا پالا
آگے کبھی چلتے، کبھی پھر پڑتے تھے شبیرؑ
گھبرا کے ہر ایک لاش پہ گر پڑتے تھے شبیرؑ

دریا کی ترائی تو ابھی دور ہے، یا شاہ ۱۰۸ کہتے تھے اُٹھا کر یہ علی اکبرِ ذی جاہ
عباس علیؑ کھو گئے، دنیا سے ہیں آہ فرماتے تھے، آنکھوں میں بصارت نہیں اے ماہ
اب کھینچیں گے تلوار جو رستہ نہ ملے گا
اکبرؑ ہمیں کیا بھائی کا لاشہ نہ ملے گا

عباسؑ علمدار سسکتے نظر آئے ۱۰۹ حضرت کو سنبھالے ہوئے دریا پہ جو لائے
بھائی کو، خدا بھائی کا لاشہ نہ دکھائے اکبرؑ نے کٹے ہاتھ تڑپتے ہوئے پائے
جھکنے جو لگے کانپ کے غش کر گئے شبیرؑ
ثابت علی اکبر پہ ہوا مر گئے شبیرؑ

صدمے سے تڑپنے لگے، عباسؑ دلاور ۱۱۰ ہے ہے شہِ دیں کہہ کے جو روئے علی اکبرؑ
دکھلا دو کدھر ہیں مرے آقا، مرے سرور گھبرا کے بھتیجے سے کہا، اے مرے دلبر
اکبرؑ نے کہا غم شہِ والا کو بڑے ہیں
وہ آپ کے قدموں کی طرف غش میں پڑے ہیں

پھیر دو مرے لاشے کو، میں قربان تمہارے ۱۱۱ سرکا کے قدم جلد، یہ عباسؑ پکارے
قبلے کی طرف چاہیئے منہ، اے مرے پیارے چھاتی میں ہے دم موت کے آثار ہیں سارے
بے دست ہیں، اس وقت میں احساں کرو ہم پر
رکھ دو مرا سر قبلۂ عالم کے قدم پر

للہ زمیں سے شہِ والا کو اُٹھاؤ ۱۱۲ کیا میرے لئے روتے ہو، بابا کو اُٹھاؤ
قدموں کی طرف سے مرے آقا کو، اُٹھاؤ میں اُٹھ نہیں سکتا، تمہیں مولا کو اُٹھاؤ
واجب پسرِ مصحفِ ناطق کا ادب ہے
قرآں کی طرف پاؤں، قیامت ہے غضب ہے

یہ کس کی صدا ہے، میں اس آواز کے قرباں ۱۱۳ غش میں یہ سخن سن کے پکارے شہِ ذی شان
بل بیے کہ عباسؑ کوئی دم کے ہیں مہماں اکبرؑ نے کہا کب سے تڑپتے ہیں چچا جان
پھر ہو نہ سکا ضبط امامِ ازلی سے
لپٹے شہِ دیں، لاشۂ عباس علیؑ سے

چلّائے بصد غم، مرے بھائی مرے بھائی ۱۱۴ کیا دل کا ہے عالم، مرے بھائی مرے بھائی
کیوں چشم ہے پُرنم، مرے بھائی مرے بھائی اُکھڑا ہے ترا دم، مرے بھائی مرے بھائی
سینے میں اجل سانس ٹھہرنے نہیں دیتی
ہچکی تمھیں اب بات بھی کرنے نہیں دیتی

خشکیدہ زباں کو جو نہیں بات کا یارا ۱۱۵ کچھ نرگسی آنکھوں سے کرو ہم سے اشارا
پُتلی بھی پھری جاتی ہے مُنھ زرد ہے سارا معلوم ہوا جلد ہے اب کوچ تمھارا
کروٹ یہ نہیں، بھائی سے مُنھ موڑ رہے ہو
ہم خوب سمجھتے ہیں کہ دَم توڑ رہے ہو

یہ کہتے تھے حضرت کہ قیامت ہوئی طاری ۱۱۶ عباسؑ علم دار کرا ہے، کئی باری
اٹکا جو دم آنکھوں میں تو آنسو ہوئے جاری تن رہ گیا، اور رُوح سُوئے خُلد سدھاری
چلّا کے جو شہ روئے تو، گھبرائی سکینہؑ
نکلا تھا دم اُن کا کہ نکل آئی سکینہؑ

یوں کہنے لگی دوڑ کے نفضہ جگر افگار ۱۱۷ جاتی ہو کہاں، تیر نہ مارے کوئی خونخوار
چلّائی بہن ڈیوڑھی سے، یا سیدِ ابرار تھمتی نہیں اب ہم سے سکینہ جگر افگار
یا پھیر کے اس بیکس و بے آس کو لاؤ
یا ڈیوڑھی تلک لاشۂ عباسؑ کو لاؤ

گھبرا کے سوئے خیمہ لگے دیکھنے، سرور ۱۱۸ دیکھا کہ چلی آتی ہے، سرپیٹتی دختر
زلفیں تو ہیں بکھری ہوئی، ٹوپی نہیں سر پر جو رو کتا ہے کہتی ہے، گھبرا کے وہ مضطر
لوگو تمھیں کچھ میرے، بہشتی کی خبر ہے
بتلا دو مجھے بہرِ خدا، نہر کدھر ہے

سقّے کا مرے نام ہے، عباسؑ علمدار ۱۱۹ تصویر علیؑ کی ہے سراپا، وہ خوش اطوار
کاندھے پہ تو مشکیزہ ہے اور ہاتھ میں تلوار پیاسی ہوں، مگر اب مجھے پانی نہیں درکار
پھر آنے کی قسمیں انھیں دینے کو چلی ہوں
میں اپنے چچا جان کو لینے کو چلی ہوں

لاشے پہ عبا ڈال کے، شبیرؑ پکارے ۱۲۰ کیوں گھر سے نکل آئیں میں قرباں تمھارے
گھبرا کے سکینہؑ نے کہا، پیاس کے مارے حضرت نے کہا بھائی تو دنیا سے سدھارے
میں تم کو اسی واسطے سمجھاتا تھا، رو کر
اب ڈھونڈنے آئی ہو مرے بھائی کو کھو کر

سر پیٹ کے ہاتھوں سے یہ چلائی وہ بے پر ۱۲۱ دکھلا دو مجھے لاشۂ عباسؑ دلاور
اکبرؑ نے کہا رو کے نہ مانے گی یہ مضطر حضرت نے کہا لاشِ علمدار دکھا کر
پانی کی تمنا میں ہزاروں سے لڑے ہیں
منھ دیکھ لو یہ شیر سے عباس پڑے ہیں

میت سے لپٹنے کو جو وہ دوڑ کے آئی ۱۲۲ حضرت نے عبا بھائی کے چہرے سے اٹھائی
چلائی سکینہؑ کہ دہائی ہے دہائی ریتی میں علمدار نے بھی شکل چھپائی
تھرانے لگا، لاشۂ سقائے سکینہؑ
لاشے سے صدا آنے لگی ہائے سکینہؑ

خاموش انیسؔ، اب یہ دعا کر کہ الٰہی ۱۲۳ اب جلد سوئے روضۂ شبیرؑ ہوں راہی
اب ہند میں کب تک، یہ فقیری، یہ تباہی اُس در کی گدائی ہے، مرے واسطے شاہی
سرکارِ شہنشاہِ فلک جاہ کو دیکھوں
عباسِؑ علم دار کی درگاہ کو دیکھوں

مرثیہ (۱۶)

جب بادبانِ کشتیِ شاہِ اُمم گرا ۱ یعنی زمیں پہ فوجِ خدا کا علم گرا
گھوڑے سے واں، برادرِ عالی ہمم گرا یاں، فاطمہؑ کے لال پہ کوہِ اَلم گرا
صدمہ ہوا یہ دل پہ امامِ انام کے
خم ہو گئے، کلیجے کو ہاتھوں سے تھام کے

بجتا تھا واں سپاہ میں، نقارۂ ظفر ۲ ماتم تھا نوجوانیِ عباسؑ کا اُدھر
بیٹھے تھے فرشِ خاک پہ سلطانِ بحر و بر اکبرؑ کھڑے تھے سامنے، چپکے جھکائے سر
پاسِ ادب سے شاہ کے کچھ کہہ نہ سکتے تھے
چہرہ تھا سُرخ آنکھوں سے آنسو ٹپکتے تھے

اعدا پکارتے تھے کہ یا شاہِ دیں پناہ ۳ باقی ہے کوئی اور کہ بس ہو چکی سپاہ
عباسؑ سا تو اب کوئی ہوگا نہ خیر خواہ بھیجو کسی کو جلد، کہ ہم دیکھتے ہیں راہ
چھٹتے دو گُل پسر کو شہادت کے باغ سے
کب تک بچائیے گا، کلیجے کو داغ سے

دُنیا سے کوچ کر گئے، عباسِؑ نامدار ۴ اب بے چراغ ہے لحدِ شیرِ کردگار
حضرت کا شکر و صبر ہے، عالم پہ آشکار مثلِ خلیلؑ کیجیے، فرزند کو نثار
آہیں نہ بھریئے، پیٹ کے سر کو نہ روئیے
جب جانیں ہم کہ کھو کے پسر کو نہ روئیے

بھائی کا داغ اور ہے، داغِ پسر ہے اور ۵ بازو کا درد اور ہے، دردِ جگر ہے اور
قوّت بدن کی اور ہے، نُورِ نظر ہے اور سینے کا زخم اور ہے، دردِ کمر ہے اور
گر صبر ہے تو، گود کے پالے کو بھیجیے
نیزوں میں اپنے گیسوؤں والے کو بھیجیے

دشوار ہے اگر غمِ فرزندِ نوجواں   ۶   مرنے کو آپ آئیے، اے قبلۂ زماں
مشتاقِ تیر ہیں، تبر و خنجر و سناں   جان اپنی دیجئے، جو ہے پیاری پسر کی جاں
اصغرؑ سے کچھ غرض ہے، نہ اکبرؑ سے کام ہے
ہم کو تو آپ کے سرِ انور سے کام ہے

حضرت نے مسکرا کے نظر کی سوئے پسر   ۷   نعلینِ عرش سا پہ جھکایا پسر نے سر
فرمایا کیا ارادہ ہے، اے غیرتِ قمر   کی عرض اذن دیجئے یا شاہِ بحر و بر
عباسؑ کے فراق نے مارا غلام کو
بس اب نہیں ہے صبر کا یارا غلام کو

شہ نے کہا خوشی ہے، بہر حال خاکسار   ۸   تم سے جو سو پسر ہوں تو اس راہ میں نثار
پر میں نہ دوں گا رخصتِ میدانِ کارزار   اس امر میں تمھاری پھوپی کو ہے اختیار
راضی ہوں وہ، تو داغ انھیں دے کے جائیے
پالا ہے جس نے اس سے رضا لے کے جائیے

روکوں گا میں تمھیں، یہ نہ کیجو کبھی خیال   ۹   صابر خدا کی راہ میں ہے فاطمہؑ کا لال
صدقے ہے نورِ عین، تصدق ہے جان و مال   طفل و جوان و پیر کا حافظ ہے، ذوالجلال
ماں کون، باپ کون، عطا کبریا کی ہے
اولاد ہے تو کیا ہے، عنایت خدا کی ہے

سو طرح کا ملال ہوا، میں نے کچھ کہا   ۱۰   بے جاں حسنؑ کا لال ہوا، میں نے کچھ کہا
بھائی کا انتقال ہوا، میں نے کچھ کہا   سب باغ پائمال ہوا، میں نے کچھ کہا
آنکھوں کا نور جائے کہ گھر بے چراغ ہو
حاضر دل و جگر ہے، تمھارا بھی داغ ہو

خیمے میں آئے روتے ہوئے اکبرِ حزیں   ۱۱   چھاتی لگایا ماں نے، پھوپھی نے بلائیں لیں
اک آہ سرد بھر کے یہ بولا وہ مہ جبیں   نرغے میں ظالموں کے اکیلے ہیں، شاہِ دیں
روتے ہیں غیر سید والا کے حال پر
اماں مقامِ رحم ہے بابا کے حال پر

اعدا کا ظلم، بھائی کا غم، تین دن کی پیاس ۱۲ بازو شکستہ، ضعفِ بصارت، ہجومِ یاس
اب میں ہوں اور کوئی نہیں شاہِ دیں کے پاس اس پر بھی اضطراب نہیں کچھ، زہے حواس
گھیرے ہیں سب امام غریب الدیار کو
تنہا کھڑے ہیں، تولے ہوئے ذوالفقار کو

تنہا کہاں امام، کہاں وہ ہجومِ عام ۱۳ میں یاں ہوں اب تو اور بڑھی ہوگی فوجِ شام
فریاد ہے کوئی نہیں آتا ہمارے کام مٹتا ہے صفحۂ دوجہاں سے، پدر کا نام
مظلوم باپ آنکھوں کے آگے ہلاک ہو
بیٹا جوان، ہم سا نہ، پیوندِ خاک ہو

تقدیر نے کیا نہ شہادت سے بہرہ یاب ۱۴ اچھا مریں گے بعدِ شہِ آسماں جناب
ہم بھی نہیں، اگر نہیں فرزندِ بوتراب ذرہ کہاں، غروب ہوا جب کہ آفتاب
دنیا کا نور، نیرِ اعظم کے ساتھ ہے
اپنی تو زندگی، شہِ عالم کے ساتھ ہے

جب گھر لٹا تو شوکتِ شاہانہ پھر کہاں ۱۵ صاحب نہ ہو تو رونقِ کاشانہ پھر کہاں
اندھیر جب ہو، روشنئ خانہ پھر کہاں گل ہوگئی جو شمع تو پروانہ پھر کہاں
ہم ہوں جہاں میں، دلبرِ ختمِ رسل نہ ہو
بلبل کی زندگی کا مزا کیا جو گل نہ ہو

دنیا سے جلد ہم کو اٹھا لے ہمارا رب ۱۶ آغوشِ قبر میں ہو الٰہی ہمیں یہ تب
صدقے ہوں غیر، سبطِ نبیؐ کے قدم پہ سب بیٹا مدد نہ کر سکے بابا کی، ہے غضب
مانع ہیں آپ اور پھر بھی سدِ راہ ہیں
میرا قصور کچھ نہیں، زہراؑ گواہ ہیں

مجھ کو تو آرزو ہے کہ سر کو فدا کروں ۱۷ راہِ خدا میں فوج سے تنہا وغا کروں
سر سے حقوقِ والدِ ماجد ادا کروں مالک مرے اگر نہ رضا دیں تو کیا کروں
واں اقتلوا الحسینؑ کا، اعدا میں شور ہے
پر کچھ ہمارا، پالنے والوں سے زور ہے

تم دونوں صاحبوں سے مرے اب ہیں دو سوال ۱۸ اوّل تو یہ کہ دیجیے مجھے رخصتِ جدال
رکھ لیجیے آبروئے پسر بہرِ ذوالجلال آگے مرے شہید نہ ہو فاطمہ کا لال
لِلّٰہ ہاتھ اُٹھائیے اب نورِ عین سے
امّاں ہمیں عزیز نہ کیجیے حسینؑ سے

ہے دوسری یہ عرض جو رخصت نہیں قبول ۱۹ جلدی ہو کربلا سے روانہ یہ دل ملول
یثرب سے کیا علاقہ ہے بطحا سے کیا حصول لے جائیں گے نجف نہ سوئے روضۂ رسول
جنگل کی راہ لیں گے گریباں کو پھاڑ کے
کافی ہیں منھ چھپانے کو دامن پہاڑ کے

پوچھیں جو دوستانِ مدینہ مری خبر ۲۰ کہہ دیجیو نہ آئیں گے اب وہ کبھی ادھر
صدقے امامِ دیں پہ ہوئے سارے نامور کچھ اُن سے ہو سکی نہ مددگاریِ پدر
بستی بسا کے رن میں شہِ کربلا رہے
کنبے سے منھ چھپا کے وہ جنگل میں جا رہے

رونے لگا یہ کہہ کے جو وہ چودھویں کا ماہ ۲۱ بنتِ علیؑ کی آنکھوں میں دنیا ہوئی سیاہ
بھاوج کے منھ پہ یاس سے زینبؑ نے کی نگاہ گردن بلا کے ماں نے بھری ایک سرد آہ
بنتِ علیؑ تو خاک پہ تھرا کے گر پڑی
بانو پسر کے پاؤں پہ غش کھا کے گر پڑی

ماں کو اُٹھا کے خاک سے رونے لگا پسر ۲۲ بیٹے کے گرد پھر کے یہ بولی وہ نوحہ گر
مجھ کو بھی لے لو ساتھ جو منظور ہے سفر زینبؑ پکاریں چھوڑ کے ہم کو چلے کدھر
اچھا رضا حسینؑ سے لے لو تو جائیو
کاندھا مرے جنازے کو دے لو تو جائیو

کیوں پالنے کا حق یہی ہوتا ہے میں نثار ۲۳ اللہ داری بھول گئے سب ہمارا پیار
قدرت خدا کی اب نہیں کچھ ہم کو اختیار بن بیاہے تم ابھی تو ہو اے میرے گلعذار
سہرا دکھا کے مادرِ پُر غم کو چھوڑیو
آئے دلہن تو صدقے گئی ہم کو چھوڑیو

مرتے ہیں اشتیاق میں، وہ دن خدا دکھائے ۲۴ یہ دائی اپنے ہاتھ سے دولھا تمھیں بنائے
ٹُل ہو کر لو حسینؑ بہو گھر میں بیاہ لائے اچھا نہ ہم سے آنکھ ملانا، دُلہن تو آئے
جیتے ہیں گر تو حسرتِ دل یوں نکالیں گے
اب ہم تمھاری طرح سے پوتے کو پالیں گے

اک دن وہ تھا کہ سوتے تھے چھاتی پہ رات بھر ۲۵ کُرتہ وہ پہنے دوڑتے پھرنا، اِدھر اُدھر
یاد آتی ہیں وہ ہنسلیاں، وہ کان کے گُہر یا آج تیغ ہاتھ میں ہے دوش پر سپر
غازی ہو، صف شکن ہو، سعادت نشان ہو
کیا کام ہم سے نامِ خدا اب جوان ہو

دادا کا مرتبہ تمھیں دے ربِ ذوالجلال ۲۶ قائم تمھارے سر پہ رہے، فاطمہؑ کا لال
قابل ہے رحم کرنے کے واری، ہمارا حال بچپن کی دائیوں کا بھی رکھیے ذرا خیال
کس سے ہو، پھر اُمید اگر تم سے یاس ہو
اب تو تمھیں ہمارے بڑھاپے کی آس ہو

دنیا میں کوئی شخص لگاتا ہے گر شجر ۲۷ ہوتی ہے یہ اُمید کہ، دے گا کبھی ثمر
بالغرض، یہ جہاں میں نہ پھولے پھلے گا گر خوش ہوں گے اس درخت کے سایہ میں بیٹھ کر
کچھ تو ملے ہمیں بھی ثمر اس نہال کا
صدقے گئی ریاض ہے اٹھارہ سال کا

قوت تمھیں ہو دل کی، تمھیں پارۂ جگر ۲۸ یہ بھی خبر نہیں مجھے، کب مر گئے پسر
لاشیں بھی گھر میں آئیں، تو پیٹا نہیں نے سر میں کہتی تھی، جیے یہ مرا غیرتِ قمر
اکبر تو ہے اگر مرے پیارے نہیں نہیں
روشن ہے گھر میں چاند ستارے نہیں نہیں

باتیں یہ کر کے منہ پہ لیا، گوشۂ ردا ۲۹ سر چوب سے پٹک کے کہا، وا محمدا!
بس گر پڑا پھوپھی کے قدم پر، وہ مہ لقا کی عرض رو کے، اے پھوپھی اماں کروں میں کیا
میں بے وفا نہیں ہوں، یہ روشن ہے آپ پر
نرغہ ہے فوج کا، مرے مظلوم باپ پر

منھ سے ہٹائیے تو ردا بہرِ کردگار ۲۰ اچھا نہ جائیں گے سوئے میدانِ کارزار
چادر ہٹا کے منھ سے یہ بولی وہ دل فگار میں کون صدقے جاؤں تمھیں کو ہے اختیار
اصغرؑ ہو یا کہ تم ہو، مجھے سب کا پاس ہے
رخصت گلا کٹانے کی لو، ماں تو پاس ہے

اکبرؑ نے ماں کے چہرۂ اقدس پہ کی نظر ۲۱ ماں نے کیا اشارا کہ، اے غیرتِ قمر
تم سے پھوپھی خفا ہیں، جھکا دو قدم پہ سر قربان جاؤں، عذر کرو ہاتھ باندھ کر
سر کی نہ کچھ خبر ہے، نہ چادر کا ہوش ہے
واری یہ پالنے کی محبت کا جوش ہے

جلدی سے ہاتھ جوڑ کے بولا وہ لالہ فام ۲۲ تقصیر عفو کیجیے، اے خواہرِ امام
بس اب زباں سے کچھ نہیں کہنے کا یہ غلام میری تو ماں ہیں آپ، مجھے کیا کسی سے کام
بندے پہ کی ہے ماں نے یہ شفقت نہ باپ نے
راتوں کو جاگ کر، مجھے پالا ہے آپ نے

انصاف کیجیے کسے پیاری نہیں ہے جاں ۲۳ اور وہ علی الخصوص کہ جو ہوئے نوجواں
کرتا ہے کوئی باغ جوانی کا، رائگاں روتے ہیں پیر بھی، جو چھٹے گلشنِ جہاں
لیکن جہاں سے آج گزرنا ہی خوب ہے
عزت پہ بات آئے، تو مرنا ہی خوب ہے

اکبرؑ نے یہ کلام کیے جب، بصد ادب ۲۴ اُلفت کا جوش آ گیا، بنتِ علیؑ کو تب
لے کر بلائیں چہرے کی، بولی وہ تشنہ لب کڑھتے ہو کس لیے، میں تمھیں روکتی ہوں کب
سچ ہے جہاں میں تم سا، کوئی باوفا نہیں
واری تمھارے سر کی قسم، میں خفا نہیں

کیوں کانپتے ہو، اشک ہیں آنکھوں سے کیوں رواں ۲۵ تم راست گو ہو، سچ ہے تمھارا یہ سب بیاں
لو میں نے دی رضا تمھیں اے میرے نوجواں تم جانو آگے صدقے گئی اور تمھاری ماں
یوں تو تمام گھر کو محبت ہے آپ سے
کچھ ماں کا حق بھی کم نہیں ہوتا ہے باپ سے

جس شب کو رونے لگتے تھے سوتے سے چونک کر ۳۶ گودی میں لے کے تم کو یہ پھرتی تھی تا سحر
دشمن تمہارے ہوتے تھے ناخوش کبھی اگر بس جاگتا تھا اور دعائیں تھیں رات بھر
جب تم کراہتے تھے یہ غش کھا کے گرتی تھی
جھولے کے گرد صورتِ پروانہ پھرتی تھی

آنکھیں بچھائیں ماں نے جو تم گھٹنیوں چلے ۳۷ تلووں سے اس نے دیدۂ حق بیں سدا ملے
نازوں سے منتوں سے مرادوں سے تم پلے صدقے ہوئی کبھی تو لگایا کبھی گلے
مادر نے اپنی عمر مصیبت میں کھوئی ہے
برسوں یہ بی بی ایک ہی کروٹ سے سوئی ہے

بانوؑ نے ہاتھ جوڑ کے زینبؑ سے یہ کہا ۳۸ صدقے گئی کنیز کی خدمت کا ذکر کیا
اس قافلہ میں آپ ہیں اب فاطمہؑ کی جا میں نے بھی دی جو آپ نے بیٹے کو دی رضا
صدقے ہے یہ بھی صورتِ پروانہ آپ پر
پر کیا کرے کہ آج مصیبت ہے باپ پر

یہ ذکر تھا کہ آئے شہنشاہِ بحر و بر ۳۹ لے لیں بلائیں بھائی کی زینبؑ نے دوڑ کر
بانوؑ بھی روئی شہ کے قدم پر جھکا کے سر بولی لپٹ کے بالی سکینہؑ کہ اے پدر
سنتی تھی میں کہ رن سے علمدار آتے ہیں
لو اب تو گھر سے نہر پہ بھیا بھی جاتے ہیں

بانوؑ کے منہ کو دیکھ کے حضرت نے یہ کہا ۴۰ کیوں سچ ہے تم نے بیٹے کو مرنے کی دی رضا
وہ چپ ہوئی تو بولے بہن سے شہِ ہدا کہیے پھوپی بھتیجوں میں کیا فیصلہ ہوا
راہیں سب ان کے روکنے کی بند ہو گئیں
سنتا ہوں میں کہ تم بھی رضامند ہو گئیں

ہاتھوں کو جوڑ کر علی اکبرؑ نے عرض کی ۴۱ اماں نے بھی رضا ہمیں دی اور پھوپی نے بھی
زہراؑ کی وہ بہو ہیں تو یہ دخترِ علیؑ آتا سوال رد نہیں کرتے کبھی سخی
رویا جو میں تو ماں نے گلے سے لگا لیا
مرنے کا اذن دے کے پھوپی نے جلا لیا

عاشق ہیں یہ حضورؑ کی، یا شاہِ نامدار ۴۲ مجھ سے ہوں سو پسر تو کریں آپ پر نثار
دیکھی ہیں کس نے بیبیاں ایسی فلک وقار وہ ہاجرہ کا فخر، یہ مریمؑ کا افتخار
سب فاطمہؑ کا صبر ہے، خو ہو تو ایسی ہو
بیٹی ہو اس طرح کی، بہو ہو تو ایسی ہو

ماں نے کہا، پسر کی فصاحت تو دیکھیے ۴۳ نامِ خدا، زباں کی طلاقت تو دیکھیے
زینبؑ یہ بولیں ذہن کی جودت تو دیکھیے ہر بات میں، ثبوتِ اجازت تو دیکھیے
کیا بات بھائی، ان کی بھلا بول چال کی
گویا زباں ہے مصحفِ ناطق کے لال کی

رومال رکھ کے آنکھوں پہ بولے امامِ دیں ۴۴ تم دو گی رخصت ان کو، مجھے یہ نہ تھا یقیں
سچ ہے اجل سے کچھ کسی انساں کا بس نہیں آیا تھا، اتنی عمر ہی لے کر یہ مہ جبیں
بے جا ہے روکنا جو یہ طالب قضا کے ہیں
اے بنتِ فاطمہؑ، یہ کرشمے قضا کے ہیں

آیا بنائے ہستیٔ انساں میں جب خلل ۴۵ رونا ہے بے حصول کہ ہے سعی بے محل
جاتا ہے کوئی آج جہاں سے تو کوئی کل روؤ کہ خاک اڑاؤ نہیں چھوڑتی اجل
نے فاطمہؑ رہیں، نہ امیرِ عرب رہے
ہم شکل جن کے یہ ہیں، وہ دنیا میں کب رہے

رو کر کہا پسر سے کہ، اچھا سدھاریے ۴۶ پوشاک تو پہنیے، یہ کپڑے اتاریے
زینبؑ سے بولے، ہاتھ نہ سینے پہ ماریے شانہ منگا کے، گیسوئے اکبرؑ سنواریے
لے آؤ مصطفےٰؐ کی قبا، ان کے واسطے
خلعت رکھا تھا ہم نے اسی دن کے واسطے

آنسو بہا کے بانوئے ناشاد سے کہا ۴۷ پروان آج چڑھتا ہے صاحب، یہ مہ لقا
لاؤ عمامۂ شبِ معراجِ مصطفےٰؐ ارمان تھا بہت تمھیں، اکبرؑ کے بیاہ کا
جاتے ہیں برچھیوں میں انھیں دیکھ بھال لو
دولھا بنا کے بیاہ کی حسرت نکال لو

اکبرؑ یہ ہاتھ جوڑ کے بولے بہ درد و یاس ۴۸ کشتی میں لائی بنتِ علیؑ بیاہ کا لباس
تازہ ابھی ہے ماتمِ عباسؑ حق شناس کپڑے تو یہ نہ پہنوں گا میں اے فلک اساس
ہیں سوگوار ہاتھ میں رومال دیجیے
گردن میں لا کے شالِ عزا ڈال دیجیے

عُریاں پڑے ہیں عونؑ و محمدؑ سے گلبدن ۴۹ محتاجِ قبر ہے، ابھی لختِ دلِ حسنؑ
عباسؑ نامدار نے پایا نہیں کفن ہم کس طرح سے پہنیں، یہ شادی کا پیرہن
بھائی کے غم میں چاک گریباں ہے شاہ کا
مر کر کفن ملے، یہی جوڑا ہے بیاہ کا

قاسمؑ کی ماں پکاری کہ ہے ہے مرے پسر ۵۰ تڑپی یہ سُن کے زوجۂ عباسؑ نامور
بیٹوں کے غم سے ہل گیا زینبؑ کا بھی جگر کبراؑ نے آہِ سرد بھری اک جھکا کے سر
فریاد شاہِ دیں کی صدا تا فلک گئی
عموؑ کا حال سُن کے سکینہؑ بلک گئی

بانوؑ پکاری اے مرے گل پیرہنؑ چلے مطلع دوم جب بہرِ جنگ، اکبرؑ شیریں سخن چلے
پیچھے جواں پسر کے، امامِ زمن چلے ۵۱ واری اجاڑ کر کے ہمارا چمن، چلے
پردہ اٹھا، جو خیمۂ گردوں پناہ کا
اک بُرج سے طلوع ہوا، مہر و ماہ کا

آنکھوں سے اشک قبلۂ کونین نے بہائے ۵۲ خدام تازیؔ علی اکبرؑ کو، در پہ لائے
چلائے شہ کہ چھوڑ چلے ہم کو ہائے ہائے ہاتھوں کو جوڑ کر، علی اکبرؑ قریب آئے
اللہ کتنا شوقِ شہادت ہے آپ کو
دو چار گام، ساتھ تو چلنے دو باپ کو

اے لال قبر تک تمھیں پہونچا تو دے پدر ۵۳ دنیا سے کوچ کرتا ہے تم سا جواں پسر
تکلیف ہوگی آپ کو یا شاہِ بحر و بر جھک کر قدم کے سمت، یہ بولا وہ نامور
رونے کو ضبط کیجے، جگر کو سنبھالیے
ناموس نکلے آتے ہیں گھر کو سنبھالیے

شہ نے کہا کہ تم نہ ہوئے جب تو گھر کہاں ۵۴ بیٹا نہ ہو تو لطفِ حیاتِ پدر کہاں
اس وقت تم کو رو ہیں نہ ایسا جگر کہاں خود بے خبر ہیں ہم کو کسی کی خبر کہاں
گھر تھامے کون تم تو کمر توڑے جاتے ہو
ہم کو سنبھالنے کو کسے چھوڑے جاتے ہو

فرزند نے جو روحِ محمد کی دی قسم ۵۵ بس تھرتھرا کے بیٹھ گئے قبلۂ امم
منہ دیکھ کر پسر کا یہ بولے بہ چشمِ نم اچھا سدھارو خیر نہ جائیں گے ساتھ ہم
پھر اس طرف کی راہ اُدھر جا کے لیجیو
مر جائیں ہم تو جلد خبر آ کے لیجیو

روتا ہوا بڑھا سوئے گلگوں وہ گلبدن ۵۶ گویا چڑھے براق پہ محبوبِ ذوالمنن
گھوڑا سجا ہوا تھا بہادر کا یا دلہن ہر گام پر دکھاتا تھا طاؤس کا چلن
آہو خجل تھے کبکِ دری کو حجاب تھا
دریا پہ موج تھا تو ہوا پر عقاب تھا

پہونچا عجب شکوہ سے رن میں وہ مہ جبیں ۵۷ کوسوں فروغِ حسن سے روشن ہوئی زمیں
آئے رسولِ حق یہ ہر اک کو ہوا یقیں غل تھا یہ نوجواں تو ہے یوسف سے بھی حسین
تصویر سر سے تا بہ قدم مصطفےٰ کی ہے
اس حسن کے بشر بھی ہیں قدرت خدا کی ہے

مثلِ کماں کشیدہ ہیں ابروئے بے نظیر ۵۸ ارجن بھی جس سے سہم کے ہو جائے گوشہ گیر
سر بر نہ ہونے دیں گے عدو کو مژہ کے تیر ہیں اس کمان و تیر کے قرباں جوان و پیر
قربان چشمِ سرمہ کشیدہ کی شان پر
چلہ چڑھا ہوا ہے کیانی کمان پر

ہے جلوۂ جبینِ مبیں چاند سے دو چند ۵۹ گیسوئے مشک بیز ہیں یا عنبریں کمند
زیبا ہے اختروں کو جو گردوں کرے پسند پایا ہے ابروؤں نے عجب رتبۂ بلند
ہے عین راستی پہ کجی دل نواز ہیں
آنکھوں پہ کیوں جگہ نہ ملے سرفراز ہیں

آنکھوں کو عین کعبہ سمجھتے ہیں حق پرست ۶۰ کیفیتِ رحیقِ محبت سے ہیں یہ مست
صانع نے کر دیا صفِ مژگاں کا بندوبست عین الکمال سے انھیں پہونچے نہ تا شکست
مردم میں روشنی ہے، اسی نورِ عین سے
دیکھے کوئی ان آنکھوں کو چشمِ حسینؑ سے

ہم شکل ہیں جنابِ رسالت مآبؐ کے ۶۱ کہتا ہے حسن خود کہ، نثار اس شباب کے
گیسو ہیں یا ہیں ماہ پہ لکّے، سحاب کے رخسار ہیں کہ پھول کھلے ہیں گلاب کے
دونوں سے نور میں مہ و خورشید ماند ہیں
زلفیں گواہ ہیں کہ اندھیرے کے چاند ہیں

گلزارِ حسن سے کوئی دیکھے دہن کا رنگ ۶۲ اڑتا ہے غنچہ و سمن و یاسمن کا رنگ
شرمندہ ہے لبوں سے عقیقِ یمن کا رنگ رنگیں بیاں ہیں سب سے جدا ہے سخن کا رنگ
بلبل بھی مدح خوان، چمنِ مرتضیٰ کی ہے
غنچے سے پھول جھڑتے ہیں قدرت خدا کی ہے

اللہ رے نورِ گوہرِ دندانِ آبدار ۶۳ بجلی چمک رہی ہے بدخشاں میں بار بار
الماس صدقے، حاصلِ بحرِ عدن نثار ہیں گوہرِ خزینۂ محبوبِ کردگار
دولت ملی ہے اکبرِ شیریں مقال کو
ان موتیوں سے عشق ہے زہرا کے لال کو

روشن ہے دشت، گردنِ نازک کے نور سے ۶۴ فی الواقعی فزوں ہے ضیا شمعِ طور سے
موسیٰ دکھاتے ہیں، ید بیضا کو دور سے شیشہ بھرا ہوا ہے شرابِ طہور سے
گردن بھی بے عدیل گلابی مثال ہے
تکمہ سہیل ہے تو گریباں ہلال ہے

ظاہر ہیں ان کے ہاتھوں کی زور آزمائیاں ۶۵ مثلِ علیؑ کریں گے صفوں کی صفائیاں
سرکی ہیں، دم میں بدر و احد کی لڑائیاں زورِ یداللّٰہی سے بھری ہیں کلائیاں
بالا رہا ہے سب سے جہاں میں علیؑ کا ہاتھ
پہونچے یہ واں جہاں نہیں پہونچا کسی کا ہاتھ

سینہ خزینۂ کرم و عدل و داد ہے ۶۶ ہاں لا کلام، مصحفِ ربِّ عباد ہے
جو رطب و یابس اس میں ہے سب انکو یاد ہے ایمان جانتا ہے' جو خوش اعتقاد ہے
دولت جو نوحؑ کی ہے سفینے میں ان کے ہے
جو طور پر ضیا تھی' وہ سینے میں ان کے ہے

وہ سینہ جس کا مصحفِ اکبرؑ، مشتبہ ۶۷ نیزے لگائیں اس پہ لعیں کیا غضب ہے یہ
بیدادِ برچھیوں کی ہو، تیروں کا برسے مینھ سوراخ ہو' بدن کی قبا، صورتِ زرہ
دیندار آنکھیں ملتے ہیں دستِ نقیہ پر
کیا ہاتھ تھے اُٹھے جو نبیؐ کی شبیہ پر

کس طرح کوئی وصفِ سراپا کرے رقم ۶۸ جلوہ خدا کے نور کا ہے سر سے تا قدم
قطرہ کہاں، کہاں صفتِ قلزمِ کرم مورِ ضعیف مدحِ سلیمانِ ذی حشم
یاں سب تعلیاں شعرا کی فضول ہیں
بس خاتمہ ہوا کہ شبیہِ رسولؐ ہیں

کس(۱) شان سے کھڑے ہیں علی اکبرؑ جواں ۶۹ اور اُس طرف کھلے ہوئے ہیں فوج کے نشاں
کہتا ہے ابنِ سعدِ ستمگار سخت جاں شبیرؑ کے چراغ کو جلدی بجھاؤ(۵)' ہاں
صدمہ مفارقت کا امامِ زماں پہ ہو
دیکھیں حسینؑ' اور سرِ اکبرؑ سناں پہ ہو

کہتی ہے فوج سب کہ خدا سے ڈرا ے امیر ۷۰ چُپ رہ' ارے مٹا نہ یہ تصویرِ بے نظیر
حاکم کے گر عتاب کا ڈر ہو نہ اے شریر اس کے قدم پہ جا کے گریں سب جوان و پیر
دنیا میں دوسرا کوئی تجھ سا شقی نہیں
بتلا یہ کون ہے جو ہمارا نبیؐ نہیں

تیرے ہمارے بیچ میں ہے روئے مصطفٰےؐ ۷۱ کیا تو سمجھ نہیں ہے یہ گیسوئے مصطفٰےؐ
قامت ہے صاف قامتِ دلجوئے مصطفٰےؐ ایسے نہ تنکے ملے ہوئے ابروئے مصطفٰےؐ
سب روشنی جمالِ رسولِ زمن کی ہے
جنگل بسا ہوا ہے' یہ بو کس بدن کی ہے

کیوں ایسے امرِ زشت کا ہو مرتکب بشر ۷۲ ایماں کا جس میں خوف ہو اور آبرو کا ڈر
آنکھوں سے دیکھتے ہیں کہ ہیں سیدالبشر اُترا ہے آسماں سے ملک، وہ نہیں ہیں گر
بیشک کرم کیا ہے رسالتؐ پناہ نے
تجھ کو تو کور کر دیا ہے حُبِّ جاہ نے

کہنے لگا یہ تب رؤسا سے وہ فتنہ گر ۷۳ مجھ سے نشانِ خیر ذرا سُن لو سر بسر
ہوتا نہ تھا مگس کا تنِ پاک تک گذر سایہ کبھی نہ جسم کا پڑتا تھا، خاک پر
ہوتا تھا دھوپ میں جو گذر اس جناب کا
رہتا تھا فرقِ پاک پہ سایۂ سحاب کا

جس راہ سے گذرتے تھے پیغمبرِؐ زماں ۷۴ پھولوں کی تین روز مہک رہتی تھی، وہاں
محبوبِ کبریا ہیں اِرم میں، یہاں کہاں؟ اکبرؑ ہے یہ، حسینؑ کا فرزندِ نوجواں
محبوبِ کبریا نہیں، کوئی ملک نہیں
ہم صورتِ رسولؐ ہیں، کچھ اس میں شک نہیں

بالفرض گو نبی ہے تو پھر تم کو خوف کیا ۷۵ فرمان جو امیر کا، حاکم کی جو رضا
اکثر بہادروں نے، رسولوںؐ سے کی دغا پتھر سے توڑے، گوہرِ دندانِ مصطفےٰؐ
درپے رہے، جنابِ رسالتؐ پناہ کے
تلوار ماری فرق پہ شیرِ الٰہ کے

اسلام کس کو کہتے ہیں، ایماں ہے کس کا نام ۷۶ بندے ہیں زر کے، ہم کو نہیں کچھ کسی سے کام
دشمن کی مدح، واہ یہ ہے کون سا کلام ہوتی ہے دیر، جاؤ یہ قصہ کرو تمام
گر یوں کرو گے رحم، ہر اِک نورِ عین پر
کیوں کر چھری پھراؤ گے، حلقِ حسینؑ پر

اکبرؑ کو غیظ آگیا، سنتے ہی یہ کلام ۷۷ دی ابنِ سعد کو یہ صدا تول کر حسام
یہ کیا کلام کرتا ہے تو او نمک حرام لیجو زباں سے، پھر نہ امامِ اُمم کا نام
ان کے قدم پہ جنّ و بشر جان دیتے ہیں
نامِ حسینؑ صلِّ علیٰ کہہ کے لیتے ہیں

سُن کر صدائے شیر، ہٹا فوج سے شریر ۷۸ یاں سے بڑھے تھے یہ کہ چلے اس طرف کے تیر
صفدر نے لی، نیام سے تیغِ قضا نظیر ہلتی زمیں، لرزنے لگا آسمانِ پیر
بجلی عیاں ہوئی غضبِ کردگار کی
یاد آگئی ہر اک کو چمک ذوالفقار کی

پڑھ کر رجز، دلیر در آیا سپاہ میں ۷۹ گویا جھپٹ کے شیرِ نر آیا سپاہ میں
ہل چل ہوئی جری جدھر آیا سپاہ میں خیبر کا معرکہ نظر آیا سپاہ میں
بجلی خدا کے قہر کی تھی یا حسام تھی
پہلے ہی وار میں صفِ اوّل تمام تھی

دوزخ میں ناریوں کے پرے پیش و پس گئے ۸۰ پانچ اس طرف پہونچ نہ چکے تھے کہ دس گئے
آگے گئے سوار، تو پیچھے فرس گئے جب برقِ تیغ کوند گئی، سر برس گئے
چھایا تھا ابرِ غم سپہِ بد صفات پر
غل تھا کہ اولے پڑتے ہیں کشتِ حیات پر

جوہر شناس تیغ زباں مُنھ ادھر کریں ۸۱ تیزی کو حرف حرف کی مدِ نظر کریں
دشمن ہزار سینے کو اپنے سپر کریں مصرعے وہ جانگزا ہیں کہ ٹکڑے جگر کریں
بیتوں میں ذوالفقار کی سب آب و تاب ہے
بین السطور تیغِ حسینی کی تاب ہے

در پے تھی سرکشوں کے جو وہ تیغِ جانستاں ۸۲ گوشوں سے تھی بلند صدائے اماں اماں
ترکش سے تیر بھاگتے تھے، تیر سے کماں گردن سے سر، رگوں سے لہو اور بدن سے جاں
یارا عقابِ تیر کو پرواز کا نہ تھا
رن میں کہیں نشان قدر انداز کا نہ تھا

قبضہ ہر ایک تیغ سے، ہر تن سے سر لیا ۸۳ برچھی سے پھل، تو زینِ فرس سے تبر لیا
ڈھالوں سے پھول لے گئے پھولوں سے زر لیا اپنا خراج تیغ نے اُن سب سے بھر لیا
بہرِ حصولِ جزیہ، جو وہ تیغ تُل گئی
اک اک گرہ بندھی ہوئی، نیزے کی کھُل گئی

ترکش وہ جن کو جانتے تھے سب اجل کا گھر ۸۴ کاٹے ہوئے پڑے تھے وہ ریتی پہ سر بسر
ہر اک عقابِ تیر کے، ٹوٹے ہوئے تھے پر — طاقت نہ تھی کہ شاخِ کماں تک کریں گذر
اس جنگ میں دہن کو نہ سوفار کھولے تھے
طائر ڈرے ہوئے تھے کہ منقار کھولے تھے

سر لوٹتے تھے برچھیوں والوں کے ہر طرف ۸۵ ٹکڑے پڑے تھے دشت میں بھالوں کے ہر طرف
پامال تھے سوار رسالوں کے ہر طرف — پرکالے اڑتے پھرتے تھے ڈھالوں کے ہر طرف
خاطر نشاں نہ تھی کسی آفت نشان کی
انبار تھیں کٹی ہوئی شاخیں کمان کی

جی سَن سنا گئے، وہ جدھر سَن سے آ گئی ۸۶ گویا سموم، کوہ کے دامن سے آ گئی
جلتے ہوئے کباب کی بو تن سے آ گئی — چیخی تو الاماں کی صدا، رن سے آ گئی
کچھ واں فقط نہ فوج ہی آفت رسیدہ تھی
خوں میں زمیں بھی، صورتِ بسمل طپیدہ تھی

ثابت نہ تھے بدن پہ کسی تیغ زن کے ہاتھ ۸۷ اڑتا تھا سر، جسے یہ لگاتے تھے تن کے ہاتھ
سب تھک گئے، مگر نہ تھکے صف شکن کے ہاتھ — وہ معرکہ رہا، اسی گل پیرہن کے ہاتھ
پہونچا تھا ہاتھ ہاتھ، جو دستِ خدا کا زور
ہر ضرب میں دکھا دیا خیبر کشا کا زور

رن میں جمے تھے دلبرِ ضرغامِ دیں کے، پاؤں ۸۸ سچ ہے کہیں اکھڑتے ہیں رکنِ رکیں کے، پاؤں
دہشت سے اٹھ گئے تھے سپاہِ لعیں کے، پاؤں — تھمتی نہ معرکے میں جو ہوتے زمیں کے پاؤں
جس دم وہ حرب ضرب اسے یاد آتی ہے
یہ زلزلہ نہیں ہے، زمیں کانپ جاتی ہے

دب کر سوار، شام کے لشکر کے رہ گئے ۸۹ خالی صفوں میں سرد نفس بھر کے، رہ گئے
روحیں کہاں کی، ڈھیر تن و سر کے رہ گئے — ہر چند سنگ دل تھے، پہ مر مر کے رہ گئے
تنہا نہ ریت پر کسی ناکس کی، لاش تھی
اِک اِک شقی کی لاش پہ دس دس کی لاش تھی

شانوں سے ہاتھ، ہاتھ سے تیغ و سپر جدا ۹۰ سر سے عدو کے خود جدا، تن سے سر جدا
گھٹنوں سے دونوں پائے ضلالت اثر جدا سینے سے پسلیاں، تو شکم سے کمر جدا
ٹکڑے تھے عضو، قطع تھا جامہ حیات کا
عالم مرکبات میں تھا مفردات کا

سر تن سے جسم سر سے جدا ہو کے رہ گیا ۹۱ جس پہ چلی وہ تیغ، فنا ہو کے رہ گیا
گردن سے تا کمر کوئی 'لا' ہو کے رہ گیا بڑھ کر تھمی، تو حشر بپا ہو کے رہ گیا
تھا ایک ہاتھ میں سر اسوار زین پر
رہوار کی کٹی ہوئی گردن زمین پر

تھے زرد مثلِ برگِ خزاں دیدۂ سب جہول ۹۲ سرسبز سب پہ تھا، شجرِ گلشنِ رسولؐ
برچھی سے پھل، کمان سے شاخیں، سپر سے پھول گرتے تھے بار بار یہی تھا ثمر حصول
زہرا کا باغ اُجاڑ کے راحت سے سوئے تھے
آخر اُگے نہ سب وہی کانٹے جو بوئے تھے

نعل اس کے ماہِ نو ہیں، تو سُم رشکِ آفتاب ۹۳ لکھتا ہے 'ادہم' قلم، اب سرعت عقاب
سرعت میں برقِ گرم، روانی میں جوئے آب پستی میں سیل ہے تو بلندی میں ہے سحاب
اُڑنے میں اس فرس کو پرندوں پہ اَوج ہے
اِک شور تھا قدم نہیں دریا کی موج ہے

دیکھیں تو لیں بلائیں سدا بال بال کی ۹۴ افزوں ہے زلفِ حور سے خوشبو ایال کی
غصے میں جست شیر کی، شوخی غزال کی پریاں خرامِ ناز میں، شاگرد چال کی
وہ حسن تن پہ ساز کا، جوبن یراق کا
دُلدل کے ہاتھ پاؤں تو چہرہ بُراق کا

گردوں مسیر، بادیہ پیما و برق دو ۹۵ نازک مزاج و نسترن اندام و تیز رَو
دو روز سے نہ کاہ ملی تھی اُسے نہ جَو اس کا نہ اک قدم، نہ زغندیں ہرن کی سَو
رفتار میں ہوا تھا اشارے میں برق تھا
سرعت میں کچھ کمی تھی نہ چل بل میں فرق تھا

صرصر سے تُند، بُو سے سُبک رو، ہوا سے تیز ۹۶ چالاک فہم و فکر سے، ذہنِ رسا سے تیز
طاؤس و کبک و نسر و عقاب و ہُما سے تیز جانے میں اُڑ کے، ہُدہُدِ شہرِ صبا سے تیز
ذی جاہ تھا، سعید تھا، فیروز بخت تھا
رہوار کیا ہوا پہ سلیماں کا تخت تھا

ہٹا، جما، اُڑا، اِدھر آیا، اُدھر گیا ۹۷ چمکا، پھرا، جہاں دکھایا، ٹھہر گیا
تیروں سے اُڑ کے، برچھیوں میں بے خطر گیا برہم کیا صفوں کو پَروں سے، گذر گیا
گھوڑوں کا تن بھی ٹاپ سے اسکے فگار تھا
ضربت تھی نعل کی کہ، سرو ہی کا وار تھا

جب خوب لڑ چکا شہِ دیں کا سرِ رجال ۹۸ نکلا اُدھر سے جنگ کو اک شام کا جواں
بدکار و بدسرشت و بدآئین و بد زباں سرہنگ و جنگ جو سلح سور و پہلواں
غرہ تھا اپنے زور پہ خانہ خراب کو
رُستم کو مانتا تھا، نہ افراسیاب کو

افزوں تھا دیو سے بھی تن و توشِ نابکار ۹۹ قوت میں عمرو عنتر و مرحب کا یادگار
اسفند یارِ عصر و نمودار و نام دار شیر آئے سامنے تو کرے تیر سے شکار
شورش مزاج میں تو ستم آب و گِل میں تھا
نے آنکھ میں حیا تھی نہ رحم اسکے دل میں تھا

بارِ گناہ حاکمِ فاسق تھا خودِ سر ۱۰۰ تھی رُوسیاہیٔ پسرِ سعد کی سپر
ذی جوشنِ شقی کا جو تھا ناخلف پسر پہنے تھا اس کی تن کی زرہ بر میں بدگہر
ظاہر کماں نسے، سرکشیٔ بدنہاد تھی
قبضے میں تیغِ بدعتِ ابنِ زیاد تھی

میداں میں یوں رجز پڑھا اس نے بشد و مد ۱۰۱ تھرائے قلب، ہِل گئی سُہراب کی لحد
گرما رہا تھا رخش کو وہ بانیٔ حسد یاں سے بڑھا سرورِ دلِ ضیغمِ صمد
پڑھتے دُعا، ملک عقب باد پا چلے
مرحب کے قتل کرنے کو شیرِ خدا چلے

وہ کفر تھا' یہ دیں تھے' وہ ظلمت' یہ نورِ رب ۱۰۲ یہ رشکِ آفتابِ درخشاں' وہ تیرہ شب
وہ ننگِ روزگار' تو یہ عزتِ عرب یہ خیر میں رسولؐ ، وہ شر میں ابولہب[13]
کاذب تھا وہ شقی، یہ صداقت نشان تھے
وہ جسم کفر کا تھا' یہ ایماں کی جان تھے

تازی کو تیز کر کے' یہ غازی نے دی صدا ۱۰۳ او خوں گرفتہ! کچھ تجھے دعویٰ ہے گر تو آ
انساں کو اپنی آپ ستائش نہیں روا قائل ہیں جس کے سب' وہ ہمارا ہے مرتبا
ذی قدر ہیں' سعید ہیں' عالی جناب ہیں
ذرّے بھی جانتے ہیں کہ ہم آفتاب ہیں

یوسفؑ نہیں ہے وہ' جو کرے دعوئ جمال ۱۰۴ کب بدر نے کہا کہ میں ہوں صاحبِ کمال
پایا ہے آفتاب نے کیا اوج کیا جلال کی سرکشی اِدھر کہ اُدھر آ گیا زوال
شیطاں کو وصل نار کا' آدم کو نور کا
یہ عجز کا ثمر ہے' وہ پھل ہے غرور کا

ظالم کسی کے فخر کو' ہم مانتے ہیں کب ۱۰۵ روشن ہے آفتاب سے' اپنا حسب نسب
کس کا ہے جد' شفیعِ اُمم سیدِ عرب ہم سے بزرگ کوئی نہیں' غیرِ ذات رب
جو دوست ہے خدا کا' پسر اس ولی کے ہیں
کافی ہے بس یہ فخر کہ پوتے علی کے ہیں

شامی بڑھا اِدھر کو جو بھالا سنبھال کے ۱۰۶ صفدر نے دی صدا کہ ذرا دیکھو بھال کے
مہمیز کی فرس کو' جو کاوے پہ ڈال کے رہوار شیر بن گیا آنکھیں نکال کے
سیماب ہو جو گرم تو پھر کیا قرار لے
نزدیک تھا شقی کو فرس سے اُتار لے

پیچھے ہٹا جھجک کے جو خونخوار کا سمند ۱۰۷ آگے بڑھا حسینؑ کا فرزندِ ارجمند
دونوں طرف نبرد میں نیزے ہوئے بلند عقدے ہنر کے کُھل گئے' بندھنے لگے جو بند
لہراتے تھے ہوا سے پھریرے کھلے ہوئے
دو اژدہے تھے جنگ کے اوپر تلے ہوئے

گہ ڈانڈ پر تھی ڈانڈ، سناں پر کبھی سناں ۱۰۸ اَنیوں سے اُڑ رہے تھے شرارے کہ الاماں
ہر تان تھی غضب کی، تو آفت کی ہر تکان طاقت کا جائزہ تھا، شجاعت کا امتحان
یہ بھی عرق میں، وہ بھی پسینے میں غرق تھا
پر زور و ضرب میں حق و باطل کا فرق تھا

کرار کی بندھی ہوئی چوٹیں تھیں سب ادھر ۱۰۹ زخمی کبھی گلا تھا، کبھی ہاتھ، گاہ سر
ہشیار کر کے صید کو، جھپٹا وہ شیرِ نر نیزے سے کارِ تیغ لیا، واہ رے ہنر
سر بر بھلا ہوئے ہیں سنی سے دَنی کہیں
بوڑی کہیں تھی، ڈانڈ کہیں تھی، اَنی کہیں

گرزِ گراں اُٹھا کے بڑھا وہ سیہ دروں ۱۱۰ آنکھیں غضب سے سرخ ہوئیں مثلِ جامِ خوں
چلتا ہے کوئی سامنے اعجاز کے فسوں ہر ضرب میں خفیف ہوا، خود وہ ذوفنوں
تھا ان کا ہاتھ فضلِ خدا سے علیؑ کا ہاتھ
بے زخم کھائے ہو گیا، جھوٹا شقی کا ہاتھ

ظالم نے گرز پھینک کے قبضے میں لی کماں ۱۱۱ آیا مثالِ پیل، قوی ہیکل و دماں
چھوڑا شقی نے تیر سہ پہلو کہ الاماں تھا سر پہ تیغ تول کے شہزادۂ جہاں
ضربت تھی یا کہ قہرِ خدائے قدیر تھا
گوشہ تھا نے کماں تھی، نہ چلّا، نہ تیر تھا

رخ پھیر کر چلا تھا کہ غازی نے دی صدا ۱۱۲ او کج نہاد و سرکش و بدکیش و بے حیا
کیوں سہمگیں ہے، کھینچ کے تلوار منہ پہ آ میداں سے بھاگتا ہے، یہ ہے تیسری خطا
تیغیں پکڑ کے جنگ و جدل پر تلے نہیں
ہم پر تو کچھ ابھی ترے جوہر کھلے نہیں

لی زرد رو نے میان سے شمشیرِ برق دم ۱۱۳ دو بجلیاں چمک کے ہوئیں یک بہ یک علم
نکلے سیاہ ابرِ سپر سے اُٹھے بہم چالاکیاں دکھانے لگے اسپِ خوش قدم
دونوں طرف ہوئی تگ و دو کارزار میں
یہ گرد اُڑی کہ چھپ گیا گردوں غبار میں

چوٹیں ستم کی چلنے لگیں، اور غضب کے وار ۱۱۴ کس کس ہنر سے رد کئے اس بے ادب کے وار
اس شان سے شقی پہ چلے تشنہ لب کے وار یاد آگئے ہر اک کو امیرِ عرب کے وار
رُخ زرد تھا، ہراس سے اُس ہرزہ گرد کا
یاں ٹھاٹھ تھا علیؑ ولی کی نبرد کا

شوکت وہی، شکوہ وہی اور وہی جلال ۱۱۵ تیور وہی حواس وہی اور وہی کمال
تیغ و سپر میں شیرِ الٰہی کی چال ڈھال دعویٰ نہ اس پہ کچھ، نہ تکبر، نہ قیل وقال
نقشہ دکھا دیا شہ دُلدل سوار کا
جب حرب کی تو نام لیا کردگار کا

ڈھالوں کے پُرزے ہوگئے، بیہم رُکے جو وار ۱۱۶ بھرتا تھا اژدھے کی طرح دم سیہ کار
دانتوں کو پیس پیس کے آتا تھا بار بار لیکن نہ بڑھنے دیتا تھا حضرت کا یادگار
بڑھ بڑھ کے یوں وہ ہوتا تھا پسپا دلیر سے
جس طرح زخمی صید دُبکتا ہے شیر سے

لایا کلامِ سخت، جو لب پر وہ بد زباں ۱۱۷ بس آگیا، جلال میں شہزادۂ جہاں
دستِ اجل بڑھا کے اُٹھی تیغِ جانستاں اُڑ کر گیا فرس پہ سمندِ سبک عناں
گھبرا کے خود اجل کے شکنجے میں آگیا
عصفور، شاہباز کے پنجے میں آگیا

نے وہ تہمتنی تھی، نہ وہ زور، گیو کا ۱۱۸ منھ پھر گیا طمانچۂ ضیغم سے دیو کا
ظالم شکار بن گیا، گیہانؔ خدیو کا کافر وہ تھا تو ہاتھ بھی مارا جنیو کا
نکلی بغل سے تیغ، عجب کرّوفر کے ساتھ
اک ہاتھ تن کے ساتھ گرا ایک سر کے ساتھ

دیکھا جو باپ نے کہ پسر کو ہوئی ظفر ۱۱۹ بس جھک گئے زمیں پہ شہنشاہِ بحر و بر
سجدے سے سر اُٹھا کے پکارے بچشمِ تر یارب لڑا ہے، تیسرے فاقے سے یہ پسر
قابو میں دل نہیں ہے، بہت بیقرار ہوں
ہاں تیرے رحم و لطف کا اُمیدوار ہوں

بہتر نہیں ہے اس سے مرے پاس کوئی شے ۱۲۰ مایا ہے تو یہ ہے، جو بضاعت ہے تو یہ ہے
گذری بہار زیست کی، آیا زمانِ دے اب کوئی دم میں عمر کا بھی مرحلہ ہے طے
حُرمت سے اس پسر کو شہادت حصول ہو
یارب فقیر کا ہے یہ ہدیہ قبول ہو

مقبول جس طرح ہوئی قربانیٔ خلیلؑ ۱۲۱ اس طرح سرفراز ہو یہ بندۂ ذلیل
دُنبہ وہاں بہشت سے لائے تھے جبرئیلؑ میں اس کا ملتجی نہیں، اے خالقِ جلیل
اُمّت بھی بخشی جائے، پسر بھی سعید ہو
مقبول ہو اگر یہ ذبیحہ تو عید ہو

مصروف تھا دُعا میں اُدھر فاطمہؑ کا لال ۱۲۲ ڈوبا ہوا تھا، فوجِ عدو میں وہ نونہال
بڑھ کر دغا کرے، یہ کسی کی نہ تھی مجال لاکھوں سے معرکہ تھا، ہزاروں سے تھی جدال
سُوکھے تھے ہونٹ رنگ بھی فاقوں سے زرد تھا
بازو تھکا ہوا تھا، کلائی میں درد تھا

یہ دیر سے لڑے ہوئے، وہ فوجِ تازہ دم ۱۲۳ فاقوں کا ضعف، پیاس کا صدمہ، پدر کا غم
ہاتھوں کا زور کم ہوا جاتا تھا دم بہ دم پر کھیت میں جمے ہوئے تھے شیر کے قدم
آنکھیں تو سُرخ غیظ سے تیوری چڑھی ہوئی
طاقت گھٹی ہوئی تھی پہ ہمّت بڑھی ہوئی

نکلا پرے سے ایک جفاکار و کینہ خواہ ۱۲۴ تھا کید میں خلیفۂ شیطاں وہ رُوسیاہ
چلّایا دیکھ کر طرفِ بارگاہِ شاہ آفت ہے پالنے کی محبت بھی آہ آہ
اس نوجواں کے ہجر میں آخر نہ کل پڑی
لو گھر سے بنتِ فاطمہ زہراؑ نکل پڑی

تھا عشق سے پھوپھی کے تو واقف وہ لالہ فام ۱۲۵ گھبرا گیا حسینؑ کا فرزندِ نیک نام
گردن پھرا کے جلد نظر کی سوئے خیام منھ پھیرنا تھا آہ کہ تھا موت کا پیام
برچھی کسی کی، سینۂ انور پہ چل گئی
دل اور جگر کو توڑ کے باہر نکل گئی

فرمایا آہ ہم کو دغا کی نہ تھی خبر ۱۲۶ گھوڑے پہ ڈگمگانے لگا تھام کر جگر
رہوار سے لپٹ گئے، ہرنے پہ رکھ کے سر سب ہوگئے وہ دستِ بلوریں لہو میں تر
جُز بیکسی نہ تھا، کوئی اس ماہ رُو کے ساتھ
ٹکڑے کبد کے زخم سے نکلے لہو کے ساتھ

جو گُرز فرقِ پاک پہ مارا کسی نے آہ ۱۲۷ لیتا تھا غش میں ہچکیاں وہ چودھویں کا ماہ
رہوار سے گرا، پسرِ شاہِ دیں پناہ بیٹھا گلے پہ تیر، کہ حالت ہوئی تباہ
بنتِ رسولؐ رونے کو مُنہ ڈھانپنے لگی
تڑپا وہ نوجواں کہ زمیں کانپنے لگی

گردن سے تیر کھینچ کے بابا کو دی صدا ۱۲۸ سر کاٹ لو، یہ غل جو لگے کرنے اشقیا
اے بحرِ فیض اے قمرِ برجِ ھل اتیٰ اے نورِ عینِ فاطمہؑ، اے سبطِ مصطفےٰ
جلد آیئے، غلام پہ احسان کیجئے
مشکل کو دم نکلنے کی آسان کیجئے

صابر اگرچہ تھے پہ کلیجہ اُلٹ گیا ۱۲۹ جس دم سُنی حسینؑ نے یہ جاں گزا صدا
نعرہ کیا کہ اے علی اکبرؑ کدھر گیا ہاتھوں سے دل کو تھام کے دوڑے برہنہ پا
مل کر غریب و بیکس و تنہا سے جائیو
آئے ضعیف باپ تو دُنیا سے جائیو

خوش رُو پسر، سعید پسر، قدرداں پسر ۱۳۰ ہے ہے مرے شفیق پسر، مہرباں پسر
کم گو پسر، شہید پسر، نوجواں پسر مادر کا چین، باپ کا آرام جاں پسر
مقتل کدھر ہے، کوئی بتاتا نہیں مجھے
اے نورِ عین، کچھ نظر آتا نہیں مجھے

اک بار یا شہ دوسرا کہہ کے، پھر پکار ۱۳۱ مجھ کو غریبِ دشتِ بلا کہہ کے پھر پکار
صدقے ہو باپ، یا ابتا کہہ کے پھر پکار اے شبیر، سید الشہدا کہہ کے پھر پکار
میری بھی جان تن سے ترے ساتھ جائے گی
مر جاؤں گا یہیں جو نہ آواز آئے گی

کچھ ہوش دست و پا کا نہیں بے حواس ہوں ۱۴۲ زخمی ہے قلب کشتۂ اندوہ و یاس ہوں
غمگیں ہوں مُردہ دل ہوں حزیں ہوں اُداس ہوں دم توڑ دو تم تو بے غضب اور میں نہ پاس ہوں
کیوں کر قرار آئے دلِ ناصبور کو
لاؤں کہاں سے ڈھونڈ کے آنکھوں کے نور کو

ناگاہ آئی حضرتِ زہراؑ کی یہ صدا ۱۴۳ ہے ہے حسینؑ تیرے تڑپنے کے میں فدا
دم توڑتا ہے گود میں میری یہ مہ لقا جاں اس کی تجھ میں اٹکی ہے اے میرے دلربا
دیکھے یہ تم کو، تم اسے اک بار دیکھ لو
آؤ پسر کا آخری دیدار دیکھ لو

چلّائے سر کو پیٹ کے شبیرؑ نامدار ۱۴۴ اماں خدا کے واسطے، اکبرؑ سے ہوشیار
جویا ہوں ان کا میں انھیں میرا ہے انتظار کہہ دیجئے، کہ آتا ہے بابا جگر فگار
عاشق کا حال دیکھ لیں، کچھ بات کر کے جائیں
دنیا سے کوچ ہے تو ملاقات کر کے جائیں

دوڑے یہ بات کہہ کے جو سلطانِ بحر و بر ۱۴۵ بیٹے کی لاش باپ نے دیکھی لہو میں تر
اُٹھا یہ دل میں درد، کہ خم ہو گئی کمر دیکھا جو زخم، منہ کے قریب آ گیا جگر
تڑپے جو گر کے اور تڑپ کر ٹھہر گئے
غل پڑ گیا صفوں میں کہ شبیرؑ مر گئے

ہوش آیا تین ساعتِ کامل کے بعد جب ۱۴۶ دیکھا کہ مٹ رہی ہے شبیہِ رسولؐ رب
آنسو بہا کے رکھ دیئے بیٹے کے لب پہ لب چلّاتے تھے کہ چھوڑ چلے ہم کو بے غضب
دل سے گلے لپٹنے کی حسرت نکال دو
باہیں اُٹھا کے باپ کے گردن میں ڈال دو

بابا سے کوئی بات تو اے مہ لقا کرو ۱۴۷ غفلت کا وقت یہ نہیں ذکرِ خدا کرو
اینٹھی ہے گر زباں، تو آنکھوں کو وا کرو صدقے پدر اشارے میں مطلب ادا کرو
دادی کے پاس چشمۂ کوثر پہ جاتے ہو
حوروں سے باتیں ہوتی ہیں جو مسکراتے ہو

اکبرؑ نے آنکھیں کھول کے دیکھا رُخِ پدر ۱۳۸ گالوں پہ اشک آنکھوں سے ٹپکے اِدھر اُدھر
فرمایا شہ نے زانو پہ رکھ کر سرِ پسر روتے ہو کس کے واسطے اے غیرتِ قمر
یاں سے اُٹھا کے آلِ پیمبر میں لے چلیں
غم ماں کا ہے تو آؤ تمہیں گھر میں لے چلیں

کی عرض مہلت اتنی کہاں، اے شہِ اُمم ۱۳۹ اب کیجیے قبلہ رُو، کہ نکلتا ہے تن سے دَم
دولت ملی کہ دیکھ لئے آپ کے قدم غیر از غمِ فراق، مجھے کچھ نہیں ہے غم
ساتھ آئے تھے جو چاہنے والے، وہ دور ہیں
روتا ہوں اس لئے کہ اکیلے حضور ہیں

شہ نے کہا مرے لئے بیٹا نہ رو، بس ۱۴۰ ہو گا جہاں سے جانے میں تھوڑا سا پیش و پس
دُنیا کی آرزو ہے، نہ جینے کی کچھ ہوس میرے لئے ہے اب دمِ خنجر ہر اک نفس
اکبرؑ ترے الم سے جگر چاک چاک ہے
جب تو نہ ہو تو باپ کے جینے پہ خاک ہے

بتلاؤ کس اُمید پہ، یہ نیم جاں جیئے ۱۴۱ افسوس شیر قتل ہو، اور ناتواں جیئے
دُنیا میں جس کا تم سا نہ کڑیل جواں جیئے وہ باپ کس طرح جیئے، کیونکر وہ ماں جیئے
پہلے نہ ہم گذر گئے شرمندگی یہ ہے
ہم دونوں تیرے ساتھ مریں زندگی یہ ہے

یہ بات سُن کے لینے لگا ہچکیاں پسر ۱۴۲ سوکھی زباں دکھائی کہ پیاسا ہوں اے پدر
زردی اجل کی چھا گئی چہرے پہ سر بسر دو بار لی کراہ کے، کروٹ اِدھر اُدھر
دُنیا سے انتقال ہوا، نورِ عین کا
ہنگامِ ظہر تھا، کہ لُٹا گھر حسینؑ کا

نکلی اِدھر تو جسم سے اکبر کی جانِ زار ۱۴۳ یاں بیبیاں ہوئیں درِ خیمہ پہ بیقرار
فضہ پکاری ڈیوڑھی سے بڑھ کر بیک بار اکبر پہ کیا گذر گئی، اے شاہِ نامدار
چھریاں غم و اَلم کی کلیجے پہ چلتی ہیں
جلد آیئے کہ حضرتِ زینبؑ نکلتی ہیں

گھبرا کے شاہِ دیں نے اُٹھائی پسر کے لاش ۱۴۴ لپٹائے تھے کلیجے سے لختِ جگر کی لاش
لائے قریب خیمہ جو اس سیم بر کی لاش غل پڑ گیا کہ آتی ہے رشکِ قمر کی لاش
زہرؑا کی بیٹیاں جو کُھلے سر نکل پڑیں
سب بیبیاں خیام سے باہر نکل پڑیں

سر ننگے شہ کے گرد تھیں سیدانیاں تمام ۱۴۵ تھے بیچ میں شہید کا لاشہ لئے امام
بانوؑ پکارتی تھی کہ یا شاہِ تشنہ کام جیتا ہے یا جہاں سے گیا میرا لالہ فام
منکا ڈھلا ہے ہونٹوں پہ سوکھی زبان ہے
اے جانِ فاطمہؑ! مرے بچے میں جان ہے

زینبؑ تڑپ تڑپ کے یہ کہتی تھی بار بار ۱۴۶ یہ لاش میری گود میں دیجے، بہن نثار
طاقت نہیں ہے آپ میں یا شاہِ نامدار صدقے گئی لرزتا ہے فاقوں سے جسمِ زار
شہ کہتے تھے یہ کام ہے مجھ خستہ جان کا
تجھ سے بہن اُٹھے گا نہ لاشہ جوان کا

لاشہ پسر کا، خیمے میں لائے امامِ پاک ۱۴۷ مسندِ رسولِ حق کی بچھائی بہ رُوئے خاک
شہ نے لِٹا کے لاش، جو کی آہِ دردناک دل بیبیوں کے ہو گئے، سینے میں چاک چاک
پہلے گماں تھا غش ہیں، دغا کر کے آئے ہیں
آخر یقین سب کو ہوا مَر کے آئے ہیں

لاشے کے پاس ہائے پسر کہہ کے ماں گِری ۱۴۸ ہاتھوں سے دل پکڑ کے پھوپھی نیم جاں گِری
دل پر ہر اک کے، برقِ غمِ نوجواں گری غش ہو کے یاں گری کوئی، اور کوئی واں گِری
چھوٹی بہن جو لاشے سے آ کر لپٹ گئی
اِک حشر ہو گیا، صفِ ماتم اُلٹ گئی

بس اے انیسؔ اب نہیں آگے بیاں کی تاب ۱۴۹ لکھوں حرم کے بین تو ہوتی ہے اک کتاب
گر قدرداں ہیں کم، تو نہ کر اتنا اضطراب جلدی مدد کریں گے شہِ آسماں جناب
تو ذاکرِ حسین علیہ السلام ہے
تیری اُنھیں کو فکر ہے جن کا غلام ہے

مرثیہ (۱۷)

دولت کوئی دنیا میں پسر سے نہیں بہتر ۱ راحت کوئی آرامِ جگر سے نہیں بہتر
لذت کوئی پاکیزہ ثمر سے نہیں بہتر نکہت کوئی بوئے گلِ تر سے نہیں بہتر
صدموں میں علاجِ دلِ مجروح یہی ہے
ریحاں ہے یہی، راح یہی، روح یہی ہے

ماں باپ کا دل غنچۂ خنداں ہے اسی سے ۲ وہ گل ہے کہ گھر رشکِ گلستاں ہے اسی سے
سب راحت و آرام کا ساماں ہے اسی سے آبادیِ کاشانۂ انساں ہے اسی سے
کس طرح کھلے دل کہ جگر بند نہیں ہے
گھر قبر سے بدتر ہے جو فرزند نہیں ہے

یہ وہ ہے عصا، پیر جواں رہتا ہے جس سے ۳ یہ وہ ہے نگیں، نام و نشاں رہتا ہے جس سے
وہ شمع ہے، پُرنور مکاں رہتا ہے جس سے وہ زور ہے قوی رشتۂ جاں رہتا ہے جس سے
کھوتے نہیں یہ مال، زر و مال کے بدلے
موتی بھی لُٹا دیتے ہیں اس لال کے بدلے

صولت یہی، شوکت یہی، اجلال یہی ہے ۴ ثروت یہی، حشمت یہی، اقبال یہی ہے
سرمایہ یہی، نقد یہی، مال یہی ہے گوہر یہی، یاقوت یہی، لال یہی ہے
دل بند ہو پہلو میں تو غم پاس نہیں ہے
کچھ پاس نہیں گر یہ رتن پاس نہیں ہے

ماں باپ کی آسائش و راحت ہے پسر سے ۵ تلخی میں بھی جینے کی حلاوت ہے پسر سے
خوں جسم میں، آنکھوں میں بصارت ہے پسر سے ایامِ ضعیفی میں بھی، طاقت ہے پسر سے
آرامِ جگر، قوتِ دل، راحتِ جاں ہے
پیری میں یہ طاقت ہے کہ فرزند جواں ہے

وہ چین ہے راحت کی گھڑی رہتی ہے جس سے ۶ وہ شے ہے خوشی دَر پہ کھڑی رہتی ہے جس سے
وہ دُر ہے یہ دُرجان لڑی رہتی ہے جس سے وہ لعل ہے اُمید بڑی رہتی ہے جس سے
آرام جگر تاب و تواں ساتھ ہے اس کے
پھرتا ہے جدھر رشتۂ جاں ساتھ ہے اس کے

گھر والوں سے اس تفرقہ پڑ جانے کو پوچھو ۷ مالک سے بھرے گھر کے اُجڑ جانے کو پوچھو
یعقوبؑ سے یوسفؑ کے بچھڑ جانے کو پوچھو ماں باپ سے قسمت کے بگڑ جانے کو پوچھو
اللہ دکھائے نہ الم نورِ نظر کا
بہ جاتا ہے آنکھوں سے لہو قلب و جگر کا

فرزند بچھڑتا ہے امامِ دوجہاں سے ۸ اب رخصتِ اکبرؑ ہے شہِ تشنہ دہاں سے
کس فصل میں درپیش ہے فرقت تن و جاں سے پیری میں بچھڑاتا ہے فلک تازہ جواں سے
آتی ہے اجل، گود کا پالا نہیں جاتا
صابر سے کلیجے کو سنبھالا نہیں جاتا

دیکھ آؤ ذرا مادرِ ناشاد کو جاکر ۹ فرماتے ہیں فرزند سے آنکھوں کو چُرا کر
اب جائیں گے خیمے میں سناں سینے میں کھاکر کہتا ہے وہ ناشاد جواں اشک بہاکر
مُنھ نیزہ و شمشیر سے موڑا نہیں جاتا
سب چھوٹیں مگر آپ کو چھوڑا نہیں جاتا

مشتاق ہے یہ خشک گلا آبِ بقا کا ۱۰ مولا یہ غلام اب متمنی ہے رضا کا
کچھ کام تو خادم سے بھی ہو راہِ خدا کا شہرہ ہے علمدارِ دلاور کی وغا کا
اِس خاک کا ذرہ ہو جو خورشید وہی ہے
جو آج مرے، زندۂ جاوید وہی ہے

بہتر ہے محبت کا مزا جس کو نہیں ہے ۱۱ جینے پہ مرے، عشقِ خدا جس کو نہیں ہے
لُٹتی ہے یہ دولت کہ، فنا جس کو نہیں ہے خاک اس زر و گوہر پہ، بقا جس کو نہیں ہے
ادنیٰ ہو تو اعلیٰ ہو گدا ہو تو غنی ہو
حصہ یہ اُسی کا ہے جو قسمت کا دھنی ہو

ڈوبے گا جو، حیدر کے سفینے میں نہیں ہے ۱۲ نام اس کا، شفاعت کے نگینے میں نہیں ہے
دل مُردہ ہے، گر درد بھی سینے میں نہیں ہے — مرنے میں جو لذت ہے، وہ جینے میں نہیں ہے
سر دینے کی لذت، کوئی سرداروں سے پوچھے
زخموں کا مزا، شہ کے نمک خواروں سے پوچھے

پھر موت ہے گر عمر ملی، لاکھ برس کی ۱۳ بلبل سے اب اُٹھتی نہیں تکلیف قفس کی
واماندوں کو آتی ہے، یہ آواز جرس کی — ایذا ہے مسافر کو، فقط چند نفس کی
اُس دن کے سوا، توشۂ عقبیٰ نہ ملے گا
ڈھونڈے گا، تو پھر قافلہ ایسا نہ ملے گا

دُوری نہیں کچھ، عمرِ سفر ہوتی ہے کوتاہ ۱۴ ہمت ہو تو کٹ جاتی ہے نرمی سے کڑی راہ
سالک ہے وہی، راہِ رضا سے ہے جو آگاہ — آہیل کی صورت تجھے کوثر کی ہے گر چاہ
جاتا ہے وہیں پھر کے جو آتا ہے جہاں سے
دن بھر میں کہاں مہر پہونچتا ہے کہاں سے

کوتاہیِ قسمت نے چھڑایا ہمیں سب سے ۱۵ محجُوب محمدؐ سے، خجل شاہِ عرب سے
سر دینگے دمِ صبح ارادہ تھا، یہ شب سے — تڑپا کیے اور کچھ نہ کہا، پاسِ ادب سے
دشمن پہ نہ ایسے الم و غم ہوں جہاں میں
قاسمؑ تو ہو فردوس میں اور ہم ہوں جہاں میں

چھوٹے جو ہوں وہ جوہرِ شمشیر دکھائیں ۱۶ ہم خاک بسر روتے ہوئے لاشوں پہ جائیں
عباسِ علیؑ خوں میں لبِ نہر نہائیں — بعد اُن کے بھی سر دینے کا ہم اِذن نہ پائیں
فرزند فدا باپ پہ ہوتے نہیں شاید
ہم حیدرِ کرّار کے پوتے نہیں شاید

بچپن میں ہمیں آپ نے، شمشیر عطا کی ۱۷ مِٹ جائیں گے جوہر جو ہمیں نے، نہ وِغا کی
ہم شیر ہیں شیروں کے، قسم شیرِ خدا کی — حُرمت ہیں شجاعت کی، تو عزت ہیں وغا کی
قبضوں میں کمانیں رہیں، ہتھیاروں سے کھیلے
بچپن میں جو کھیلے بھی تو، تلواروں سے کھیلے

نہ صبر میں حضرت سا کوئی ہے، نہ رضا میں ۱۸ گھر آپ نے صدقے کیا سب راہِ خدا میں
یہ حوصلہ کس کا ہے کہ، روئے نہ عزا میں کیجے مری امداد بھی، اس رنج و بلا میں
گر بعد خدا کے ہیں تو ماں باپ ہیں مولا
دیجے مجھے رخصت کہ سخی آپ ہیں مولا

اے سالکِ منہاجِ علیؑ راہ دکھادے ۱۹ مشتاق ہوں جس دَر کا، وہ درگاہ دکھادے
دروازۂ رحمت مجھے للہ دکھادے دربارِ شہنشاہِ فلک جاہ دکھادے
واں پہنچیں جہاں عرش بھی پایہ نہیں رکھتا
ہم سائے میں اس کے ہوں جو سایہ نہیں رکھتا

یہ کہہ کے جو قدموں پہ گرا وہ مہِ انور ۲۰ سر چھاتی سے لپٹا کے یہ کہنے لگے، سرور
میں مانعِ تحصیلِ سعادت نہیں، دلبر جو تم سے بن آئے وہ کرو اے علی اکبرؑ
یہ سنتے ہی دُنیا سے گذر جائے گی زینبؑ
رونا مجھے اس کا ہے کہ مر جائے گی زینبؑ

عمر اس نے گنوائی ہے محبت میں، تمہاری ۲۱ سب ہیں، پہ وہ عاشق ہے، حقیقت میں تمہاری
اٹھارہ برس کاٹے ہیں اُلفت میں، تمہاری کیونکر اسے صبر آئے گا فرقت میں تمہاری
اللہ ہی چاہے تو نہ حائل کوئی شے ہو
یہ مرحلہ ایسا ہے کہ دو باتوں میں طے ہو؟

بسم اللہ، اگر عزم ہے تو خیمے میں جاؤ ۲۲ ماں سے بھی پھوپھی سے بھی رضا جنگ کی لاؤ
روکوں گا نہ میں شوق سے پھر برچھیاں کھاؤ آبِ دمِ شمشیر سے یہ پیاس بجھاؤ
دیر اب کہیں دنیا سے گذرنے میں نہ ہووے
ہاں جلد کہ عرصہ مرے مرنے میں نہ ہووے

شہرت ہو جواب دیجیے سر راہِ خدا میں ۲۳ سو نفع سے بہتر ہے ضرر راہِ خدا میں
آبادی ہے لُٹ جائے جو گھر راہِ خدا میں ہو عید جو قرباں ہو پسر راہِ خدا میں
اک یہ بھی عطا ہے کہ بنے کام ہمارا
دولت تو اسی کی ہے سب، اور نام ہمارا

یہ سُن کے گیا خیمے میں وہ صاحبِ توقیر ۲۴ اُلفت سے پھری گردِ پسر بانوئے دلگیر
لپٹا کے گلے کہنے لگی شاہ کی ہمشیر سنولا گئی ہے دھوپ میں یہ چاندسی تصویر

دو دن سے اس آفت میں نہیں سوئے ہو بیٹا
آنکھوں پہ ورم کیسا ہے کیا روئے ہو بیٹا

حضرت کی تو ہے خیر کہو اے مرے دلبر ۲۵ اشک آنکھوں سے ٹپکا کے یہ بولا وہ دلاور
اب خیر کہاں کٹ گیا سب شاہ کا لشکر نہ آپ کے بیٹا، نہ بھتیجا، نہ برادر

عمو نے بھگایا تھا جنھیں وہ بھی پھرے ہیں
مظلوم پدر لاکھ سواروں میں گھرے ہیں

اک ہم ہیں کہ بابا کی مدد کر نہیں سکتے ۲۶ اظہارِ جوانمردیِ جدّ کر نہیں سکتے
فوجوں کے ہٹا دینے میں کد کر نہیں سکتے بے حکم کوئی وار بھی رد کر نہیں سکتے

دربار میں سر دینے کی باری نہیں آتی
سب مرتے ہیں اور موت ہماری نہیں آتی

رخصت نہیں ماں دیں، نہ پھوپھی دیں، نہ پدر دیں ۲۷ مجبور ہیں، کیونکر قدمِ شاہ پہ سر دیں
دم بھر میں یہ میدانِ وغا لاشوں سے بھر دیں سرکش جو بڑھے آتے ہیں، پسپا انھیں کر دیں

اندوہ و مصیبت کی صفیں ہٹ نہیں سکتیں
وہ بیڑیاں ہیں پاؤں میں جو کٹ نہیں سکتیں

جائیں گے کدھر جب نہ رہے سیدِ عالی ۲۸ نے دوست، نہ ہمدرد، نہ مولیٰ، نہ موالی
کیسی یہ مصیبت فلکِ پیر نے ڈالی یہ آج کا جینا نہیں، دو حال سے خالی

یا کوہ میں، یا دشت کے میداں میں مریں گے
یا بیڑیاں پہنے ہوئے زنداں میں مریں گے

اُلفت میں بگڑتا ہے، بنا کام ہمارا ۲۹ اب صفحۂ ہستی سے مٹا، نام ہمارا
شہرہ تھا بہت روم سے تا شام ہمارا آغاز تو وہ، اور یہ انجام ہمارا

یہ منزلِ اندوہ بلا کاٹ کے مرتے
گر منع نہ ہوتا، تو گلا کاٹ کے مرتے

دنیا سے بصد عیش و طرب خلد میں پہونچے ۳۰ سردے کے شجاعانِ عرب خلد میں پہونچے
لے واہ ہمیں رہ گئے سب خلد میں پہونچے پھر راحت و آرام ہے جب خلد میں پہونچے
آفت میں کوئی روکنے والا ہی نہ ہوتا
اے کاش پھوپھی نے ہمیں پالا ہی نہ ہوتا

دے گا نہ کوئی نذر بھی پانی پہ ہماری ۳۱ کس کو ہے نظر تشنہ دہانی پہ ہماری
جیتے رہے خاک ایسی جوانی پہ ہماری رونے کی ہے جا مرتبہ دانی پہ ہماری
چرچا نہ فدا ہونے کا دنیا میں رہے گا
مانع ہوئے ماں باپ، یہ کوئی نہ کہے گا

کس بن میں رہیں، کون سے جنگل کو بسائیں ۳۲ ہتھیار کہاں پھینکیں، کہاں چھپنے کو جائیں
امداد کریں شیرِ خدا، فاطمہ آئیں تنہا ہیں سفارش کے لئے کس کو بلائیں
اعجاز ہو تو کام مرا بند نہ ہوگا
یوں تو کوئی رخصت پہ رضا مند نہ ہوگا

کچھ منھ سے کہا میں نے کہ، مادر نے تمھاری ۳۳ زینبؑ نے کہا کس پہ یہ غصہ ہے میں واری
سچ لیجیے ہتھیار، طلب کیجے سواری کیا وجہ، یہ کس بات پہ ہے گریہ و زاری
انصاف کرو صدقے گئی اہلِ وفا ہو
روکیں تو پدر، پالنے والوں سے خفا ہو

میں شہ سے دلا دوں گی رضا شوق سے جاؤ ۳۴ کیوں کاٹو گلا غیظ سے، کیوں ہونٹ چباؤ
لو رخ کی بلائیں تو میں لے لوں، ادھر آؤ مر جاؤں گی سر پیٹ کے آنسو نہ بہاؤ
تقصیر ہمیں سے ہوئی، لو جانے دو بیٹا
الجھی ہوئی زلفوں کو تو سلجھانے دو بیٹا

غصہ بھی اٹھائے وہی جو، ناز اٹھائے ۳۵ بانوؑ نے کہا لو انھیں یوں کون منائے
اس پردے میں پیغامِ جدائی بھی ہیں لائے سمجھی میں یہ حضرت سے خفا ہو کے ہیں آئے
کچھ ان کی ہیں کچھ آپ کے ہیں بھائی کی باتیں
میں خوب سمجھتی ہوں یہ دانائی کی باتیں

بانوؑ کا یہ کہنا تھا کہ رقت کا ہوا غل ۳۶ رانڈوں میں شہیدوں کی مصیبت کا ہوا غل
آفت کی پڑی کوک، قیامت کا ہوا غل اس شور میں اکبرؑ کی بھی رخصت کا ہوا غل
گھبرا گئے سجادِ حزیں چونک کے غش سے
سمجھے کہ سفر ہو گیا اصغرؑ کا عطش سے

فضہ سے کہا کیا ہوا، کیسی ہے یہ زاری ۳۷ سر پیٹ کے، وہ خادمۂ خاص پکاری
شبیرؑ اکیلے ہیں غضب ہو گیا واری اب جاتی ہے رن کو علی اکبرؑ کی سواری
ماں خاک اُڑاتی ہیں پھوپھی غش میں پڑی ہیں
سب بیبیاں حلقہ کیے گرد انکے کھڑی ہیں

فرمایا عصا لا، کہ برادر سے مل آئیں ۳۸ غازی سے، مجاہد سے، دلاور سے، مل آئیں
دریائے شہادت کے شناور سے مل آئیں شبیرؑ کے پیارے علی اکبرؑ سے مل آئیں
بھائی کا نہیں کوچ، یہ رخصت ہے نبیؐ کی
ہم آپ چلیں گے کہ زیارت ہے نبیؐ کی

فضہ نے عصا دے کے جو بازو کو سنبھالا ۳۹ بستر سے اُٹھا کانپ کے، وہ گیسوؤں والا
خم ہو گیا تھا، دردِ کمر سے قدِ بالا تھرا کے پڑا پاؤں کہیں اور کہیں ڈالا
اشک آنکھوں سے بہتے تھے گریبانِ قبا پر
ہر بار ٹھہر جاتے تھے سر رکھ کے عصا پر

آواز حزیں تھی، کہ مری جان برادر ۴۰ بیمار برادر، ترے قربان برادر
ہم آتے ہیں، ٹھہرے رہو اک آن برادر ذی قدر برادر، مرے ذی شان برادر
ہم روئیں تمھیں، تم ہمیں روتے ہوئے جاؤ
بھائی سے بغلگیر تو ہوتے ہوئے جاؤ

عابدؑ کی طرف دیکھ کے دوڑے علی اکبرؑ ۴۱ آنکھوں کو لگا ہاتھوں سے، قدموں پہ ملا سر
سجادؑ نے فرمایا، کلیجے سے لگا کر گردن میں مری ڈال دو باہوں کو برادر
شانے کے قریں زُلفِ معنبر ہے بھائی
چہرہ مرے چہرے کے برابر ہے بھائی

اے روشنیِ خانۂ زہرا ترے صدقے ۴۲ اے باپ کے عاشق مرے شیدا ترے صدقے
اے تشنہ لب اے بیکس و تنہا ترے صدقے اے رہ روِ فردوسِ معلّٰی، ترے صدقے
گھر آج اُجڑتا ہے، لُٹے جاتے ہیں بھائی
ہم قافلے والوں سے چُھٹے جاتے ہیں بھائی

غربت میں مُبارک تمھیں ہمراہیِ شبیرؑ ۴۳ کیا دیکھیے واماندوں کو دکھلاتی ہے تقدیر
مرنے کی اجازت نہیں دیتے شہِ دلگیر تپ کیا مجھے آئی کہ پڑی پاؤں میں زنجیر
لُٹ جائے گا گھر بعد شہنشاہِ زمن کے
ہیہات گلا ہوئے گا حلقے میں رسن کے

اے اکبرِ مہ رو، تجھے پاؤں گا کہاں سے ۴۴ اے صفدرِ خوش خو، تجھے پاؤں گا کہاں سے
اے زینتِ پہلو، تجھے پاؤں گا کہاں سے اے قوتِ بازو، تجھے پاؤں گا کہاں سے
بے غسل و کفن، آپ تو میداں میں رہیں گے
ہم بیڑیاں پہنے ہوئے زنداں میں رہیں گے

بھیّا یہ نقاہت مری، اور بوجھ یہ گھر کا ۴۵ کیا زور ہے جو حکم شہِ جن و بشر کا
عمو کا سہارا، نہ تمھارا، نہ پدر کا غربت تو یہ، اور سامنا اس لشکرِ شر کا
گھر جلنے میں، رہنے کا نہیں ہوش کسی کو
بچوں کو سنبھالوں گا کہ ناموس نبیؐ کو

اے راحتِ جاں، یاور و غم خوار ہمارے ۴۶ دلدار، مددگار، پرستار ہمارے
پہلے نہ چلی حلق پہ تلوار ہمارے افسوس ہوئے تم نہ عزادار ہمارے
ملتے ہیں کہاں ساتھ کے کھیلے ہوئے بھائی
فریاد کہ ہم آج اکیلے ہوئے بھائی

اللہ ری، ان بھائیوں کی گریہ و زاری ۴۷ جس طرح برستا ہے کبھی ابرِ بہاری
ماں کہتی تھی قربان میں، اُلفت کے تمھاری بس صبر کرو، تپ میں غش آجائے گا طاری
سہرا اسد اللہ کی جائی کو دکھائے
بھائی کا خدا داغ نہ بھائی کو دکھائے

غش آنے لگا جب تو کہا بھائی سے روکر ۴۸ کچھ ہم سے وصیت تو کرو اے علی اکبرؑ
آہستہ کہا جاتے ہیں بھائی سُوئے کوثر پانی جو ملے یاد ہمیں کیجو برادر
مر کر بھی پسر، قبلہ و کعبہ کے قریں ہو
تُربت مری پائینِ مزارِ شہِ دیں ہو

اس معرکے سے جب ہو وطن آپ کا جانا ۴۹ صغراؑ کو کئی بار کلیجے سے لگانا
کہنا کہ بہن پھر گیا بابا سے زمانا وعدہ تو کیا تھا پہ نہ تم تک ہوا آنا
شبّیرؑ پہ فوجوں کی گھٹا چھا گئی صغراؑ
آنے ہی کو ہم تھے کہ اجل آ گئی صغراؑ

یہ کہہ کے پھوپھی پاس گئے اکبرِؑ دل گیر ۵۰ ہاتھوں کو بھی جوڑا کہ بحل کیجیے تقصیر
منھ دیکھ کے مادر کا یہ کی یاس سے تقریر دودھ آپ بھی بخشیں تو ملے عزت و توقیر
اس مژدے سے تن میں مرے جان آئے گی امّاں
دو روز کی یہ پیاس ابھی بجھ جائے گی امّاں

زینبؑ نے کہا میں ہوں رضامند و ثنا خواں ۵۱ تقصیر تری کچھ نہیں، اے اکبرِؑ ذی شاں
ماں بولی میں ان سوکھے ہوئے ہونٹوں کے قرباں لو دودھ بھی بخشا تمھیں ماں نے بہ دل و جاں
آگے ترے دنیا سے سفر کر نہ گئی میں
یہ ذکر سنا ہائے غضب مر نہ گئی میں

یہ سُن کے تڑپنے جو لگی زینبِؑ ناشاد ۵۲ ہے ہے علی اکبرؑ کی ہوئی رانڈوں میں فریاد
جس وقت چلا خیمے سے وہ غیرتِ شمشاد غل تھا کہ بہو فاطمہؑ کی اب ہوئی برباد
یوں گرد حرم روتے تھے اُس سروِ رواں کے
جس طرح کہ ماتم ہو جنازے پہ جواں کے

فضہ نے جو پردہ درِ دولت کا اُٹھایا ۵۳ خورشیدِ مبیں، برجِ شرف سے نکل آیا
ذروں پہ جو پڑنے لگا، اُس مہر کا سایا چلّائی زمیں، سب سے فزوں ہے مرا پایا
میں رُتبے میں ہوں چرخِ چہارم سے زیادہ
خورشید مرے پاس ہیں، انجم سے زیادہ

پستی مری اس نور سے ہے طورِ تجلّی ۵۴ بھاری ہے ترازوئے فلک سے مرا پلّا
دامن ہے مرا حورو ملائک کا مُصلّا مجھ پر وہ مَرے جس کو علیؑ سے ہے تولّا
تا حشر رہا فیض یہ شاہِ شہدا کا
تسبیح مری ہوئے گی اور ذکر خدا کا

پہونچے جو قریں شہ کے تو کی عرض کہ حضرت ۵۵ اقبال سے مولیٰ کے ملی جنگ کی رُخصت
فرمایا کہے دیتی ہے چہرے کی بشاشت مسعود و مُبارک سفرِ گلشنِ جنّت
مرضی ہو تو یہ پیر بھی دے ساتھ تمھارا
رُبھو جائیں گے ہم تھامے ہوئے ہاتھ تمھارا

اکبرؑ نے کہا، آپ سلامت رہیں آقا ۵۶ دنیا کا شرف، دولتِ دیں، عزّتِ عقبا
کو فکر کی نہ خواہش ہے نہ جنّت کی تمنّا ہوں میں فقط آبِ دمِ شمشیر کا پیاسا
توقیر ملی خلق میں ماں باپ کے آگے
مشتاق ہوں اس کا کہ مروں آپ کے آگے

نام آپ کے نانا کا ہے کونین میں شاہا ۵۷ یٰسین کہیں حق نے کہا ہے کہیں طاہا
جو آپ نے طفلی میں کہا، اس کو نباہا چاہا وہی مولا نے جو اللہ نے چاہا
قرباں مجھے کیجے، یہ تمنّائے دلی ہے
میراثِ خلیل آپ کو حصّے میں ملی ہے

فرمایا اَلا اے پسرِ عاقل و دانا ۵۸ ہے ذاتِ خدا قادر و قیوم و توانا
جو آیا ہے اِک دن اُسے درپیش ہے جانا آگے کوئی، پیچھے کوئی، ہوتا ہے رَوانا
وقفہ کبھی دن کا ہے تو عرصہ کبھی شب کا
جب طے ہوئی منزل تو مکاں ایک ہے سب کا

تھی صبح کہ احباب مسافر ہوئے سارے ۵۹ دن دوپہر آیا تھا کہ عبّاسؑ سدھارے
اب جاتے ہو تم بعد زوال اے مرے پیارے عرصہ نہیں کچھ آتے ہیں ہم بعد تمھارے
تم اور، نہ بھائی، نہ بھتیجا، نہ پسر ہے
روتے ہیں ہم اس پر کہ ضعیفی کا سفر ہے

اک ہم ہیں کہ اس پیاس میں کام آئے ہیں سب کے ۶۰ لاشے ہمیں لے آئے شجاعانِ عرب کے
فاقے سے کئی روز کئے، جاگے ہوئے شب کے ہوتا تھا یہ ثابت کہ غش آجائے گا اب کے

اعدا نے جہاں دوست کو مارا وہیں پہونچے
میداں میں ہمیں جس نے پکارا وہیں پہونچے

اتنا بھی کوئی اب نہیں اے اکبرِ مہرو ۶۱ جب تیروں سے غربال کریں جسم جفا جو
تلواروں سے مجروح ہو سر تیروں سے پہلو گھوڑے سے اتارے تو کوئی تھام لے بازو

پامال ہمیں، لشکرِ نااہل کرے گا
پر خیر یہ مشکل بھی خدا حل کرے گا

ہر طرح گزر جائے گی اے اکبرِ ذی جاہ ۶۲ پر الفتِ اولاد سے عاجز ہے بشر، آہ
کچھ جان چلی جاتی ہے تن سے ترے ہمراہ غش آتا ہے گرتے ہیں سنبھالو ہمیں للہ

جس پاس پسر ہو وہ جواں بخت ہے بیٹا
یہ ہجر تو کچھ موت سے بھی سخت ہے بیٹا

کس طرح سنبھالوں کہ دلِ زار نہ تڑپے ۶۳ کچھ دل کی کہوں قلب جو اک بار نہ تڑپے
اس طرح کوئی مرغِ گرفتار نہ تڑپے یوں مرتے ہوئے صاحبِ آزار نہ تڑپے

تازہ غمِ محبوبِ خدا ہو گیا، مجھ کو
اب تک تو میں اچھا تھا یہ کیا ہو گیا مجھ کو

گذری نہیں اس طرح کی ایذا کبھی دل پر ۶۴ اے لال یہ صدمہ نہیں پہونچا کبھی، دل پر
برچھی کبھی سینے پہ ہے نیزہ کبھی دل پر گر دل ہے کلیجے پہ، کلیجا کبھی دل پر

اب اشکوں کی ندی بھی بہائی نہیں جاتی
وہ آگ لگی ہے کہ بجھائی نہیں جاتی

لو چھاتی سے لپٹو کہ قرار آئے جگر کو ۶۵ فرزند نے خم ہو کے رکھا پاؤں پہ سر کو
حضرت نے کہا چھاتی سے لپٹا کے پسر کو برباد کئے جاتے ہو اکبر مرے گھر کو

منظور یہ تھا ساتھ مروں ساتھ فدا ہوں
پر خیر سدھارو کہ میں راضی برضا ہوں

رخصت ہوئے جب شہ سے علی اکبرؑ ذیشاں مطلعِ دوم گھوڑے پہ چڑھے آپ، کھلا رحل پہ قرآں
وہ رخش کی چھل بل، وہ ضیائے رخِ تاباں ۶۶ اک برق چمکتی ہوئی پہونچی سرِ میداں
زردی رخِ خورشید پہ چھائی نظر آئی
پرتو سے زمیں، رَن کی طلائی نظر آئی

سب دشت بسا پھولوں سے، بُوتن کی جو پھیلی ۶۷ فردوس میں مہمانِ خدا جن کے طفیلی
نور ایسا جہاں چادرِ مہتاب بھی میلی گیسو وہ کہ مجنوں ہو جنھیں دیکھ کے لیلی
اک عشق ہے ہونٹوں سے حلاوت طلبوں کو
گر دیکھے تو چاٹا کرے شیریں بھی لبوں کو

آنکھوں سے خجل آہوئے چینی و ختائی ۶۸ دونوں نے یہ چتون، یہ سیاہی نہیں پائی
مردم کے لئے فخر ہے یاں ناصیہ سائی شیروں کو تپ آتی ہے، دمِ چشم نمائی
یاں کچھ گل و بادام حقیقت نہیں رکھتا
نرگس وہ کہے گا جو بصارت نہیں رکھتا

دیوانی ہوں پریاں، نظر آئے جو یہ رفتار ۶۹ گو شوقِ شہادت ہے، پہ عجلت نہیں زنہار
تھم تھم کے اٹھاتے ہیں قدم مردمِ ہموار پہونچا نہ سلیماں سے کبھی مور کو آزار
لازم ہے سدا پاس ضعیفوں کا قوی کو
دیکھا ہے کبھی شیر کی آہستہ روی کو

پیشانی پہ ٹھہرے یہ نظر کو نہیں یارا ۷۰ سجدے کا نشاں ہے کہ چمکتا ہے ستارا
دشمن کے لئے تیغ ہے ابرو کا اشارا پلکیں بھی ہیں خونریزیِ اعدا پہ صف آرا
خال ایسے کہ اختر بھی شرماتے ہیں جس سے
آنکھیں وہ ہرن شیر دبک جاتے ہیں جس سے

وہ شان، وہ شوکت، وہ تہوّر، وہ جلالت ۷۱ چھپتے ہیں کہیں، جوہرِ شمشیر اصالت
طینت میں کرم، طبع میں انصاف و عدالت اقبالِ علیؑ، شانِ شہنشاہِ رسالت
دیکھا جو وہ رخ عرش کے سرتاج کو دیکھا
زلفوں کو جو دیکھا، شبِ معراج کو دیکھا

جو رُخ میں صباحت، وہ کہاں نورِ سحر میں ۲، چشمِ اسد اللہ کا، سب رعب نظر میں
تابندہ زرہ حضرت داؤدؑ کی بر میں کاندھے پہ سپر، لب پہ رجز، تیغ کمر میں
شوکت اسد اللہ کی، تصویر نبیؐ کی
داؤدؑ کی آواز تھی، تقریر نبیؐ کی

بھیگی ہیں مَسیں سبزۂ خط بھی ہے نمودار ۳، گویا کہ خضر آبِ بقا کے ہیں طلب گار
وہ فصلِ شباب، اور وہ رنگِ گلِ رُخسار دنداں وہ سب الماس ہے، وہ لعل گہربار
واں جوڑے ہوئے ہاتھ فصاحت بھی کھڑی ہے
تقریر مسلسل ہے کہ موتی کی لڑی ہے

کس حسن سے لب پر ہے ستائش اَبِ جد کی ۴، اعدا کو دکھاتے ہیں وغا بدر و اُحد کی
نعرہ ہے کہ حیدر نے رسولوں کی مدد کی توڑا ہے، درِ قلعہ کو شدت میں زد کی
گردش کبھی دی اور کبھی اونچا کیا سر سے
ہلکا تھا وہ در، دستِ مبارک میں سپر سے

بے جسر تھا خندق سے اُترنے میں تامل ۵، خندق کا اسی در کو بہادر نے کیا پُل
جب تک نہ گئی فوجِ نبی قلعہ میں بالکل تھامے رہے اک ہاتھ سے در صاحبِ دُلدل
وہ پائے مبارک تھے ہوا پر نہ زمیں پر
مولا کے قدم تھے پرِ جبریلِ امیں پر

تقسیمِ غنیمت سے ہوئی جب کہ فراغت ۶، پھر توڑ کے اس در کو لگے بانٹنے حضرت
فولاد ہوا موم، زہے زورِ ولایت کس میں تھی سوا بازوئے احمدؐ کے یہ طاقت
سب ٹکڑے برابر تھے، عجب عدل و کرم تھا
تولا تو نہ جو بھر یہ زیادہ، نہ وہ کم تھا

آغازِ رجز تھا کہ ہوئی تیروں کی بوچھار ۷، شہزادۂ عالم نے بھی لی میاں سے تلوار
تلوار کا کھنچنا تھا کہ تھا فوج میں رہوار رہوار کی چل پھر میں صفیں پس گئیں دوچار
اس شان سے لختِ دلِ شیرِ صمد آیا
گویا صفِ آہو پہ یکایک اسد آیا

بل چل تھی کہ تلوار چلی فوج پہ سَن سے ۷۸ ڈھالیں تو رہیں ہاتھوں میں سر اُڑ گئے تن سے
طائر بھی ہوا ہو گئے سب ظلم کے بَن سے آگے تھا ہرن شیر سے اور شیر ہرن سے
غل تھا یہ جَری مثلِ یداللہ لڑے گا
تر ہوگی زمیں خوں سے وہ رَن آج پڑے گا

تلوار تھی جرّار کی یا قہرِ خدا تھی ۷۹ سر تھا تو الگ تھا، جو کمر تھی تو جُدا تھی
بجلی جو ادھر تھی، تو اُدھر سیلِ فنا تھی تلوار بھی یوں سر پہ جب آئی تو قضا تھی
بے سر ہوئی وہ صف جو نظر چڑھ گئی اسکی
چاٹا جو لہو اور برّش بڑھ گئی اسکی

جس صف پہ چلی خون میں غلطاں کیا اُس کو ۸۰ مجمع تھا جدھر دم میں پریشاں کیا اُس کو
جو آگے بڑھا غول سے بے جاں کیا اُس کو بخشی جسے جاں، بندۂ احساں کیا اُس کو
بے سر تھا ازل سے تھی خطا اصل میں جس کی
مارا اسے دیندار نہ تھا نسل میں جس کی

کیا ہاتھ تھا، کیا تیغ تھی، کیا ہمت عالی ۸۱ دم بھر میں نمودار صفیں ہوتی تھیں خالی
جب جھوم کے ڈھالوں کی گھٹا آتی تھی کالی بجلی سی چمک جاتی تھی شمشیرِ ہلالی
ملتا تھا نشاں رن میں صفوں کا نہ پروں کا
تھا شور کہ مینھ آج برستا ہے سروں کا

آفاق میں جن کی قدر اندازی کا تھا شور ۸۲ ہاتھ اُن کے پیادوں کی طرح ہو گئے کمزور
بے جاں کوئی سرکش، کوئی بدکیش لبِ گور کردیتی تھی تابندگیِ برقِ ددو دَم کور
سوفار کو چلّے سے مِلانا، کسے سُوجھے
رُخ پھر گئے ہوں جب تو نشانا کسے سُوجھے

کیا حرب تھی، قربانِ جگر گوشۂ شبیرؑ ۸۳ نکلا جو کماں سے تو قلم ہو کے گرا تیر
آیا جو کماں لے کے کمیں سے کوئی بے پیر گوشہ تھا، نہ چلّہ تھا، نہ حلقہ تھا، نہ رہ گیر
جو وار تھا صفدر کا خدائی سے جُدا تھا
قبضے سے کماں، ہاتھ کلائی سے جُدا تھا

یا شیرِ خدا کہہ کے جب اعدا میں در آئے ۸۴ انبار تن و سر کے، دو دستہ نظر آئے
یوں غیظ و غضب میں، اِدھر آئے اُدھر آئے جیسے صفِ آہو کی طرف شیرِ نر آئے
جانوں کو بچاتے تھے پیادے ہی نہ ہٹ کر
گر پڑتے تھے گھوڑے بھی سواروں پہ اُلٹ کر

کٹ کٹ کے ہر اک ضرب میں سر گرتے تھے سر پر ۸۵ برچھی پہ نہ پھل تھا نہ کوئی پھول سپر پر
پھر جاتی تھی گردن پہ کبھی، گاہ جگر پر مرکز کی طرح تھی، کبھی دشمن کی کمر پر
نکلی جو کمر سے تو چلی خانۂ زیں پر
زیں سے تھی جو مرکب میں، تو مرکب سے زمیں پر

نہ خود، نہ چہرہ، نہ جلم چھوڑتی تھی وہ ۸۶ نہ ہاتھ، نہ بیرق، نہ عَلم چھوڑتی تھی وہ
نہ حلق، نہ سینہ، نہ شکم چھوڑتی تھی وہ نہ خوں، نہ رگیں تن میں، نہ دم چھوڑتی تھی وہ
آجاتی تھی آواز زہے ضرب کی 'زہ' سے
غل تھا کہ یہ کڑیاں نہیں اُٹھنے کی زرہ سے

واں شامیوں میں شب تھی ادھر نور کا تڑکا ۸۷ قرنا کی وہ آواز وہ کڑکیتوں کا کڑکا
تڑپاتا تھا ہر قلب کو سر کٹنے کا دھڑکا اک غل تھا کہ دولا کھ پہ بھاری ہے یہ لڑکا
تن جلتے ہیں پھر کس سے جو برق اس بن نہیں ہے
سر جسم سے اُڑ جائیں گے فرق اس میں نہیں ہے

اللہ ری زباں آوریِ تیغِ بلا نوش ۸۸ زرہیں ہمہ تن چشم تھیں، ڈھالیں ہمہ تن گوش
گھاٹ ایسا کہ ڈر سے لبِ دریا بھی ہیں خاموش باڑھ ایسی کہ ہیں مچھلیاں پانی میں زرہ پوش
کٹتے ہیں گلے تیز زبانی سے اسی کی
دریا بھی ہے چکر میں روانی سے اسی کی

نا ہیں وہ کہ شہ رگ کسی گردن میں نہ چھوڑیں ۸۹ دشمن کا گلا قلعۂ آہن میں نہ چھوڑیں
جوہر وہ کہ حلقہ کسی جوشن میں نہ چھوڑیں پشتے وہ قیامت کے لہو تن میں نہ چھوڑیں
منھ وہ ہے کہ دم سے شطِ خوں بہتی ہے جس کے
قبضہ وہ ہے، قبضے میں ظفر رہتی ہے جس کے

بدلی کی طرح شام کی جب فوج گھر آئی ۹۰ پھر تیغ نے بجلی صفِ اعدا پہ گرائی
دوری تھا مگر بھول گئے برّ زورِ رسائی چلّاتے تھے بھاگو کہ وہ خونخوار پھر آئی
ہر بار ہے موجود، تو ہر بار نہیں ہے
یہ مرگِ مفاجات ہے تلوار نہیں ہے

شمشیر کے اک جزو سے ہے شیر جو ہم نام ۹۱ رعب اس نے یہ پایا ہے کہ تھراتے ہیں اندام
تھم جاتی ہے بجلی مگر اس کو نہیں آرام گیتی کو اُلٹ دے یہ قیامت ہے وہ صمصام
مریخ لرزتا ہے تو جوہر سے اسی کے
شیروں کو چڑھی رہتی ہے تپ ڈر سے اسی کے

چار آئینہ یوں کٹتے تھے ایک ایک جواں کے ۹۲ جس طرح کہ مہتاب میں ٹکڑے ہوں کتاں کے
سہمے تھے کمانداروں کے دل خوف سے جاں کے چلّہ نہ کھنچا تھا کہ یہ تھی سر پہ کماں کے
چلّاتے تھے سب مثلِ اجل آتی ہے یہ تو
سیفی سے بھی جلدی کہیں چل جاتی ہے یہ تو

لڑنے جو بڑا بول کوئی بول کے آیا ۹۳ یہ شیر بھی شمشیرِ دو دم تول کے آیا
شہبازِ اجل صید پہ پر کھول کے آیا اُڑتا ہوا سر بیچ میں اس غول کے آیا
حق جس کی طرف ہے وہ زبردست رہا ہے
سچ ہے کہ بڑے بول کا سر پست رہا ہے

ہم چشم تھا ابروئے حسینوں کے خم اس کا ۹۴ اللہ ری چمک برق بھی بھرتی ہے دم اس کا
ناگن تھی اُترتا ہی نہ تھا چڑھ کے سم اس کا ہر ہاتھ میں ہاتھ اس کا، تو بازو قلم اس کا
جوہر کی چمک دیکھی نہ ہیروں کے نگوں میں
یوں دوڑتی تھی تن میں لہو جیسے رگوں میں

اک برق سی گرتی تھی ہر اک دشمنِ جاں پر ۹۵ گر سر پہ کبھی ڈھال پہ تھی گاہ سناں پر
ترکش پہ کبھی تن سے کبھی گاہ کماں پر کس طرح بھلا ذکرِ برشش لاؤں زباں پر
دل سے کہیں جینے کی ہوس قطع نہ ہو جائے
دم بند ہے ڈر سے کہ نفس قطع نہ ہو جائے

لوہے سے اسی تیغ کے آئینہ بنے گر ۹۶ عکس اس میں جو دشمن کا نظر آئے تو بے سر
پائے نہیں اب تک کسی حربے نے یہ جوہر ذکر اس کی برش کا جو مسافر کے ہو لب پر
قطاعِ طریق آئے تو وہ خوف سے ہٹ جائے
کیسی ہی کڑی راہ ہو اک آن میں کٹ جائے

معشوق کو عاشق سے جدا کرتی تھی شمشیر ۹۷ ہر آن 'حق اکبر' کا ادا کرتی تھی شمشیر
جھکتی تھی جدھر حشر بپا کرتی تھی شمشیر جب اُٹھتا تھا سر حمدِ خدا کرتی تھی شمشیر
مریخ بھی، دل باختہ تھا سامنے اس کے
گردوں سپر انداختہ تھا سامنے اس کے

ہل چل میں یہ صف گرتی تھی جب صف پہ اُدھر کی ۹۸ نہ ہوش تھا تن کا، نہ خبر تیغ و سپر کی
بھولا ہوا تھا باپ، محبت کو پسر کی بھاگے تو یہ سمجھے کہ مہم پاؤں نے سر کی
مرتے تو لہو تیغ کی گردن پہ نہ ہوتا.
کرتے نہ مدد پاؤں تو سر تن پہ نہ ہوتا

سو سو کا سر اک ضرب میں کٹتے نہیں دیکھا ۹۹ یوں غیظ میں شیروں کو جھپٹتے نہیں دیکھا
بڑھ کر کبھی جرار کو ہٹتے نہیں دیکھا گھوڑے کو کسی باگ پہ پھٹتے نہیں دیکھا
جب ہاتھ اُٹھا برچھیوں پھر آتا ہے گھوڑا
پُتلی کے اشارے کو سمجھ جاتا ہے گھوڑا

آفت میں زمانہ تھا تلاطم میں خدائی ۱۰۰ چلاتی تھیں پریاں کہ سلیماں کی دُہائی
دکھلا گئی تیغ اپنی برش، سر پہ جب آئی ہر صف کو دکھا دیتا ہے ہاتھ، اپنی صفائی
وہ چور تھا ٹاپوں سے، جو توسن پہ چڑھا تھا
اسوار تو اسوار، فرس رن پہ چڑھا تھا

ہر نعل تھا، غیرت دہِ تیغِ صفاہانی ۱۰۱ جب ٹاپ پڑی، خاک سے پیدا ہوا، پانی
کف منہ سے گراتا، یہ غضب کی تھی نشانی تیزی یہ ہواؤں میں تھی، نہ دریا میں، روانی
یوں رکھتا تھا آہستہ قدم، دوشِ صبا پہ
بوئے گلِ تر جاتی ہے جس طرح ہوا پہ

سُرعت میں تگ و دو میں چھلاوے سے زیادہ ۱۰۲ باگ اس کی تھی کیا، جو دلِ راکب کا ارادہ
دریا پہ سمجھتا تھا ہر اک موج کو جادہ تیار کفل، تنگ کمر، سینہ کشادہ
شعلہ ہوا، لپکا جو ذرا غیظ میں آ کے
بجلی کی رگیں، آگ کا دم، پاؤں ہوا کے

جب خاک پہ جنگل میں قدم رکھتا تھا تن کے ۱۰۳ سر اپنا پٹک دیتے تھے طاؤس چمن کے
رشکِ مہِ نو گردنِ پُر نور کے منکے جم جم کے اُڑا دہ، تو اُڑے ہوش ہرن کے
پامال ہوا جاتا تھا دل کبکِ دری کا
گھوڑے کی اچانک۔ کہ جھگڑا تھا پری کا

گر لاکھ مدد گردشِ ایام کو پہونچے ۱۰۴ کب سرعتِ شبدیز سبک گام کو پہونچے
واں پہونچے، یہ اور صبح نہ اتمام کو پہونچے جس بن میں نسیمِ سحری شام کو پہونچے
وقفہ کہیں، یہ اسپ سبک پے نہیں کرتا
خورشید بھی منزل کوئی یوں طے نہیں کرتا

گر آگ کہوں، آگ یہ سرعت نہیں رکھتی ۱۰۵ گر کہیئے ہوا، وہ یہ حرارت نہیں رکھتی
گر برق کہوں، برق یہ جودت نہیں رکھتی گر حُور کہوں، حُور یہ صورت نہیں رکھتی
یاں قدر نہ بجلی کی، نہ کچھ پیک ہوا کی
بس خاتمہ اس پر ہے کہ قدرت ہے خدا کی

پریوں کی بھی، اِس طرح سواری نہیں چلتی ۱۰۶ اِن پھرتیوں سے، بادِ بہاری نہیں چلتی
اِس زور سے تلوار دو دھاری نہیں چلتی چلتے ہیں قدم یوں کہ کٹاری نہیں چلتی
دو گام بھی ساتھ اس کے فرس چل نہیں سکتا
اِس طرح یہ چلتا ہے کہ بس چل نہیں سکتا

جس وقت وغا کا نہ رہا ایک کو یارا ۱۰۷ خیمے سے نکل کر، پسرِ سعد پکارا
دو لاکھ نے بھی مل کے نہ اک طفل کو مارا اب چادریں اوڑھو کہ مٹا نام تمہارا
جی ہار دیا فوج نے، عزت گئی سب کی
بے آب ہوئی آج سے تلوار عرب کی

یہ سنتے ہی غیظ اِک یلِ غدار کو آیا ۱۰۸ میداں میں اُڑاتا ہوا رہوار کو آیا
کِس غیظ سے تولے ہوئے تلوار کو آیا دل بند یداللہ سے، پیکار کو آیا
کاندھے پہ سپر، لب پہ سخن بے ادبی کے
ظالم کو عداوت تھی گھرانے سے نبیؐ کے

رستم کی طرح، اپنے تن و توش پہ غرّا ۱۰۹ خورشید پہ غالب، کبھی ہوتا نہیں ذرّا
بدکارِ جہاں، حُسنِ لیاقت سے مُعرّا گردن تھی ازل سے، تہِ شمشیرِ تبرّا
پُر ہول ہو رستہ، وہ یہ رُو جو گزر جائے
صورت وہ کہ عفریت جسے دیکھ کے ڈر جائے

وہ خود تہمتن سے بھی جس کا نہ اُٹھے بار ۱۱۰ چار آئینہ، اِک قلعۂ فولاد کی دیوار
اژدر تو خود، اور مارِ سیہ نیزۂ خونخوار وہ گرزِ گراں سر، جو کرے کوہ کو مسمار
خنجر وہ کہ مرّیخ کا رنگ اُڑتا تھا جس سے
ڈھال ایسی کہ تلوار کا منہ مُڑتا تھا جس سے

کافر نے رجز پڑھ کے رگا ور کو نکالا ۱۱۱ اکبرؑ بھی بڑھے چلنے لگا بھالے پہ بھالا
اژدر تھے، زبانوں کو نکالے تہ و بالا گردن کو لڑائے ہوئے تھا، کالے سے کالا
پڑتی تھی سناں پر جو سناں، دشتِ وغا میں
چنگاریاں اُڑتی نظر آتی تھیں ہوا میں

ہر طعن میں یاں مُڑ گئے، واں اُڑ گئے رہوار ۱۱۲ نقطہ یہ سمٹنے میں، وہ پھر جانے میں، پرکار
چوٹیں جو کئی کھا کے جھجکنے لگا غدّار نیزے کو اُڑا لے گیا نیزے سے یہ جرّار
کیا بند بندھے لختِ دلِ عقدہ کشا پر
دیکھا تو سناں خاک پہ تھی، ڈانڈ ہوا پر

غصّے میں کماں لے کے بڑھا سرکشِ بے پیر ۱۱۳ سر پر تھا عقابِ علی اکبرؑ، صفتِ تیر
پنجہ تھا کہ سرپنجۂ ضرغامِ عدو گیر غل تھا کہ زہے زورِ جگر گوشۂ شبّیر
یا دیکھتی تھی فوج، فرس کی تگ و دو کو
یا پنجۂ خورشید میں دیکھا مہِ نو کو

پھر گرزِ گراں شیر کو، غدار نے مارا ۱۱۴ اُس ضرب کو رد کر کے بڑھا شاہ کا پیارا
چمکا جو تبر زیں، ملک الموت پکارا لو قطع ہے اب نخلِ حیاتِ ستم آرا
شیروں کے جگر کانپ گئے خوف سے بن میں
دو ٹکڑے ہوا گرزِ گراں ایک تبر میں

خفت ہوئی، جھٹکے کئی، ظالم نے جو کھائے ۱۱۵ جیسے کبھی دانت اور کبھی ہونٹ چبائے
روباہ، ظفر شیر پہ، کس طرح سے پائے پھر گرد ہے، خاک اُڑ کے اگر عرش پہ چھائے
ہاں سر کا شرف پاؤں کو حاصل نہیں ہوتا
اسفل کبھی اعلیٰ کے مقابل نہیں ہوتا

اکبر نے کہا: خیر تھکا گر ہے، تو دم لے ۱۱۶ بے تیرے بڑھے وار کریں ہم، تو قسم لے
دم لے کے بس اب میاں سے شمشیرِ دو دم لے کیا کرتے ہیں ہم، دیکھ ذرا شیروں کے حملے
ناخن جو نہ ہو، عقدۂ مشکل نہیں کھلتا
جب تک کہ نہ تلوار کھنچے، دل نہیں کھلتا

مرغوب ہے درہم کی، نہ دینار کی جھنکار ۱۱۷ بھاتی ہے نہ زنجیر کی، نہ تار کی جھنکار
دلچسپ نہیں ظرفِ طلاکار کی جھنکار کانوں کو بھلی لگتی ہے، تلوار کی جھنکار
وارفتہ اسی کی ہے زرہ، ڈھال اسی کی
کٹتے ہیں گلے جس سے وہ ہے چال اسی کی

ہے طولِ اَمل نیزۂ خطی کا ہلانا ۱۱۸ کرتی ہے کماں، تیر سفاہت کا نشانا
ہے گرز، فقط بارِ گراں، دوش پہ لانا لوہے کو مگر تیغ کے مانے ہے زمانا
ایسا کوئی منصف ہے عرب میں نہ عجم میں
جب کھنچ گئی تلوار، تو ہے فیصلہ دم میں

خوشتر ہے، خم اس کا خمِ ابروئے صنم سے ۱۱۹ بُت اس نے نکالے ہیں، اشارے میں حرم سے
پایا ہے رہِ راست کو، تلوار کے خم سے سیکھے کوئی آتش نفسی، تیغِ دو دم سے
دشمن جو بڑھے تاب کہاں رہتی ہے اس کو
سیفی کی دعا، وردِ زباں رہتی ہے اس کو

تلوار سے کانپا کیے، کفارِ عرب سب ۱۲۰ دنیا سے جہنم کو گئے، عنتر و مرحب
سرتا بقدم، عمرو بھی تھا جہلِ مرکب ظلمت نہ رہی کفر کی، وہ قتل ہوا جب
نصرت تھی جدھر تیغ چلی حق کے ولی کی
اللہ نے کی آپ ثنا ضربِ علیؑ کی

سرسبز کیا گلشنِ اسلام، اسی نے ۱۲۱ کعبے سے جُدا کر دیئے اصنام، اسی نے
شاہوں کو دیئے موت کے پیغام، اسی نے قبضہ میں کیا روم سے تا شام، اسی نے
کانپا کیے خاقانِ جہاں حرب سے اس کی
جاری ہوا سکّے کا چلن ضرب سے اس کی

آفاق میں ہے، دبدبہ شاہی کا اسی سے ۱۲۲ آغاز ہے مُلکوں کی تباہی کا اسی سے
اقبال چمکتا ہے سپاہی کا اسی سے بیٹھا ہے عمل شیرِ الٰہی کا اسی سے
یاد اُن کو نہ بھولی، کوئی دم تیغِ علیؑ کی
جبریلؑ بھی کھاتے ہیں قسم تیغِ علیؑ کی

چار آئینہ مَردوں کے لئے، دفعِ ضرر ہے ۱۲۳ جوہر ہیں زرہ، قبضۂ شمشیر سپر ہے
گر ہاتھ کی زینت ہے، گلے زیبِ کمر ہے رکھ لیجئے پہلو میں تو آرامِ جگر ہے
خوش قد ہے، خوش اسلوب ہے، خوشرو ہے، حسیں ہے
جب یہ ہو تو حاجت کسی حربے کی نہیں ہے

جب تیزیِ شمشیرِ زباں اس کو دکھائی ۱۲۴ ٹھنڈا تو ہوا تھا، پہ حرارت بھی کچھ آئی
تلوار علم کرکے جو ڈھال اس نے اٹھائی معلوم ہوا تیرہ گھٹا کرہ پہ چھائی
خورشید ہوا زرد، اُڑی گرد یہ تن کی
گھوڑے کی تکاپو سے زمیں ہل گئی رن کی

شبدیز کو اکبرؑ نے بھی کاوے پہ لگایا ۱۲۵ واں سے بھی تڑپ کر فرسِ تیز تگ آیا
منھ کھولے ہوئے شیر پہ حملے کو سگ آیا پر دب کے الگ زد سے گیا اور الگ آیا
لاتی تھی اجل کھینچ کے شمشیر کے منھ پر
آسکتا ہے روباہ کہیں شیر کے منھ پر

اکبرؑ نے صدا دی کہ ٹھہر سامنے آکر ۱۲۶ کیوں مُنھ کو چھپاتا ہے سپر چہرے پہ لاکر
مردانہ دکھا وار حریفانہ دِغا کر کچھ اپنے رسالے کے جوانوں سے حیا کر

ناداں ہے تمیزِ حق و باطل نہیں رکھتا
تو اتنے تن و توش پہ کچھ دل نہیں رکھتا

یہ خوف کہیں جان نہ گھبرا کے نکل جائے ۱۲۷ بودا ہے جو لڑنے کی جگہ پا کے نکل جائے
ایسا نہ ہو تلوار کوئی کھا کے نکل جائے پیچھے سے نہ شیروں کے شکار آکے نکل جائے

یک جا صفتِ سایۂ آہو نہیں تھمتا
سیماب ٹھہر جاتا ہے، پر تو نہیں تھمتا

تجھ سا تو جوان لشکرِ بدخو میں نہیں ہے ۱۲۸ ہاں زورِ شجاعت، ترے بازو میں نہیں ہے
گھوڑا ہے یہ چالاک، پہ قابو میں نہیں ہے فوجیں ہیں ادھر یاں کوئی پہلو میں نہیں ہے

ہم ایک ہیں جانباز کہ فوجوں سے لڑے ہیں
کیا تجھ کو کہیں گے جو صفیں باندھے کھڑے ہیں

نیزے کو ہلانے میں بھی تو زور کو ہارا ۱۲۹ کیوں میں نے کماں چھین لی اور تیر تمھارا
اِک ضربِ تبر تھی، کہ ہوا گُرز، دو پارا لڑنے پہ تبرا ہے ترے، او ستم آرا

آ تیغِ جوانانِ خوش اقبال کے اوپر
چہرے کو چھپاتا ہے جھلم ڈال کے مُنھ پر

یہ سُن کے بڑے غیظ و غضب سے وہ یَل آیا ۱۳۰ اکبرؑ نے کہا آ، کہ مقامِ اجل آیا
بارے شجرِ جرأت و ہمت میں، پھل آیا بس روک لے پودا کہ فرس مُنھ کے بل آیا

یہ پھولنے پھلنے کی مگر فصل نہیں ہے
گر پڑتا ہے جلدی، تری کچھ اصل نہیں ہے

تلواریں کھنچیں، برچھیاں چمکیں، علم اُٹھے ۱۳۱ گھوڑوں کی تگ و پو میں برابر قدم اُٹھے
نظارے کو، گردوں پہ ملائک بہم اُٹھے گر گر کے ادھر خاک پہ، شاہِ اُمم اُٹھے

اکبرؑ جو مقابل ہوئے اس ضالِ دُغل سے
شبیرؑ قریب آگئے بیتابیِ دل سے

چلّائے کہ اے میرے بہادر ترے قرباں ۱۳۲ یہ پیاس کئی روز کی، یہ دھوپ، یہ میداں
کچھ یہ تو جنوں سے بھی قوی تر ہے مری جاں اس دیو پہ اللہ ظفر دے، تمھیں اس آن
کیا پیاس بہت ہے کہ پکارا نہیں جد کو
اب دل نہیں قابو میں ہم آتے ہیں مدد کو

رونے لگے اکبر، یہ سُنا اُس کے پدر کی ۱۳۳ جوڑے ہوئے ہاتھوں کو نبیؐ شہ پہ نظر کی
کی عرض، دعا بس ہے شہ جن و بشر کی اس وقت نہیں پیاس، قسم آپ کے سر کی
غازی ہیں، الم تشنہ دہانی کا نہیں ہے
اس شغل میں کچھ دھیان بھی پانی کا نہیں ہے

تشویش نہ فرمائیے، میں نے اسے مارا ۱۳۴ آیا ہے تو، جاتا ہے کہاں یہ ستم آرا
مرحب کی طرح طول میں کرتا ہوں دو پارا اللہ کی تائید ہے، مولا کا سہارا
دل آپ بڑھائیں گے تو بڑھ بڑھ کے لڑوں گا
اس دیو سے میں سورۂ جن پڑھ کے لڑوں گا

ہر چند سن اس کا ہے زیادہ مرے سن سے ۱۳۵ پانی بھی لبوں تک نہیں پہونچا کئی دن سے
بیزاری ہے جن و ملک و انس کو ان سے ہم وہ ہیں کہ جانبر نہ ہوئے دیو بھی جن سے
اُس چاہ کے اژدر بھی چرائے ہیں دم ابتک
مشہور ہے افسانۂ بیرالالم ابتک

خادم کی لڑائی نہیں، کچھ قابلِ تعریف ۱۳۶ آقا کے کرم سے ہے بہت پیاس میں تخفیف
غم یہ ہے کہ مولا کو نہایت ہوئی تکلیف ہے دھوپ کڑی، سایہ میں لے جائیے تشریف
گردن ہے تہِ تیغ، اب اس عربدہ جو کی
چھینٹیں نہ پڑیں قبلۂ عالم پہ لہو کی

حضرت نے کہا، خیر، خدا حافظ و ناصر ۱۳۷ جرأت میں نہ تم کم ہو، نہ میں صبر میں قاصر
یہ بیکس و بے پر ہیں، مدد کرنے کو حاضر دب جائے گا ادنیٰ سے بھی ادنیٰ ہے یہ کافر
تیور کہیں چھپتے ہیں شجاعِ ازلی کے
اعلیٰ سے تم اعلیٰ ہو کہ پوتے ہو علیؑ کے

ہاں زینبی طرف آنے نہ دیجو اُسے زنہار ۱۳۸ گھوڑے کو بڑھائے ہوئے روکے ہوئے تلوار
مغرور تن و توشش پہ اپنے ہے یہ غدار خود منہ کے بل آئے گا جو خالی گئے دو وار
دشمن جو لڑے جم کے تو پھر لطف سوا ہے
ہاں تھام لو باگ اس کے فرس کی تو مزا ہے

یہ سن کے بڑھا جنگ کو وہ شیرِ نرینہ ۱۳۹ پہونچا تھا جسے زورِ علیؑ سینہ بہ سینہ
شوکت وہی سب تھی وہی حملے کا قرینہ شبدیز پہ تھے آپ کہ خاتم پہ نگینہ
یوں سینہ کشادہ گئے اس عہد شکن پر
جس طرح جھپٹتا ہے کبھی شیر ہرن پر

لڑ جانا وہ ڈھالوں کا وہ تلواروں کی جھنکار ۱۴۰ آفت کی لڑائی تھی قیامت کا ہر اک وار
مرحب تھا اُدھر اور اِدھر حیدرِ کرار تلوار پہ تلوار تھی، رہوار پہ رہوار
بجلی سی فزوں تھی، تڑپ آتش نفسوں کی
اسواروں تک آجاتی تھیں ٹاپیں فرسوں کی

مہمیز پہ مہمیز تھی، اور کوڑے پہ کوڑا ۱۴۱ ہر مرتبہ منہ ڈالتا تھا گھوڑے پہ گھوڑا
کل پھر گئی جس باگ پہ جس نے جسے موڑا زخمی ہوئے پر کمیت کو دونوں نے نہ چھوڑا
اس زور سے تیروں کی بھی سریاں نہیں چلتیں
یوں جھوم کے چلتے تھے کہ پریاں نہیں چلتیں

زن سے جو وہ تلوار گئی، سن سے یہ آئی ۱۴۲ وہ خود سے ملتی ہوئی گردن سے یہ آئی
وہ کھنچ کے سپر سے گئی جوشن سے یہ آئی وہ صدر سے خالی گئی، توسن سے یہ آئی
ہاں بعد علی، کم ہوئی جنگ و جدل ایسی
غل تھا کبھی دیکھی نہیں رد و بدل ایسی

غصے میں جو سفاک نے کی، رخش کو مہمیز ۱۴۳ شہزادے کے گھوڑے کے قریب آگیا شبدیز
بس تھام لی اکبرؑ نے عنانِ فرسِ تیز جھپکا تھا وہ گھوڑا کہ چلی تیغ شرر ریز
جوشن اُڑ گئے اس بانی بیداد و ستم کے
سر کٹ کے گرا فرق پہ چالیس قدم کے

تازی کی عناں چھوڑ کے اک ہاتھ جو مارا ۱۴۴ چاروں سم رہوار کٹے، صاف قضا را
گھوڑا جو گرا، دشتِ ستم ہل گیا سارا بس چور ہوا پس کے وہ کافر ستم آرا
دکھلا دیا صفدر نے جو ارشادِ پدر تھا
نہ پاؤں تھے گھوڑے کے، نہ اسوار کا سر تھا

مصروف تھے لڑنے میں ادھر اکبرِؑ دل گیر ۱۴۵ بیتاب تھے، تھامے ہوئے دل حضرتِ شبیرؑ
تھراتے ہاتھ، اور زباں پر تھی یہ تقریر یہ سب تری تائید ہے، اے مالکِ تقدیر
بیکس ترے بندے پہ عجب وقت پڑا ہے
یارب یہ پسر تیسرے فاقے سے لڑا ہے

ہفتم سے ہے پانی کا تلاطم مرے گھر میں ۱۴۶ نہ بحر میں پیاسوں کا ٹھکانا ہے، نہ بر میں
دے صبر کہ بے تاب نہ ہوں ہجرِ پسر میں لوٹا ہے مجھے امتِ احمدؐ نے، سفر میں
فرزندِ جواں، باپ سے منھ موڑ رہا ہے
چھوٹا جو ہے، گہوارے میں دم توڑ رہا ہے

طالب نہیں اس کا کہ سلامت یہ پھر آئے ۱۴۷ مجروح تری راہ میں ہو، برچھیاں کھائے
خادم کے بزرگوں کا جو منصب ہے، وہ پائے جرأت جو دکھائی ہے تو غربت بھی دکھائے
دنیا سے پُر ارمان سفر کرنے پہ روئیں
سب پیر و جواں اس کے جواں مرنے پہ روئیں

یہ کہہ کے علی اکبرِ مردکو پکارے ۱۴۸ احسنت مرے شیر، مرے پیاس کے مارے
ٹھہرو کہ پدر چوم لے، ہاتھوں کو تمھارے خالی ہے علمدار کی جا، اے مرے پیارے
جعفرؑ اسی کس بل سے، اسی ڈھب سے لڑے تھے
خیبر میں علیؑ بھی یونہیں مرحب سے لڑے تھے

بالیدہ ہوا شہ کی صدا سُن کے وہ جرار ۱۴۹ مجرا کیا رہوار سے، جھک جھک کے کئی بار
کی عرض، شہادت کی دعا کا ہوں، طلبگار اب پیاس نے مارا، مجھے یا سیدِ ابرار
گرمی سے غش آتا ہے جھکا جاتا ہے سر بھی
ہتھیار بھی سب گرم ہیں، جلتا ہے جگر بھی

قوت کا مٹا زور، گھٹا زورِ جوانی ۱۵۰ اب دیتی ہے پیغامِ اجل تشنہ دہانی
ہے دھوپ کڑی، اے اسد اللہ کے جانی جان آئے، زرہ پر جو چھڑک دے کوئی پانی
سنبھلوں تو بھگا دوں ابھی اِس لشکرِ شر کو
ایسی ہو کوئی چیز کہ ٹھنڈک ہو جگر کو

حضرت نے کہا، پانی کا ملنا تو ہے دشوار ۱۵۱ اب دور کرو، خود سے کیا تم کو سروکار
جلتی ہے زرہ گر، تو اُتارو مرے دلدار کافی ہے لڑائی میں، جوانمرد کو تلوار
رہنے دو، جو ہو دھوپ میں آرام سپر سے
جو سینہ سپر ہو اُسے کیا کام سپر سے

کہنے کو کہا یہ، پہ ہوا دل تہ و بالا ۱۵۲ اِک سیب تر و تازہ گریباں سے نکالا
بولا یہ اسے سونگھ کے وہ گیسوؤں والا فرزند میں جاں آگئی، اے سیّدِ والا
اعجازِ امامت شہِ خوش خو نے دکھایا
پانی کا اثر سیب کی خوشبو نے دکھایا

اس سیبِ سمن بو کی، ثنا کا کسے یارا ۱۵۳ دید اس کی ہے یوسفؑ کے زنخداں کا نظارا
اُٹھ جائے گر اس کی طرف، انگشتِ اشارا اللہ ری لطافت کہ وہ ہو جائے دو پارا
بہتر کوئی سیب اس سے نہیں خلدِ بریں میں
بو آج تک اس کی ہے مزارِ شہِ دیں میں

تسلیم کی اور اسپِ صبا دم کو اُڑا کر ۱۵۴ پھر ڈوب گیا فوج میں، وہ شبّرِ دلاور
یاں بیٹھ گئے تھام کے دل، سبطِ پیمبر واں شام کے بادل میں گھرا، وہ مہِ انور
تیروں کی جو بوچھار ہوئی چھن گیا سینہ
روزن ہوئے اتنے کہ زرہ بن گیا سینہ

ٹکڑے ہوئے تیغوں سے، پہ ہمت کو نہ ہارے ۱۵۵ مجروح نے اسّی نفر اس فوج کے مارے
صحرا میں کبھی تھے کبھی دریا کے کنارے پھر دیکھ گئے باپ کو، پھر رن کو سدھارے
روکے نہ پدر، قتل ہو لختِ جگر ایسا
باپ ایسا ہو صابر، تو جری ہو پسر ایسا

لڑتے تھے کہ پیشانیِ انور پہ لگا تیر   ۱۵۶   سب خوں سے بھری احمدِ مختار کی تصویر
لکھا ہے کہیں میں تھا کوئی ظالمِ بے پیر   برچھی جو لگی سینہ میں حالت ہوئی تغییر
اللہ رے شجاعت، کہ نہ ابرو پہ بل آیا
پھل اس نے جو کھینچا، تو کلیجہ نکل آیا

ٹکڑے جو بہے خوں کے ڈیڑوں میں جگر کے   ۱۵۷   غش ہو گئے سر گردنِ رہوار پہ دھر کے
نزدیک سے پھر وار چلے تیغ و تبر کے   سب پسلیاں کٹ کٹ گئیں ٹکڑے ہوئے سر کے
تلواریں تھیں، یا آپ تھے، یا سر پہ خدا تھا
جس ہاتھ سے لڑتے تھے، وہ پہونچوں سے جدا تھا

جس وقت ہوا دینے لگا، زخم جگر کا   ۱۵۸   سینے میں رکا آکے دم، اس رشکِ قمر کا
گرتے ہوئے گھوڑے سے خیال آیا، پدر کا   چلائے کہ اب کوچ ہے دنیا سے پسر کا
بیکس کی، مسافر کی، مدد کیجئے بابا
اپنے علی اکبر کی، خبر لیجیے بابا

بیٹے کی صدا سن کے ہوا صدمۂ جاں کاہ   ۱۵۹   اِک ہوک کلیجے میں اٹھی بیٹھ گئے شاہ
معلوم ہوا، جان چلی، آہ کے ہمراہ   دل تھام کے ہاتھوں سے کہا، یا اسداللہ
ماں باپ کے جینے کا مزا لے گئے بیٹا
عہدہ جو تمہارا تھا، ہمیں دے گئے بیٹا

چلائے، بتاؤ علی اکبر کدھر آئیں   ۱۶۰   ڈھونڈیں تمہیں اِس بحر میں یا سوئے بر آئیں
بیتاب ہے دل قلب میں، لشکر کے در آئیں   تم آ نہیں سکتے، تو ہمیں لاش پر آئیں
رنگ اڑ گیا تھا، گیسوؤں پر گرد جمی تھی
تیورا کے جو سنبھلے تو بصارت میں کمی تھی

بیٹا ہمیں پھر، یا ابتا کہہ کے پکارو   ۱۶۱   مظلوم غریب الغربا کہہ کے پکارو
ناشاد گرفتارِ بلا کہہ کے پکارو   لب تشنہ و مجروحِ جفا کہہ کے پکارو
جو وقت معین ہے، وہ ہرگز نہ ٹلے گا
خنجر مری گردن پہ، اسی طرح چلے گا

مہ رو علی اکبر علی اکبر علی اکبر ۱۹۲ دل جو علی اکبر علی اکبر علی اکبر
گل رو علی اکبر علی اکبر علی اکبر خوش خو علی اکبر علی اکبر علی اکبر
اس عمر کا پودا کوئی بے برگ نہ ہووے
تجھ سا کوئی دنیا میں جواں مرگ نہ ہووے

اٹھارہواں یہ سال، یہ غربت، یہ جوانی ۱۹۳ یہ شان، یہ اقبال، یہ شوکت، یہ جوانی
دیکھی تھی نہ اب تک یہ شجاعت، یہ جوانی یوں خاک ہوئی ہائے یہ صورت، یہ جوانی
کس درجہ مشابہ تھے رسولِ عربی سے
گویا کہ حسینؑ آج بچھڑتا ہے نبیؐ سے

لے آئی جو بیتابیِ دل، لاشِ پسر پر ۱۹۴ جھکنے میں نظر پہلے پڑی زخمِ جگر پر
اک تیر لگا قلبِ شہِ جن و بشر پر سینے پہ کبھی ہاتھ کو مارا کبھی سر پر
اوپر کے دم اس شیر کو بھرتے ہوئے دیکھا
بابا نے جواں بیٹے کو مرتے ہوئے دیکھا

ہونٹوں پہ زباں، رخ پہ عرق، خاک پہ گیسو ۱۹۵ پتھرائی ہوئی آنکھ، کٹے تیغوں سے ابرو
گردن تو کجی اور حلق پہ اک تیرِ سہ پہلو چہرے پہ لہو، گالوں پہ ڈھلکے ہوئے آنسو
یہ زیرِ لب آواز، کہ آقا نہیں آئے
نزدیک اجل آگئی بابا نہیں آئے

اے دردِ جگر تھم کہ شہِ بحر و بر آئیں ۱۹۶ اے جان نہ گھبرا شہِ جن و بشر آئیں
اے روح توقف شہِ والا ادھر آئیں اے موت ٹھہر جا، پدر آئیں پدر آئیں
ارمانِ دلِ زارِ پسر ہوش میں نکلے
حسرت ہے کہ دم باپ کی آغوش میں نکلے

چلائے شہِ دیں علیؑ اکبر پدر آیا ۱۹۷ اٹھو مرے پیارے، مرے دلبر پدر آیا
تم ڈھونڈتے تھے اے مہِ انور پدر آیا ناشاد پدر بےکس و بے پر پدر آیا
کچھ دل کی کہو بات، ذرا ہوش میں آؤ
صدقے پدر آؤ، مری آغوش میں آؤ

منھ کھولے ہو کیوں، تیر کو گردن سے نکالوں ۱۶۸ گر درد نہ ہو، ہاتھوں کو بازو سے سنبھالوں
گرتا ہے پہاڑ، اس کو میں کس طرح سے ٹالوں مرتے اُسے دیکھوں جسے آغوش میں پالوں
بہ بہ کے لہو میں جگر آتا ہے تمھارا
سینے سے کلیجہ، نظر آتا ہے تمھارا

کچھ منھ سے تو بولو علیؑ اکبر علیؑ اکبر ۱۶۹ آنکھوں کو تو کھولو علیؑ اکبر علیؑ اکبر
رخصت بھی تو ہو لو علیؑ اکبر علیؑ اکبر لو باپ کو رو لو، علیؑ اکبر علیؑ اکبر
دولھا بھی اس آرام سے، سوتے نہیں بیٹا
ہم روتے ہیں اور تم ہمیں روتے نہیں بیٹا

ہم آئے ہیں لو پاس ہمارا کرو بیٹا ۱۷۰ اک آن کی تکلیف گوارا کرو بیٹا
کچھ کچھ تو مرے درد کا چارا کرو بیٹا بولا نہیں جاتا، تو اشارا کرو بیٹا
حوریں تمھیں گھیرے ہیں کہ مہمان نئے ہو
باتیں ہیں یہ کس سے کہ ہمیں بھول گئے ہو

غش میں جو سُنی باپ کی آواز پسر نے ۱۷۱ بس ہاتھوں کو پھیلا دیا اُس رشکِ قمر نے
لپٹا لیا چھاتی سے شہِ جن و بشر نے منھ کھول کے دکھلائی زباں تشنہ جگر نے
فرمایا کہ قطرہ، مرے جانی نہیں ملتا
مجبور ہوں اکبر مجھے پانی نہیں ملتا

کی عرض علیؑ آئے ہیں، یا شاہِ خوش انجام ۱۷۲ ہاتھوں میں ہیں کوثر کے چھلکتے ہوئے دو جام
اک جام مجھے دے کے بصد شفقت و انعام فرماتے ہیں پی لے اسے اے اکبرِ گلفام
میں کہتا ہوں مجروح ہوں آوارہ وطن ہوں
دونوں مجھے دیجے کہ بہت تشنہ دہن ہوں

اشک آنکھوں سے ٹپکا کے یہ فرماتے ہیں حیدرؑ ۱۷۳ شبیرؑ بھی پیاسا ہے، بہت لے مرے دلبر
گھبرا نہ کہ نزدیک ہے، اب چشمۂ کوثر حصہ یہ ترے باپ کا ہے، اے علیؑ اکبر
دو دن سے اُٹھائے ہیں تعب تشنہ لبی کے
یہ تیسرا فاقہ ہے نواسے پہ نبیؐ کے

یہ کہتے ہی آنکھوں سے بس آنسو ہوئے جاری ۱۷۴ مُنھ پھیر کے دیکھا سُوئے صحرا کئی باری
کی عرض حضور آتی ہے زہرا کی سواری پھر درد اُٹھا سینے میں، پھر غش ہوا طاری

کھوئے ہوئے آنکھوں کو مسافر ہوئے اکبرؑ
ہچکی کا بس آنا تھا کہ آخر ہوئے اکبرؑ

لکھا ہے کہ نکلا علیؑ اکبر کا اِدھر دم ۱۷۵ نکلی درِ خیمہ سے اُدھر زینبِ پُرغم
سر ننگے تھیں پیچھے کئی سیدانیاں باہم مُنھ پیٹتی تھی کوئی، کوئی کرتی تھی ماتم

ہلتا تھا فلک نالۂ و فریاد و بکا سے
اِک حشر تھا، ہے ہے علیؑ اکبر کی صدا سے

خورشید چھپا، گرد اُڑی، زلزلہ آیا ۱۷۶ اِک ابرِ سیہ دشتِ پر آشوب میں چھایا
پھیلی تھی جہاں دھوپ، وہاں ہوگیا سایا بجلی کو سیاہی میں، چمکتا ہوا پایا

جو حشر کے آثار ہیں، سارے نظر آئے
گرتے ہوئے مقتل میں ستارے نظر آئے

محبوبِ الٰہی کی نواسی کا تھا یہ حال ۱۷۷ سر پر نہ ردا تھی، نہ قصابہ تھا، نہ رُومال
کچھ چہرے پہ کچھ دوش پہ بکھرے ہوئے تھے بال ہر گام تھی بسمل کی تڑپ، زخمیوں کی چال

ٹوٹا تھا مصیبت کا فلک زار و حزیں پر
تھی نصف ردا دوش پہ اور نصف زمیں پر

چلاتی تھی، جنگل کی مجھے، راہ بتا دو ۱۷۸ سیدانی ہوں، رستہ مجھے لِلّٰہ بتا دو
کس ابر میں پنہاں ہے، مرا ماہ بتا دو لاشے پہ کدھر ہیں شہِ ذی جاہ بتا دو

آنکھوں میں بصارت بھی نہیں جاؤں کدھر کو
میں پہلے پہل ڈھونڈنے نکلی ہوں پسر کو

زینبؑ کی صدا سُنتے ہی دوڑے شہِ والا ۱۷۹ دامانِ عبا فرق پہ ہمشیر کے ڈالا
فرمایا قدم خیمے سے کیوں تم نے نکالا اے بنتِ علیؑ، مر گیا وہ گیسوؤں والا

ٹکڑے ہے بدن کشتۂ شمشیر ہیں اکبرؑ
دیکھو گی کسے خاک پہ اب ڈھیر ہیں اکبرؑ

خاموش انیسؔ، آگے نہیں تاب رقم کی ۱۸۰ شق ہوتی ہے چھاتی، دمِ تحریر قلم کی
کیونکر کوئی رُوداد لکھے، اہلِ حرم کی حقا کہ نہایت نہیں، شبیرؑ کے غم کی
معروف ہر اک اشک بہانے میں رہے گا
ماتم علیؑ اکبر کا زمانے میں رہے گا

مرثیہ (۱۸)

لاکھوں سے تشنہ کام لڑے کام کر گئے ۱ (الف) کیا نازیانِ فوجِ خدا نام کر گئے
فیض اپنا مثلِ ابرِ کرم۔ عام کر گئے اُمت کی مغفرت کا سرانجام کر گئے
بٹتے ہیں سب درود جو ذکر ان کے ہوتے ہیں
ایسے بشر وہ تھے کہ ملک جن کو روتے ہیں

ہاتھوں میں تیغیں اور دلوں میں خدا کی یاد ۲ دیندار و سرفروش و شجاع و خوش اعتقاد
مردانگی یہ پیاس میں فاقوں میں یہ جہاد زخموں کو نخلِ قد پہ وہ سمجھے گلِ مراد
تیغوں سے بند کونسا ان کا کٹا نہ تھا
پر معرکے سے پاؤں کسی کا ہٹا نہ تھا

لیکن نظر نہ آئے گا ان کا کہیں نظیر ۳ برسوں رہے گا چرخ میں، گر آسمانِ پیر
خورشید جن کے سامنے اک ذرۂ حقیر گوہرے نہ اُن کے پاؤں، نہ روئے مہِ منیر
پُرخوں قبائیں جسم میں، سینے تنے ہوئے
پہنچے ریاضِ خلد میں دولھا بنے ہوئے

شیروں کے کانپتے تھے جگر ان کے سامنے ۴ رستم اُٹھا نہ سکتا تھا سر اُن کے سامنے
اُڑتا تھا رنگ روئے سحر ان کے سامنے پھیکی تھی روشنیِ قمر اُن کے سامنے
بخشا تھا نورِ حق نے ہر اک خوش صفات کو
ہوتا تھا دن، جو گھر سے نکلتے تھے رات کو

دیکھیں جو اُن کا نور تو قدسی پڑھیں درود ۵ پیشانیوں پہ جلوہ نما اخترِ سجود
شیدائے آل، شیفتۂ واجب الوجود رُخ سے عیاں جلال و جوانمردی و نمود
جینے کی شاہِ دیں کو دعا دے کے مر گئے
ایماں کے آئینہ کو جِلا دے کے مر گئے

تاثیر کر گئی تھی انھیں صحبتِ امام ٦ تھا نزع میں بھی خشک لبوں پہ خدا کا نام
لبریز تھے محبتِ حیدر سے دل کے جام ذی قدر، ذی شعور، دلاور خجستہ[٢] کام
لشکر جو اُن پہ ٹوٹ پڑے شام و روم کے
تلواریں کھائیں جسم[ب] پہ کیا جھوم جھوم کے

لاکھوں میں انتخاب ہزاروں میں لاجواب ٧ تھا خشک و تر پہ جن کا کرم صورتِ سحاب
وہ نور، وہ جلال، وہ رونق وہ آب و تاب زہرا کے گھر کے چاند، زمانے کے آفتاب
بس یک بہ یک جہاں میں اندھیرا سا چھا گیا
دن بھی ڈھلا نہ تھا کہ زوال اُن پہ آ گیا

گل ہو گئے عقیل کی تربت کے جب چراغ ٨ جعفر کے لاڈلوں نے دئے شہ کے دل کو داغ
ماتم سے بھانجوں کے ہوا تھا نہ اِنفراغ پامال ہو گیا، حسنِ مجتبےٰ کا باغ
لاشے اٹھائے جنگ کرے یا بکا کرے
جس پر گریں[ج] یہ کوہِ مصیبت وہ کیا کرے

صدمہ یہ تھا کہ لٹنے لگی دولتِ پدر ٩ نکلے نبرد کو اسداللہ کے پسر
مارے گئے جہاد میں جس دم وہ شیرِ نر رخصت ہوئے حسین سے عباسِ نامور
دریا بہے لہو کے بڑا کشت و خوں ہوا
ڈھلتی تھی دوپہر کہ علم سرنگوں ہوا

پیری میں قہر ہے، خبرِ مرگِ نوجواں ١٠ ریتی پہ تھرتھرا کے گرے شاہِ انس و جاں
نکلیں سروں کو پیٹتی، خیمے سے بیبیاں تھا خانۂ علی میں تلاطم کہ الاماں
یوں گھر الٹ پلٹ تھا امامِ حجاز کا
جس طرح ٹوٹ جاتا ہے لنگر جہاز کا

غل تھا کہ خوں میں بھر گیا سقائے اہلبیت ١١ دنیا سے کوچ کر گیا، سقائے اہلبیت
ہم لٹ گئے گذر گیا سقائے اہلبیت فریاد ہے کہ مر گیا، سقائے اہلبیت
ہے ہے کہاں سے اپنے بہشتی کو لائیں گے
سوکھی زبان، اب کسے بچے دکھائیں گے

جلتا تھا خیمہ، روتے تھے یوں اہلبیت شاہ ۱۲ صدمے سے حالِ زوجۂ عباس تھا تباہ
چلاتی تھی کہ نہر کی مجھ کو بتاؤ راہ لُوٹی گئی میں دشت پر آفت میں آہ آہ
غم تھے گرا تھا کوہِ مصیبت حسین پر
ماتم تھا بیبیوں میں سکینہ کے بین پر

ماتم ادھر تھا، جشن میں تھے اہلِ شر اُدھر ۱۳ بجتے تھے شادیانے فتح و ظفر اُدھر
انعام بانٹتا تھا ہر اک کو عمر اُدھر روتے تھے دیکھ دیکھ کے حضرت ادھر اُدھر
غل تھا کہ بس حسینؑ بہت روئے بھائی کو
کوئی جواں ہو اور تو بھیجو لڑائی کو

باقی نہیں کوئی تو دغا کو خود آئیے ۱۴ حیدر کی ذوالفقار کے جوہر دکھائیے
زخمِ سنان و خنجر و شمشیر کھائیے گرمی بڑی ہے آج لہو میں نہائیے
آمادہ ہم تو دیر سے بہرِ ستیز ہیں
تیغیں بھی ہیں اُپی ہوئی خنجر بھی تیز ہیں

کاٹے ہیں جس نے بازوئے لختِ دلِ امیر ۱۵ ہے خوب آبدار، وہ شمشیرِ بے نظیر
چھیدا ہے جس سے مشک کو موجود ہے وہ تیر ہر گرز وہ ہے، ضرب سے جس کی ہوئے اخیر
تڑپے تھے جس سے مشک کو دانتوں سے چھوڑ کر
برچھی 'یہ' ہے جو نکلی تھی پہلو کو توڑ کر

صابر بڑے ہیں آپ تو یا شاہِ انس و جاں ۱۶ اک بھائی کے فراق میں یہ نالہ و فغاں
رونے سے جی اٹھیں گے نہ عباسِ نوجواں حضرت پکارتے ہیں کسے، بھائی اب کہاں
ملتا ہے کب جہاں میں بھلا جو گذر گیا
اب فکر اپنی کیجئے وہ شیر مر گیا

اکبر نے کی غضب کی نظر سوئے فوجِ شام ۱۷ کانپے یہ غیظ سے کہ اُگلنے لگی حسام
کی عرض ہاتھ جوڑ کے اے قبلۂ انام سنتے ہیں آپ لشکرِ اعدا کا یہ کلام
خوں تن میں جوش کھاتا ہے ہنگام جنگ ہے
مولا! بس اب تو حوصلۂ صبر تنگ ہے

اُن کے کلام سننے کی کس کے جگر میں تاب ۱۸ خادم زبانِ تیغ سے دے گا انھیں جواب
کیا اپنے دل میں سمجھے ہیں یہ خانماں خراب نعرہ کروں تو شیر کا زہرہ ہو آب آب
آداب شاہ سے نہیں ہم بول سکتے ہیں
زخمِ جگر پہ اب تو نمک یہ چھڑکتے ہیں

ہم کو یہ طعن و طنز کی باتیں نہیں پسند ۱۹ کوفے میں لیں گے دم جو اٹھائیں گے پھر سمند
ہونٹوں پہ غم سے اب ہے یہاں جانِ دردمند کاٹیں ترے نہ تیغ سے خنجر سے بند بند
ہنس ہنس کے جسم پر تبر و تیر کھائیں گے
تیغِ زباں کے زخم اٹھائے نہ جائیں گے

گھبرا کے دیکھنے لگے بیٹے کے منہ کو شاہ ۲۰ فرمایا خیر کہہ لیں جو کہتے ہیں رو سیاہ
کیوں کانپتے ہو غیظ سے اے میرے رشکِ ماہ لازم ہے صبر و شکر کہ راضی رہے اللہ
غصہ اسی طرح اگر آئے گا آپ کو
خنجر کے نیچے دیکھیے گا کس طرح باپ کو

برہم نہ ہو تمھیں سب شبیر کی قسم ۲۱ لو گھر میں جاؤ خیر سمجھ لیں گے ان سے ہم
دیکھو ہمیں، بھائی کے بازو ہوئے قلم تلوار دل پہ چل گئی، مارا نہ ہم نے دم
سب جل کے خاک ہوں جو ابھی بد دعا کروں
پر امّتِ نبی ہے بجز صبر کیا کروں

یہ سن کے زرد ہو گئے ہم شکلِ مصطفیٰ ۲۲ رو کر کہا یہ کرتے ہیں ارشاد آپ کیا
وہ وقت، وہ گھڑی، نہ دکھائے ہمیں خدا بابا نہ ہو تو بیٹے کے جینے کا کیا مزا
آمادۂ فنا ہیں، خوشی دل سے فوت ہے
پھر خضر کی حیات ملے گر تو موت ہے

کیا پہلے سر کٹائیے گا یا شہِ زماں ۲۳ کس اشتیاق سے شہِ دیں نے کہا کہ ہاں
آگے جو کچھ رضائے خدا اے پدر کی جاں بیٹے ہیں پیر سامنے مرتے ہیں نوجواں
دیکھو کہ چھوٹے بھائی کے ماتم میں روتے ہیں
پالا تھا جن کو ہم نے وہ صحرا پہ سوتے ہیں

یہ کہہ کے اُٹھ کھڑے ہوئے سلطانِ بحر و بر ۲۴ پٹکے سے باندھنے لگے، ٹوٹی ہوئی کمر
قدموں پہ گر پڑے علی اکبر بہ چشمِ تر کی عرض رحم کیجیے، مر جائے گا پسر
آگے مرے، جو ہوگی شہادت امام کی
دنیا میں آبرو نہ رہے گی غلام کی

چھوٹے تھے جو کہ سن میں بڑے کر گئے وہ کام ۲۵ یا شاہ، کیا لڑائی کے قابل نہیں غلام
عمو کے خوں کا لیں گے لعینوں سے انتقام ہم نے بھی تیغ باندھی ہے، بچپن سے یا امام
عزت لی ہے خلق میں صدقے سے آپ کے
بیٹا وہی جو رن میں کام آئے باپ کے

انصاف آپ کیجیے یا سرورِ عرب ۲۶ بیٹا تو گھر میں بیٹھے، لڑے باپ تشنہ لب
مارا گیا نہ آج، تو کل یہ کہیں گے سب کیسا لہو سفید ہے، دنیا کا ہے غضب
سر کو کٹا کے باپ جہاں سے گذر گیا
بیٹا جوان، باپ کے آگے نہ مر گیا

بہرِ رسولِ زمن کی رضا دیجیے مجھے ۲۷ صدقہ علی کا، اِذنِ وغا دیجیے مجھے
مرتا ہوں یا امام، جِلا دیجیے مجھے یادِ خدا میں دل سے بھلا دیجیے مجھے
کھولیں کمر، حضور تو دل کو قرار ہو
کہہ دیجیے کہ جا! علی اکبر نثار ہو

شہ نے کہا تمھیں مرے دل کی نہیں خبر ۲۸ پیارے کہاں سے لاؤں میں اس طرح کا جگر
ہے باپ کو عصائے ضعیفی، جواں پسر جب تم نہ ہوگے پاس تو مر جائے گا پدر
ایسے جئے نہ تھے، کہ ہمیں تم رلاتے ہو
شادی کے دن جو آئے تو مرنے کو جاتے ہو

راتیں یہ عیش کی ہیں مرادوں کے ہیں یہ دن ۲۹ پورے جوان نہیں، ابھی کیا ہے تمھارا سن
اکبر تری جوانی پہ روئیں گے انس و جن کیوں کر قرار آئے گا ماں کو تمھارے بن
کیسی ہوا چلی، چمن روزگار میں
سیّد کا باغ لٹتا ہے فصلِ بہار میں

دیتا اگر تمھیں کوئی فرزند، ذوالجلال ۳۰ ہوتی پدر کی قدر، سمجھتے ہمارا حال
رخصت کا آپ سے، یوں ہی کرتا، وہ جب سوال تب جانتے کہ دیتے اسے رخصتِ جدال
کیا جانے وہ مزا جسے اس کا ملا نہیں
اچھا سدھارو، تم سے ہمیں کچھ گلا نہیں

تسلیم کرکے بولے، علی اکبرِ غیور ۳۱ لاکھوں برس جہاں میں سلامت رہیں حضورؑ
فرمایا شہ نے خیر، اجل بھی نہیں ہے دور برچھی لگا کے دل پہ، خوشامد یہ کیا ضرور
تقریر میں پدر کو نہ اب بند کیجیے
خیمے میں جا کے ماں کو، رضامند کیجیے

ہیں مبتلائے رنج، بھلا کیا ہمارا پیار ۳۲ تم سے جو پسر ہوں، تو اس راہ میں نثار
ہردم خدا سے، خیر کا ہوں میں امیدوار ہاں ماں نہ جانے دے تو مرا کیا ہے اختیار
سینے میں دل ہلے گا بدن تھرتھرائے گا
رخصت کا نام سنتے ہی غش اس کو آئے گا

سب جانتے ہیں جو ہے پھوپھی کو تمھاری چاہ ۳۳ معلوم ہوگا، جاؤ گے جب سوئے خیمہ گاہ
باہیں گلے میں ڈالے گی، زینب بہ اشک و آہ قدموں پہ گر کے، آپ کی ماں، ہوگی سدِ راہ
یہ مرحلہ بھی کم نہیں، زنجیر و طوق سے
دونوں رضا جو دیں تو چلے جاؤ شوق سے

روتے ہوئے چلے علی اکبر سوئے خیام ۳۴ کانپا یہ دل کہ بیٹھ گئے خاک پر امام
روتا ہوا جو ڈیوڑھی سے آیا وہ نیک نام دوڑی پسر کو دیکھ کے بانوئے تشنہ کام
دامن سے آ کے بالی سکینہ چمٹ گئی
زینب بلائیں لے کے، گلے سے لپٹ گئی

ماں گرد پھر کے بولی کہ اے میرے گلعذار ۳۵ تم صبح سے گئے تھے اب آئے یہ ماں نثار
در پر تڑپ تڑپ کے میں جاتی تھی بار بار کھولو بس اب کمر کہ مرا دل ہے بے قرار
گرمی یہ اور قحط کئی دن سے آب کا
رخ تمتما گیا ہے مرے آفتاب کا

تر ہے قبا پسینے میں، پنکھا کوئی ہلاؤ ۲۶ سونلا گئے ہو دھوپ میں، واری ہوا میں آؤ
جھاڑوں ردا سے گرد میں، زلفوں کی ٹھیہ جاؤ گھٹ جائے گا لہو مرا آنسو نہ تم بہاؤ
صدمہ جو دل پہ ہو، اسے کچھ منہ سے کہتے ہیں
کیا ہے جو اشک نرگسی آنکھوں سے بہتے ہیں

صغرا کی تو وطن سے کچھ آئی نہیں خبر ۲۷ جلدی کہو کہ منہ سے نکلتا ہے اب جگر
اکبر نے عرض کی کہ ہیں سب خیر سے، مگر لٹتا ہے کوئی آن میں خیرالنسا کا گھر
ملتی نہیں رضا ہمیں، آنسو بہاتے ہیں
بابا گلا کٹانے کو میداں میں جاتے ہیں

اس وقت کس سے دردِ دل اپنا کہوں میں آہ ۲۸ تم بھی ہو سدّ راہ، پھوپھی بھی ہیں سدّ راہ
چھائی ہے واں گھٹا کی طرح شام کی سپاہ اماں مدد کرو کہ، کمر باندھتے ہیں شاہ
اب زندگی ہے تلخ، بہت دق ہیں جان سے
الفت نے آپ کی ہمیں کھویا جہان سے

دیتے نہیں رضا جو امام فلک اساس ۲۹ خاطر فقط یہ آپ کی ہے اور پھوپھی کا پاس
اب غیرِ یاس، کوئی نہیں ان کے آس پاس ناطاقتی ہے، ضعف ہے، فاقہ ہے اور پیاس
کیوں کر لڑیں گے وہ کہ سراپا ضعیف ہیں
پیری ہے اور دل ضعیف ہے، اعضا ضعیف ہیں

عباس جب سے مر گئے، روتے ہیں دم بہ دم ۴۰ رخ زرد ہے، کماں کی طرح ہو گئے ہیں خم
چلّوں میں تیر جوڑے ہیں واں بانیِ ستم قرباں ہوں کس طرح پسرِ فاطمہ پہ ہم
سب روکتے ہیں رن کی طرف جائیں کس طرح
ماں کو، پھوپھی کو، بہنوں کو سمجھائیں کس طرح

بابا کا حکم ہے کہ رضا جا کے ماں سے لاؤ ۴۱ راضی پھوپھی ہوں جب تو لڑو اور زخم کھاؤ
مرضی ہے آپ کی کہ مرے پاس سے نہ جاؤ یا فاطمہ تمھیں علی اکبر کے کام آؤ
چلنے لگیں نہ تیر شہِ مشرقین پر
نرغہ ہے ظالموں کا تمھارے حسینؑ پر

دیکھی گئی نہ ماں سے یہ بیتابیِ پسر ۴۲ وارث کی بے کسی پہ لگا۔ کانپنے جگر
ہاتھوں سے دل کو تھام کے بولی وہ نوحہ گر دولت پہ فاطمہؑ کی تصدق، تمام گھر
پہلے نہ کچھ کہا تھا نہ اب روکتی ہوں میں
روتے ہو کس لیے تمھیں کب روکتی ہوں میں

زہرا کے لال پر، مرے مادر پدر نثار ۴۳ عابد نثار، اصغرِ تشنہ جگر نثار
جانیں ہزار ہوں تو فدا لاکھو سر نثار قربان گھر، کنیز تصدق، پسر نثار
کسرا کی گو کہ ہوں، پہ بہو میں علیؑ کی ہوں
مانگو گے جو وہ دوں گی کہ لونڈی سخی کی ہوں

مجھ پر حوالہ کرتے ہیں گر شاہِ خوش خصال ۴۴ رخصت نہ تم کو دوں، یہ بھلا ہے مری مجال
صدقہ انھیں کا ہے کہ ملا تم سا نونہال رخصت کا صدقے جاؤں پھوپھی سے کرو سوال
ہم سب کنیز ہیں، بنتِ امیرِ عرب کی ہیں
اصغر ہو یا کہ تم، وہی مختار سب کی ہیں

کہنے کو یوں ہیں چاہنے والے تمھارے سب ۴۵ لیکن ہے ان کے عشق سے نسبت کسی کو کب
دن کو انھوں نے دن، کبھی جانا نہ شب کو شب لیجے انھیں سے، آپ کو جس شے کی ہے طلب
مجھ سے نہ کچھ، نہ سید عالی سے پوچھیے
گر پوچھیے تو پالنے والی سے پوچھیے

روتے ہوئے گئے علی اکبر پھوپھی کے پاس ۴۶ دیکھا کہ غش پڑی ہے زمیں پر وہ حق شناس
زانو پہ سر لیے ہوئے گبرا ہے بے حواس اس حال میں بھی لب پہ یہی ہے کلام یاس
اب تاب و طاقتِ جسد و روح و دل گئی
کیوں صاحبو! رضا علی اکبر کو مل گئی

اکبر سے مجھ کو یہ نہ توقع تھی ہے غضب ۴۷ اتنا نہیں خیال کہ ہے کون جاں بہ لب
اس گل نے ہائے میری رضا بھلائی سب نازم خدا جواں ہوئے کیا ہم سے کام اب
ہیں محو رن کے شوق میں، رخصت کے دھیان میں
[illegible] ہے کسی کا کون ہوا ہے جہان میں

یا بے ہمارے، چین نہ آتا تھا کوئی دم ۴۸ مالک اب اور ہوگئے کوئی ہوئے نہ ہم
کیا دخل تھا جو ڈیوڑھی سے باہر رکھیں قدم ہے ہے وہ میرا دردِ مصیبت وہ رنج و غم

جاگی ہوں میں جو چونک کے راتوں کو رُوئے ہیں
پوچھو تو کس کی چھاتی پہ بچپن میں سوئے ہیں

کنگھی کسی کے ہاتھ کی، بھاتی نہ تھی کبھی ۴۹ بے میرے لیٹے نیند انھیں آتی نہ تھی کبھی
بے ان کے ماں کی قبر پہ جاتی نہ تھی کبھی روئیں پسر، یہ ان کو رُلاتی نہ تھی کبھی

میرے سوا کسی کو کبھی جانتے نہ تھے
جو تھی سو میں تھی، ماں کو تو پہچانتے نہ تھے

ہر چند دونوں تھے مرے فرزند، خورد سال ۵۰ پر ان کے آگے اُن کا مجھے کچھ نہ تھا خیال
راتوں کو جب پلٹتے تھے مجھ سے وہ نونہال میں کہتی تھی، ہٹو علی اکبر ہے میرا لال

وہ دونوں مرنے والے تو پہلو میں ہوتے تھے
پھیلا کے پاؤں یہ مری چھاتی پہ سوتے تھے

چھوٹا تو ضد بھی کرتا تھا، راتوں کو بارہا ۵۱ پر عون کیا عقیل تھا، بخشے اُسے خدا
دن رات تھی، تو شاہِ ہم شکلِ مصطفا سینے پہ جب یہ سوئے تو اُس نے یہی کیا

آقا کے نورِ عین ہیں، عالی مقام ہیں
اماں یہ شاہزادے ہیں اور ہم غلام ہیں

رہتے تھے پاس باپ کے، وہ غیرتِ قمر ۵۲ الفت میں ان کی مجھ کو کچھ اُن کی نہ تھی خبر
قرآں پڑھنے بیٹھتی تھی جب دمِ سحر صورت پہ تھی انھیں کی تلاوت میں بھی نظر

غافل نہ ان کے پیار سے میں ایک آن تھی
قرآں تو رحل پر تھا، حمائل میں جان تھی

میں نے انھیں پہ صدقے کیے اپنے دونوں لال ۵۳ تسکین تھی کہ باقی ہے اکبر سا نونہال
مانگے تو آکے مجھ سے بھلا رخصتِ جدال نکلوں گی ساتھ خیمے سے بکھرا کے سر کے بال

کیا خوب بھیجتے بی بی مرے جائیں گے مرنے کو
تلوار باندھ لی ہے ہمیں ذبح کرنے کو

بچپن میں، تھا نہ ہم سے زیادہ کسی کا پیار ۵۴ اب کیا غرض گذر گئی، وہ فصل وہ بہار
بھیگیں مسیں، نمود ہوا سبزۂ عذار مالک ہیں خود، بھلا مرا اب کیا ہے اختیار
ثابت ہوا اُدھر سے اُدھر مرنے جائیں گے
میں مر بھی جاؤں گی تو وہ یاں تک نہ آئیں گے

باہر سدھارے یا ابھی ہیں ماں سے کچھ کلام ۵۵ بھابی نے کیوں لیا تھا، ابھی رو کے میرا نام
سینے پہ منہ کو رکھ کے یہ بولا وہ لالہ فام آنکھیں تو آپ کھولیے حاضر ہے یہ غلام
خادم جدا نہ تھا شہ گردوں سریر سے
کس جرم پر حضور خفا ہیں حقیر سے

کیا ہے قصور جس پہ یہ غصہ ہے یہ عتاب ۵۶ کرتا ہوں بات میں کوئی بے مرضیِ جناب
روتا ہوں اب کہ صبر کی مجھ کو نہیں ہے تاب شکوہ یہ خاکسار کا، اے بنتِ بوتراب
ہر دکھ میں ہر بلا میں مددگار آپ ہیں
پالا ہے مجھ کو، مالک و مختار آپ ہیں

پیدا ہوا تو آپ کی صحبت مجھے ملی ۵۷ کرتی ہے روح شکر، وہ راحت مجھے ملی
یوسف کو کب ملی تھی جو دولت مجھے ملی رکھا عزیز آپ نے، عزت مجھے ملی
صدقہ ہے اس قدم کا جو سر تا فلک گیا
کی مہر آفتاب نے ذرہ چمک گیا

مرضی نہ ہو تو رن کو بھی جائے نہ یہ غلام ۵۸ بندے ہیں ہم، اطاعتِ مالک سے ہم کو کام
تکرار کی مجال، نہ اصرار کا مقام مرتے اگر تو اس میں بھی تھا آپ ہی کا نام
روتی ہیں آپ کس لیے اچھا نہ جائیں گے
پر یاد رکھیے منہ نہ کسی کو دکھائیں گے

یہ کہہ کے جھک گیا جو قدم پر وہ ذی وقار ۵۹ بس ہو گئیں محبتِ قلبی سے بے قرار
پھیلا کے دونوں ہاتھوں کو اٹھیں بحالِ زار شکوے کے بدلے منہ سے یہ نکلا کہ میں نثار
اللہ یہ دل کہ چشم کے ساغر چھلک پڑے
دیکھا جو آفتاب کو آنسو ٹپک پڑے

لے کربلائیں بولیں کہ واری، خفا نہ ہو ۶۰ صدقے ہے تم پہ جان ہماری، خفا نہ ہو
باتیں تمھیں یہ تو پیار کی ساری، خفا نہ ہو روتے ہو کیوں منگاؤ سواری خفا نہ ہو
آئے بلا حسینؑ پہ جو اس کو رد کرو
اچھا سدھارو، دکھ میں پدر کی مدد کرو

الفت کی جوش میں تو یہ منہ سے کہا مگر ۶۱ اٹھا یہ دل میں درد کہ تھرا گیا جگر
کبرا کو روتے دیکھ کر بولی، وہ نوحہ گر کیا ماجرا ہوا، مجھے مطلق نہیں خبر
میں روکنے نہ پائی کہ وار اُن کا چل گیا
کیا میں نے کہہ دیا کہ کلیجہ نکل گیا

کیا جا کے اب نہ آئے گا گھر میں یہ نونہال ۶۲ ہے ہے مری کمائی پہ آجائے گا زوال
جس وقت سے شہید ہوئے رن میں دونوں لال بیہوش ہوں، حواس میں ہے میرے اختلال
ایسا ہے اضطراب کہ کچھ جس کی حد نہیں
جو آپے میں نہ ہو، سخن اس کا سند نہیں

میں ہوش میں نہ تھی یہ قدم پر گرے تھے جب ۶۳ میں بھی کہوں، یہ پاؤں پہ گرنے کا کیا سبب
لو مجھ پہ اب کھلا کہ، یہ رخصت کی تھی طلب اکبر کو میں نے ہاتھ سے کھویا تھا، ہے غضب
اصلا خبر نہیں، مرے دلبر نے کیا کہا
میں نے جواب کیا دیا، اکبر نے کیا کہا

کیا کہہ دیا تھا، مرنے کو جائے یہ گل بدن ۶۴ راضی ہوئی تھی میں کہ خزاں ہو مرا چمن
بےخود ہوں، جب سے رن میں سدھارے شہِ زمن کہتی ہوں کچھ، زباں سے نکلتا ہے کچھ سخن
اتنی خبر نہیں علی اکبر کے پیار میں
قابو میں ہے نہ دل، نہ زباں اختیار میں

زندوں میں ہوں اگر تو یہ کہتی کہ مرنے جائیں ۶۵ اس پیاس میں شہید ہوں، فاقوں میں زخم کھائیں
اٹھارواں برس ہے، دلھن تو مجھے دکھائیں پالا ہے منتوں سے، مرادیں مری بر آئیں
مرتی ہوں اشتیاق میں، سہرا تو دیکھ لوں
سہرے کے نیچے، چاند سا چہرا تو دیکھ لوں

رخصت کے نام سے مرا پھٹتا ہے اب جگر ۶۶ ایسا نہ ہو کہ بانوئے بے کس کو ہو خبر
گر سُن لیا تو دل میں کہے گی وہ نوحہ گر پیارا ہوا نہ بنتِ علیؑ کو مرا پسر
سمجھیں تمہیں کیا جو دی اسے رخصت جدال کی
زینبؑ نے ہائے قدر نہ کی میرے لال کی

سچ ہے کہ اس کی چاہ سے نسبت مجھے کہاں ۶۷ ہوں لاکھ ان کی چاہنے والی وہ پھر ہے ماں
آنکھوں کا نور، قلب کی طاقت، بدن کی جاں آنچ آ تما کی ہے، وہ قیامت کہ الاماں
کیا سوچتے ہو صاحبو، کچھ تم کو خیر ہے
ماں ہے تو ماں ہے خلق میں پھر غیر غیر ہے

ماں کی نہ کم تو بھی اور نہ کسی کا پیار ۶۸ غنچہ ہیں یا کہ سخت کہے دل میں ہے نثار
بلبل فدا ہے گل پہ شکایت کرے ہزار دنیا میں عاشقوں کے دلوں کو کہاں قرار
دیں ماں کا ساتھ نام خدا آپ جوان ہیں
میرا ہے جب یہ حال تو پھر اس کی تو جان ہے

جس دم سُنے یہ دور سے بانو نے سب کلام ۶۹ آئی قریب حضرت زینبؑ وہ نیک نام
کی عرض ہاتھ جوڑ کے اے خواہر امام میں ہوں کنیز آپ کی اور یہ پسر غلام
کس کی مجال ہے، جو کہے گا یہ کیا کیا
بی بی نے دی غلام کو رخصت، بجا کیا

لونڈی ہے، فاطمہؑ کی کنیزوں میں با وفا ۷۰ ہو قطع وہ زباں جو کرے آپ کا گلا
حضرت کو ان کے سر پہ سلامت رکھے خدا مالک ہیں آپ، اس میں کسی کو ہے دخل کیا
کچھ جائے گفتگو ہے: نہ ماں کو، نہ باپ کو
ہے دخل اذن دینے نہ دینے کا آپ کو

غم کھایئے نہ خونِ جگر آپ پیجئے ۷۱ عابدؑ کو بھیج دیجیے، اصغر کو بھیجیے
بے اختیار دیجیے رخصت نہ دیجئے قربان جاؤں جو ہو مناسب وہ کیجئے
شادی ہو یا کہ غم ہو شریکِ ثواب ہوں
ہر طرح سے میں تابعِ حکمِ جناب ہوں

گھر میرا جب سے لٹ گیا، اس گھر میں آئی ہوں ۲، شکوے کا کوئی حرف کبھی لب پہ لائی ہوں
کسریٰ کی گو کہ پوتی ہوں، سلطاں کی جائی ہوں لونڈی ہوں آپ کی، علی اکبر کی دائی ہوں
صدقہ یہ آپ کا ہے جوش کو عزیز ہوں
بے جا وجہ نہ جانیے مجھے، ادنیٰ کنیز ہوں

آپ اس کی ماں ہیں، آپ کا فرزند ہے یہ لال ۳، دخل اس معاملہ میں کوئی دے یہ کیا مجال
یہ عازمِ جدال ہے اور آپ کا یہ حال قدموں کو چھوڑتا نہ کبھی یہ نکو خصال
آپ اس کو چاہتی ہیں، یہ صدقے ہے آپ پر
پر کیا کرے کہ آج مصیبت ہے باپ پر

قسمت بری ہے اس میں کسی کا قصور کیا ۴، اچھا رہیں کہ جائیں، ہمارا بھی ہے خدا
پروا ہماری ہے، نہ خیال ان کو آپ کا تابع ہم آپ کے بھی ہیں، ان پر بھی ہیں فدا
عابدؑ ہوں یا کہ یہ، سبھی آنکھوں کے تارے ہیں
پر اب تو یہ نہ آپ کے ہیں، نہ ہمارے ہیں

یہ سن کے کانپنے لگی، زینبؑ جگر فگار ۵، آئی صدائے فاطمہؑ بیٹی یہ ماں نثار
اللہ یہ محبتِ فرزند اور یہ پیار تنہا ستم کی فوج میں ہے میرا گل عذار
رخصت نہ دے گی تو اگر اس نورِ عین کو
کون اب بچائے گا مرے بیکس حسینؑ کو

آواز سن کے کانپ گئی، بنتِ مرتضیٰؑ ۶، بانوؑ کے منہ کو دیکھ کے اکبر سے یہ کہا
واری سدھارو، خیر جو کچھ مرضیِ خدا ترکِ ادب ہے تم کو اگر اب نہ دوں رضا
یاں والدہ بہشت سے تشریف لائی ہیں
بنتِ نبیؐ تمہاری سفارش کو آئی ہیں

تسلیم کر کے خیمے سے وہ سیم بر چلا ۷، پیچھے حرم کا قافلہ سب ننگے سر چلا
بانو پکارتی تھی کہ پیارا پسر چلا چلاتی تھی پھوپھی، مرا لختِ جگر چلا
لٹتے ہیں اہلِ بیت، دہائی امام کی
تصویر گھر سے جاتی ہے خیر الانام کی

بھائی کے غم سے عابدِ بیکس تھے بے قرار ۷۹ اٹھتے تھے اور زمین پہ گرتے تھے بار بار
بہنیں پکارتی تھیں کہ بھیا ترے نثار سینوں کو پیٹتی تھیں خواصیں بہ حال زار
اک حشر تھا۔ جُدا علی اکبر جو ہوتے تھے
جھولے میں پھوٹ پھوٹ کے اصغر بھی روتے تھے

ہلتا تھا خیمہ رانڈوں میں تھی یہ دھڑا دھڑی ۸۰ آہوں کی بجلیاں تھیں تو اشکوں کی تھی جھڑی
کوئی اِدھر کو غش تھی کوئی تھی اُدھر پڑی آفت کا وقت تھا تو قیامت کی تھی گھڑی
ماتم تھا یہ حسینؑ کے تازہ جوان کا
جاتا ہے گھر سے۔ جیسے جنازہ جوان کا

نکلا حرم سرا سے جو وہ نورِ حق کا نور ۸۰ خادم نے دی صدا کہ برآمد ہوئے حضورؑ
حضرتؑ کھڑے تھے خیمے کی ڈیوڑھی سے کچھ جو دور دستِ ادب کو جوڑ کے بولا وہ ذی شعور
رخصت ہوں اب، جو حکم شہِ نامدار ہو
رو کر کہا حسینؑ نے اچھا سوار ہو

گھوڑے پہ شاہزادۂ عالم ہوا سوار ۸۱ گویا چلے جہاد کو محبوبِ کردگار
تھا ثانیِ براق، فلک سیر راہوار سر سے تند و تیز، تو بجلی سے بے قرار
یوں سامنے سے وہ دمِ جولاں نکل گیا
گویا ہوا پہ تختِ سلیماں نکل گیا

حضرت تو یاں زمیں پہ گرے تھام کر جگر ۸۲ جاسوس نے یہ لشکرِ اعدا کو دی خبر
آتا ہے اک جوانِ حسین غیرتِ قمر چہرہ پہ جس کے نورِ محمدؐ ہے جلوہ گر
شان و شکوہ سب اسدِ کبریائی ہے
کہتے ہیں سب بشر نہیں قدرت خدا کی ہے

ہے دھوم ذرّے ذرّے میں اس آفتاب کی ۸۳ خوشبو ہے زلف و جسم میں مشک و گلاب کی
سرتا قدم ہے شان رسالت مآبؐ کی تصویر ہے رسولِ خداؐ کے شباب کی
گھوڑے کے گرد، جن و ملک کا ہجوم ہے
صَلّوا عَلَی النّبی کی، بیاباں میں دھوم ہے

روشن کیا ہے روئے منوّر نے راہ کو ۸۴ رُخ پر نہیں ٹھہرنے کا یارا، نگاہ کو
حیراں ہے عقل دیکھ کے زلفِ سیاہ کو آغوش میں لیے ہے شبِ قدر ماہ کو

چہرے کے نور سے شبِ مہتاب ماند ہے
خالق گواہ ہے کہ اندھیرے کا چاند ہے

یہ ذکر تھا کہ نورِ خدا جلوہ گر ہوا ۸۵ گویا رسولِ پاک کا رن میں گذر ہوا
چلّائے اہلِ شام کہ طالع قمر ہوا ہنگامِ ظہر تھا یہ گمانِ سحر ہوا

جلوہ دکھایا برقِ تجلّیِ طور نے
خورشید کو چھپا دیا چہرے کے نور نے

غش آگیا کوئی، کوئی گر کر سنبھل گیا ۸۶ صَلِّ علیٰ کسی کی زباں سے نکل گیا
خجلت سے آفتاب کا نقشہ بدل گیا چمکا جو نور، دھوپ کا جوبن بھی ڈھل گیا

دریائے نورِ حق کا فقط اوج موج تھا
سب پست تھے، زمیں کے ستارے کا اوج تھا

صحرا کو شمعِ حُسن نے تابندہ کر دیا ۸۷ جو مُردہ دل تھے، دم میں انھیں زندہ کر دیا
ذرّوں کو آفتاب درخشندہ کر دیا گردوں کو اس زمین نے شرمندہ کر دیا

پایہ زمیں کا عرش کے ہم دست[۱۴] ہو گیا
جادّے[۱۵] سے اوجِ کاہکشاں پست ہو گیا

اللہ رے نبیرۂ[۱۳] مشکل کشا کی شان ۸۸ تھی جس کے عضو عضو سے پیدا خدا کی شان
حیراں تھے لوگ دیکھ کے اس مہ لقا کی شان حمزہ کا رعب، زورِ علیؑ، مصطفیٰؐ کی شان

پاکیزگی نسب میں، بزرگی صفات میں
شیرینیِ کلامِ حسنؑ بات بات میں

کچھ حُسن بچپنے کا تو کچھ آمدِ شباب ۸۹ وہ گل سا جسم اور وہ چہرے کی آب و تاب
اپنی جگہ یہ خال کے نقطے ہیں انتخاب پتلی کا نور جن کی سیاہی سے بہرہ یاب

گردن کی ضَو میں طَور، تجلّیِ طُور کے
سب عضوِ تن ڈھلے ہوئے سانچے میں نور کے

دل پاک، روح پاک، نظر پاک، جسم پاک ۹۰ طینت میں آبِ خلد تھا، اور کربلا کی خاک
غرفوں سے جس کے حسن کی حوروں کو جھانک تاک یوسف جو دیکھ لیں (ن) تو کہیں روحنا فداک

نام اس کا لوح پر، جو قلم نے رقم کیا
سو بار پڑھ کے سورۂ نور اس پہ دم کیا

کیا دخل چار ہو، جو کسی بے ادب کی آنکھ ۹۱ رکھتی تھی رعب یہ، نہ عجم نہ عرب کی آنکھ
لاکھوں تھے اس طرف، پہ جھپکتی تھی سب کی آنکھ غصہ ستم کا، قہر کی چتون، غضب کی آنکھ

پانی تھا خوفِ جاں سے جگر، ہر دلیر کا
آہو شکار کرتے تھے میداں میں شیر کا

نخل تھا رسولِ پاک کے ثانی کو دیکھنا ۹۲ حسنِ بہار، باغِ جوانی کو دیکھنا
کھلتے ہیں گل، شگفتہ بیانی کو دیکھنا یہ سب تو ہے، پہ غنچہ دہانی کو دیکھنا

نازک لب اس صفت کے، دہن اس طریق کا
خاتم پہ جڑ دیا ہے نگینہ عقیق کا

کچھ عمر بھی نہیں، ابھی اٹھارواں ہے سال ۹۳ یہ باغ کس بہار میں ہوتا ہے پائمال
قامت یہ ہے کہ سروِ گلستانِ اعتدال ماں باپ دیکھ دیکھ کے کیونکر نہ ہوں نہال

آنکھوں کے سامنے جو یہ قامت شہید ہوئے گی
بتلاؤ ماں کے دل پہ قیامت نہ ہوئے گی

زخمی جو ہوگی تیر سے یہ چاند سی جبیں ۹۴ پٹکے گی سر کو، خاک پہ ماں شکستہ دل حزیں
تیغوں سے جب کٹیں گے یہ رخسار نازنیں پیٹیں گے دونوں ہاتھوں سے منہ اپنا شاہِ دیں

سینہ چھدے پسر کا تو کیا دل کو کل پڑے
ایوب بھی جو ہوں تو کلیجہ نکل پڑے

ناگاہ فوجِ کیں سے عمر نے کیا کلام ۹۵ یہ وقتِ کارزار ہے اے ساکنانِ شام
بس ہے یہی بساطِ شہنشاہِ خاص و عام مارا گیا یہ شیر تو مر جائیں گے امام

لو لو جنابِ فاطمہ زہرا کے باغ کو
ٹھنڈا کرو حسین کے گھر کے چراغ کو

تصویرِ مصطفیٰؐ کی مٹائے گا آج جو ۹۶ کہتا ہوں میں کہ صاحبِ جاگیر ہوگا وہ
محبوبِؐ کبریا کے مشابہ ہے گر، تو ہو اب مصلحت یہی ہے کہ مہلت اسے نہ دو
بے اس سے کیا مرادِ حسینؑ ہے کہ نیک ہے
دو لاکھ اس طرف ہیں، دلاور وہ ایک ہے

دنیا نہ جائے، دین کا گر ہو تو ہو ضرر ۹۷ ٹکڑے کرو اسے کہ یہ دشمن کا ہے پسر
تم آب دیدہ ہو، لبِ خشک اس کے دیکھ کر قطرہ نہ دوں میں، گھٹنیوں اصغر بھی آئے گر
غیر از یزید، اور کوئی حکمراں نہ ہو
اولادِ مرتضیٰؑ میں کسی کا نشاں نہ ہو

ہاں تازیو، نہ اس کی جوانی کا غم کرو ۹۸ نیزے پہ نیزے مارو ستم پر ستم کرو
برچھی اٹھاؤ ہاتھوں میں تیغیں علم کرو نخلِ مرادِ سبطِ نبیؐ کو قلم کرو
بیٹا نہ جب رہا تو کڑھ کر مر جائیں گے حسینؑ
گھوڑے سے یہ گرے گا تو مر جائیں گے حسینؑ

چھد جائے گا سناں سے جو اس شیر کا جگر ۹۹ تڑپیں گے کیا زمیں پہ شہنشاہِ بحر و بر
ڈیوڑھی سے ماں پکارے گی، ہے ہے مرا پسر نکلے گی خیمہ گاہ سے زینبؑ برہنہ سر
حضرت تو پیٹتے ہوئے لاشے پہ آئیں گے
ہم لوٹنے کو خیمۂ اقدس پہ جائیں گے

یہ گل عذار، دخترِ حیدرؑ کی جان ہے ۱۰۰ بہنوں کی زندگی ہے، برادر کی جان ہے
بابا کی روح ہے، تنِ مادر کی جان ہے بے جاں کرو اسے کہ یہ سب گھر کی جان ہے
جو شخص یاں ہے باندھے کمر تا دو پہر کا
بعد اس کے خاتمہ ہے صغیر و کبیر کا

یہ سن کے فوجِ کیں ہوئی آمادۂ نبرد ۱۰۱ دردِ دلِ حسینؑ کا تھا، ایک کو نہ درد
فق ہو کے ہو گیا شہِ والا کا رنگ زرد کانپے جو پاؤں بیٹھ گئے بھر کے آہ سرد
ہاں گرچہ ضعف تھا پہ، پھر بھی سنبھل گئی
بیٹے کی طرف حسرت سے اکبرؑ پہ چھا گئی

قرنا پھکی سپاہ میں طبلِ وغا بجا ۱۰۲ باندھے پرے سواروں نے بڑھ بڑھ کے جابجا
پیدل، چلے نبرد کو باجے بجا بجا چلّائے اہلِ بیت کہ ہے ہے یہ کیا بجا
حضرت پکارے لال پہ اعدا کے ریلے ہیں
رانڈو دعا کرو، علی اکبر اکیلے ہیں

لڑنے کو اُس طرف سے عدو سب کے سب بڑھے ۱۰۳ تنہا اِدھر سے اکبرِ عالی نسب بڑھے
چومے قدم نہیب[17] نے جھک کر یہ جب بڑھے گویا پئے جہاد، امیرِ عرب بڑھے
دہشت سے فوج شام کی بدلی سمٹ گئی
قدرت خدا کی دن جو بڑھا رات گھٹ گئی

ڈھالوں کو رکھ کے، چہروں پہ گرگر پڑے حسود ۱۰۴ گو تھے کئی ہزار پہ کیا ان کی ہست و بود
تھرّا گیا تمام، جنودِ سقر[18] ورود نورِ خدا کے سامنے ظلمت کی کیا نمود
عبرت سپاہِ شام پہ دِہ چند ہوگئی
باجوں کی فوجِ کیں کے صدا بند ہوگئی

جرار کی زرہ پہ لگے جب کئی خدنگ ۱۰۵ صفدر نے پڑھ کے فاتحہ، لی تیغ شعلہ رنگ
چمکا اک آئینہ کہ، ہوئی فوجِ شام دنگ دکھلائے تیغِ تیز نے بجلی کے رنگ ڈھنگ
تھی کس کو تاب، صاعقۂ شعلہ بار کی
یاد آگئی ہر اک کو چمک ذوالفقار کی

تھم تھم کے یوں گیا صفِ اعدا پہ وہ دلیر ۱۰۶ جاتا ہے داؤں کر کے غزالوں پہ جیسے شیر
غازی جو بھوک پیاس میں تھا زندگی سے سیر کشتوں کے پشتے ہوگئے، دم میں سروں کے ڈھیر
اک سیل زور شور سے آئی گذر گئی
ثابت نہ یہ ہوا صفِ اوّل کدھر گئی

جب یہ بڑھے، لہو تنِ اعدا کا گھٹ گیا ۱۰۷ باقی تھا جو حساب وہ لاشوں سے پٹ گیا
لشکر میں فردِ فرد کا چہرہ[19] جو کٹ گیا پس دفعۂ سپاہ کا، دفتر الٹ گیا
سر داخلِ خزانۂ سرکار ہوگئے
پہلا ہی جائزہ[20] تھا کہ بیکار ہوگئے

۱۰۸ جو صف بھری ہوئی تھی، وہ خالی نظر پڑی چہرے پہ ایک کے نہ بحالی نظر پڑی
سوئے جنوب، فوجِ شمالی نظر پڑی سر پر سبھوں کے تیغ ہلالی نظر پڑی
غل تھا کہ تیغ تیز نہیں، موت آتی ہے
کیوں کر قدم تھمیں کہ زمیں سرکی جاتی ہے

۱۰۹ چھپتے تھے ڈر کے برچھیوں والے اِدھر اُدھر ٹکڑے پڑے تھے خاک پہ بھالے اِدھر اُدھر
ابتر تھے دشتِ کیں میں، رسالے ادھر ادھر پیشِ نظر تھے خون کے تھالے، اِدھر اُدھر
ملتا تھا فصل کا، نہ ٹھکانا نہ باب کا
شیرازہ کھل گیا تھا ستم کی کتاب کا

۱۱۰ چار آئینہ کٹا، زرہ و خیرہ سر کٹی بڑھ کر کسی نے وار جو روکا سپر کٹی
سینہ کٹا، جگر ہوا زخمی، کمر کٹی نیزے کی ہر گرہ، صفتِ نیشکر کٹی
رہوار بھی دونیم، میانِ مصاف تھا
ان سب کے بعد مُنہ کو جو دیکھا تو صاف تھا

۱۱۱ کانپی کبھی زمیں، کبھی تھرّا گئے فلک وہ گھاٹ، باڑھ اور اس کی چمک دمک
ہر ضرب میں سما سے تلاطم تھا تا سمک شعلے میں یہ چمک تھی، نہ بجلی میں یہ لپک
کونین میں حواس بجا تھے نہ ایک کے
گاوِ زمین سمٹتی تھی گھٹنوں کو ٹیک کے

۱۱۲ باقی تھی جتنی عمر، تہِ تیغ کٹ گئی سیدھی چلی وہ جب، صفِ دشمن الٹ گئی
بجلی سے رعد، رعد سے بجلی لپٹ گئی آ کر زمیں پہ جب سوئے گردن پلٹ گئی
گرتے تھے جِنّ زمین پہ منہ ڈھانپ ڈھانپ کے
ہٹتے تھے جبرئیل امیں کانپ کانپ کے

۱۱۳ چلّے کہیں تھے، شست[21] کہیں اور کماں کہیں ملتا نہ تھا صفوں میں علم کا نشاں کہیں
جمدھر کہیں، کمند[23] کہیں، برچھیاں کہیں نیزے کہیں تھے، ڈانڈ[22] کہیں اور سناں کہیں
اک اک سیاہ رو کا جگر داغ داغ تھا
جنگل تمام ڈھالوں کے پھولوں سے باغ تھا

چمکی گری، اٹھی، ادھر آئی، اُدھر گئی ۱۱۴ خالی کیے پرے تو صفیں خوں میں بھر گئیں
کاٹے کبھی قدم، کبھی بالائے سر گئی ندی غضب کی تھی کہ چڑھی اور اُتر گئی
اک شور تھا، یہ کیا ہے جو قہرِ صمد نہیں
ایسا تو رودِ نیل میں بھی جزر و مد نہیں

سر خود سروں کے چنبر[24] گردن سے اڑ گئے ۱۱۵ ہاتھ آستیں سے اُڑ گئے، سر تن سے اُڑ گئے
ڈر ڈر کے سب پرند، نشیمن سے اڑ گئے پائی جو راہ، طائرِ جاں سن سے اُڑ گئے
تھے قتلِ عام پر علی اکبر تلے ہوئے
رستے تھے بند زخموں کے کوچے[25] کھلے ہوئے

اللہ رے دو زبانیِ(ح) تیغ دو دم کا کاٹ ۱۱۶ آفت تھی جس کی باڑھ، قیامت تھا جس کا گھاٹ
مقتل سے تا بہ نہر تھا دریائے خوں کا پاٹ ہر دم تھی اس کو تازہ لہو، چاٹنے کی چاٹ
سختی کو جوڑ بند کے کب مانتی تھی وہ
ہر استخواں کو مغز قلم جانتی تھی وہ

آئی جدھر پلٹ کے صفوں کو بھگا گئی ۱۱۷ تن سے اڑا دیا وہی سر جس کو پا گئی
ہر اک کڑی کو نرم سمجھ کر چبا گئی فولاد کی زرہ کو، اشارے میں کھا گئی
چار آئینہ کا کاٹ بھی(ک) اُس پر حوالہ تھا
ذکر اس کا کیا ہے خود تو منہ کا نوالہ تھا

یارا قرار کا تھا، نہ صورت فرار کی ۱۱۸ پیدل کی موت تھی تو خرابی سوار کی
روئیں تنوں کو، تاب نہ تھی ایک وار کی ٹکڑے تھے دو کے ہاتھ یہ کھائی تھی چار کی
آگے بڑھے تو منہ وہیں کٹ جائے گیو کا
بجلی کی تھی کڑک کہ طمانچہ تھا دیو کا

اتری زمیں پہ وہ سرِ دشمن پہ جب چڑھی ۱۱۹ دم بھر میں آب تیغ کی، ندی غضب چڑھی
اک شور تھا صفوں میں کب اتری یہ کب چڑھی سب کو بخارِ تیغ سے، لرزے کی تپ چڑھی
مقتل سے بھاگنے پہ سُبک ظرف تُل گئے
کانپے یہ نیزہ باز کہ سب بند کھل گئے

زندہ کسی کو تیغ دو دم چھوڑتی نہ تھی ۱۲۰ پیاسی یہ تھی کہ جسم میں دم، چھوڑتی نہ تھی
بے دم کیے گلا کوئی دم چھوڑتی نہ تھی بھاگیں کہاں کہ موت قدم چھوڑتی نہ تھی
خود وہ دبے جو لڑتے تھے گھوڑوں کو داب کے
بیڑی قدم میں بن گئے، حلقے رکاب کے

قعرِ سقر میں کشتۂ ضربِ نخست[۲۶] تھے ۱۲۱ بے سر ہوئے بہت جو لڑائی میں چست تھے
قبضہ میں تھا نہ زور، نہ بازو درست تھے کھینچیں کسے کمانوں کے بازو بھی سست تھے
ہر کج نہاد تیرِ اجل کا نشانہ تھا
شانے بھی تھے قلم، یہ نیا شاخسانہ تھا

تیغوں کو ڈر کے عربدہ جو پھینکنے لگے ۱۲۲ مغفر سروں سے، مثل سبو پھینکنے لگے
حلقے کماں کے سب لب جو پھینکنے لگے تنکا سمجھ کے تیر عدو پھینکنے لگے
ترکش بھی اہل ظلم کے آفت رسیدہ تھے
چلّے بھی کش مکش میں کماں سے کشیدہ تھے

کرتے تھے فتح جنگ کو، جو ایک آن میں ۱۲۳ رعشہ تھا ان کے ہاتھ میں، لکنت زبان میں
الجھاتے تھے کمند، کمینے کمان میں ترکش میں تیغیں رکھتے تھے تیروں کو میان میں
تلوار رکھ کے ہاتھ سے منہ ڈھانپ لیتے تھے
آتی تھی تیغ جب تو سپر پھینک دیتے تھے

بڑھتے تھے جو پرے سے بڑے بول بول کے ۱۲۴ پہلے انھیں کو مار لیا، رول رول کے
حملہ کیا جو تیغِ دو دم، تول تول کے ہتھیار سب نے پھینک دیئے کھول کھول کے
اس شان سے کبھی نہ عجم نہ عرب لڑے
دو دن کی پیاس میں علی اکبر غضب لڑے

دہشت سے کتنے ڈوب کے، دریا میں مر گئے ۱۲۵ اس گھاٹ پر جو آئے، سر اُن کے اُتر گئے
رستہ تھا ایک اِدھر وہ گئے یا اُدھر گئے ہر[ل] پھر کے ہر طرف سے میانِ سقر گئے
نار اُن کے اشتیاق میں، آب اُن کی لاگ میں
پھینکا ہوا نے آب میں پانی نے آگ میں

وہ حرب وہ شکوہ وہ شانِ پیمبری ۱۲۶ نعرے وہ زور و شور کے وہ ضربِ حیدری
وہ تیغ خوں چکاں، وہ جلالِ غضنفری راکب جو رشکِ حور تو رہوار بھی پری
چالاک آہوانِ ختن اس قدر نہ تھے
اُڑ جاتا تھا ہما کی طرح اور پر نہ تھے

باریک جلد، وہ کہ نظر آئے تن کا خون ۱۲۷ کنوتے[۲۸] کو دیکھ کر مہِ نو ہووے سرنگوں
رفتار میں وہ سحر کہ، پریوں کو ہو جنوں غنچے بھی کچھ بڑے ہیں کنوتی کو کیا کروں
قربان ہزار جان، فرس بے نظیر پر
پیکان دو چڑھے ہوئے ہیں ایک تیر پر

کوتاہ و گرد و صاف کنوتی کمر کفل ۱۲۸ کیا خوشنما کشادگیِ سینہ و بغل
سیماب کی طرح نہیں آرام ایک پل پھرتا تھا اس طرح کہ پھرے جس طرح سے گل
راکب نے سانس لی کہ وہ کوسوں روانہ تھا
تارِ نفس بھی اس کے لیے تازیانہ تھا

وہ جست و خیز، سرعت و چالاکیِ سمند ۱۲۹ سانچے میں تھے ڈھلے ہوئے سب اس کے جوڑ بند
سُم قرصِ ماہتاب سے روشن ہزار چند نازک مزاج و شوخ و سیہ چشم و سربلند
گر ہل گئی ہوا سے ذرا باگ اُڑ گیا
پُتلی سوار کی نہ پھری تھی کہ مُڑ گیا

آہو کی جست، شیر کی آمد، پری کی چال ۱۳۰ کبکِ دری خجل، پرِ طاؤس پائمال
سبزہ سبک روی میں قدم کے تلے نہال اک دو قدم میں بھول گئے چوکڑی غزال
جو آگیا قدم کے تلے گرد بُرد[۲۹] تھا
چھل بل غضب کی تھی کہ چھلاوا بھی گرد تھا

بجلی کبھی بنا، کبھی رہوار بن گیا ۱۳۱ آیا عرق تو ابرِ گہربار بن گیا
گہ قطب، گاہ گنبدِ دوّار بن گیا نقطہ کبھی بنا کبھی پرکار بن گیا
حیراں تھے اس کے گشت پہ لوگ اس ہجوم کے
تھوڑی سی جا میں پھرتا تھا کیا جھوم جھوم کے

جب اس جری نے قتل کیے پانچسو جواں ۱۲۲ ہر صف سے ہر پرے سے اٹھا شور الاماں [30]
چلایا ابن سعدِ سیہ قلب و سخت جاں نکلیں وہ دس ہزار کماندار ہیں کہاں
برچھی کا اب ہے کام نہ تلوار چاہیے
اس نوجواں پہ تیروں کی بوچھار چاہیے

یہ سن کے تشنہ لب پہ چلے چار سو سے تیر ۱۲۳ پیچھے عقب سے پڑنے لگے رُو بہ رو سے تیر
اڑتے تھے فوج فوج سپاہِ عدو سے تیر سب سرخ تھے شبیہ نبیؐ کے لہو سے تیر
مقتل میں کیا ہجوم تھا اس نورِ عین پر
پروانے گر رہے تھے چراغِ حسینؑ پر

سینے پہ تیر کھا کے اٹھایا جو راہوار ۱۲۴ بجلی چمک کے ہو گئی گویا فلک کے پار
سر خاک پر گرانے لگی تیغِ آبدار تیروں کو پھینک پھینک کے بھاگے خطا شعار
حملہ کیا تھا جن پہ، رُخ ان کے تو پھر گئے
پر یہ پلٹ کے برچھیوں والوں میں گھر گئے

یوں آگیا سنانوں میں، وہ آسماں جناب ۱۲۵ ہو جس طرح خطوطِ شعاعی میں آفتاب
سوکھی زباں میں پڑ گئے کانٹے بغیرِ آب طاقت بھی فرطِ ضعف سے دینے لگی جواب
آہ ہوئی جو غش کی سرِ پاک جھک گیا
واحسرتا کہ ہاتھ بھی لڑنے سے رک گیا

اس حال میں بھی تیغ سے کیں، برچھیاں قلم ۱۲۶ لیکن جگر پہ لگ گیا اک نیزۂ ستم
زخمِ جگر سے بہنے لگا خون دم بہ دم نکلے ہوئے رکابوں سے تھراتے تھے قدم
کھینچا جو اس نے سینے سے نیزہ تکاں کے ساتھ
دو پارۂ جگر نکل آئے سناں کے ساتھ

نیزہ لگا کے بھاگ چلا تھا وہ نابکار ۱۲۷ قربان جرأتِ پسرِ شاہِ نامدار
زخمِ سناں تھا سینۂ انور کے وار پار ماری شقی کو دوڑ کے اک تیغ آبدار
پہونچوں سے اس کے ہاتھ قلم ہو کے گر پڑے
لیکن فرس سے آپ بھی خم ہو کے گر پڑے

گرنا تھا بس کہ سر پہ لگا گرز بے ستم ۱۳۸ یوں جھک گئے کہ ہوتے ہیں سجدے میں جیسے خم
رکھدی گلے پہ شیث نے، شمشیر تیز دم تلوار اک پڑی کہ ہوئیں پسلیاں قلم
غل تھا کرو نہ رحم تنِ پاش پاش پر
دوڑا دو گھوڑے اکبر مہرو کی لاش پر

حضرت کھڑے تھے خیمے کی پکڑے ہوئے طناب ۱۳۹ سن کر یہ غل رہی نہ دلِ ناتواں کو تاب
ناگاہ رن سے آئی صدا اے فلک جناب بیٹا جہاں سے جاتا ہے اب آیئے شتاب
لاشے پہ ظلم و جور، بد افعال کرتے ہیں
گھوڑوں سے اہلِ کیں ہمیں پامال کرتے ہیں

سن کر یہ استغاثۂ فرزند خوش خصال ۱۴۰ سید نے آہ کی کہ بلا، عرش ذوالجلال
کھولے جناب فاطمہؑ کی بیٹیوں نے بال بانو پکاری، خیر تو ہے اے علیؑ کے لال
ہے ہے پسر سے کون سی مادر بچھڑ گئی
صاحب بتاؤ کیا مری بستی اجڑ گئی

نیزے سے کس کے لال کا، زخمی ہوا جگر ۱۴۱ کرتے ہیں کس کی لاش کو پامال اہلِ شر
کہتا ہے کون رن میں تڑپ کر پدر پدر اب گھر سے میں نکلتی ہوں، ہے ہے میرا پسر
پردہ نہ مجھ سے کیجیے سب جانتی ہوں میں
آواز یہ اسی کی ہے پہچانتی ہوں میں

بانو کو قسمیں دے کے چلے، شاہِ نامدار ۱۴۲ وہ پیاس اور وہ دھوپ کا صدمہ وہ اضطرار
دل تھا الٹ پلٹ، تو کلیجہ تھا بے قرار اٹھتے تھے اور زمیں پہ گرتے تھے، بار بار
چلاتے تھے شبیہِ پیمبر ہم آتے ہیں
گھبرائیو نہ اے علی اکبر ہم آتے ہیں

بیٹا پکارو پھر کہ بصارت میں فرق ہے ۱۴۳ اے نورِ عین جسم کی طاقت میں فرق ہے
تم یہ نہ جانیو کہ محبت میں فرق ہے زخمی ہے قلب روح کی راحت میں فرق ہے
داغِ جگر ملا ہمیں گودی میں پال کے
کس کو دکھاؤں اپنا کلیجہ نکال کے

آؤں کدھر کو اے علی اکبر جواب دو ۱۴۴ چلّا رہی ہے ڈیوڑھی پہ مادر، جواب دو
اکبر برائے خالقِ اکبر جواب دو بیٹا جواب دو، مرے دلبر جواب دو

گرتے ہیں ہم ثواب کا ہاتھوں سے کام لو
بیٹا ضعیف باپ کے بازو کو تھام لو

کچھ سوجھتا نہیں کہ کدھر جاؤں کیا کروں ۱۴۵ اے نورِ چشم تجھ کو کہاں پاؤں کیا کروں
مضطر ہے جان و دل کسے سمجھاؤں کیا کروں کیوں کر پسر کو ڈھونڈھ کے میں لاؤں کیا کروں

پایا تھا مدتوں میں جسے خاک چھان کے
وہ لال ہم نے کھو دیا جنگل میں آن کے

بس اب خبر حسینؑ کی لے جلد اے اجل ۱۴۶ اے جسمِ زار، زیست کا باقی نہیں محل
اے جانِ ناتواں، تنِ مجروح سے نکل ہاں اے نفس چھری کی طرح سے گلے پہ چل

چھوٹے نہ اس کا ہاتھ جو پیری کی آس ہو
لاشہ بھی لاشۂ علی اکبر کے پاس ہو

جنگل سے بے حواس پھرے، نہر پر گئے ۱۴۷ واں بھی جو وہ گہر نہ ملا سوئے بر گئے
دوڑے کسی طرف، تو کسی جا ٹھہر گئے تھالے ملے لہو کے، برابر جدھر گئے

ٹپکا ہوا زمیں جگر کا لہو ملا
لیکن کہیں نہ وہ پسر ماہ رو ملا

جا کر صفوں کے پاس پکارے باشکِ آہ ۱۴۸ ہے کس طرف مرے علی اکبر کی قتل گاہ
اے ظالمو، یہ شب ہے کہ دن ہو گیا سیاہ کس ابر میں چھپا ہے مرا چودھویں کا ماہ

بتلاؤ جان ہے کہ نہیں جسمِ زار میں
زخمی پڑا ہے شیر مرا کس کچھار میں

لاشِ پسر کو ڈھونڈھتے تھے شاہِ بحر و بر ۱۴۹ سر پیٹنے کی جا ہے کہ ہنستے تھے اہلِ شہر
کہتا تھا شمر، اے پسرِ سیدُ البشرؐ کس کو حضور ڈھونڈھتے ہیں مر گیا پسر

خود ڈھونڈھ لیجیے جسدِ پاش پاش کو
بتلائیں گے نہ ہم، علی اکبر کی لاش کو

یہ سن کے کھینچ لی شہ والا نے ذوالفقار ۱۵۰ چمکی جو برقِ تیغ تو بھاگے ستم شعار
شہ کو نظر پڑا، علی اکبر کا راہوار چلائے اے عقاب[۳۲] کدھر ہے ترا سوار
دکھلا دے مجھ کو لاش مرے نور عین کی
کس دشت میں پڑی ہے بضاعت حسینؑ کی

ملنے دے ان رکابوں کے، حلقوں سے چشمِ نم ۱۵۱ ہے ہے اسی میں تھے مرے فرزند کے قدم
بوسے تری لگام کے لوں، میں اسیرِ غم اکبر کے ہاتھ میں تھی یہی باگ، ہے ستم
ہے ہے وہ ہاتھ پاؤں مرے آفتاب کے
قرباں تری لگام کے، صدقے رکاب کے

گھوڑے نے ہنہنا کے، سوئے دشت کی نظر ۱۵۲ یعنی کہ لاش آپ کے پیارے کی ہے اُدھر
جاتا تھا آگے آگے وہ تازی، بہ چشم تر گھوڑے کے پیچھے پیچھے تھے، سلطان بحر و بر
جنگل میں لاشۂ پسرِ نوجواں ملا
وہ مرلقا ملا تو، مگر نیم جاں ملا

دیکھی عجیب حالتِ فرزندِ نوجواں ۱۵۳ پیکاں گلے میں ہونٹوں پہ نکلی ہوئی زباں
تن پر جراحتِ تبر و خنجر و سناں گردن تھی کج، پھری ہوئی آنکھوں کی پتلیاں
ٹاپوں سے مرکبوں کے جراحت پھٹے ہوئے
چہرہ سفید، خاک میں گیسو اَٹے ہوئے

ہچکی کے ساتھ، کہتے ہیں واکر کے چشم تر ۱۵۴ اے جان، جسم زار میں اور ایک دم ٹھہر
اے موت بے وطن کی جوانی پہ رحم کر اے درد تھم ذرا، کہ پھٹا جاتا ہے جگر
پھر ایک بار سید والا کو دیکھ لوں
مہلت بس اتنی دے کہ میں بابا کو دیکھ لوں

دشمن کو بھی، نہ بیٹے کا لاشہ خدا دکھائے ۱۵۵ حضرت زمیں پہ گر کے پکارے کہ ہائے ہائے
زندہ رہے یہ پیر، جواں یوں جہاں سے جائے اے لال تین روز کے فاقے میں زخم کھائے
شاید جگر کے زخم سے تم بے قرار ہو
زخمی تمھاری چھاتی پہ بابا نثار ہو

کیوں کھینچتے ہو پاؤں کو اے میرے گلعذار ۱۵۶ کیوں ہاتھ اٹھا اٹھا کے پٹکتے ہو بار بار
آنکھیں تو کھول دو کہ مرا دل ہے بے قرار بیٹا تمھاری ماں کو تمھارا ہے انتظار
بہنیں کھڑی ہیں در پہ بڑے اشتیاق میں
اکبر تمھاری ماں نہ جیئے گی فراق میں

غش میں سنا جو ہیں علی اکبر نے ماں کا نام ۱۵۷ کس یاس کی نگاہ سے دیکھا سوئے خیام
سوکھی زباں دکھا کے یہ بولا وہ تشنہ کام شدت یہ پیاس کی ہے کہ دشوار ہے کلام
اب اور کوئی دم کا پسر میہمان ہے
امداد یا حسینؑ کہ پانی میں جان ہے

فرمایا شہ نے اے علی اکبر میں کیا کروں ۱۵۸ پانی نہیں ہے مجھ کو میسّر میں کیا کروں
گھیرے ہیں نہر کو یہ ستمگر، میں کیا کروں کچھ بس نہیں مرا مرے دلبر، میں کیا کروں
اعدا نہ دیں گے بوند، اگر لاکھ کد کریں
بیٹا تمھاری ساقیِ کوثرؑ مدد کریں

حضرت یہ کہتے تھے کہ، چلا خلق سے پسر ۱۵۹ اتنی زباں ہلی کہ خدا حافظ اے پدر
ہچکی جو آئی، تھام لیا ہاتھ سے جگر انگڑائی لے کے رکھ دیا، شہ کے قدم پہ سر
آباد گھر لٹا، شہِ والا کے سامنے
بیٹے کا دم نکل گیا، بابا کے سامنے

لکھتا ہے ایک راویِ غمگین پُر ملال ۱۶۰ یعنی ادھر ہوا علی اکبر کا انتقال
نکلی حرم سے، ایک زنِ فاطمہؑ جمال گویا جناب سیّدہ کھولے ہوئے تھیں بال
تھی اس طرح سے رخ پہ ضیا اُس جناب کے
حلقہ ہو جیسے نور کا، گرد آفتاب کے

چلّاتی تھی، ارے مرا پیارا ہے کس طرف ۱۶۱ اے آسماں، وہ عرش کا تارا ہے کس طرف
اے ابر شام، چاند ہمارا ہے کس طرف اے ارض کربلا وہ سدھارا ہے کس طرف
ہے ہے سناں سے جان گئی میہمان کی
میّت کدھر کو ہے مرے کڑیل جوان کی

اے میرے لمبے گیسوؤں والے، کدھر ہے تو ١٦٢ ہے ہے مری غریبی کے پالے کدھر ہے تو
واری کہاں گئے، تجھے بھالے، کدھر ہے تو کیوں کر پھوپھی جگر کو سنبھالے کدھر ہے تو

اٹھارھواں برس تھا کہ موت آگئی تجھے
اے نورِ عین کس کی نظر کھا گئی تجھے

ہے ہے مرے سعید و رشید و متیں جواں ١٦٣ خوش رو جواں، غریب جواں، مہ جبیں جواں
صفدر جواں، شکیل جواں، نازنیں جواں کس نے تجھے مروڑ لیا، اے حسیں جواں

آغاز تھیں مسیں ابھی ایسے مُسن نہ تھے
بچے مرے ابھی ترے مرنے کے دن نہ تھے

یہ بین کرتی جاتی تھی، وہ سوختہ جگر ١٦٤ سیدانیوں کا غول تھا پیچھے برہنہ سر
جاتی تھی بے حواس ادھر سے وہ نوحہ گر آئے ادھر سے لاش لیے شاہ بحر و بر

دیکھا لہو رواں جو تنِ پاش پاش سے
سب بیبیاں لپٹ گئیں اکبر کی لاش سے

ہاں شاہِ دیں کے تعزیہ دارو بکا کرو ١٦٥ ہاں اے خدا کے دوست کے پیارو بکا کرو
ماتم میں ہاتھ سینے پہ، مارو بکا کرو اکبر جہاں سے اٹھ گئے یارو بکا کرو

سمجھو شریکِ بزمِ شہِ مشرقین کو
دے نوجوان بیٹے کا پرسا حسینؑ کو

ہے ہے حسینؑ آپ کا دلبر بچھڑ گیا ١٦٦ فریاد ہے شبیہِ پیمبر بچھڑ گیا
واحیف، وا دریغ، دلاور بچھڑ گیا دردا و حسرتا، علی اکبر بچھڑ گیا

مظلومیت پہ تشنہ دہانی پہ روئیں گے
جب تک جئیں گے اس کی جوانی پہ روئیں گے

آقا انیس ہند میں کب تک پھرے تباہ ١٦٧ گھٹتی ہے عمر، بڑھتے چلے جاتے ہیں، گناہ
ضعف اس برس بہت ہے، اجل آ نہ جائے آہ بلوائیے غلام کو، اے میرے بادشاہ

قربِ مزارِ شاہِ دو عالم نصیب ہو
بس کربلا میں اب کی محرم نصیب ہو

مرثیہ نمبر (۱)

۱۔ برومند : بار آور۔ پھل دار
۲۔ غوّاص : غوطہ لگانے والا
۳۔ لآلی : لُولُو (موتی) کی جمع
۴۔ سمک : (استعارہ) وہ مچھلی جس کی پیٹھ پر زمین ٹکی ہوئی ہے۔
۵۔ بالجزم : پکّا، آہنی، پختہ
۶۔ خذف : کنکری
۷۔ کَلَف : چہرے کی جھائیاں
۸۔ حسّان : (حسّان بن ثابت انصاری) رسول اللہ کا مدّاح شاعر
۹۔ فرزدقؔ : عرب کا مشہور شاعر
۱۰۔ وائل : عرب کا ایک قبیلہ
۱۱۔ سحبان : عرب کا بڑا فصیح و بلیغ شخص
۱۲۔ ماہِ جلالی : ایرانی تقویم کا مہینہ
۱۳۔ طیّب وطاہر : پاک صاف
۱۴۔ حجّتِ باہر : روشن دلیل
۱۵۔ توأم : جڑواں
۱۶۔ قدسی : فرشتہ
۱۷۔ دَدَو دام : چوپائے، چرندے
۱۸۔ کسریٰ : ایران کے بادشاہ، نوشیرواں کا لقب

☆ ☆ ☆

مرثیہ (۲)

۱۔ بجد و کد : بڑے اہتمام سے، کوشش سے
۲۔ فاسق : بدکار
۳۔ نیمچہ : چھوٹی تلوار
۴۔ ھَلْ اَتٰی : (تلمیح، قرآنِ پاک کی ایک سورت کی شروع کی آیتیں جو حضرت علیؑ کی شان میں نازل ہوئیں۔
۵۔ قُلْ کَفٰی : قرآن پاک کی آیت کا ایک حصہ
۶۔ استغاثہ : فریاد
۷۔ مخضب : خضاب کی ہوئی

مرثیہ (۳)

۱ یثرب : ملکِ عرب کا ایک صوبہ جس میں مدینہ ہے
۲ ہودَج : عماری، کجاوہ
۳ محمل : کجاوہ (جس کو اونٹ کی پشت پر رکھا جاتا ہے اور اس میں لوگ بیٹھتے ہیں)
۴ تبرید : ٹھنڈائی
۵ عترتِ اطہار : خاندانِ رسالت کا لقب
۶ شُقّہ : ٹکڑا (مجازاً پردہ)
۷ چپ و راس : بائیں و دائیں
۸ بطحا : مکۂ معظمہ کی ایک وادی (مجازاً مکہ)
۹ روحِ امین : جبریل کا لقب
۱۰ عشرہ : دس دن (مجازاً محرم کے مہینے کے پہلے دس دن کے لیے آتا ہے)

مرثیہ (۴)

۱۔ بہیر : امنڈتا ہوا انبوہ
۲۔ یمین و یسار : داہنا۔ بایاں
۳۔ ثعلبیہ : عراق کا ایک گاؤں
۴۔ نمط : طرح۔ طریقہ
۵۔ پاتراب : منزلِ اوّل
۶۔ ہراول : فوج کی چھوٹی سی جماعت جو لشکر کے آگے رہتی ہے۔
۷۔ سبیل : تدبیر۔ طریقہ
۸۔ کوثر : جنت کے ایک حوض کا نام
۹۔ تسنیم سلسبیل : جنت کی نہروں کے نام

مرثیہ (۵)

۱۔ رفیع المکاں : اونچا درجہ رکھنے والی جگہ
۲۔ ایواں اساس : محل کا مالک
۳۔ سقر : جہنم
۴۔ کحل البصر : آنکھ کا سرمہ
۵۔ صرّہ : ننھی سی پوٹلی (مجازاً کربلا کی خاک کی پوٹلی کو کہتے ہیں)
۶۔ جو مہرِ فاطمہ میں ہے یہ وہ فرات ہے : روایت اور عقیدے کے مطابق ساری دنیا کا پانی حضرت فاطمہ زہرا کے مہر میں خدا نے دے دیا تھا۔
۷۔ مترصّد : امیدوار، امید رکھنے والا
۸۔ قشون : لشکر
۹۔ جنود : فوجیں
۱۰۔ کنندۂ درِ خیبر : خیبر کا دروازہ اکھاڑنے والا یعنی حضرت علیؑ

۱۱ - ہزبر : شیر ۔ مجازاً بہادر
۱۲ - ارتفاع : بلندی ، اونچا ہونا
۱۳ - شمسہ کیواں جناب : جس کی ڈیوڑھی بلندی مرتبہ میں زُحل کے برابر ہو۔
۱۴ - قرنا : بگل ، فوجی باجا جو سنکھ کی طرح پھونکا جاتا ہے
۱۵ - دُہل : ڈھول
۱۶ - خدیو : بادشاہ ۔ مالک
۱۷ - ھَلْ مِنْ مُبَارِزٍ : عربی کا جملہ " ہے کوئی لڑنے والا " جنگ میں مقابل طلب کرنے کا نعرہ۔
۱۸ - بُراق : اس گھوڑے کا نام جو آسمان سے اترا تھا اور رسول اللہ معراج پر، اسی پر سوار ہو کر تشریف لے گئے تھے۔
۱۹ - کہربا : ایک زرد پتھر جو گھاس کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔
۲۰ - ستیز : لڑائی
۲۱ - مغفر : خود کے نیچے پہننے کی زرہ ۔ یا زرہ کا ٹکڑا
۲۲ - زہرہ : پتّہ
۲۳ - سروہی : ایک قسم کی دو دھاری سیدھی تلوار
۲۴ - نیزۂ خطّی : ایک قسم کا نیزہ جو خطؔ نام کے ایک مقام سے منسوب ہے۔
۲۵ - شیر دژم : غضب ناک شیر

مرثیہ (۶)

۱ - فارس : سوار
۲ - بحل کرنا : معاف کرنا
۳ - کارہ : کراہت کرنے والا
۴ - بالیدہ ہونا : بڑھنا
۵ - جنود اللہ : اللہ کی فوجیں

۶ ۔ سبقت : پہل کرنا
۷ ۔ قرنا : ترہی ۔ منہ سے بجانے والا باجا
۸ ۔ جلاجل : جھانجھیں
۹ ۔ سرودوں : گیت ۔ فوجی گیت
۱۰ ۔ سرمہ آواز ہونا : سرمہ کھانے سے آواز بیٹھ جاتی ہے
۱۱ ۔ قلزم : سمندر (اس سمندر کا نام جو افریقہ اور عرب کے ساحل کے بیچ میں ہے)
۱۲ ۔ ساقیِ کوثر : کوثر پر پانی پلانے والا (حضرت علی کا لقب)
۱۳ ۔ قاطر : خچر
۱۴ ۔ قرۃ العین : آنکھوں کی ٹھنڈک
۱۵ ۔ خالصے لگ جانا : برباد ہونا ۔ ضبط ہوکر سرکاری قبضے میں چلا جانا
۱۶ ۔ آئے : آیتیں ۔ آیت کی جمع
۱۷ ۔ ذقن : ٹھوڑی
۱۸ ۔ توتیا ہوئے کحل کحل جواہر شرمائے : اس گرد سے بہترین سرمہ بھی شرما جاتا ہے، یعنی آنکھیں روشن ہو جاتی ہیں۔
۱۹ ۔ راس و رئیس : سر و سردار
۲۰ ۔ پرچہ نویس : خبر نویس (وہ شخص جو حکومت کی طرف سے خبریں پہنچائے)
۲۱ ۔ ڈراب : چمڑے کی پیٹی جس کے حلقے میں تلوار لٹکاتے ہیں
۲۲ ۔ غازی : بہادر، سپاہی، مجاہد
۲۳ ۔ قنبر : حضرت علی کے غلام کا نام
۲۴ ۔ رضوان : بہشت کے دربان کا نام
۲۵ ۔ تعویق : تاخیر
۲۶ ۔ قعرِ دوزخ : دوزخ کی گہرائی
۲۷ ۔ الغیاث : "مدد کو پہنچو" (مدد کے لیے آواز دینا)

۲۸۔ اسود : حضرت علی کے زمانے کا ایک مجرم

۲۹۔ معین الضعفا : کمزوروں کا مددگار

۳۰۔ اَدْرِکْنِیْ : میری خبر لیجیے

۳۱۔ خُذْ بِیَدِیْ : میرا ہاتھ تھام لے

۳۲۔ مورِ ضعیف : کمزور چیونٹی

۳۳۔ بِاَبِیْ اَنْتَ و } عربی کا ایک محاورہ جس کا مطلب ہے "میرے ماں باپ آپ پر

۳۴۔ اُمّی } فدا ہوں"

۳۵۔ آثم : گنہ گار

۳۶۔ مقداد، سلمان، ابوذر، عمار، مالکِ اشتر } حضرت رسول اللہ اور حضرت علی کے صحابیوں کے نام

۳۷۔ صاحبِ جود : سخی

۳۸۔ وہاب : عطا کرنے والا } اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ

۳۹۔ محمود : قابلِ حمد

۴۰۔ صبح و مسا : صبح و شام

۴۱۔ خدنگ : تیر

۴۲۔ اہلِ ضلال : گمراہ لوگ

۴۳۔ برچھیوں اڑنا : (محاورہ) بہت اونچی جست کرنا

۴۴۔ شمعِ نور : روشنی کا مینار

۴۵۔ لاریب : بے شک، بلاشبہ

۴۶۔ خسرو : خسرو پرویز ایران کے ایک بادشاہ کا نام تھا

۴۷۔ بیرقیں : جھنڈیاں

۴۸۔ سیفی : ایک عمل کا نام (ایک خاص دعا دشمن کو ہلاک کرنے کی غرض سے پڑھی جاتی ہے)

۴۹۔ صیدِ زبوں : کمزور شکار

۴۹ ۔ مفتاح : کنجی
۵۰ ۔ سُوفار : تیر کا نیچے کا سرا
۵۱ ۔ ورطہ : بھنور
۵۲ ۔ بَارَکَ اللہ : کلمۂ تحسین "خدا برکت دے"
۵۳ ۔ طوبیٰ : جنت کے ایک درخت کا نام

مرثیہ (۷)

۱ ۔ انجم کی فرد فرد سے : ہر ایک تارے سے
۲ ۔ دفتر کشائے صبح : استعارے میں صبح کو اجالے کا دفتر کھولنے والا کہا ہے
۳ ۔ سلطانِ غرب و شرق : مغرب و مشرق کا بادشاہ سورج سے مراد ہے
۴ ۔ نظم و نسق : انتظام
۵ ۔ فرمانِ عزلِ شب : رات کی معزولی کا فرمان (ہٹایا جانا)
۶ ۔ عاملانِ سحر کا نصب : صبح کے کارندوں کا تقرر ہوا
۷ ۔ زمزمہ پردازی : نرم آواز میں گانا
۸ ۔ نافہ : ہرن کی ناف سے نکلنے والی مشک کی تھیلی
۹ ۔ طناب : خیمے کی ڈوری ۔ رسی
۱۰ ۔ بے چوبہ فلک : ایسا خیمہ جس میں چوبیں نہیں ہوتیں ۔ مجازاً آسمان
۱۱ ۔ سپہرِ دیں : دین کا آسمان
۱۲ ۔ ثُقبے قنات کے : قنات کے سوراخ
۱۳ ۔ کیواں : زحل
۱۴ ۔ مقتدا : روحانی پیشوا ۔ رہنما
۱۵ ۔ مقتدی : پیروی کرنے والا
۱۶ ۔ مصحف : کتاب ۔ کلام مجید کے لیے خاص کر آتا ہے
۱۷ ۔ زیرِ نُہ طبق : نو آسمانوں کے نیچے

۱۸۔ صحیفۂ ایمان : ایمان کی کتاب (کلام مجید)
۱۹۔ چرخ : گھومنے والا پہیہ
۲۰۔ نہنگ : مگرمچھ
۲۱۔ صَلِّ عَلیٰ : درود شریف کے شروع کے لفظ
۲۲۔ بُرج : آسمان کے ان بارہ برجوں میں سے ایک جو علمِ ہیئت کے لحاظ سے مقرر کیے گئے ہیں۔
۲۳۔ شب دیزِ طبع : کالے رنگ کے گھوڑے کو شب دیز کہتے ہیں۔ استعارہ میں طبیعت کو گھوڑا قرار دیا ہے۔
۲۴۔ ذوالفقارِ حیدر : علی کی تلوار (روایت ہے کہ ذوالفقار حضرت علیؑ کے لیے آسمان سے اُتری تھی)
۲۵۔ عیال دار : بال بچوں والا
۲۶۔ میزان : وہ ترازو جس میں تول کر بخشش کا فیصلہ ہوگا۔
۲۷۔ مشایعت : رخصت کرنے کے لیے دو چار قدم ساتھ چلنا۔
۲۸۔ کنشت : آتش کدہ
۲۹۔ قدر انداز : ماہر تیر انداز
۳۰۔ صَرصَر : آندھی، جھکڑ
۳۱۔ جیسے رگِ سحاب کبھی ہو تگرگ بار : سحاب : بادل۔ تگرگ : اولے۔ مطلب یہ ہے کہ جس طرح بادل کی رگوں سے اولے برستے ہوں

مرثیہ (۸)

۱۔ حشمت و اجلال : شان و شوکت
۲۔ مئے عرفان : شرابِ معرفت
۳۔ بارِ علایق : دنیاوی تعلقات کا بوجھ
۴۔ یدِ قدرت : (مجازاً) خدا کا ہاتھ

۵ زیبندہ : زیب دینے والا
۶ روباہ : لومڑی
۷ پیکِ اجل : موت کا پیامی ۔ ملک الموت
۸ حُلّۂ جنّت : جنّت کا خلعت
۹ حبیب ابن مظاہر : امام حسین کے بچپن کے دوست جو کربلا میں ان کی حمایت میں لڑکر شہید ہوئے ۔
۱۰ کحلِ بصر : آنکھ کا سُرمہ
۱۱ صمصام : تلوار
۱۲ یک پیری وصد عیب : محاورہ ایک بڑھاپا سینکڑوں آزار
۱۳ بدعت : ظلم ۔ تشدّد
۱۴ شمعِ لم یزل : خدا کے گھر کا چراغ
۱۵ سبک تاز : نرم رَو

۱۶ تا ۲۱ سلمان، مقداد، اباذر، عمار، مالک اشتر } حضرت علی کے اور آنحضرت کے اصحاب کے نام

مرثیہ (۹)

۱ ۔ رایضِ گلگونِ شہادت : وہ شہسوار جس کا لباس خونِ شہادت سے سرخ تھا ۔
۲ ۔ مستوجبِ رحمت : جس کے لیے رحمتِ الٰہی واجب ہو ۔
۳ ۔ درِ مکنون : چھپا ہوا موتی
۴ ۔ مالک : دوزخ کا داروغہ
۵ ۔ راویِ صادق : سچی روایت بیان کرنے والا
۶ ۔ عطائے صمدی : خدا کی عطا کی ہوئی
۷ ۔ لُطفِ احدی : خدا کا فضل
۸ ۔ اولوالعزم : عزم و ہمت والا

۹ ۔ العظمة للہ : سب بڑائی خدا کے لیے ہے ۔

۱۰ ۔ رایت : پرچم ، علم

۱۱ ۔ قاصر ہیں : عاجز ہیں

۱۲ ۔ شہِ مرداں : حضرت علی کا لقب

۱۳ ۔ محسوب ہوں : جن کا شمار کیا جائے

۱۴ ۔ ہاتھوں کے عوض جن کو خدا نے دیے دو پر : حضرت علیؑ کے بھائی جعفرِ طیار عون و محمد کے دادا تھے ۔ ان کے دونوں بازو رسول اللہ کے ساتھ جنگ موتہ میں کٹ گئے تھے ۔ وہ علم بردار فوج بھی تھے ۔ شہادت کے بعد روایت ہے کہ خدا نے ان کو زمرد کے دو پر جنت میں عطا کیے ہیں ۔

۱۵ ۔ شہرۂ خیبر شکنی ، بت شکنی ہے : حضرت علی نے (جو عون و محمد کے نانا تھے) کعبہ میں بتوں کو توڑا تھا ۔ جنگ خیبر میں درِ خیبر کو اکھاڑا تھا اس کی طرف اشارہ ہے ۔

۱۶ ۔ احسنت : کلمۂ شاباش

۱۷ ۔ کھیت میں سرسبز ہونا : مطلب میدانِ جنگ میں کامیاب ہونا

۱۸ ۔ ساونت : بہادر

۱۹ ۔ عمر عبدود : عرب کا ایک بڑا بہادر جوان جس کو جنگ خندق میں حضرت علی نے شکست دی تھی ۔

۲۰ ۔ خاصہ قیوم : خدا کا خاص بندہ

۲۱/۲۲ ۔ صفین و اُحد : اُحد رسول اللہ کے زمانے کی جنگ اور صفین حضرت علی کے زمانے کی لڑائی ۔ ان دونوں میں حضرت علی نے بہت بہادری سے جنگ کر کے دشمن کو زیر کیا تھا ۔

۲۳ ۔ دَوَا دَو : گھوڑے کی دوڑ

۲۴ ۔ کاوا : گھوڑے کا چکر کاٹنا

۲۵ ۔ بادیہ پیما : جنگل کو ناپنے والا

۲۶ ۔ تگ و تاز : دوڑنا بھاگنا

۲۷ ۔ پیکِ صبا : ہوا کا قاصد

۲۸ ۔ خاتمِ قدرت کے نگیں : قدرت کی انگوٹھی کے نگینے
۲۹ ۔ مصحفِ ناطق : بولنے والا قرآن (جناب رسول اللہ کا لقب)
۳۰ ۔ مختوم : جس پر مہر لگی ہو ۔
۳۱ ۔ شمعِ حرمِ لم یزل : خدا کے گھر کی شمع
۳۲ ۔ شقہ طرازِ علم : پرچم کے پھریرے کو لہرانے والا ۔ (علم بردار)
۳۳ ۔ جیغۂ دستار : پگڑی کی کلغی
۳۴ ۔ ۳۵ ۔ مرحب و عنتر : عرب کے دو مشہور بہادر جن کو حضرت علی نے شکست دی تھی
۳۶ ۔ چشمۂ اولوالابصار : اہلِ بصیرت کی آنکھوں کی روشنی بڑھانے والا
۳۷ ۔ جمدھر : ایک قسم کا خنجر ۔ کٹار
۳۸ ۔ یدِ بیضا : روشن ہاتھ (حضرت موسیٰ جب معجزہ دکھاتے تھے تو ان کا ہاتھ سفید روشن ہو جاتا تھا)
۳۹ ۔ چار آئینہ : زرہ میں جڑے ہوئے لوہے کے چار ٹکڑے جو پہننے والے کی پشت اور سینے کی حفاظت کرتے ہیں ۔
۴۰ ۔ یم : سمندر ۔ دریا
۴۱ ۔ جَد : دادا ۔ پردادا

مرثیہ (۱۰)

۱ ۔ رسولانِ سلف : وہ پیمبر جو حضرت محمدؐ سے پہلے گزر چکے ہیں ۔
۲ ۔ مردمکِ دیدہ : آنکھ کی پتلی
۳ ۔ مضاعف : کئی گنا
۴ ۔ نیتِ تسبیحِ بتول : وہ تسبیح جو ہر نماز کے بعد پڑھی جاتی ہے (اللہ اکبر، الحمد للہ، سبحان اللہ) اور حضرت فاطمہ کی طرف منسوب کی جاتی ہے ۔
۵ ۔ تظلم : ظلم کی فریاد
۶ ۔ مشبک : چھلنی نہیں ہوا

۷۔ قیوم : ہمیشہ قائم رہنے والا (اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے ایک)
۸۔ ساجد : سجدے کرنے والے
۹۔ راکع : رکوع کرنے والا
۱۰۔ تازی : عربی گھوڑا
۱۱۔ امیرِ امم : امتوں کا سردار (مراد امام حسین)
۱۲۔ جرار، کرار، صفدر : بہادر
۱۳۔ ضرغام، ضیغم، غضنفر : شیر کے معنی میں آتے ہیں۔ مراد بہت بہادر
۱۴۔ خاقان : چین کے بادشاہوں کا لقب
۱۵۔ باج : خراج
۱۶۔ چترِ فلک قدر : آسمان جیسے رتبے والا چتر (چتر اس سنہری چھتری کو کہتے ہیں جو بادشاہوں کے سروں پر سایہ کرتی تھی)
۱۷۔ جلوریز : مطلب ہے گھوڑوں کو دوڑایا
۱۸۔ سیاف : تلوار چلانے کا ماہر
۱۹۔ عسکرِ دیں : دینداروں کی فوج
۲۰۔ اِعلام : اعلان
۲۱۔ کوسِ شغب ناک : پرشور نقارہ
۲۲۔ مخلع کیا : خلعت بخشا
۲۳۔ معنبر : خوشبودار
۲۴۔ قافیہ تنگ ہونا : کچھ بنائے نہ بننا
۲۵۔ مسل : فوج کا دستہ
۲۶۔ سلّمک اللہ : خدا تمہیں سلامت رکھے
۲۷۔ محق : حقدار
۲۸۔ قفاسے : پیچھے سے
۲۹۔ صادق الاقرار : وعدے کا سچا

مرثیہ (۱۱)

۱۔ صولت وشوکت : شان و شوکت
۲۔ کمربند : کمر کی پیٹی
۳۔ پیکِ خِرد : عقل کا سفیر
۴۔ کاہ : گھاس
۵۔ تعلّی : اپنی بڑائی کرنا
۶۔ حلّالِ مہم : مشکلوں کو حل کرنے والا
۷۔ سرورِ مہموم : غمزدوں کے آقا
۸۔ عالم کا مُمِد : دنیا کا مددگار
۹۔ مصدرِ الہامِ احد : خدا کے الہام کا سرچشمہ
۱۰۔ آری کیا : بے بس کیا
۱۱۔ شبرنگ : ایک بادشاہ پرویز کے گھوڑے کا نام
۱۲۔ تنگ کے نیچے : گھوڑے کے زین کا بند
۱۳۔ صاعقہ کردار : بجلی کی سی صفت رکھنے والی
۱۴۔ برق جہندہ : کوندنے والی بجلی
۱۵۔ جلادِ فلک : مریخ
۱۶۔ گیو : ایک ایرانی پہلوان کا نام
۱۷۔ اِرث : ترکہ۔ میراث
۱۸۔ گہوارے میں اژدر کو بھی چیرا ہے کسی نے؟ : اس روایت کی طرف اشارہ کہ حضرت علی نے بچپن میں جھولے میں لیٹے لیٹے ایک اژدہے کو جو اُن پر حملہ آور ہوا تھا، مار ڈالا۔
۱۹۔ طبل، دف، نقارہ، قرنا : فوجی باجوں کے نام
۲۰۔ بوڑی : برچھی کا پھل

۲۱۔ جھلم : لوہے کی کڑیوں کی نقاب جو تلوار کے وار سے بچنے کے لیے چہرے پر ڈالی جاتی تھی۔

۲۲۔ بکتر : زرہ جو مخمل سے منڈھی ہو۔

۲۳۔ جم دَھر : ایک قسم کا خنجر

۲۴۔ تہمتن : رستم کا لقب۔ مجازاً بہت بہادر

۲۵۔ تتق گردکے : مٹی کے پرت

۲۶۔ قِران مہ و خورشید : ایک ہی برج میں چاند اور سورج کا جمع ہونا

مرثیہ (۱۲)

۱۔ چرخِ اخضری : ہرا آسمان

۲۔ چرخِ زبرجدی : نیلا آسمان

۳۔ مینائے لاجورد : نیلا شیشہ (نیلم) مطلب آسمان سے ہے

۴۔ حلب : شام کا ایک شہر جہاں کے آئینے مشہور ہیں

۵۔ ختن : چینی ترکستان کا علاقہ جہاں کا مشک مشہور ہے۔

۶۔ یمن : عرب کے ایک ملک کا نام جہاں کے عقیق مشہور ہیں

۷۔ حق پژوہ : سچائی کو قبول کرنے والا

۸۔ سُمرن : چونتیس دانوں کی مالا (ہندوؤں میں تسبیح کے طور پر استعمال ہوتی ہے)

۹۔ لامع : چمکنے والا

۱۰۔ لاف : ڈینگ، شیخی

۱۱۔ فِی النَّارِ وَالسَّقَرْ : آگ میں اور جہنم میں پہنچا (کلام مجید کی ایک آیت)

۱۲۔ یوں دو کیا عمودِ سرِ نابکار کو : یعنی دشمن کے سر کو لمبائی میں تلوار سے کاٹ کر دو کر دیا۔

۱۳۔ دو ٹانک کی لمان : کمان کا اتنا لوچ جس کو دو تیر کے برابر کھینچا جا سکے۔

۱۴۔ سفاہت : کمینہ پن

۱۵۔ رف رف : اس سواری کو کہتے ہیں جس پر رسول اللہ معراج کے لیے تشریف لے گئے تھے۔

۱۶۔ اوجھڑ لگی : پیڑ سے پیڑ لڑنے کا ہلکا سا دھکا

۱۷۔ وَاِنْ یَکاد : دعائے نظر بد۔

مرثیہ (۱۳)

۱۔ کشندۂ عنتر : عنتر کو قتل کرنے والا (مراد حضرت علی)

۲۔ گل سرسبد : ٹوکری کا بہترین پھول

۳۔ بیاض وسواد : سفیدی اور سیاہی

۴۔ جزوِ لایتجزیٰ : مادّہ کا چھوٹے سے چھوٹا حصہ (یعنی ایٹم)

۵۔ کیومرث : بادشاہ کا نام

۶۔ غاشیہ بردار : خادم

۷۔ قاف سے تا قاف : مراد ساری دنیا

۸۔ صریرِ کلک : قلم کے چلنے کی آواز

۹۔ خراج ستانندہ : خراج لینے والی

۱۰۔ فلک مُسیر : آسمان پر دوڑنے والا

۱۱۔ سرہنگ : سردار

۱۲۔ خدنگ : ایک قسم کا چھوٹا تیر

۱۳۔ زبانۂ شمشیر شعلہ رنگ : آگ کی طرح لپکنے والی تلوار کا شعلہ

مرثیہ (۱۴)

۱۔ شیرِ بیشہ حیدر : مراد حضرت عبّاس

۲۔ نورِ سرمدی : نورِ ازل۔ یا نور الٰہی کا پرتو

۳۔ حورا : مطلب ایک حور

۴ ۔ ابرش : دو رنگ کا گھوڑا۔ عموماً سیاہ اور سفید یا سرخ و سیاہ
۵ ۔ دُلدُل : حضرت علی کے گھوڑے کا نام جس پر کربلا کے معرکہ میں
امام حسین نے سوار ہوکر جہاد کیا ۔
۶ ۔ کبکِ دری : چکور ۔ایک قسم کا تیتر
۷ ۔ ثریٰ : زمین کا سب سے نچلا طبقہ
۸ ۔ نہیب : خوف
۹ ۔ خلت وودار : دوستی
۱۰ ۔ ملیعانِ نو : نئے غلام
۱۱ ۔ غاشیہ بدوش : زین پوش کا کونہ پکڑ کر چلنے والا
۱۲ ۔ الکن : لکنت کرنے والی
۱۳ ۔ لال : گونگی
۱۴ ۔ لَا رَیبَ فِیہِ : بلاشک
۱۵ ۔ ثورِ فلک : ایک بُرجِ آسمانی جو کہا جاتا ہے کہ بیل کی شکل کا ہے
۱۶ ۔ گوپال : ایک قسم کا گرز
۱۷ ۔ زہگیر : ایک انگوٹھی جس کو انگوٹھے میں پہن کر تیر کھینچتے ہیں ۔
۱۸ ۔ پُردغل : مکّار
۱۹ ۔ تصمیہ : حلیہ طامار (فوجی اصطلاح میں وہ رجسٹر جس میں حلیہ لکھا جاتا ہے)
۲۰ ۔ طبلق : رجسٹر ۔ کاغذات کا مٹھا
۲۱ ۔ سُکّان : باشندے ۔ رہنے والے

مرثیہ (۱۵)

۱ ۔ فتراک : چمڑے کا تسمہ جو زین کے اِدھر اُدھر ضروری سامان باندھنے کے

۳۔ پیک : قاصد
۴۔ باکی : رونے والا
۵۔ قوسین مکان : عرش سے بہت قریب کا مقام جہاں تک جناب رسول اللہ شب معراج پہنچے تھے۔
۶۔ اہمال : مہلت دینا۔ مراد تاخیر کرنا
۷۔ رومال : کنایۃً خلعت میں رومال عطا ہونا۔

مرثیہ (۱۹)

۱۔ طلاقت : خوش بیانی۔ فصاحت
۲۔ کیانی کماں : بادشاہوں کے لائق کماں (کیانی ایران کے بادشاہوں کا ایک خاندان)
۳۔ عین الکمال : نظر بد
۴۔ سہیل : ایک چمک دار اور مبارک ستارہ کا نام
۵۔ وہ سینہ جس کا مصحف اکبر شبیہ : وہ سینہ جس کو قرآن پاک سے تشبیہ دی جا سکتی ہے۔
۶۔ دست فقیہ : عالم دین کا ہاتھ
۷۔ خیر ورئ : پیغمبر اسلام کا لقب
۸۔ مگس : شہد کی مکھی
۹۔ قدر انداز : ماہر تیر انداز۔ جس کا نشانہ خطا نہ کرے
۱۰۔ عالم مرکبات میں تھا مفردات کا : جسم جو کہ مرکب ہے کٹ کٹ کر تنگ تنگ ٹکڑوں میں بٹ گیا تھا۔
۱۱۔ لکھتا ہے اُدھر قلم اب سرعت عتاب : اب قلم کا گھوڑا عتاب کی سی تیزی سے لکھتا ہے۔
۱۲۔ ایراق : ہتھیار۔ لڑائی کا سامان
۱۳۔ ابولہب : عرب کا مشہور کافر جو پیغمبر اسلام کے ساتھ سخت دشمنی رکھتا تھا۔
۱۴۔ تان اور تکان : وار اور جھٹکا

۱۵۔ ذَمال : تیزی سے چلنے والا
۱۶۔ ہرزہ گرد : فضول، بے کار پھرنے والا
۱۷۔ عصفور : چڑیا
۱۸۔ گیہاں خدیو : دنیا کا مالک۔ دنیا کا بادشاہ
۱۹۔ کبد : کلیجہ۔ جگر

مرثیہ (۱۷)

۱۔ ریحان ہے یہی، راح یہی روح یہی ہے : یعنی اسی سے خوشی ہے، اسی سے قوت ہے اور یہی جسم کی روح ہے۔
۲۔ منہاج : راستہ۔ طریقہ
۳۔ تَوَلّا : محبت۔ دوستی (خاص طور پر اہلِ بیتِ رسول کی محبت کے لیے آتا ہے)
۴۔ اَلَا : سنو۔ دیکھو (مخاطب کرنے کا لفظ)
۵۔ ناصیہ سائی : پیشانی گھسنا
۶۔ رَمد : آشوبِ چشم۔ آنکھیں آنا
۷۔ جِسر : پُل
۸۔ بیرق : جھنڈا۔ پھریرا
۹۔ زِہ : کمان کا چلّہ
۱۰۔ پُشتہ : تلوار میں قبضے کے قریب دو گھنڈیاں ہوتی ہیں انھیں پُشتہ کہتے ہیں۔
۱۱۔ شطِ خوں : خون کا دریا
۱۲۔ ہرزہ سرائی : بکواس۔ فضول باتیں
۱۳۔ قطّاعِ طریق : رہ زن (وہ ڈاکو جو راستے میں ڈاکہ ڈالے)
۱۴۔ کفل : کولھا۔ پٹھا
۱۵۔ منکہ : گردن کی ہڈی

۱۶۔ سبکادر : تیز گھوڑا
۱۷۔ طعن : نیزہ مارنا
۱۸۔ تبرزیں : ایک قسم کا تبر جسے سوار زین پر کھونس لیتے ہیں
۱۹۔ تیز تگ : تیز دوڑنے والا گھوڑا
۲۰۔ ضال ومضل : گمراہ اور گمراہ کرنے والا
۲۱۔ بیرالالم : جنوں کا کنواں (ایک تلمیح ہے جس کے بارے میں روایت ہے کہ جن رہتے تھے)
۲۲۔ عربدہ جو : بد خو۔ جنگ جو۔ لڑاکا

مرثیہ (۱۸)

۱۔ اخترِ سجود : سجدے کا نشان (اُسے تارے سے تشبیہ دی گئی ہے)
۲۔ آل : اولاد رسول اللہؐ
۳۔ شیفتۂ واجب الوجود : خدا سے محبت کرنے والے
۴۔ خجستہ کام : خوش بخت۔ نیک کام کرنے والا
۵۔ آبی ہوئی : سان پر چڑھی ہوئی
۶۔ اُگلنے لگی حسام : میان سے تلوار خود بخود نکلنے لگی
۷۔ کسرائی : ایرانی بادشاہ (کسرا) کی اولاد (امام حسینؑ کی بیوی شہربانو ایران کے آخری ساسانی بادشاہ یزدگرد سوئم کی بیٹی تھیں)
۸۔ رحل : لکڑی کی بنی ہوئی قینچی کی شکل کی تختی ہوتی ہے جس پر رکھ کر قرآن شریف پڑھا جاتا ہے۔
۹۔ حمائل : چھوٹی تقطیع کا قرآن شریف جسے اکثر گلے میں لٹکا لیا جاتا ہے
۱۰۔ عذار : گال۔ رخسار
۱۱۔ صلوا علی النبی : "نبی پر صلوات بھیجو" علی اکبر ہم شبیہ پیمبر کہے جاتے ہیں۔ ان کو دیکھ کر لوگوں کو حضرت محمدؐ یاد آ گئے۔

۱۲۔ ہم دست : ہم رتبہ ۔ برابر

۱۳۔ نبیرہ مشکل کشا : حضرت علی کا پوتا یعنی علی اکبر (نبیرہ پوتے نواسے دونوں کے لیے آتا ہے)

۱۴۔ روحنا فداک : ہماری جان (روح) تم پر نثار ہو۔

۱۵۔ جوشن : آفت و بلا سے محفوظ رہنے کی ایک دعا جو لکھ کر بازو پہ باندھی جاتی ہے۔ ایک زیور کا نام جو بازو پر پہنا جاتا ہے۔ ایک خاص قسم کی زرہ کو بھی کہتے ہیں۔

۱۶۔ برنا و پیر : جوان اور بوڑھا

۱۷۔ ہیبت : خوف ۔ ڈر

۱۸۔ جنود سقر ورود : جہنم رسید ہونے والی فوجیں

۱۹۔ چہرہ کٹ جانا : دفتر سے نام خارج ہو جانا (فوج کے دفتر میں ہر سپاہی کا حلیہ درج ہوتا ہے)

۲۰۔ جائزہ : معائنہ ۔ حاضری ، جانچ

۲۱۔ شست : چمڑے کا انگشتانہ جو تیر انداز انگوٹھے میں پہن لیتے ہیں

۲۲۔ ڈانڈ : بانس یا لکڑی کا ڈنڈا جس پر برچھی کا پھل لگا لیتے ہیں

۲۳۔ کمند : رسّی کا پھندا جس سے جنگ میں سپاہی اپنے مقابل کو پھانس لیتے ہیں

۲۴۔ چنبر گردن : گردن کا حلقہ

۲۵۔ [illegible] : زخم کے شگاف یا منہ

۔ [illegible] : [illegible] کے ریشے جو بہت نازک ہوتے ہیں اور آسانی سے کٹ جاتے ہیں

۔ [illegible] : [illegible] ۔ پہلی چوٹ

۲۸۔ کلتہ : گھوڑے کی گردن کا خم

۲۹۔ گرد شد : خاک میں مل جانا

۳۰۔ الاماں : ہمیں پناہ دو

۳۱۔ عقاب : علی اکبر کے گھوڑے کا نام

پہلی جلد کے لیے میر انیس کے مراثی کے جو نسخے میں فراہم کر سکی وہ مندرجہ ذیل ہیں :

۱۔ مراثی انیس نظامی پریس بدایوں ۔ ہر سہ حصہ مطبوعہ ۱۹۳۵ء
۲۔ روحِ انیس مرتبہ سید مسعود حسین رضوی ادیب مطبوعہ ۱۹۵۸ء
۳۔ مراثی انیس مرتبہ سید نائب حسین نقوی ۔ پہلا حصہ مطبوعہ ۱۹۵۸ء
۴۔ مرثیہ انیس مطبوعہ مطبع نامی منشی نول کشور ۔ لکھنؤ ۱۸۸۲ء چار حصہ
مرثیہ انیس مطبوعہ مطبع نول کشور ۔ کان پور ۱۸۹۲ء

اس مجموعہ کے دو سب سے اہم مرثیہ :

۶ ۔ بخدا فارسِ میدانِ تہوّر تھا حُر
اور ۱۸۔ کیا غازیانِ فوجِ خدا نام کر گئے

کے لیے بنیادی نسخہ روحِ انیس کو قرار دیا گیا ہے اور دوسرا نسخہ مراثی انیس نظامی پریس بدایوں کی جلد اول ہے ۔

دو مرثیوں کے لیے ۱۔ یارب چمنِ نظم کو گلزارِ ارم کر
بنیادی نسخہ مرتبہ سید نائب حسین نقوی مطبوعہ غلام علی اینڈ سنز لاہور ۱۹۵۹ء ہے اور دوسرا نسخہ مراثی انیس مطبوعہ نامی نول کشور بار سوم ۱۸۸۲ء

۲۔ جس دم یزید شام میں مسند نشیں ہوا
کا بنیادی نسخہ مراثی انیس مطبوعہ نامی نول کشور جلد دوم مطبوعہ ۱۸۸۲ء ہے اور دوسرا نسخہ مراثی انیس جلد دوم مرتبہ سید نائب حسین نقوی (غلام علی اینڈ سنز لاہور ۱۹۵۸ء)

مندرجہ ذیل مرثیوں میں بنیادی نسخہ مراثی انیس ۔ نظامی پریس بدایوں کے تینوں حصہ ہیں جو

۱۔ مرثیوں پر نمبر ہم نے فہرست کی ترتیب کے مطابق دیے ہیں ۔

بارِ دوم ۱۹۲۵ء میں شائع ہوئے تھے۔

۳۔ فرزند پیمبر کا مدینہ سے سفر ہے

دوسرا نسخہ مرثیہ انیس جلد اول۔ بارسوم مطبع نامی نول کشور لکھنؤ ۱۸۸۲ء

۴۔ سبطِ نبی سے منزلِ مقصد قریب ہے

دوسرا نسخہ۔ مرثیہ انیس جلد اول مطبع نامی نول کشور لکھنؤ ۱۸۸۲ء بارسوم

۵۔ جب کربلا میں داخلہ شاہِ دیں ہوا

دوسرا نسخہ۔ مراثی انیس۔ مطبع نامی نول کشور۔ کانپور جلد دوم ۱۹۱۵ء (بارششم)

۶۔ طے کر چکا جو منزلِ شب کاروانِ صبح

دوسرا نسخہ۔ مرثیہ میرانیس۔ مطبع نامی منشی نولکشور، لکھنؤ ۱۸۸۲ء

۸۔ کیا فوجِ حسینی کے جوانانِ حسیں تھے

دوسرا نسخہ مرثیہ میرانیس حصہ اول۔ مطبع نامی منشی نولکشور، لکھنؤ ۱۸۸۲ء

۹۔ جب حر کو ملا خلعت پرُ خونِ شہادت

دوسرا نسخہ مرثیہ میرانیس جلد دوم۔ مطبع نامی نول کشور، کانپور، بارششم ۱۹۰۶ء

۱۰۔ جب زلف کو کھولے ہوئے لیلٰے شب آئی

دوسرا نسخہ مرثیہ میرانیس جلد اول مطبع نامی، نول کشور، کانپور ۱۸۹۲ء

۱۱۔ جب حضرتِ زینب کے پسر مر گئے دونوں

دوسرا نسخہ۔ مرثیہ میرانیس جلد اول مطبع نامی نول کشور، کانپور ۱۸۹۲ء

۱۲۔ پھولا شفق سے چرخ پہ جب لالہ زارِ صبح

دوسرا نسخہ۔ مرثیہ میرانیس۔ جلد دوم مطبع نامی نول کشور۔ کانپور ۱۹۰۶ء

۱۳۔ آمد ہے کربلا کے نیستاں میں شیر کی

دوسرا نسخہ مرثیہ میرانیس جلد اوّل مطبع نامی منشی نول کشور، لکھنؤ ۱۸۸۲ء

۱۴۔ جاتا ہے شیر بیشۂ حیدر فرات پر

دوسرا نسخہ مرثیہ میرانیس جلد دوم مطبع نامی منشی نول کشور، کانپور ۱۹۱۵ء

۱۵۔ جب آبِ رواں بند ہوا فوجِ خدا پر

دوسرا نسخہ مرثیۂ انیس مطبع نامی نول کشور، لکھنؤ ۱۸۸۲ء

۱۶۔ جب بادبانِ کشتیِ شاہِ امم گرا

دوسرا نسخہ، مرثیہ میرانیس جلد اول مطبع نامی منشی نول کشور لکھنؤ ۱۸۸۰ء

۱۷۔ دولت کوئی دنیا میں پسر سے نہیں بہتر

دوسرا نسخہ مرثیہ میرانیس جلد سوم مطبع نامی منشی نول کشور کانپور[1]

اگلے صفحات میں ہم اختلافِ نسخ کے سلسلے میں مرثیہ کا صرف نمبر درج کریں گے اور ہر مرثیہ کا بند اور مصرعہ کا نمبر درج ہوگا۔ فرہنگ کی نشاندہی کے لیے نمبر ۱، ۲، ۳، ۴، ۵ دیے گئے ہیں۔ اور اختلاف نسخ کی نشاندہی ابجد، ہوز وغیرہ کے حروف سے کی گئی ہے۔

---

[1] سن پھٹا ہوا ہے۔ مراثی بہت خستہ حالت میں ہیں۔

مرثیہ (۱)

نشان	اختلاف	بند	مصرعہ
الف	آغاز	۴	۳
ب	ہے	۱۰	۵
ج	ہی	۱۱	۴
د	جلیں	۲۴	۵
ہ	گرے	۴۲	۲
و	فرزند	۴۹	۵
ز	عاشور	۸۱	۳
ح	جو	۸۵	۲
ط	سنائیں	۹۸	۳
ی	بڑھ کے	۱۰۹	۱
ک	یہ ہے	۱۱۰	۱
ل	میں	۱۱۳	۲
م	خداداد	۱۱۲	۳
ن	بستی	۱۲۵	۲
س	حیلہ کشی	۱۳۹	۲
ع	کے	۱۴۲	۲

مرثیہ (۲)

نشان	اختلاف	بند	مصرعہ
الف	جہاں	۲۱	[illegible]
ب	غضب	۳۸	۳

مرثیہ(۳)

نشان	اختلاف	بند	مصرع
الف	نہ ہو	۹	۳
ب	کیا جانیے	۱۴	۳
ج	بھائی نہ ہوئے	۲۰	۲
د	کھلیں سر	۲۰	۴
ہ	بےکس	۲۴	۴
و	دم اس کا	۲۵	۵
ز	جن	۲۶	۵
ح	چلنے کے لیے قافلہ تیار ہے آقا	۵۹	۲
ط	آ پہنچی جو	۹۴	۱
ی	پہ	۹۷	۱
ک	ملتی	۱۰۴	۲
ل	بن	۱۰۸	۹

مرثیہ(۴)

نشان	اختلاف	بند	مصرع
الف	آتی ہے	۱	۹
ب	جن کے	۴۸	۲

مرثیہ(۵)

نشان	اختلاف	بند	مصرع
الف	ہے	۱۱	۴
ب	بس	۲۴	۹
ج	ہوائیں	۲۴	۵

نشان	اختلاف	بند	مصرعہ
د	ابھریں	۲۶	۲
ہ	تازگی	۲۸	۴
و	رُکے ہوئے	۲۸	۶
ز	ترائی سے کوئی	۳۵	۲
ح	طرح	۴۲	۶
ط	تھی	۴۶	۲
ی	کہنی تلک آستین چوالٹیں دم عتاب	۶۴[1]	۲
ک	کا تھا سر	۱۵۴	۴
ل	جو تھا	۱۵۵	۱
م	چاٹا	۱۶۴	۶
ن	زہ	۱۷۰	۱
س	منفعل	۱۷۴	۴
ع	کی ہے یہ جا	۲۴۰	۴

مرثیہ (۶)

نشان	اختلاف	بند	مصرعہ
الف	ہم صورت	۱۰	۲
ب	یک	۱۵	۱
ج	تم نے	۱۶	۲
د	طفل ان میں	۳۰	۳
ہ	لرتے	۳۰	۳[2]
و	کا	۴۵	۲

[1] ۸۲ بند سے تین بند مطبوعہ نول کشور مراثی میں زیادہ ہیں۔

[2] روح انیس ۴۳ - ۴۴ بند کی ترتیب بدلی ہوئی ہے۔

نشان	اختلاف	بند	مصرعہ
ز	جانے گا	۴۶	۱
ح	کی	۴۷	۲
ط	پھنسی	۴۸	۲
ی	میرا ہے	۴۹	۴
ک	ہے جس کی زباں	۵۲	۱
ل	وہ جس دل میں	۵۳	۵
م	ان کی	۵۴	۶
ن	کے کرم ہیں	۶۸	۱
س	جوش میں آگیا	۷۲	۲
ع	پھیلا کے	۷۲	۳
ف	شکر معبود کا اس پر بھی نہیں کرتے عباد	۷۸	۲
ص	اسے ہر وقت ہے یاد	۷۸	۳
ش	سپر دوش پہ	۸۶	۳
خ	چاندنی	۹۲	۲
ذ	پسرِ فاطمہ	۹۴	۲
ض	ہوئے گا	۹۴	۶
ظ	گر بڑھی گاہ پھری گاہ تھی	۱۰۱	۳
غ	وہ جل	۱۰۳	۵
ج الف	ہاتھ اڑا دیتی تھی	۱۰۷	۲
ج ب	وہ نہ	۱۱۰	۲
ج ج	طائرِ دل	۱۱۰	۴
ج د	بھی ہوئے	۱۱۲	۴
ج ہ	جفا کاروں	۱۱۳	۲

نشان	اختلاف	بند	مصرعہ
ج و	کبھی برچھی کی انی تھی تو کبھی تیر کی پھال	۱۱۵	۳
ج ز	کبھی تلوار کبھی خنجرِ براں کبھی ڈھال	۱۱۵	۴
ج ح	گہہ چھپا اور گہے نکلا وہ مہ برج مشرف	۱۱۸	۱ سے ۵ تک کبھی کی جگہ گہہ آیا ہے
ج ط	بچاؤں	۱۲۲	۴
ج ی	خادمِ حضرت زہرا و علی کرتا ہے	۱۲۲	۵
ج ک	خاک پر اب وہ سعید ازلی کرتا ہے	۱۲۲	۶
ج ل	اٹھاؤں گا کہ مہماں کا	۱۲۳	۶
ج م	میرے مہمان و مددگار	۱۲۷	۲
ج ن	چشم کو	۱۲۷	۵
ج س	کب	۱۲۷	۶
ج ع	عصمت	۱۳۹	۳[۱]

مرثیہ (۷)

نشان	اختلاف	بند	مصرعہ
الف	سب	۲	۴
ب	بیٹے آگے	۱۵	۲
ج	گا	۲۵	۶
د	ہمیں	۴۳	۵ - ۶
ہ	کر	۷۴	۵ - ۶
و	لرزنے لگے لعیں	۸۹	۴
ز	مرقد میں بے قرار تھا خیر النسا کا زوج	۹۱	۲
ح	نیزے	۱۱۶	۲
ط	جن کے لیے زمیں پہ ملک پر بچھاتے ہیں	۱۳۲	۵

[۱] نظامی پریس بدایوں کی جلد میں پانچ بند زائد ہیں جو حذف کر دیے گئے

نشان	اختلاف	بند	مصرعہ
ی	وہ لوگ غلط سے مرے لینے کو آتے ہیں	۱۳۲	۶

مرثیہ (۸)

نشان	اختلاف	بند	مصرعہ
الف	دنیا کے نہ خواہاں تھے نہ تھی خواہشِ اجلال	۲	۱
ب	تھے دوست فقیروں کے نہ تھی حُبِّ زر و مال	۲	۲
ج	مذکور	۲	۵
د	تھے	۵	۵۔۶ ردیف
ہ	کو	۱۰	۳
و	مختار وہ مختار تھا، جو خلق کا مختار	۱۲	۴ [1]
ز	پٹنا	۲۲	۴
ح	گُل	۲۷	۴
ط	تھا وہ	۳۳	۲
ی	تبار	۳۵	۱
ک	ناگاہ وہاں	۶۸	۱
ل	پھول	۶۹	۶
م	تلوار نہ ہو دے گی تو ہاتھوں سے لڑوں گا ہر طرح سے مرکر اسی میداں میں گڑوں گا	۹۲	۵۔۶ [2]

مرثیہ (۹)

نشان	اختلاف	بند	مصرعہ
الف	لڑی	۲۷	۵
ب	سے جدا	۴۱	۶

---

[1] بند ۱۴ مطبع نول کشور کے نسخہ میں نہیں ہے

[2] بند ۱۰۸ مطبع نول کشور کے نسخہ میں نہیں ہے

نشان	اختلاف	بند	مصرعہ
ج	بھی	۵۳	۶
د	ہوں عرب کے	۵۶	۶
ہ	ابھی	۵۹	۶
و	رہا	۶۶	۵
ز	ہی میں	۸۱	۵
ح	قربان ہیں	۸۶	۲
ط	کھیلا	۸۷	۴
ی	میں	۹۱	۲ لہ
ک	پنبہ	۹۷	۴
ل	ملے گا	۱۰۰	۵ - ۶ (ردیف)
م	خبر لے کے پھریں گے	۱۲۴	۵
ن	دروازے	۱۲۹	۱
س	یہ تھا	۱۴۲	۵

مرثیہ (۱۰)

نشان	اختلاف	بند	مصرعہ
الف	ہے	۱۴	۴
ب	اُس	۵۶	۱
ج	مکرر	۷۲	۱
د	کوئی	۱۳۲	۵ - ۶ (ردیف)
ہ	جب	۱۳۶	۴
و	زانوؤں	۱۷۷	۱

لہ ۹۵ بند نظامی پریس بدایوں کے نسخہ میں نہیں ہے۔

مرثیہ (۱۱)

نشان	اختلاف	بند	مصرعہ
الف	کر اختلاف	۲۷	۲
ب	اس قوم کو ہٹتے	۵۷	۶
ج	گرادیں	۷۲	۴
د	وہ	۷۹	۲

مرثیہ (۱۲)

نشان	اختلاف	بند	مصرعہ
الف	صبحِ نور	۳	۱
ب	پھر	۱۷	۳
ج	کا	۲۸	۴
د	چھپائے	۲۹	۴
ہ	تو دوا	۸۴	۶
و	ہو کے کور	۸۸	۱
ز	کا لال	۹۶	۱
ح	سفر	۱۰۴	۱
ط	تھا کوئی تو	۱۴۴	۳
ی	نہاں	۱۵۶	۲
ک	وہ تم حسینؑ کو بھی	۱۵۶	۶

مرثیہ (۱۳)

نشان	اختلاف	بند	مصرعہ
الف	کہتے	۲۴	۶
ب	وہ جو آج	۳۱	۵

نشان	اختلاف	بند	مصرعہ
ج	قلب و دل آئینہ	۳۴	۳
د	مقام	۳۵	۳
ہ	خراجِ جہاں جس کا ہے گا مول	۴۰	۴
و	ہے جو	۴۱	۶
ز	پہ	۵۵	۶
ح	تا نصف راہ	۱۰۸	۱
ط	تھے	۱۱۵	۱
ی	ہراس	۱۳۳	۵
ک	جو بند آنکھیں	۱۳۹	۱

مرثیہ (۱۴)

نشان	اختلاف	بند	مصرعہ
الف	صعب	۲	۳
ب	شہر	۱۲	۳
ج	زہرہ ہے	۱۴	۴
د	پھر	۳۹	۴
ہ	جہاں	۵۲	۲
و	لاجواب	۵۹	۲
ز	تغیر	۶۱	۳
ح	گلے	۶۶	۵
ط	پیادوں	۸۱	۶
ی	لڑے	۸۴	۵
ک	یا شاہ کربلا	۹۷	۴
ل	گئی	۱۱۴	۳

نشان	اختلاف	بند	مصرعہ
م	اُٹھ کر کے	۱۴۳	۳
ن	ہے	۱۴۴	۱
س	میں	۱۴۱	۹

مرثیہ (۱۵)

نشان	اختلاف	بند	مصرعہ
الف	کے	۱۱	۱
ب	کھولے	۹۲	۹
ج	بھی آئی یہ صدا	۱۲۲	۹

مرثیہ (۱۶)

نشان	اختلاف	بند	مصرعہ
الف	تسلیم کر کے اکبرِ شیریں سخن چلے	۵۱	۱
ب	پہ	۵۸	۴
ج	لعین سب	۹۸	۲
د	اس شان	۹۹	۱
ہ	بجھا دو	۹۹	۴
و	پڑھا رجز	۱۰۱	۱
ز	پسر کی	۱۲۰	۵

مرثیہ (۱۷)

نشان	اختلاف	بند	مصرعہ
الف	شہسرت ہو کہ	۲۲	۱
ب	ہتھیار کدھر	۳۴	۱
ج	عضو بھی	۵۰	۲
د	بھی نہ	۸۴	۵

نشان	اختلاف	بند	
ہ	یہ گرز	۱۲۱	۳
و	ایسے	۱۲۹	۶
ز	میں	۱۳۲	۱
ح	پھر آئی	۱۴۵	۱-۲-۳-۴ ردیف
ط	گرد باد	۱۷۰	۵
ی	ہو	۱۸۱	۴

مرثیہ (۱۸)

نشان	اختلاف	بند	
الف	جب اعزائے	۱	۱
ب	سینوں پہ	۶	۶
ج	گریے	۸	۶
د	ہے ہے میں لٹ گئی مرے بچے ہوئے تباہ	۱۲	۴ [۱]
ہ	زرہ	۱۵	۶ [۲]
و	جلوے	۸۸	۶
ز	دیکھ لے	۹۱	۴
ح	دو آبہ	۱۱۷	۱
ط	اسی پر	۱۱۸	۵
ی	پھر پھر کے	۱۲۶	۴

---

[۱] چھٹا مصرع دونوں جلدوں میں مختلف ہے۔

[۲] روح انیس میں ۱۹ - ۲۰ بند نہیں ہیں۔